کلیاتِ خیر

''یہ کتاب مغربی بنگال اُردو اکاڈمی کے مالی تعاون سے
شائع کی گئی ہے۔

کلیاتِ خیر

تدوین وتہذیب مع مقدمہ

ڈاکٹر افتخار احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی، حیدرآباد
(سابق صدر، شعبۂ فارسی مولانا آزاد کالج، کولکاتا)

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی ۲

© جملہ حقوق بحقِ مرتب محفوظ

Kulliyaat-e-Khair
Edited by: Dr Iftekhar Ahmed
Year of Edition 2024
ISBN 978-93-6062-762-1
Price ₹ 1000/-

کتاب کا نام	:	کلیاتِ خیر
مرتب	:	ڈاکٹر افتخار احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ فارسی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسیٹی، حیدرآباد
(سابق صدر، شعبۂ فارسی مولانا آزاد کالج، کولکاتا)

موبائل	:	Mob: 9433114692
ای میل	:	E-Mail: iftiwbes@gmail.com iftekharmokarrampuri@gmail.com

قیمت	:	۱۰۰۰ روپے
سنِ اشاعت	:	۲۰۲۴ء
مطبع	:	روشان پرنٹرس، دہلی۔۶

ملنے کے پتے

☆ سیفی بک ایجنسی ممبئی۔ M.9820480292
☆ بک امپوریم، پٹنہ۔ M.09304888739
☆ پاریکھ بک ڈپو لکھنؤ۔ M.9389456786
☆ مرزا ورلڈ بک ہاؤس، اورنگ آباد۔ M.09325203227
☆ کشمیر بک ڈپو، سری نگر۔ M.09419761773
☆ وطن پبلیکیشنز، سری نگر۔ M.09419003490
☆ نعیم بک سیلرز، مئوناتھ بھنجن۔ M.09450755820
☆ کتاب دار، بک سیلر، پبلشر، ممبئی۔ Ph.09869321477
☆ عثمانیہ بک ڈپو، کلکتہ۔ M.09433050634
☆ راعی بک ڈپو، الہٰ آباد۔ M.07905454042
☆ ایجوکیشنل بک ہاؤس، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ۔
☆ مکتبہ علم وادب، سری نگر۔ M.094419407522
☆ قاسمی کتب خانہ، جموں۔ M.09797352280

Published by

EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
H.O. D1/16, Ansari Road, Darya Ganj, New Delhi-110002 (INDIA)
B.O. 3191,Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6 (INDIA)
Ph: 011- 41418204, 45678286, 45678203, 23216162
E-mail: info@ephbooks.com,ephindia@gmail.com
website: www.ephbooks.com

انتساب

خلدِ آشیانی مادرِ مہربان

عدیلہ خاتون

کے نام

جنھوں نے حرف حرف لکھنا، لفظ لفظ

بولنا اور پاؤں پاؤں چلنا سکھایا اور انسان

بنا کر ۲۸ ؍مارچ ۲۰۲۰ کو داغ مفارقت

دے گئیں۔ اللہ غریق رحمت کرے۔

رفیقِ حیات زنِ وفا شعار

صفیّہ خاتون عرف چاند بی بی

کے نام

جو دوش بدوش ہم سفر ہیں۔

فہرست

اور کچھ بیاں اپنا ۳۷

پیش لفظ — پروفیسر محمد کاظم ۳۹

مقدمہ ۴۵

حسناتِ خیر (دیوانِ اوّل) ۱۳۲۹ھ

حرف: الف

کیوں نہ حاصل ہو مرے دیواں کو رُتبہ شاہ کا ۲۰۹

واہ کیا جلوہ ہے تیرے حُسنِ خاطر خواہ کا ۲۱۰

رحمت ہے عام تیری بخشش ہے کام تیرا ۲۱۱

ہوتا اگر کرم نہ جہاں کے کفیل کا ۱۱۲

رہنے دو مداوا مری شوریدہ سری کا ۲۱۳

دیکھ کر جلوہ رُخِ پرنور کا ۲۱۵

دخل میں نے جو تری بزم میں پایا ہوتا ۲۱۵

ستم دیکھے کوئی چرخِ کہن کا ۲۱۶

صباحت کیا کرے گی تیرے رُخ کی یاسمیں پیدا ۲۱۶

اے فلک چھوڑ دے شیوہ ستم ایجادی کا ۲۱۷

سخت ہنگامہ مری آہ و بکا سے ہوگا ۲۱۷

قاتل جو تیرے ہاتھوں خونِ وفا نہ ہوتا ۲۱۸

لال چہرہ جو ہوا اُن کا تو میں زرد ہوا ۲۱۹

رُت پھری صحرا میں سبزہ جا بہ جا پیدا ہوا ۲۱۹

نہ خوں آنکھ سے کب ٹپکتا رہا ۲۲۰

پاؤں جو غبار اس کے در کا ۲۲۱

خونِ ناحق مرا جلّاد نہ پنہاں ہوگا ۲۲۱

رو کے ان آنکھوں نے کیا طوفانِ شور افزا کیا ۲۲۲

بہت ہے شوق ان کو آج کل زلفیں بنانے کا ۲۲۳

بہار آئی ہے دیوانے ہیں اور سبزہ ہے جنگل کا ۲۲۴

نوکِ مژگانِ یار کیا کہنا ۲۲۵

اُڑا لے جائے گی صرصر چمن سے آشیاں اپنا ۲۲۶

لے ترے تختۂ گلزار کو میں رن سمجھا ۲۲۷

نظر آئے جو تیرا خواب میں عالم جوانی کا ۲۲۸

بہار آئی ہوئے گل ہائے نسرین و سمن پیدا ۲۲۹

اگر تم کو نہیں آتا یقیں قاصد کے کہنے کا ۲۳۱

کیا زور تیرا دیدۂ گریاں نکل گیا ۲۳۲

جوابِ خط نہ آیا' نامہ بر آیا تو کیا آیا ۲۳۲

اللہ کیا اثر ہے کسی کے فراق کا ۲۳۳
وہ مرا مہ جبیں نہیں ملتا ۲۳۳
مری آہ کا تم اثر دیکھ لینا ۲۳۴
اس طرح بے حس ہو جیسے نقش ہو دیوار کا ۲۳۵
جب سے ذکرِ شعر خوانی اُٹھ گیا ۲۳۶
عنقا بھی اپنے نام کا عنقا نہ ہو سکا ۲۳۶
گھر کا جھگڑا ہائے مشہورِ زمانہ ہو گیا ۲۳۷
نظر غیر کھا گئی ہے کیا ۲۳۸
مجھ سے نفرت اور غیروں سے محبت دیکھنا ۲۳۹
ہمارا سا کوئی شیدا نہ ہوگا ۲۴۰
اس میں رہتا ہے خیالِ رُخِ روشن ان کا ۲۴۰
تو نہ کیا کچھ نہ ستم ہم پہ ستم گر توڑا ۲۴۱
نخل پامال کیا پھول بھی اکثر توڑا ۲۴۲
ہے سلام ان پر کہ جس نے درِ خیبر توڑا ۲۴۲
کیا اسی طرح کا صدمہ مجھے حاصل ہوتا ۲۴۳
جو محوِ سیرِ گلستاں وہ غیرتِ گل تھا ۲۴۳
پہلے آساں تھا اے جان بٹانا دل کا ۲۴۴
تمھاری آنکھوں کا کوئی شکار کیا ہوگا ۲۴۵
مری جان اپنی صورت تم دکھا دو گے تو کیا ہوگا ۲۴۵
دل بے تاب کیوں نالا نہ کرتا ۲۴۶

ستائے ہوؤں کو ستانا تھا کیا ۲۴۶
تیر غم کا دل نشانہ ہو گیا ۲۴۷
حال قاصد سے بیاں کیا ہوگا ۲۴۷
جھوم کر جس سمت سے اُٹھی گھٹا ۲۴۸
ہائے رمضان چلا مونسِ وغم خوار چلا ۲۴۸
تبسم کا لبوں پر آکے برقِ طور ہو جانا ۲۴۹
مجھ سے کیوں جان مری ربط بڑھانا چھوڑا ۲۵۰
یہ لگن دل کو لگی ہے کہ ہو پیارا سہرا ۲۵۰
اگر اے جانِ من! تم بے وفا ہوتے تو کیا ہوتا ۲۵۱
نہ ایسا یار ہو بدظن کسی کا ۲۵۲
ہو کسی کی جو نگاہیں غلط انداز اِدھر (آساں ہونا) (قطعہ) ۲۵۲
جو بھول کے لے نہ نام میرا ۲۵۳
رقیبوں کو پہلو میں بٹھلائیے گا ۲۵۳
غضب کر گیا منہ بنانا کسی کا ۲۵۴
کھا لیا ناصحِ غم خوار نے بھیجا میرا ۲۵۴
یوں مجھ سے ہوا انکار مری جاں بہت اچھا ۲۵۵
کہا عدو سے مجھے دیکھ کر ہٹا دینا ۲۵۵
بعد مرنے کے لحد پر وہ نگار آئیں تو کیا ۲۵۵
دب جائیں ہم کسی سے اپنی نہیں یہ فطرت ۲۵۶
شکایت اپنی سمجھتا ہے جو گلہ دل کا ۲۵۶

حرف :ب (بائے موحّدہ)

حُسنِ پرتو سے ہے کیا روشن چراغِ آفتاب ۲۵۷
بیمارِ عشق ہوں مجھے ہو کیا دوا نصیب ۲۵۸
ہو مبارک آپ کو لو مر گیا فرقت نصیب ۲۵۹
آئیں گے گھر پر مرے سرکار کب ۲۵۹
یار سے ہو گیا روا مطلب ۲۶۰
باغ میں پھر ایک دن دورِ خزاں ہے عندلیب ۲۶۰

حرف :پ (بائے فارسی)

ہجر میں خشک ہوں کیا دیدۂ تر آپ سے آپ ۲۶۱
سنولا گئی صورت جو سرِ بام پڑی دھوپ ۲۶۲

حرف :ت (تائے منقوطہ)

جلوہ فرما ہیں یہاں شاہِ ہدا آج کی رات ۲۶۳
رخصت اے ماہِ مبیں اے مہِ رمضاں رخصت ۲۶۴
بے آپ کے یوں بسر ہوئی رات ۲۶۵

حرف : ٹ (تائے ثقیلہ)

جسمِ انسان میں پلا ہے پیٹ ۲۶۶

حرف : ث (ثائے مثلثہ)

عارضِ رنگینِ جاناں کر رہے ہیں گل سے بحث ۲۶۶

حرف : ج (جیم)

اس بزم میں آتے ہیں رسولِ عربی آج ۲۶۷
وہ آنکھ کیا کرے گی دلِ زار کا علاج ۲۶۸

حرف : ح (حائے حطّی)

آخر ہے رات وصل کی آئی ہوائے صبح ۲۶۹

حرف : خ (خائے معجمہ)

کچھ پان کی حاجت نہیں ہے اس کا دہن سُرخ ۲۶۹

حرف: د (دال مُہملہ)

انبوہِ غم میں آہ ہو، تا لامکاں بلند ۲۷۰
دل ہو جو شیفتۂ حُسن وہ ہے یار پسند ۲۷۱
سفر کی عید تو خالی ہے نام ہی کی عید ۲۷۲

حرف: ڈ (ڈال)

لوگوں کو اپنی ہے نئی تحریر پر گھمنڈ ۲۷۲
ناز ہے ان کو کہ ساتھ ہے ناز و ادا کی جھنڈ ۲۷۳

حرف: ذ (ذال)

کیا جانیے کہ عشق کی نعمت ہے کیا لذیذ ۲۷۳
نہ چھپا نامہ رساں میرے قلق پر کاغذ ۲۷۴

حرف : ر (رائے مُہملہ)

مرے گھر آئے وہ دل دار کیوں کر ۲۷۴
نوچیں گل چیں نے جو برگِ گلِ گلزار کے پر ۲۷۵
ہماری جان جاتی ہے کسی محبوب جانی پر ۲۷۶
باندھے ہوئے ہو یار کمر کیوں عناد پر ۲۷۷
اِس قدر نور ہے اُن چاند سے رخساروں پر ۲۷۷
زُلف بل کھاتی ہے ناگن کی طرح شانے پر ۲۷۸
صنم آنکھیں نہ دکھلا تو، خدا سے ڈر خدا سے ڈر ۲۷۹
مرادم نکلتا ہے ہر گل بدن پر ۲۷۹
ہے محبت تو محبت میں اثر پیدا کر ۲۸۰
تصور لے بھی چل، ہے وہ سراپا نور کتنی دُور ۲۸۰
تم گئے جس کو تڑپتا چھوڑ کر ۲۸۱
دیدار پیمبرؐ کا ہو جائے اگر اِک بار ۲۸۲

حرف: ز (زائے معجمہ)

خوب تھا قاتل کا میرے خنجر خوں خوار تیز ۲۸۲

حرف : س (سین مُہملہ)

بے کسی پر مرے کرتا ہے ستم گر افسوس ۲۸۴

حرف : ش (شین)

کیوں نہ ہو گردن کو میری تیغِ بّراں کی تلاش ۲۸۵

حرف : ص (صاد)

سانپ کا پیچ و تاب ہے ناقص ۲۸۶

حرف: ض (ضاد)

دل کو ہے تیری زُلفِ گرہ گیر سے غرض ۲۸۷

حرف : ط (طا)

نکل آیا جوان رخ پر خط ۲۸۷
روز آتا ہے اُس نگار کا خط ۲۸۸

حرف : ظ (ظا)

یار اُٹھ کر چلا، خدا حافظ ۲۸۹
مکر ابلیس سے کس طرح رہیں ہم محفوظ ۲۸۹

حرف : ع (عین)

جسم سے اس طرح کرتی ہے مری جاں الوداع ۲۹۰

حرف : غ (غین)

اپنے دماغ میں بھی بسی ہے ہوائے باغ ۲۹۱

حرف : ف(فا)

در دِ دل سے ہو میرے کیا واقف ۲۹۲
ابھی نہیں ہیں قدم اُن کے چال سے واقف ۱۹۲

حرف : ق (قاف)

یوں ہمارے دل کو ہے اُس انجمن کا اشتیاق ۲۹۳

حرف : ک (کاف)

نام آوروں سے رکھتا ہے رشک آسماں تک ۲۹۴
تقدیر دور رکھے گی ہم کو کہاں تلک ۲۹۴

حرف : گ (گاف)

عشق کی گرمی نے بھڑکائی ہے میرے تن میں آگ ۲۹۵

حرف : ل (لام)

ترے در سے کب پھرا آکر کوئی سائل ملول ۲۹۶
دوستو! ماہِ ولادت ہے، ربیع الاوّل ۲۹۷
لیلۃ القدر کی ہے جان، ربیع الاوّل ۲۹۸
نہیں قابو میں ہے میرے، مرا دل ۲۹۹

حرف : م (میم)

حالتِ دل اگر سنائیں ہم ۲۹۹
جام اے ساقی چڑھالیں اور بھی دو چار ہم ۳۰۰
دوری سے جاں بلب ہیں بس اے حبیب ہم ۳۰۱
بند کرتے ہیں دہانِ زخم کو سی سی کے ہم ۳۰۲
چین کب دیتی ہے فکرِ بیش وکم ۳۰۳
کس طرح آقا کا در چھوڑے غلام ۳۰۴

حرف : ن (نون)

لڑاتے ہیں زبان غیروں سے وہ تقریر کرتے ہیں ۳۰۴
جورِ عشاق پر ناحق یہ صنم کرتے ہیں ۳۰۵
بہارِ گل کرے گی قتل اک دن ہم کو گلشن میں ۳۰۵
دل مرا جلتا ہے، لے کس طرح دل بر ہاتھ میں ۳۰۶
اگر آئے خیال اپنے مزاجِ لااُبالی میں ۳۰۷
فکرِ مضمونِ زلفِ یار کریں ۳۰۹
اُن سے کہہ دو کوئی تُوسَن کو نہ چالاک کریں ۳۱۰
اک دن وہ تھا کہ لطف تھا کچھ واہ واہ میں ۳۱۱
آؤ آؤ اگر آنا ہو تمہیں ۳۱۲
فصلِ گل آئی ہے اب چھوڑ دے صیاد ہمیں ۳۱۲
غم واندوہ کیا کیا ہم کو آکر شاد کرتے ہیں ۳۱۲
خیالِ زلفِ پیچاں یوں ہے عشاقوں کے سینوں میں ۳۱۵
وہ گھر میں چین سے بیٹھے ہوئے بنتے سنورتے ہیں ۳۱۶
دیر ہے کیا حرم ہے کیا کوئی کہیں پہ جائے کیوں ۳۱۶
اُدھر تیغِ جفا ہے اور میں ہوں ۳۱۷
ہم سے چھٹے وہ نہیں بوس وکنار میں ۳۱۸
مدنظر ہے، وصل کی شب یوں بسر کریں ۳۱۹
تم سے حالِ دل مضطر نہ کریں ۳۱۹

وہ سلطنت کو جہاں کی مٹائے بیٹھے ہیں ۳۲۰
میری جان بیشک بجا باندھتے ہیں ۳۲۰
کھینچنا آہِ آتشیں نہ کہیں ۳۲۱
ہم اُن سے آج سوالِ وصال کرتے ہیں ۳۲۲
وہ صبحِ وصل رہ رہ کر پریشاں ہوتے جاتے ہیں ۳۲۳
عبث دیوانے یہ ہندو مسلماں ہوتے جاتے ہیں ۳۲۴
مشقِ دشنام ہو رہا ہوں میں ۳۲۴
تری فرقت میں ہے اب بارِ گردن ۳۲۵
حور کو یہ دلبری آتی نہیں ۳۲۵
اپنے گھر آج انھیں بُلاتے ہیں ۳۲۶
تمھارے مصحفِ رخ کا کوئی جواب نہیں ۳۲۷
رام ہو جائے وہ بُت جس کو جپا کرتے ہیں ۳۲۷

حرف : و (واؤ)

حیران اس ادا پہ تری کیوں جہاں نہ ہو ۳۲۷
فصلِ گل آتے ہی وحشت ہوئی مستانے کو ۳۲۸
یہ گرانی ہے کہ کچھ بھی نہیں اب کھانے کو ۳۲۹
ممکن نہیں کہ آہ میں پیدا اثر نہ ہو ۳۲۹
حال ہے آج مرا نوعِ دِگر دیکھیں تو ۳۲۹

حرف : ہ (ہائے ہوّز)

بھر بھر کے چھلکتا دے ساقی مجھے پیمانہ ۳۳۰
رات دن ہے خیالِ دربھنگہ ۳۳۰
رکھا نہ کہیں کا بھی مجھے تو نے ارے آنکھ ۳۳۲

حرف : ی (یائے معروف)

غیروں سے وہ نہ بگڑے تو پھر بات کیا ہوئی ۳۳۲
دل ہے تو اُس کے ہوں گے خریدار اور بھی ۳۳۳
غضب کرتی ہے خوش بیانی تمھاری ۳۳۳
مسجد و کعبہ کی برسوں سیر کی ۳۳۴
مری آہ کیا بے اثر ہو جائے گی ۳۳۴
تیری تاثیر یہ اے جذبِ محبّت دیکھی ۳۳۵
ابھی دل دیا اور ابھی آہ کی ۳۳۵
عشق کیا ہے فنا ہے یہی ۳۳۶
دل جو لیتا ہے تو لے جان بھی ۳۳۷
خزاں کا دور، مخالف ہوا زمانے کی ۳۳۸
حلِ اشکالِ مضامین گراں ہے یعنی ۳۳۸
نہ سمجھے گا کوئی بھی حالت ہماری ۳۳۹
قیامت میں پہنچے جو نوبت ہماری ۳۴۰
رخصت جو امنگیں دل سے ہوئیں، یاری سے طبیعت چھوٹ گئی ۳۴۰

بڑا تھا شور مگر آہ تا فلک نہ گئی ۳۴۲
کھیل تم کو ہے دل لگی دل کی ۳۴۴
حسیں بھی مہرباں بھی نیک خو بھی ۳۴۵
کیا کہیں اس سے اب لگی دل کی ۳۴۵
سُنانے کو سُنا تو دے گا قاصد داستاں میری ۳۴۶
چمن میں بادِ بہار آئی اور آ کے چلی ۳۴۷
ادھر جرّار فوجیں اتحادی اور برٹش کی ۳۴۸
یہ جرمن راہ زن ہیں شکل میں ہیں گرچہ رہبر کی ۳۴۹
الٰہی فتح ہو انگلینڈ کی اور جارج خامس کی ۳۵۰
پُرانی باتیں ہیں مجنوں کی، اس زمانے کی ۳۵۱
لگی ہے آس کسی مہ جبیں کے آنے کی ۳۵۲
بتوں کے عشق میں کیا کچھ نہ کی توقیر پتھر کی ۳۵۳
میں کچھ کلیم نہیں ہوں کہ بے خودی ہوگی ۳۵۴
للہ آ کے دیکھو یہ سیرِ جاں گدازی ۳۵۵
آتے ہی مرے یار نے تکرار نکالی ۳۵۶
کسی نے پھر ادھر ترچھی نظر کی ۳۵۶

حرف : ے (یائے مجہول)

کوچۂ گیسوئے جاناں سے یہ کیا آتی ہے ۳۵۷
بچے رہنا رقیبِ ہم نشیں سے ۳۵۸

انہیں کے دم سے چرچے ہیں وفا کے ۳۵۸
جان لب تک مری پہونچی ہے نکلنے کے لیے ۳۵۹
کچھ مرے حال کی بھی تم کو خبر ہوتی ہے ۳۵۹
دل کو زخمی کرے وہ تیر نظر کس کا ہے ۳۶۰
گزر رہا ہے زمانہ تو پیش و پس میں ہے ۱۶۰
محبّت میں سینہ سپر کر چلے ۳۶۲
بہار آئی ہے نظارے ہیں پھر سیرِ گلستاں کے ۳۶۲
ہر صبح یہ کہتا ہوں نسیمِ چمنی سے ۳۶۳
باز آؤ کہیں طعنہ زنی خندہ زنی سے ۳۶۴
بشر، علیؓ کی نہ کیوں کر ثنا پسند کرے ۳۶۵
خیالِ ناوکِ قاتل مجھے یوں گُدگُداتا ہے ۳۶۵
دل سے جب ہر گھڑی دُعا نکلے ۳۶۶
وفا کا خزانہ ہے ان کی گلی میں (کرنے والے) ۳۶۷
کوئی ماما سے بھی کرتا ہے محبّت پیارے ۳۶۷
لیا تھا تو نے تو اے ستم گر ہمارے دل کو ہنسا ہنسا کے ۳۶۸
شاہِ دیں اپنے غلاموں سے یہ پردا کیا ہے ۳۶۹
میرے خط کا جواب آتا ہے ۳۷۰
عزّت رکھ لی مری خدا نے ۳۷۱
کیا کام کیا مری وفا نے ۳۷۲
ہم اپنے شیخِ لاثانی کے صدقے ۳۷۲

رُخِ صبیح پر اک خال عارضی بھی نہیں (مسلماں سے) ۳۷۳
جلوہ دکھا کے ہوش اڑا کے کہاں چلے ۳۷۴
اُٹھیے اُٹھیے میرے آقا! اُٹھیے ۳۷۴
مجھے اک حسین مہ لقا چاہیے ۳۷۵
وہ دے یا نہ دے التجا چاہیے ۳۷۶
جو تڑپ اُن کی قدم بوسی کی اپنے دل میں ہے ۳۷۶
نہیں پہچانتے تم کو یہ محفل دیکھنے والے ۳۷۷
دل کی لگی بُجھا دے اُو دل جلانے والے ۳۷۸
نظر اُن قاتل آنکھوں پر پڑی ہے ۳۷۹
ملا دیتا ہے جو تجھ سے وہ فیضانِ تصوّف ہے ۳۷۹
تیری صورت تو وہ صورت ہے کہ حق شیدا ہے ۳۸۰
گھبرا اُٹھی ہے خلق تری مشقِ ناز سے ۳۸۲
میں نے تو دیکھی ہیں ساقی کی گلابی آنکھیں (جچتی ہے) ۳۸۲
ساقیا دے جامِ عرفانی مجھے ۳۸۳
مسلم ہو جہاں بس وہ دیارِ رَمضاں ہے ۳۸۳
مرے صاحبِ ھَلْ اتیٰ کملی والے ۳۸۴
طلب اس کی اگر ہو پہلے ترکِ آرزو کر لے ۳۸۴
فلسفی سچ سچ بتا دے مجھے ایمان سے ۳۸۵
کسی کو ڈھونڈھ رہا دل ہے اک زمانے سے ۳۸۶
میں باز آیا ترے خلد کے فسانے سے ۳۸۸

لمعاتِ خیر (دیوانِ دوّم) ۱۳۵۱ھ

حرف : (الف)

وجد میں ناچو کہ اپنا شاہِ دیں پیدا ہوا (نظم میلاد شریف) ۳۹۱
اپنے سرکار پر دُرود و سلام ۳۹۱
یا نبی سلام علیک ۳۹۱
یا خدا واسطہ خدائی کا (مناجات) ۳۹۳
کھول دو جوڑے کو وقتِ مے کشی (دے گی گھٹا) ۳۹۳
آ رہی ہے شمیم کیا کہنا ۳۹۴
ارے جرمن اب اس سے بڑھ کے اچھا کام کیا ہو گا ۳۹۴
اب لیگ کے بھی دستِ مبارک میں ہے ڈنڈا ۳۹۵

حرف :ت (تائے منقوطہ)

اب کی واللہ ہے برساتوں کی نانی برسات ۳۹۵
اندھڑا ہے کہ طوفان ہے لا حولَ وَ لا قُوۃ ۳۹۶
دن اگر ہے زندگی تو شام موت ۳۹۷
ہے اب اس سال کی بالکل ہی دِوانی برسات ۳۹۷
کھولیے آنکھ ذرا دیکھیے شانِ فطرت ۳۹۷

حرف : ٹ (تائے ثقیلہ)

آپ کا تھا اس دلِ ویراں میں گھر، سچ ہے کہ جھوٹ ۳۹۸

حرف: ج (جیم)

ہر کام ہر سخن کو کرنا ہے مدام خارج ۴۰۰

حرف: خ (خا)

ہمارے یاروں نے دیکھا مہا سبھا کا رخ ۴۰۰

حرف : د (دائے مہملہ)

چونک اُٹھیں گے مری تکبیر سے خانِ سرحد ۴۰۱
کہے دیتے ہیں کہ اچھّی نہیں بے کار کی ضد ۴۰۲
ہر دم ہے خیالِ صفِ مژگانِ مُحمّد ۴۰۲
مالک ہو مرے دل کے مری جان محمّد ۴۰۳
جہاں ہیں حضرت صادقؔ وہیں ہے سچّی عید ۴۰۳
خوشی ہے عام کہ ہے عوام ہی کی عید ۴۰۴

حرف : ر (رائے مُہملہ)

کوثر ہے یہ تسنیم ہے یہ زمزم ہے کیتھا ہی پوکھر ۴۰۵
کر سکیں گے اگر ہم کچھ تو مسلماں ہو کر ۴۰۶
کیا خاک کیا جلا جلا کر ۴۰۶
ہمارے آقا ہمارے داتا درود تم پر سلام تم پر ۴۰۷
مشامِ عالمِ ملکوت بھی معطّر ہے (صندلی چادر) (منقبت) ۴۰۹
یہ ہے بزرگ کی اہلِ کمال کی چادر (منقبت) ۴۰۹

حرف: ط (طا)

یار سے وصل کا سوال غلط ۴۱۰

ساتھ نادر کے کام کرنا تھا (خیال غلط) ۴۱۰
یار کو کچھ نہیں کسی کا لحاظ ۴۱۱

حرف: ف (فا)

سچ ہے یا جھوٹ مکہ کا شریف ۴۱۱
ہزار بار کہا جرمنی کے قیصر سے (سن لے صاف) ۴۱۱

حرف: ک (کاف)

سلام اے شہ ہر دو سرا سلامُ علیک ۴۱۲

حرف: گ (گاف)

ہر کسی سے کر رہا ہے جرمنی اقرار جنگ ۴۱۳
نہ کر بہرِ خدا، اے جرمنی جنگ ۴۱۴
کس منہ سے ہم کہیں کہ خدا سے دعا نہ مانگ ۴۱۵

حرف : م (میم)

بحث کرنا چاہتے ہیں دیکھیے پھر ہم سے ہم ۴۱۵
ہیں حقیقت کبھی مجاز ہیں ہم ۴۱۶
اُن کے وعدے پہ فقط شاد ہیں ہم ۴۱۷
کبھی محبوب تھی دُنیا میں ادائے مُسلم ۴۱۷
دل میں بسی ہے آنِ مُحمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم ۴۱۸
اے مرے مولا اے مرے آقا صلّی اللہ علیہ وسلّم ۴۱۹
ہر سمت آسماں پہ ہے چھایا سحاب کرم ۴۲۰

حرف : ن (نون)

کیا غضب ہے، مری آنکھوں پہ نہ رکھیں وہ قدم (میں پاؤں) ۴۲۱
جنابِ خوشدلؔ خوش خو سے خیرؔ نے پوچھا (رکھتے ہیں) ۴۲۲
سنّاٹے کا وہ عالم تنہائی کی وہ راتیں ۴۲۲
ہائے کتنے گھر ہوئے ہیں بے نشاں سیلاب میں ۴۲۴
مُرید پیرِ مغاں کو کچھ احتیاج نہیں (قطعہ) ۴۲۶
کبھی غنی بھی ہیں اور محتاج بھی ہم ہیں ۴۲۷
بس میں آتا وقت کا تُوسَن نہیں ۴۲۷
بوسۂ اغیار کے یہ نیل ہیں ۴۲۸
کرم کرتے تو ہیں جو اپنے گھر مجھ کو بلاتے ہیں ۴۲۸
تجھ سے بڑھ کر کوئی واللہ مری جان نہیں ۴۲۹
یونین کا ہوگا اب دربار خسرو پور میں ۴۳۰
اک جگہ بیٹھے تھے اہلِ علم و فن ۴۳۱
بال کھولے ہوئے نہ بام پر آؤ (جائے کہیں) ۴۳۱

حرف : و (واؤ)

اپنی نیکی سے جہاں میں ایک افسانہ بنو ۴۳۲
کس طرح اس شوخ سے ہوگا بناؤ ۴۳۲
نگہہ بے پناہ مت پوچھو ۴۳۳
اُن سے میرا سوال مت پوچھو ۴۳۳

مرے گھر جلوہ فرماؤ محمّد مصطفٰی آؤ ۴۳۴
اپنے عاشق کو مری جان ستاتے کیوں ہو ۴۳۵

حرف : ہ (ہائے ہوز)

آہ! حالِ دل خراب نہ پوچھ ۴۳۵
یارو کرنا سچّا وعدہ ۴۳۵
دل کُشا لَا اِلٰہ اِلا اَللہ ۴۳۶
تو اَحد ہے فرد ہے اے خدا تری شان جَلّ جَلا لُہ ۴۳۷

حرف: ی (یائے معروف)

عدو مرعوب ہو جس سے وہ صورت ہے محمّدؐ کی ۴۳۸
لیڈروں میں تو لڑائی ہو چکی ۴۳۹
جو پہنے سایۂ گلنار بیوی ۴۳۹
سر پہ وہ اپنے رکھتا ہے خنّاس کی ٹوپی ۴۴۰
جھبّو بابو نے از رہِ لُطف (چھڑی پیاری) ۴۴۰
گؤ ماتا کے رکشا کی فضا دیکھ کے ہر وقت (کی سُوجھی) ۴۴۱
آتے ہی مرے یار نے تکرار نکالی ۴۴۱

حرف : ے (یائے مجہول)

مرے اسلام کے بالکل مخالف سار دھابل ہے ۴۴۲
جب کام خدا کا کرتا ہے ۴۴۲
ہمارے حضرتِ یحییٰ علی کی چادر ہے (منقبت) ۴۴۳
مرے شاہ یحییٰ کی چادر چلی ہے ۴۴۳

گلنار نظمیں (۱۳۵۱ھ)

حمد ہے خالقِ جہاں کے لیے ۴۴۴
قلم وہ گوہرِ معنیٰ پرولا (نویدِ شادی) ۴۴۵
خدا کی حمد ہے اپنی زباں پر (نویدِ شادی) ۴۴۶
گلِ مضموں بڑی بہار پہ ہے (نویدِ شادی) ۴۴۷
عُروسِ حمد کے لائق نہ ہو گلِ مضموں (نویدِ شادی) ۴۴۸
حمد ہے خالقِ جہاں کے لیے ۴۴۸
حمد پر آئی ہے اِک تازہ بہار ۴۴۹
بہار آئی ہے خرمی چار سو ہے ۴۵۰

مفرداتِ شادمانِ خیرؔ ۴۵۱

(سخن تکیہ) کیا نام کہ ہے ہند میں ہے آہ و فغاں کیا نام کہ ۴۵۷
یہ بے سبب نہیں غدار امیر علی کا ذکر (بدی ہو گی) ۴۵۸

کہہ مُکرنیاں

اپنے تخت پر جب وہ آئے ۴۵۹
رن میں شیر بنا غرّائے ۴۵۹
مر مر کر زندہ ہو جائے ۴۵۹
مَینچسٹر سے جیتے پالا ۴۵۹
گھر گھر جا کر جس کو جگائے ۴۵۹
اب کے تو خوب ہی پڑا جاڑا ۴۵۹

اب تو سردی سے ہو رہا ہے فشار (نظم مسدّس) ۴۶۰
لو درّہٗ دانیال (نظم) ۴۶۲
باپ رے یہ کمال رجمنٹ ہے (نظم) ۲۶۳
کانگریس کی بہار (نظم) ۴۶۴
لاسین کانفرنس (نظم) ۴۶۴
ساقی نامہ (نظم) ۴۶۵

مَسلکِ حاضرہ

غیر مسلم سے محبّت کی اُمّید ۴۶۷
ہیں زبانوں پر لفظِ اتّحاد ۴۶۷
چل اپنے بھروسے پر اگر ہو قدرت ۴۶۷
مُنہ پر تو یہ کہتے ہو کہ لاثانی ہو ۴۶۷
ناگ پور چلو (نظم) ۴۶۸
ووٹ (نظم) ۴۶۸
اخبارِ جدّت کلکتہ (نظم ترجیع بند) ۴۶۹

فکاہات

عربوں سے نہ بڑھ کے کچھ گرامی تھے تم ۴۷۱
ہر سو ہے پٹاخے کی پھٹا پھٹ پھٹ پھٹ ۴۷۱
قبہ ہی میں بدعت ہے تو چھتری توڑو ۴۷۱
جراحی کرو جسم کا پھوڑا توڑو ۴۷۱

گُمٹ جب ٹوٹتا ہے تو بیضہ ٹوٹے ۴۷۱

توڑ کرّہ ارض کو چنبر توڑو ۴۷۱

اس انفلوئنزا نے ہے کیا دھوم مچائی یورپ کی دُہائی ۴۷۲

رحمانی کبت (نظم) ۴۷۳

اخبارِ رسالت کلکتہ (نظم) ۴۷۵

زمانہ ہو رہا ہے جان سے تنگ ۴۷۶

الوداع ۱۹۲۵ء (نظم) ۴۷۶

(نظم) چھوٹے تارے (ترجمہ انگریزی) ۴۷۷

پنجۂ الماس (نظم) ۴۷۸

ڈاکیہ (نظم) ۴۷۹

لوک گیت ۴۸۰

لوک گیت ۴۸۱

ہمارے چلتے پرزے ۹۸ کے دھوم دھڑکے (نظم) ۴۸۲

جلا جاتا اب جگر ساقیا ۴۸۴

چل بسا بوڑھا سیّد سارہبر (نوحہ) ۴۸۶

لوک گیت ۴۸۹

اَرَرَرَ کبیر۔ جھَرَرَرَ کبیر (نظمیہ گیت) ۴۹۲

جوشِ آزادی ۴۹۴

کس طرح دل سے مٹائیں نقش جور ۴۹۵

مہاتما گاندھی کی توپ ۴۹۶

یتیم بیتی ۴۹۷

سمرنا کی ایک دکھیا کی حضرت بی بی سے فریاد ۴۹۸

سمرنا کیدوسری دکھیا کی حضرت بی بی سے فریاد ۴۹۹

اپنی حالت ۵۰۱

بڑے لاٹ آئے ۵۰۳

لیں گے تو وہی لیں گے ۵۰۳

بڑی مشکل سے نکلے گا ۵۰۴

آج نہیں ۵۰۵

بھول جاؤ ۵۰۶

ہوا تعمیل حکم پر مجبور ۵۰۷

آساں نہیں ہے ہرگز اسلا کو مٹانا ۵۰۸

اللہ اکبر ۵۰۹

کیا خبر یا شہ حجاج نہیں ۵۱۰

چٹکیاں ۵۱۱

شُہانی رات ۵۱۴

ملہمِ غیبِ خیر (قطعاتِ تاریخ) ۱۹۳۷ء

مطبوعات	۵۲۷
اخبارات	۵۳۶
شادیات	۵۵۳
تولدات	۵۵۶
وفیات	۵۶۰
تعمیرات	۵۹۰
فتوحات	۵۹۷
کامرانیات	۶۰۲
دیگر جات	۶۰۸

سپاس نامۂ ارمانِ خیر ۱۳۲۱ھ

سپاس نامہ: مہاراجہ رامیشور سنگھ دھیراج	۶۱۱
خیر مقدم: سر ایڈورڈ البرٹ	۶۱۴
افتتاح: ٹوپلس ہال	۶۱۶
تہنیت نامہ: صحت یابیِ نواب سعادت علی خاں	۶۱۷
سپاس نامہ: سر سلطان احمد	۶۱۸
سپاس نامہ: سید عبد العزیز	۶۲۰
سپاس نامہ: مولوی سید مظہر امام	۶۲۱
ٹی پارٹی اولڈ ہم	۶۲۴
سپاس نامہ: آر، ایل، گپتا	۶۲۶

تقسیم انعام بیلی اسکول	۶۲۷
منوہر چھپرہ	۶۲۹
برائے امن سبھا	۶۳۲
نظم بہ تقریبِ سنگ بنیاد اسٹیشن خسرو پور	۶۳۳
نظم بہ تقریبِ صحت یابی نواب سید شاہ واجد حسین	۶۳۴
نظم بتقریب خطاب نواب سید شاہ واجد حسین	۶۳۴
خیر مقدم: سید مجید عالم	۶۳۵
مسدس الوداعی: مولوی سید شاہ جعفر حسین صادق	۶۳۶
خیر مقدم: مولوی سید شاہ جعفر حسین صادق (بعد مراجعت از انگلستان)	۶۳۷
ایڈریس بہ تقریبِ الوداع مسٹر جے، آر، گپتا	۶۳۸
الوداعی نظم: مسٹر سموئل	۶۴۰
تہنیت: بابو مہادیو لال	۶۴۱
ایضاً	۶۴۲
ایضاً	۶۴۲
ایضاً	۶۴۲
ایضاً	۶۴۳
ایضاً	۶۴۴
بتقریبِ تشریف آوری: مولوی سید حسن	۶۴۶

رشحاتِ خیر و نفحاتِ خیر (دیوان فارسی (سوّم))

حرف : الف

دل دادہ اند آئینۂ حق نُما مرا ۶۴۹
خدا سرسبز دارد گلستانِ حسن جانان را ۶۴۹
اگر آن ترک انکورا کشد گرگِ ارو پارا ۶۵۰
ذکر منصوری بلب داریم ما ۶۵۰
خواستم لیکن نمی یابم سکون از اضطراب (دل مَرا) ۶۵۱
ہوس صحبت گل ہست چو ہر شام مرا ۶۵۱
خویش را از راہ دور افگندہ فاسد کردہ ایم (باطل کجا) ۶۵۱
فکر روز حساب کُشت مرا ۶۵۱
گرم جوشی ناز کُشت مرا ۶۵۲
بعدِ فنا کشا کشِ سود و زیان کجا ۶۵۲

حرف: ت

باز بجوش آمدنم آرزو دوست ۶۵۳
ھست اتّحادِ مُسلم و ھندو بھم محال (مسجد شود کنشت) ۶۵۳
آہ آن یار گلعذار کجاست ۶۵۴
نی غم است و نہ ساز عشرت ھست ۶۵۴
ھر کیفیتِ قلبی یک عکسِ حقیقت ھست ۶۵۵
آن مَی بی نام در جام دل مستانہ است ۶۵۵
کشتۂ شمع اگر حسرت پروانہ شدہ است ۶۵۶

درھر گل این بستان آن حسن نمایان است ۶۵۶
حسن را آتش فشانی دیگر است ۶۵۷
گر حسن بی مثال تو سرگرم ناز ھست ۶۵۷
درھمہ ذرات عالم جلوۂ جانانہ است ۶۵۷
کشد عشاق را گہہ غمزۂ دوست ۶۵۸
در حقیقت تار و پودِ زندگی اعجاز ھست ۶۵۸
خوشم کہ در دل من خواھش مداوا نیست ۶۵۹
صد جلوہ ھا بخود دل مضطر گرفتہ است ۶۵۹
از جمالت یادگاری ماندہ است ۶۵۹
در بی نیازی تو چہ گویم چہ ناز ھست ۶۶۰
من رھین یاسمن و دل مُبتلای در دِھجر (آخرین آواز ھست) ۶۶۰
چو کاکل بارخ جانانہ آویخت ۶۶۱

حرف: د

ای محو تماشای حسینان بچہ کارید ۶۶۱
دلم با جلوۂ جانانہ باشد ۶۶۱
دل نیست کاندرونش کس جلوہ گر نباشد ۶۶۲
ھم آھنگ دل مضطر چو من پروانہ می رقصد ۶۶۲
آمد بھار و دل گلستان ھمی کشد ۶۶۳
دل من جلوۂ جانانہ دارد ۶۶۳
جفا و جور و حرمان آفریدند ۶۶۴
شبِ فراق بعشاق تیرہ تر نگردد ۶۶۴

بھار آمد واز شاخ گل برید رسید ۶۶۵
بُلبل اسیر گشتہ چو فریاد کردہ بود ۶۶۵

حرف : ر

گریانم وخندانم چون طفل بخواب اندر ۶۶۶

حرف : ز

آہ بیدردی ودرمانی ھنوز ۶۶۶

حرف : س

حال زار دل فگار مپرس ۶۶۷

حرف : ش

ہر آن کہ دررہ ملّت نمی نھد قدمش ۶۶۸

حرف : م

گذشت دورِ خودی باز ھوشیاری شدیم ۶۶۸
غبارِ گلشن برباد ھستیم ۶۶۹
تا بکی عشق ترا از ھمہ اخفا بکنیم ۶۶۹
طواف کوی او کردم بہ دور خانہ گردیم ۶۶۹
قصہ حسنِ یار می گویم ۶۷۰
آرزوی وصال چون بکنم ۶۷۱
ما سرّ وجود در حجابیم ۶۷۱
محرمی دارم دم محرم کشم ۶۷۲

حرف : ن

کرد اگر دلم گھی حوصلۂ بیانِ حسن ۶۷۲
درھر آن کار کہ حاصل نہ شود کام مکن ۶۷۳
مبادا بر کسی چون زحمت من ۶۷۳
باوفای اگر ثواب ھمین ۶۷۳

حرف : و

چنان جا کردہ است اندر دل من احترام او ۶۷۴

حرف : ی

شبِ ھجر مرا دیجور داری ۶۷۴
بہ یک بوریا شان دربار داری ۶۷۵
این جا چرا نہ فھم رازِ بھارِ ھستی ۶۷۵
چون نسیم صبح دم آید ھمی ۶۷۶
المدد بی مرگ، من میریم آہ (خنجر کسی) ۶۷۶
دل کو دارد از غم اختلاجی ۶۷۷
ای در حریم نازت تا چند در نقابی ۶۷۷

رباعیات ۶۷۸

ساقی نامہ ۶۸۱

مفردات ۶۸۲

اشاریہ برائے مقدمہ، اخبارات، کتابیات ورسالہ جات ۶۸۵

مرتب کے بارے میں ۶۸۷

اور کچھ بیاں اپنا

کلیاتِ ہٰذا کے خالق مولانا ابوالخیر متخلص بہ خیؔر رحمانی ہیں، جو ۱۹/ ویں صدی کے ایک مشہور شاعر، ادیب اور صحافی تھے۔ تقریباً ۸۰ سال تک علمی و ادبی کام میں سرگرم رہنے کے باوجود ان کا کوئی دیوان شائع نہ ہوسکا۔ نظموں اور غزلوں کے کئی مختصر مجموعے عوامی دل چسپی کے پیشِ نظر لکھنؤ اور لاہور کے کتب فروشوں نے شائع کیے۔ مولانا صحافت سے وابستہ تھے اور اخبارات میں کالم نویسی کیا کرتے تھے۔ مشہور اخبار 'اپنچ' اور رسالہ 'شوخ' کے اڈیٹر رہے۔ اخبارات و رسائل اور جرائد میں مضامین کے ساتھ ان کا کلام بھی شائع ہوتا رہا۔ متحدہ ہندوستان کے شہر ڈھاکہ سے لے کر لاہور تک ان کے نام کا شہرہ تھا۔

مولانا خیؔر رحمانی کی یہ کلیات، ان کے قلمی نسخوں اور دو مختصر طبع شدہ کلام کے مجموعوں پر مشتمل ہے، جسے تحقیق کے جدید اصولوں پر مرتب کیا گیا ہے۔ قطعاتِ تاریخ کی تدوین کے وقت پل صراط سے گزرنا پڑا، کیوں کہ کہیں بھی مادہ ہائے تاریخ کو نشان زد نہیں کیا گیا تھا کہ کہاں سے یا کن مصرعوں سے تاریخ نکلتی ہے۔ المیہ تو یہ بھی ہے کہ سو سال ہونے کو آئے۔ نسخہ خطی خراب و بوسیدہ ہو چکا تھا۔ بہت سے قطعات گم ہو گئے، اخبارات میں شائع شدہ کلام کی قرأت نہ صرف صبر آزما ہے، بلکہ اپنے دیدے پھوڑنے کے مترادف ہے۔ خیر کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے۔

کلیات خیؔر تین دواوین پر مشتمل ہے۔ اخبار 'اپنچ' کے کچھ مضامین کے علاوہ چند مضامین کے کچھ ٹکڑے بھی نمونے کے طور پر درج کر دیے گئے ہیں۔ موصوف کا وہ کلام جو وقتاً فوقتاً 'اپنچ' میں شائع ہوتا رہا تھا، وہ سب تازہ سخنِ اخباری کے عنوان کے تحت درج کیے گئے ہیں۔ کلام سے پہلے جو تمہیدی گفتگو نثر میں شائع ہوئی اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ ان نثری مضامین کو الگ سے ترتیب دینے کی ضرورت ہے۔ ان کے بیشتر نثری مضامین ہند و پاک کے اخبارات میں شائع ہوئے، جن کی جمع و تدوین سرِ دست ممکن نہیں ہے۔ اسے کسی اور موقع کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔

خیؔر رحمانی کے آثار کی طباعت کے سلسلے میں مغربی بنگال، اردو اکاڈمی نے مالی تعاون دیا اور اس کا شائع کرنا ممکن ہوسکا ہے۔ ہم اردو اکاڈمی کے شاکر و ممنون ہیں کہ انھوں نے مالی تعاون دینا منظور کیا۔ بڑے بھائی و نبیرۂ خیؔر رحمانی ابوذر ہاشمی نے رہنمائی کی اور مسودہ کی تلاش و جستجو میں تعاون کیا۔ عزیز دوست ڈاکٹر اِمتیاز وحید نے مفید مشوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر ارشاد عالم نے قطعاتِ تاریخ کا پروف پڑھا۔ جناب اسمٰعیل نظر اور عزیزی ابوالبرکات جیلانی نے مسودہ کی تیاری میں مدد کی۔ میں پروفیسر محمد کاظم کی عنایتوں کا تہہ دل سے شاکر ہوں کہ انھوں نے نہ صرف میری کتاب کا پیش لفظ لکھنا منظور کیا بلکہ طباعت کی ذمہ داریوں سے بھی مجھے بری کیا۔ پروفیسر حسن عبّاس کا تہہ دل سے شاکر و ممنون ہوں کی انہوں نے جگہ جگہ پروف کی خامیوں کی نشان دہی کی اور کئی حقائق سے روشناس کیا۔ اس کام کو مکمل ہونے میں تقریباً سات سال لگے۔ تنکا تنکا چن کر خیؔر صاحب کا آشیانہ بنایا ہے۔

میں اپنی اہلیہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انھوں نے کام کے دوران مکمل تعاون کیا۔ جملہ احباب اور معاونین کے تئیں اظہارِ ممنونیت۔

ڈاکٹر افتخار احمد
شعبہ فارسی
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد

پروفیسر محمد کاظم

پیش لفظ

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کے انتقال کے ٹھیک آٹھ مہینے بعد اردو کے نام نہاد دبستانوں سے دور، لیکن ایک مردم خیز علاقے دربھنگہ میں ایک ایسی شخصیت نے 12/اکتوبر 1869 کو اس دنیا میں قدم رکھا جس کی شاعری کئی اصناف پر مشتمل ہے۔ جو غالبؔ کی ہی مانند اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتا رہا ہے۔ ہاں جنھیں غالبؔ کی مانند ان کی زندگی میں تو شہرت کیا پہچان بھی نہ ملی کیوں کہ انھیں حالیؔ جیسا شاگرد جو نہ ملا۔ ہاں انھیں حالیؔ و شبلیؔ جیسا معاصر عالم و ادیب ضرور ملا۔ ان کے جونیئر معاصر جید عالم دین اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد اُن کے شائقین میں شامل رہے ہیں۔ وہ شخصیت فارسی اور اُردو دونوں میں عمدہ کلام کہنے پر قادر تھی۔ اس شخصیت نے حافظؔ و امیر خسروؔ جیسی شخصیات کی زمینوں میں بھی فارسی کلام سپرد قلم کیے ہیں۔ ان کے فارسی کلام کے مطالعہ کے بعد یہ انکشاف ہوا کہ بعض اوقات اس شخصیت کا فارسی رنگ اِقبالؔ کے فارسی کلام سے بھی جا ملتا ہے۔ یہ شخصیت تھی شبلیؔ نعمانی و الطاف حسین حالیؔ کے جونیئر اور مولانا ابوالکلام آزاد کے سینئر معاصر مولانا ابوالخیر رحمانی کی۔ مولانا ابوالخیر رحمانی ایک عالم دین کے ساتھ ایک قابل قدر ادبی شخصیت بھی تھے۔

مولانا رحمانی کی ذات میں ایک انجمن آباد تھی۔ انھیں اردو اور فارسی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت حاصل تھی، یہی وجہ ہے کہ ان دونوں زبانوں میں ان کا کلام دستیاب ہے۔ دونوں ہی زبانوں میں اعلیٰ شاعری کا نمونہ ملتا ہے۔ غزل، نظم، حمد، نعت، رُباعی، مسدس، سپاس نامہ، تہنیت نامہ، گیت، کہہ مُکرنیاں، سہرے، تاریخ قطعات اور ساقی نامہ جیسے شعری اصناف اور پیرائے کو انھوں نے خوب اپنایا ہے۔ نثری اصناف میں طبع آزمائی کرتے ہوئے طنز و مزاح کو بھی سیراب کیا۔ پٹنہ سے نکلنے والے 'اپنچ' کی اِدارت کی۔ سالہا سال تک ایک صحافی کی حیثیت سے خدمات انجام دیں، درس و تدریس کے فرائض انجام دئے تو نواب و امرا کے بچوں کی اتالیقی بھی کی۔

مولانا ابوالخیر رحمانی کا کلام ملی اور قومی عناصر سے مزین ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک کو انگریزوں کی حکمرانی سے آزاد دیکھنا چاہتے تھے تو ہندو مسلم اتحاد کے لیے داعی و دعا گو رہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ قوم کے بچے ایک اور نیک ہوں اور اس کے لیے وہ علمی اور عملی کوشش بھی کیا کرتے تھے۔ مولانا رحمانی کا ایک نمایاں وصف ان کی متصوفانہ اور نعتیہ شاعری ہے۔ ان کی نظر میں ان کے محبوب کا ماہِ ولادت لیلۃ القدر سے بھی افضل ہے:

لیلۃ القدر کی ہے جان ربیع الاول — تجھ پہ سو سال ہوں قربان ربیع الاول
تو اڑاتا ہوا آیا ہے ہلالی جھنڈا — تو مہینوں کا ہے سلطان ربیع الاول
ہے تو ہی صاحبِ لولاک لما کا مظہر — تو عجب صاحبِ عزت ہے ربیع الاول

جب وہ ہر طرف سے مایوس اور نا اُمید ہو جاتے ہیں اور ساری دنیا اُنھیں اپنا دشمن لگنے لگتی ہے تو ان کی توجہ ہادی، رسول کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے۔ وہ پکار اٹھتے ہیں:

ردّی حالت ہے اب اِسلام کی آج — اُٹھیے اے خسروِ بطحا! اُٹھیے
آبرہ مٹتی ہے اسلام کی آہ — فاطمہ زہرا کے ابا! اُٹھیے
آپ کو خالقِ اَکبر کی قسم — اب نہیں ضبط کا یارا اُٹھیے

اُنیسویں صدی میں مشرقی علوم کی ماہر شخصیات میں بہت کم عالم ایسے ملتے ہیں جو انگریزی زبان وادب پر بھی گرفت رکھتے ہوں۔مولانا رحمانی کی شخصیت ان مستثنیٰ شخصیتوں میں شامل تھیں جو زمانے پر نظر رکھتے تھے اور انگریزی زبان میں اس قدر استعداد بہم پہنچالی تھی کہ انگریزی زبان وادب کے ماہرین بھی ان کی انگریزی دانی کی گواہی دیتے تھے۔

ابوالخیر رحمانی نہ صرف شاعر تھے، بلکہ ایک سنجیدہ ناقد و محقق کے عناصر ان میں موجود تھے۔ اگرچہ انھوں نے ان دونوں فنون کی طرف اس قدر توجہ نہیں دی، جتنی طبع آزمائی انھوں نے شاعری میں کی۔

مولانا رحمانی کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں کئی اہم شاعروں کے کلام سے مماثلتیں دکھائی دیتی ہیں۔مثال کے طور پر مولوی اسماعیل میرٹھی کی طرح انھوں نے بھی انگریزی نظموں کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔اُنھوں نے نہ صرف یہ کہ ترجمہ کیا ہے بلکہ ترجمہ کرتے ہوئے انگریزی کلام کی توسیع بھی کی ہے۔جیسے مشہور نرسری نظم 'لِٹل اسٹا' کا ترجمہ کرتے ہوئے اس کی ہندستانی توسیع کا قابل قدر نمونہ ان کے ترجمے میں دیکھنے کو ملتا ہے۔اَکبر الہ آبادی کی طرح مولانا رحمانی نے بھی رُباعیاں اور نظمیں کہی ہیں۔ بلکہ ایک دو نظمیں ایسی بھی مل جاتی ہیں کہ اگر انھیں کلّیاتِ اَکبر میں شامل کر دیا جائے تو اکبر کا کلام ہی معلوم ہو مثال کے طور پر نظم 'لاسین کانفرنس' کو پیش کیا جاسکتا ہے۔اسی طرح جب مولانا خیر رحمانی ایک پیام بَر اور عمل کے داعی کی حیثیت سے آواز دیتے ہیں تو ہماری توجہ اِقبال کی جانب مرکوز ہو جاتی ہے۔

مولانا رحمانی کے کلام کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں ہمیں خیال کی ندرت، محاکات، تصور، تخیل کی بلندی، پیکر تراشی کی احسن مثالیں ملتی ہیں۔ایک شعر ہے:

کروٹیں لے کے کہتا ہوں شبِ ہجر
نیند کو موت آگئی ہے کیا

اس شعر میں انھوں نے موت کو ایک مجسم شے بنا کر پیش کیا اور پھر اس کی موت کی منظرکشی

کی ہے۔یہ خیال منفرد اور اچھوتا ہے۔اسی طرح درج ذیل شعر میں جس طرح کی تشبیہ کا استعمال ہوا ہے وہ بھی لائق دید ہے:

خیالِ زلفِ پیچاں یوں ہے عشاقوں کے سینوں میں
کوئی جس طرح پالے سانپ اپنے آستینوں میں

اپنے آستین میں سانپ پالنے والا کوئی شخص جس طرح دودھاری تلوار پہ چلتا ہے یہی حال عاشقوں کا ہوتا ہے جو اپنے سینوں میں محبوب کے خیال کو بسائے ہوتے ہیں۔وہ خیال انھیں چین سے رہنے بھی نہیں دیتا ہے اور عشاق اس خیال کو دل سے نکالنے کی قدرت بھی نہیں رکھتے ہیں۔جس طرح آستین کا سانپ کسی بھی لمحے جان لیوا ثابت ہوسکتا ہے اسی طرح محبوب کے نہ ملنے سے حاصل ہونے والی تڑپ کسی بھی لمحے عاشق کے لیے موت کا پیام لاسکتی ہے۔

اب ذرا اس خیال کو دیکھیں:

بتاؤں مے کدہ میں حالِ توبہ کیا زاہد!
وہ ٹوٹی پھوٹی کہیں ایک طرف پڑی ہوگی

اس شعر میں اُنھوں نے توبہ کو بھی ایک پیکر عطا کر دیا اور پھر کہا کہ کسی ٹوٹے ہوئے جام کی طرح زاہد کی توبہ بھی مے خانے کے کسی کونے میں ٹوٹی پھوٹی پڑی ہوگی۔زاہد اور توبہ کے تمسخر کے ہزاروں اشعار اُردو شاعروں کے قلم سے نکلے ہیں لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے، توبہ کے متعلق اس طرح کی اَچھوتی فکر کسی شاعر کے یہاں نہیں ملتی ہے۔

درج بالا نکات کے پیش نظر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اس قد اور معیار کے شاعر سے اب تک اردو کے عام قارئین و ناقدین ناواقف رہے ہیں۔معلوم نہیں کب تک یہ شاعر پردہ خفا میں ہی رہتا لیکن غالبؔ کی مانند حالیؔ کی طرح مولانا ابوالخیر رحمانی کو ڈاکٹر افتخار احمد مل گئے جنھوں نے یہ بیڑہ اٹھالیا کہ وہ مولانا خیر کے کچھ طبع زاد اور بہت کچھ غیر مطبوعہ نگارشات کو یکجا کر کے اردو کے سنجیدہ قارئین کے سپرد کریں گے۔

ڈاکٹر افتخار احمد بنیادی طور پر ایک محقق واقع ہوئے ہیں۔ ان کے مضامین کے مطالعے سے بھی یہ انکشاف ہوجاتا ہے کہ وہ جو کچھ بھی حوالہ صفحہ قرطاس کرتے ہیں اسے بہت اچھی طرح سے پہلے چھان پھٹک کر لیتے ہیں۔ اس سے قبل بھی ان کی کئی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں ان کے مطالعے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ادب و شاعری کے تئیں نہایت سنجیدہ ہیں۔ زیر نظر کتاب 'کُلّیات خیر' ان کی تحقیق اور متنی تنقید کا ایک قابل تحسین نمونہ ہے۔ انھوں نے نہ صرف نہایت مشکل سے مولانا ابوالخیر رحمانی کی شعری تخلیقات کو یکجا کیا ہے بلکہ کئی برسوں تک اس پر غور وخوض اور متن کو اصل صورت میں تیار کرنے کے بعد ہی قارئین کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

کتاب میں پیش لفظ کے علاوہ کم وبیش دوسو صفحات پر مشتمل تفصیلی مقدمہ اس کا غماز ہے کہ ڈاکٹر افتخار احمد نے کس قدر تحقیقی عمل سے کام لیا ہے۔ انھوں نے جس مشقت سے مولانا ابوالخیر رحمانی کے بارے میں معلومات یکجا کیے ہیں اتنی ہی محنت سے ان کے کلام کی تلاش اور اس کو ایک ساتھ پیش کرنے کا فرض ادا کیا ہے۔ مقدمہ اور کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابوالخیر رحمانی کی علمی وادبی حیثیت کیا ہے اور اتنے اعلی درجہ کا شاعر و فنکار اتنے دنوں تک پردہ خفا میں کیوں رہا۔ ایک ایسے زمانے کا شاعر جس میں جدید شاعری نے اپنے بال و پر کھولنے شروع کر دیے تھے، ان کے درمیان کلاسکیت اور جدت کے بہترین امتزاج کے ساتھ اردو شعر و ادب کے خزانے میں اضافہ کرنے والا شاعر بھی اتنے دنوں تک گمنام رہ سکتا ہے۔ افتخار احمد نے ان کے کلام کے اوپر جمی دھول مٹی کو نہ صرف صاف کرنے کے بعد منظر عام پر لانے کا کام کیا ہے بلکہ مولانا ابوالخیر رحمانی کے آبا و اجداد، ان کے خاندان اور ان کی زندگی کے بارے میں تفصیل حاصل کرنے کے بعد اسے نہایت خوش اسلوبی سے صفحہ قرطاس پر پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر افتخار احمد فارسی کے استاد اور اردو، فارسی اور انگریزی کے قلم کار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا رحمانی کے کلام کی تدوین کا حق انھیں ہی پہنچتا تھا اور انھوں نے اس کار خیر کو بحسن وخوبی انجام دیا ہے۔ کُلّیات خیر کے ابتدائی حصے میں اردو شاعری ہے تو آخر میں ان کی فارسی شاعری کو

بھی شامل کتاب کیا گیا ہے۔ چونکہ ڈاکٹر افتخار خود بھی شاعر ہیں اور شاعری کے رموز واوقاف سے بخوبی واقف ہیں اس لیے یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شعری حصے کی تدوین اصول کے مطابق کی گئی ہے۔

کُلّیات خیر میں شامل ڈاکٹر افتخار احمد کے مقدمہ کے مطالعہ کے بعد قاری کو اس نتیجے پر پہنچنے میں یقیناً مدد ملے گی کہ مولانا ابوالخیر رحمانی کی ذات اور ان کے کلام کی معنویت کیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ڈاکٹر افتخار احمد کی علمی گہرائی اور فنی گیرائی بھی سامنے آجاتی ہیں۔ ڈاکٹر اِفتخار اَحمد کے اندر ایک سنجیدہ اور استدلالی محقق و ناقد موجود ہے۔ وقت اور بے توجہی کی دبیز تہیں نہ جانے اور کتنے ابوالخیروں کو دبائے اور چھپائے بیٹھی ہیں۔ میں اُمید اور دعا کرتا ہوں کہ ان ابوالخیروں کو بھی ڈاکٹر افتخار احمد جیسے صاحبِ خیر ملیں اور ان کی فکر کے رخِ انور کی روشنی ہمارے ادبی سرمایہ کی کہکشاں میں اضافے کی وجہ بنے۔ ڈاکٹر افتخار کے لیے دعا گوں ہوں کہ تھکے اور تھمے بغیر ان کا یہ سلسلہ جاری رہے اور وہ مزید پوشیدہ اور نظر انداز کیے جا چکے فنکاروں کو ادب کے افق پر لانے میں کامیاب ہوسکیں۔ ایک قابل قدر شاعر اور عبقری شخصیت سے ادبی دنیا کو متعارف کرانے کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔

امید کرتا ہوں کہ اُردو دنیا ڈاکٹر افتخار احمد کی اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھے گی اور مولانا ابوالخیر رحمانی کے ساتھ ہوئی زیادتیوں کی تلافی کی جائے گی۔

☆☆☆

پروفیسر محمد کاظم
شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی

مقدمہ

مولانا ابوالخیر رحمانی کا تعلق بھون پٹی جگدیش پور عرف قاضی بہاری، ضلع دربھنگہ، بہار سے تھا۔ اس بستی کا نام ابتدا میں بھون پٹی جگدیش پور تھا۔ یہ سنگھوارہ اسٹیٹ کے تحت ایک بستی تھی۔ یہ دربھنگہ اور سیتا جانے والے راستے کے درمیان میں واقع ہے۔ راجا جگدیش کی زمین داری دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ حضرت قاضی بہار شریف سے جب یہاں بھیجے گئے تو اس بستی کے نام میں تبدیلی واقع ہوئی۔ بھون پٹی جگدیش پور پہلے تو حضرت قاضی بہاری شریف کے نام سے معروف ہوا اور آگے چل کر قاضی بہیرہ اور اب سرکاری کاغذات میں کاجی بہیرا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس گاؤں کے قرب جوار میں متعدد قصبات اور مواضع آباد تھے جو اب بھی موجود ہیں۔ دربھنگہ سے سیتا مڑھی جانے والے ٹرین روٹ پر جوگیارا نامی اسٹیشن زمانۂ قدیم سے قائم ہے۔ جوگیارہ اور قاضی بہیرہ کے درمیان معروف قصبہ جالے ہے، جو اس علاقے کا بلاک اور تھانہ بھی ہے۔ جالے بھی علما اور فضلا کی بستی رہی ہے۔ قاضی بہیرہ کے قرب و جوار میں بھرواڑہ، راجو، پکٹولا، دوگھرا، سیوریا، شاہ پور ملک پور، نگر ڈیہہ، جہانگیر ٹولہ، کمھر ولی، اہیاری، چھوٹی مہولی بڑی مہولی، دیورا، بندھولی، بکھول، کروادھنکول اور دوسری بہت سی بستیاں آباد ہیں۔ ماضی میں مسلم حکم رانوں کے زمانے سے ہی قاضیانے قائم کئے گئے تھے۔ انہیں قاضیانہ، مالکانہ اور لاخراج جائدادیں عطا کی گئیں تھیں۔ عطیات کچھ دستاویزات تھیں، جن پر اورنگ زیب کی مہر ثبت تھی، اب یہ دست بردِ زمنہ کا شکار ہو گیا۔ شمالی بہار میں دو قاضیانے قائم تھے۔ مہسی دواجت، سریسہ کے

علاقے کے لئے مختص تھا تو قاضی بہیرہ ترہت کمشنری کا قاضیانہ تھا۔ مشرق کے علاقہ میں حیا گھاٹ سے لے کر نیپال کی ترائی کے علاقے شیوہر اور ہرمّا اور شمال جنوب میں سنگھوارہ بھروارہ سے لے کر مدھوبنی تک پھیلا ہوا تھا۔ شمالی بہار کے قاضیانوں میں حضرت تاج فقیہ کی اولاد حضرتِ اسرائیل کے اخلاف قضا کے کام سے وابستہ رہے۔ قاضی بہیڑہ میں بھی حضرت اسماعیل کے اخلاف ہی قضا کے کام پر مامور ہوئے۔

خاندانی پس منظر:

مولانا خیر رحمانی کے جدّی بزرگ حضرت تاج فقیہ کا تعلق رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کے چچا حضرت زبیر بن عبدالمطلبؓ کی سے جا ملتا ہے۔ بنی ہاشم کی اولادوں میں شامل حضرت مطلب کی چار اولادیں ہوئیں۔ حضور اکرم کے والد حضرت عبداللہ، حضرت ابو طالب، حضرت زبیر اور حضرت عباس۔ حضرت زبیر کی اولاد میں حضرتِ عبداللہ ابوذر ولد حضرت مولانا ابو مسعود ولد مونا ابوالدین ولد مولانا ابوسہمہ ولد حضرت مولانا ابواللیث ولد مولانا ابوالدہر ولد حضرت مولانا ابو صائم ولد مولانا ابوالقاسم ولد حضرت مولانا ابوالفتح ولد حضرت مولانا محمد علی ولد مولانا سعید احمد ولد حضرت ابوبکر ولد اا حضرت مولانا امام تاج محمد فقیہ تھے۔

حضرت تاج فقیہ بیت المقدس کے محلّہ قدس خلیل کے رہنے والے بزرگ تھے۔ خواجہ بختیار الدین کاکی کے ہم عصر تھے۔ اس زمانے میں یوپی کے مشرقی خطے اور بہار و بنگال میں طوائف ملوکی عام تھی۔ مسلمانوں کا جینا مشکل تھا۔ امام تاج فقیہ ہندوستان کے سفر پر آئے اور منیر میں قیام کیا۔ اس زمانے میں وہاں ایک شخص مسلمان تھا۔ نماز کا وقت ہوا تو امام تاج فقیہ نے اذان دینی چاہی۔ اس شخص نے منع کیا کہ اذان کی آواز سے یہاں کا راجا ناراض ہوگا۔ تاج فقیہ واپس چلے گئے۔ ایک زمانے کے بعد وہ ہندوستان واپس آئے۔ ارادہ تھا کے منیر شریف پہنچ کر وہاں کے راجا کے ظلم سے لوگوں کو نجات دلائیں۔ ان کے قافلہ میں ۳۵۰ افراد شامل تھے۔ ایک جنگ ہوئی اور ۲۷ رجب ۵۷۶ ہجری منیر میں اسلام کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ یہ عام خیال ہے کہ بہار میں

اسلام بختیار خلجی کی آمد کے بعد پھیلا۔لیکن اس سے ۱۹ر برس قبل بہار میں اسلام آچکا تھا۔
(معین الدین دردائی ِ سلسلۂ فردوسیہ ۱۳۹)

کچھ عرصہ قیام کے بعد حضریت تاج فقیہ لوٹ گئے اور جنتِ معلیٰ میں سپردِ خاک کئے گئے۔

حضرت تاج فقیہ کی تین اولادین ہوئیں ۔مخدوم محمد اسرائیل، مخدوم محمد اسماعیل ایک بیگم سے اور مخدوم محمد ذاکر دوسری بیگم سے۔مخدوم محمد اسرائیل منیر کی خانقاہ کے سجادہ نشیں ہوئے۔ انہیں کی اولاد میں شاہ شرف الدین احمد یحیٰ منیری ہیں۔ ان کی کتاب 'مکتوباتِ صدی' اور 'مکتوباتِ دوصدی' ہے، جو آج بھی مرجع خلائق ہے۔اردو زبانکی ابتدا اور ارتقا کے سلسلے ان کے اقوال نقل کئے جاتے ان کی خانقاہ بہار شریف میں ہے۔

ان کے دوسرے بیٹے حضرتِ اسماعیل کی بارہویں پشت میں حضرت شاہ محمد یعقوب ہوئے۔جو قاضی کے عہدے پر فائز کے گئے۔یعنی قاضی شاہ محمد یعقوب، بن حضرت قاضی شاہ محمد، بن حضرت قاضی شاہ چاند، بن حضرت مخدوم شاہ دانیال، بن حضرت مخدوم شاہ احمد، بن حضرت مخدوم شاہ نظام الدین، بن حضرت مخدوم شاہ محمد صلاح ، بن حضرت مخدوم شاہ ضیاء الدین، بن حضرت مخدوم محمد ابوبکر، بن حضرت مخدوم محمد ابراہیم، بن حضرت مخدوم شاہ اسمٰعیل، بن حضرت تاج فقیہہ۔حضرت تاج فقیہ آں حضرت صلعم کے چچا حضرت زبیر کی چھٹی پشت میں آتے ہیں۔

قاضی شاہ محمد یعقوب کے دو بیٹے ہوئے قاضی شاہ ابوالحسن اور قاضی مولانا عبدالشکور۔قاضی شاہ ابوالحسن کے بھی دو بیٹے تھے، قاضی محمد مبارک اور مخدوم شاہ صدرالدین علی۔قاضی محمد مبارک ہی وہ بزرگ تھے جنہیں بھون پٹی جگدیش پور، تحصیل سنگھوارہ اسٹیٹ، قضا کے کام کے لئے بھیجا گیا۔ جگدیش پٹی میں وہ عام طور پر 'حضرت قاضی بہاری شریف' کے لقب سے پکارے جانے لگے۔وہ شاہ محمد ذاکر بن قاضی شاہ محمد مبارک، صاحبِ مزار قاضی بھیرہ سے منسوب بی بی ویلن کے بطن سے تھے۔ جو قاضی بھیرہ سے متصل گاؤں مہولی میں سکونت پذیر ہوئے اور شاہ محمد بھلّو کے نام سے شہرت پائی۔قاضی شاہ ابوالحسن کے دوسرے بیٹے حضرت شاہ صدرالدین معروف بہ بزرگ صاحب سے متعلق 'حقیقۃ الانساب' میں درج ہے:

''حضرت مخدوم شاہ صدرالدین معروف بہ بزرگ صاحبِ مزار قاضی بھیرہ، سلف سے مشہور ہے کہ آپ کو اپنے خاندان ہی سے بیعت حاصل تھی۔آپ...... شباب ہی کے عالم میں کسی بات پر خفا ہوئے۔مکان سے نکل کر مقبرے میں پہنچے اور زمین کو حکم دیا کہ شق ہو جا۔زمین پھٹ گئی اور آپ اس کے اندر داخل ہو گئے ۔لوگوں نے آپ کی نعلین اور چادر کا گوشہ، جہاں پر آپ زمین میں داخل ہوئے تھے، زمین سے باہر نکلا ہوا دیکھا''۔واللہ اعلم (خاندانی شجرہ)۔

قاضی شاہ محمد یعقوب کے دوسرے بیٹے قاضی مولانا عبدالشکور ہوئے ۔ان کی بھی دو اولادیں ہوئیں۔ایک بیٹا قاضی محمد آفاق اور ایک بیٹی ۔قاضی محمد آفاق کے بیٹے قاضی محمد مشتاق کا نکاح بی بی نادرہ بنت خواجہ محمد پیر سے ہوا۔ان کے بطن سے قاضی محمد اسحاق ہوئے، جن کا نکاح بی بی والحہ بہاری، بنت شاہ یتیم اللہ بن غیاث الدین از فرزاندان شمس الدین بدایونی سے ہوا۔ قاضی اسحاق کا دوسرا نکاح بی بی حبیبہ بنت سیّد امان اللہ بن غلام یحیٰ ابن میر عادل بن محمد تاج الشریعہ، متوطن، موضع سارن، ضلع ترہت سے انجام پایا تھا۔

اختصار میں مولانا خیر رحمانی کے والد قاضی محمد شفیع الدین کا نسب اس طرح ہے ۔قاضی اسحاق ولد محمد میر، قاضی اشرف علی ولد قاضی ولایت حسین ولد قاضی محمد شفیع الدین ۔مولانا شفیع الدین کے پانچ بیٹے سید ابوالخیر، سید ابوالعلیٰ، سید ابوالمعالی، سید ابوالمظفر اور سید ابوالنصر ہوئے۔ ابوالخیر کے دو بیٹے قاضی سیّد احمد اور قاضی سیّد محمد تھے۔قاضی سیّد محمد کے بیٹے سید احسن ہوئے، جو اپنے والد کے ساتھ پاکستان چلے گیے ۔قاضی سیّد احمد کے پانچ بیٹے سید حسن، سید حسین نغمہ، سید حسان، سید حشّام اور سید حنّان احمد ہوئے۔سید حسن کے دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بڑے بیٹے کا نام سید یاسر ہاشمی چھوٹے کا نام سید اشعر ہاشمی ہے۔سید حسین (نغمہ) کے دو بیٹے ہیں سید مظہر ہاشمی اور سید ذیشان ہاشمی ہیں ۔ سید حسان کے چھ بیٹے سید یاور ہاشمی ، سید داور ہاشمی، تیسرا احمر ہاشمی، چوتھے شبر ہاشمی پانچوے سید حاشر ہاشمی اور عمّار ر ہاشمی ہیں۔سید حشام کے تین بیٹے ہیں، صفدر ہاشمی، طہور ہاشمی ، اور طٰہٰ ہاشمی ۔سید حنان کے ایک بیٹے ہیں عدنان ہاشمی ۔حکیم قاضی سید

ابوالعُلیٰ کے ایک بیٹے قاضی سید ابولاعلیٰ ہوئے۔ان کی ایک ہی اولادِ نرینہ قاضی سید ابولالفرح ،جی القائم ہیں ۔مولانا شفیع الدین کے تیسرے بیٹے حکیم سید ابوالمعالی تھے۔ان کی دو شادیاں ہوئیں۔مولانا شفیع الدین کی خدمت کے لئے حضرت مولانا مونگیریؒ کے دربارِ اقدس سے ایک بچی بطور خادمہ عطا کی گئی تھی۔مولانا شفیع الدین نے اسے اپنے تیسرے بیٹے ابوالا لمعالی کے نکاح میں دے دیا۔یہ خاتون خاندان میں ’پانی دادی‘ کے نام سے معروف رہیں۔ان سے جو اولادیں ہوئیں، وہ آج خوش وخرم ہیں۔سید ابوالمعالی کے بڑے بیٹے کا نام سید ابوالناظم اور چھوٹے بیٹے کا نام سید ابوالہاشم (لاولد) تھا۔سید ابوالمعالی کے دو بیٹے سید ابوالفتح اور سید ابوالعارف (مرحوم) ہوئے۔مولانا شفیع الدین کے چوتھے بیٹے کا نام سید ابوالمظفر تھا۔ان کو ایک ہی اولادِ نرینہ ہوئی جن کا نام سید ابولالقاسم تھا۔ان کے چار بیٹے سید ابوالکاظم ،سید ابوالعاصم ،سید ابوالحاکم اور سید ابوالحاظم ہوئے۔سب سے چھوٹے بیٹے قاضی سید ابوالنصر کے تین بیٹے سید ابوالقدر عرف شمس الدین، ابوظفر ہاشمی اور قاضی سید ابوالاثر ہوئے۔سید ابوالقدر کے دو بیٹے سیّد ابوذر ہاشمی اور سیّد ابوالحذر باحیات ہیں۔یہ دونوں بھائی اس خاندان کے علمی چراغ کو تھامے ہوئے آئندہ نسل تک روشنی منتقل کرنے کا کام کررہے ہیں۔سیّد ابوذر ہاشمی نیشنل لائبریری ،کولکاتا میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے، اب سبک دوش ہو چکے ہیں۔ان کی شخصیت اردو دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں۔وہ کئی کتابوں کے خالق ہیں۔سردست اردو اکاڈمی سے نکلنے والے ماہانہ جریدہ ’روح‘ ادب‘ کے اڈیٹر ہیں۔سید ابوالحذر راجا رام موہن رائے سیمینیری میں فارسی کے استاد ہیں۔ان کا بھی شعروادب سے گہرا تعلق ہے۔ابوظفر ہاشمی کی چھ اولادِ نرینہ فرخ ظفر ہاشمی، نیر ظفر ہاشمی، مدثر ظفر ہاشمی، منور ظفر ہاشمی، مبشر ظفر ہاشمی اور عاقب ظفر ہاشمی ہیں اور سب کے سب اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔

چوں کہ یہ خاندان علم وحکمت سے سرفراز تھا اس لئے شعروادب کا بڑا چرچا تھا۔اس خاندان میں کئی صاحبِ دیوان شاعر ہوئے، لیکن دنیا کی نظروں سے اوجھل رہے۔سید ابول معالی حکمت سے وابستہ تھے اور شاعری بھی تھے۔یہ مولانا خیر کے حقیقی بھائی تھے۔حضرتِ معالی کے صاحب زادے سید ابوالناظم اور حضرت قاضی سید ابوالنثر کے بڑے صاحب زادے قاضی سید ابوالقدر بھی

فطری شاعر تھے۔ان دونوکو مولانا خیر سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔سید ابوالقدر حافظ قرآن تو نہ تھے لیکن اکثر سورتیں انہیں ازبر تھیں۔عربی زبان پر بھی اچھی دسترس تھی۔قدیم فارسی شاعروں کے کلام ازبر تھے۔سعدی جامی، حافظ اور غالب ان کے محبوب شاعر تھے۔یہاں تبرکاً حضرت سید ابولمعالی، سید ابوالناظم اور سید ابولقدر کا ایک ایک شعر یادگار کے طور پر پیش ہیں:

دیکھا جب سے اس گُلِ رخسار کی شبیہ
کھلتی ہے میری آنکھ میں تصویر پھول کی

(سید ابولمعالی، خیر رحمانی کے تیسرے بھائی)

ایک کا ایک سے وابستہ ہے دامانِ وقار
حسن کی پردہ دری عشق کی تشہیر میں ہے

(سید ابوالناظم، خیر رحمانی کے بھتیجے)

چہرہ ہے لال منھ سے ٹپکنے کو ہے لہو
کھائی ہے اس نے چہرے پہ کینی نظر کی چوٹ

(سید ابوالقد، خیر رحمانی کے بھتیجے)

نام ونسب:

نام ابوالخیر وجیہ الاسلام محمد صفی الدین، تاریخی نام ’مظہر عالم (۱۲۸۶ھ)‘ اور خیرؔ تخلص تھا۔چوں کہ مولانا خیرؔ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کے دامنِ عاطفت وسلسلۂ ارادت میں تھے لہٰذا خانقاہ رحمانیہ مونگیر کی مناسبت سے لفظ ’رحمانی‘ کو اپنے نام میں برکت کے طور پر استعمال کیا اور دنیائے شعروادب میں خیرؔ رحمانی کے نام سے متعارف ہوئے۔ان کی ولادت موجودہ ضلع دربھنگہ میں مذکورہ قاضی بہیرہ نامی قصبہ میں ۱۲/ اکتوبر ۱۸۶۹ء بمطابق ۵/ رجب المرجب ۱۲۸۶ھ کو ہوئی۔ان کے والدِ ماجد کا نام محمد شفیع الدین اور جدّ امجد کا نام ولایت حسین تھا۔ان کے بیٹے مولانا محمد شفیع الدین نابغہ روزگار اور اصحابِ فضل وکمال میں تھے۔ان کے استاد کا نام مولوی سخاوت علی جونپوری تھا ،جن سے علم معقول ومنقول حاصل کیا تھا۔تاحیات دین اسلام کی صحیح

ترجمانی کرتے رہے۔ دیوبند سے فراغت حاصل کی اور لکھنؤ سے علمِ طب کی سند حاصل کی۔انھوں نے شیعیت کے رد میں فارسی زبان میں ایک رسالہ بعنوان ''تحفۃ الحق الیٰ عدوّ مبین'' بھی لکھا، جو اشاعت سے محروم رہا اور اب اس کا کوئی نسخہ اہلِ خانہ کے پاس بھی دستیاب نہیں۔ان کا دوسرا رسالہ عربی زبان میں 'تحفۃ الابطال فی رد اقوال' کے عنوان سے، نسخۂ خطی کی شکل میں موجود ہے۔ یہ رسالہ دلائل و براہین کی روشنی میں انعقادِ میلاد کی حلت و حرمت سے بحث کرتا ہے۔ان کا انتقال ۴؍مئی ۱۹۰۳ء کو ہوا۔اس وقت ابوالخیر رحمانی کی عمر تینتیس برس تھی۔مولانا محمد شفیع الدین پیشے سے ایک حکیم تھے اور خدمت خلق کو اپنا شعار گردانتے تھے۔

(آئینۂ ترہت، بہاری لال فطرت، حصہ دوم، ص۔۱۰۶، مطبع نامی گرامی ۱۸۸۳ء)

تعلیم وتربیت:

مولانا خیر رحمانی کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہی والدین کی نگرانی میں ہوئی۔اسکول میں بھی داخل کروائے گئے۔اس کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند گئے۔دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۸۶۶ء میں عمل میں آچکا تھا، یہاں ہندوستان کے دور دراز علاقے سے طلبہ حصول علم کے لیے آتے تھے۔یہ ادارہ ہندوستان کی آزادی میں اپنے نمایاں کردار کے لیے بھی مشہور تھا۔مولانا خیر نے اعلیٰ تعلیم کے لیے اس ادارے کا انتخاب اپنے انقلابی ذہن وفکر کے سبب کیا۔یہاں ان کی حب الوطنی کی لو مزید تیز ہوئی۔وہ تاعمر انگریزوں کے استبداد کے مخالف رہے۔دارالعلوم دیوبند میں مولانا کے داخلہ کی تاریخ کا پتہ نہیں چلتا۔قرین قیاس ہے کہ داخلے کے وقت ان کی عمر گیارہ یا بارہ سال کی رہی ہوگی اور چھ یا سات سالوں تک حصولِ علم کے بعد ۱۸۸۶ء میں وہ دستار فضیلت سے بہرہ ور ہوئے۔

عادات وخصائل:

خیر رحمانی بچپن سے ہی ذہین واقع ہوئے تھے۔صالحیت چہرہ سے عیاں تھی۔چوں کہ یہ قاضیوں کا خاندان تھا اس لیے انھوں نے ہمیشہ خاندانی روایت کا پاس رکھا۔دیہی زندگی، ماحول، سادگی، صفائی اور معصومیت کے واضح اثرات ان کی شخصیت نے قبول کیے تھے۔صبح سویرے اُٹھنا، نماز کی باجماعت ادائیگی، تلاوت، اَور درود و وظائف کے بعد میلوں پیدل چلنا، شکار اور

فٹ بال سے شغف ورثے میں ملا تھا۔خوش لباس اور سلیقہ شعار تھے۔وہ اپنے آپ کو ہمیشہ تروتازہ اور چست و درست رکھنے کی کوشش کرتے۔جب ریش پر سفیدی پھیلنے لگی تو لاہور سے خضاب منگوا کر پابندی سے استعمال کیا تاکہ خوب روئی سلامت رہے۔انھیں یہ پسند نہیں تھا کہ وہ دوسروں کے لیے کریہہ منظر ثابت ہوں۔ ہر چیز کا انھیں سلیقہ آتا تھا۔خاندانی زمین داری تھی۔ اس زمانے میں بنگال و بہار کی انتظامیہ ایک تھی۔ بنگال حکومت نے قاضیانے اور مالکانے کی زمینیں عطا کی تھیں۔اس لیے فراغت سے زندگی گزرتی تھی۔مولانا کا دسترخوان ہمیشہ کشادہ رہا۔ان کے دسترخوان پر ناشتہ، ظہرانہ اور عشائیہ کا بھرپور انتظام ہوتا۔کھانے میں پھل اور پھلوں میں آم انھیں بہت پسند تھے۔اشرف مختار نے ابوالخیر رحمانی: حیات وخدمات (قلمی) میں خیر صاحب کے شاگرد سیّد شاہ اصغر حسین (بیرسٹر) کے حوالے سے لکھا ہے کہ خیر رحمانی بلاناغہ ہر شام خواہ کوئی بھی موسم ہو پوسٹ آفس گھڑی ملانے کے لیے جایا کرتے تھے۔صبح بیداری کے ساتھ سورہ 'الشّمس' کی تلاوت با آواز بلند کرتے۔حضرت دیوان جعفرؒ (باڑھ) اور حضرت محمد زین العابدین (پیرمڑیا، پٹنہ سیٹی) کے عرس کے موقع پر شریکِ بزم ہوتے، لیکن حال وقال کی منزل سے ہم کنار نہیں ہوتے۔محفل سماع اور قوالی سے بالکل رغبت نہیں تھی۔تعزیہ داری اور ماہ محرم کی غیر اسلامی روایات سے قطعاً سروکار نہیں تھا، تاہم محفل قل میں شرکت فرماتے اور قُل خوانی بہت ہی استغراق ومحویت سے ادا فرماتے تھے۔

اساتذہ:

خیر رحمانی کے پہلے استاد خود ان کے والد مولانا شفیع الدین تھے۔دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ متوفی ۱۸۸۰، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ متوفی ۱۸۸۴ء، حضرت مولانا احسن نانوتویؒ متوفی ۱۸۹۴ء، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ متوفی ۱۹۰۵ء، حضرت مولانا ذوالفقار علی دیوبندیؒ متوفی ۱۹۰۴ء اور حضرت مولانا فضل الرحمٰنؒ دیوبندی متوفی ۱۹۰۷ء وغیرہ ان کے اساتذہ میں شامل تھے۔یہ دور دیوبند میں متبحر علما کی کہکشاں کے لیے معروف ہے۔لہٰذا گمان غالب ہے کہ انھوں نے اپنے وقت کے مذکورہ جید علما سے اخذ واستفادہ ضرور کیا ہوگا۔

بیعت وارادت:

حقائق بتاتے ہیں کہ دورانِ تعلیم وہ مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادیؒ (۱۲۰۸۔۱۳۱۳ھ) سے بیعت ہوئے۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے، بعدۂ باقاعدہ بیعت کی اور 'رحمانی' کو اپنے نام کا لاحقہ بنالیا۔ مونا محمد علی مونگیریؒ خیرؔ رحمانی کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ ان سے خط وکتابت کا سلسلہ رہتا تھا۔ اشرف مختار نے ابوالخیرؔ رحمانی: حیات وخدمات، (قلمی) میں مولانا محمد علی مونگیری کے ایک خط کا ذکر کیا ہے جو ۱۵؍جمادی الاول ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۴۔۱۹۱۳ء کو مولانا خیرؔ رحمانی کے نام لکھا گیا ہے۔ اس میں مولانا محمد علی مونگیری لکھتے ہیں کہ ''داخل سلسلۂ عالیہ قادریہ نقشبندیہ تم کو کیا۔'' یعنی خیر رحمانی، مولانا فضل الرحمٰن کی وفات کے ۱۸ سال بعد مولانا علی مونگیری سے باقاعدہ مشرف بہ بیعت ہوئے۔ ان اٹھارہ برسوں کی مدت میں اپنے اہلِ خاندان اور شوقؔ نیموی کے سایۂ محبت میں روحانیت کے ساتھ ادبی تسکین بھی پا رہے تھے۔ مولانا ظہیر احسن شوقؔ نیموی بھی مولانا گنج مرادآبادی سے مشرف بہ بیعت تھے۔ اس پایہ کا عالم اس عہد میں عظیم آباد میں نایاب تھا۔ خیرؔ نے شعری اصلاح کے علاوہ ان سے یقیناً روحانی آسودگی بھی حاصل کی۔ شوقؔ نیموی متوفی ۱۹۰۴ء کے بعد خیرؔ پھر پیرومرشدِ کامل کی تلاش میں رہے اور آخرکار مرشدِ کامل کی صورت میں مولانا محمد علی مونگیریؒ مل گئے۔ خیرؔ کو اپنے پیرومرشد سے والہانہ لگاؤ تھا۔ وہ ہر معرکۂ حیات میں مولانا محمد علی مونگیریؒ کی رہنمائی حاصل کرتے رہے۔ اگر کسی کو واقعی صوفی باصفا رہنما مل جائے تو ایسے شخص کے لیے راہ سلوک کی منزلیں طے کرنا آسان ہوجایا کرتا ہے اور یہی خیرؔ کے ساتھ بھی ہوا۔ وہ اگرچہ حضرت والا کے خلفا میں نہیں آتے، تاہم کسی خلیفہ سے کم بھی نہ تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے پیرومرشد کے منظورِ نظر رہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری کا گزر عظیم آباد سے ہوا۔ حضرت اپنے مرید خیرؔ رحمانی سے ملنے کے لیے پٹنہ کے مضافات میں آباد خسروپور تشریف لے گئے۔ حضرت نے خیرؔ کی قیام گاہ پر ایک شب گزاری اور دوسری صبح وہاں سے رخصت ہوئے۔ پیرومرشد سے خیرؔ کو والہانہ لگاؤ تھا۔ مولانا علی مونگیریؒ کے

خطوط سے واشگاف ہوتا ہے کہ خیرؔ رحمانی اپنی غزلیں مولانا مونگیری کی خدمت میں بھیجتے اور رائے طلب کیا کرتے تھے۔ جب مولانا محمد علی مونگیری کا انتقال ہوا تو خیرؔ رحمانی کی روحانی دنیا میں ایک خلا پیدا ہوگیا۔ وہ خود بہترین عالم، خطیب اور انشا پرداز تھے اس لیے اس ادبی دنیا کو سنبھالنا مشکل نہ تھا لیکن اب جادۂ عرفان پر چلانے والا ماہ کمال ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا تھا۔ ذیل کے قطعہ میں ماہِ کمال تقویٰ پسند عالم باعمل پیرومرشد کا استعارہ ہے۔ قطعہ دیکھیں:

وَصَلَ روح مقدس فلمّا تجلّی ربُّه

۱۳۴۶ھ

بارہ وفات کی نویں منگل کو دو بجے / سر تاجِ اولیاء کا ہوا آہ انتقال
اے خیرؔ اب تو روئے بُکا درد آہ سے / تاریخِ غم یہ کہہ دو غروبِ مہ کمال

(دوعدد کم ہے) ۱۳۴۴ھ

اس کے علاوہ ایک منقبت 'آہ خضرِ رہِ سلوک' کے عنوان سے ملتی ہے جس میں نہ صرف والہانہ عقیدت کا اظہار ہوا ہے بلکہ خیرؔ رحمانی اور مولانا علی مونگیری کے درمیان جو رشتہ تھا اس کا اظہار یہ بھی ہے:

آہ! خضرِ سلوک

۱۹۲۷ء

نہ تاریک ہو کیوں نگاہوں میں دُنیا / نظر اب وہ آتی نہیں ہے تجلّی
وہ سیّد مُحمّد علی میرے مَوْلا / وہ دنیا کے رہبر زمانے کے ہادی
ملے حق سے، چھوڑا مجھے آہ محزوں / رہا اپنا کوئی نہ مولا نہ والی
کہاں ایسا مرشد کوئی پائے گا اب / کہاں مسلکِ حق کا ایسا مُنادی
وہ علمی تجّر کہ خود اپنا ثانی / نہ اس دور میں تھی کوئی ایسی ہستی

جب اُلجھن ہوئی دل کو، لکّھا عریضہ تو فوراً ہی مکتوب سے کی تشفی
رہا منزلوں دور چوکھٹ سے اُن کی مگر خط سے ہوتی تھی میری ترقی
کرے گا مرے دل کو کون اب مداوا مجھے آہ اب کون دے گا تسلّی
ہوا خیؔر جس دم وصال آپ کا آہ صدا غیب سے آئی ، مغفور ہادی
۱۳۴۶ھ

اساتذہ:

خیؔر رحمانی کو ابتدا میں کسی استاد کی ضرورت نہیں پڑی کیوں کہ خاندان میں ذی علم حضرات موجود تھے۔ فطری طور پر طبیعت میں موزونیت تھی، شعر کہتے رہے۔ بعد میں خیؔر رحمانی کی طبیعت نے داؔغ کے حلقۂ شاگردی میں شامل ہونے کی ترغیب دی۔ خیؔر اپنے قیامِ مونگیر کے زمانے میں ہی کسی کہنہ مشق استاد کی تلاش میں تھے۔ رسالہ نکالنے لگے تھے، اس لیے انھوں نے ۲؍جنوری ۱۸۹۲ء میں اپنی ایک غزل مع مراسلہ اصلاح کی خاطر نواب داغ دہلوی کی خدمت میں بھیجی، جس میں خیؔر نے اپنا مدعا بیان کرتے ہوئے یوں لکھا:

''جناب معظم ومکرم

بندۂ تسلیم بصد تعظیم۔ مزاج عالی! ہمیں پرلے درجے کا اشتیاق، غایت درجہ کی خواہش، نہایت درجہ کی تمنا ہے کہ شاگردانِ سخن دانِ حضور پر نور کے کمترین خادموں میں شمار کیا جاؤں، تلمیذانِ سخن ورِ عالی جناب کی فہرست میں منسلک کیے جانے کا فخر حاصل کروں۔ یوں تو جناب کے شاگردان ہی استادِ وقت ہیں مگر جناب کے رہتے ہوئے کسی دوسرے کی شاگردی اختیار کرنے کو جی نہ چاہا، آخر جناب ہی کے در پر آ گرا۔ امید تو ایسی رکھتا ہوں کہ میری درخواست درجۂ اجابت کو پہنچ کر مجھے ''شاگردِ جنابِ داغ خدائے سخن'' لکھنے کا موقع دے گی اور

ہمیں جناب کی شاگردی کا فخر حاصل ہوگا۔

ایک غزل ارسالِ خدمتِ عالی ہے اصلاح فرما کر مفتخر فرمائیں گے۔ اس غریب فقیر سے کیا ہو سکتا ہے، تہہ دل سے دعا کرے گا۔ اگر تخلّص پسند نہ آئے تو کوئی دوسرا تخلّص تجویز فرما کر مطلع فرمائیں گے۔

اب اتنی گزارش کے بعد تسلیمات بجالاتا ہوں کہ جوابِ عریضہ میں آئندہ غزل بھیجنے کی بھی اجازت بخشیں گے۔

آپ کا سچّا خادم ابوالخیر مظہر عالم (دربھنگوی)

(ابوالخیر رحمانی: حیات وخدمات، قلمی)

داغ دہلوی نے خیؔر رحمانی کے خط کا بڑی خوش اسلوبی سے جواب دیا۔ خط کے متن سے پتہ چلتا ہے کہ فنِّ شاعری میں طبع آزمائی کے لیے قدما کی ارواح کو ایصال ثواب پہنچانے کی غرض سے نیاز دلوانے کی رسم رہی تھی جیسا کہ داؔغ نے خیؔر کو لکھا تھا:

مہربانِ من!

اگرچہ میں کئی مہینے سے بیمار ہوں، نہایت عدیم الفرصت مگر خیر تمھاری غزل دیکھ دیا کروں گا۔ مگر ایک غزل سے زیادہ کبھی نہ بھیجنا اور حضرات مفصل ذیل کی نیاز دلوا دینا اور اپنے مذہب سے بھی مجھ کو اطلاع دینا۔

حضرت مولانا نظامی گنجویؒ، حضرت سعدی شیرازیؒ، امیر خسروؒ، حافظ شیرازیؒ، خواجہ میر دردؒ، حضرت شاہ نصیرؒ، اور حضرت شیخ ابراہیم ذوقؒ۔

یہ بھی لکھنا کہ کتنے کی نیاز دلوادی۔ تخلص بھی بہت اچھا ہے۔

بہ قلم

داغ دہلوی از حیدر آباد، دکن

۱۴؍رجب، ۹ بجے شب (خیؔر رحمانی: حیات وخدمات، قلمی)

حیدر آبادؔ مونگیر سے خاصا دور تھا۔ مراسلہ کے آنے اور جانے میں وقت لگا۔ اسی اثنا میں

خیرؔ رحمانی نے امیرؔ مینائی اور جلالؔ لکھنوی کو بھی خطوط لکھے۔ ان شعرا نے ان کی خواہشات کی تکمیل کی اور خیرؔ نے اپنا کلام ان دونوں بزرگوار کی خدمت میں ارسال کیا۔ خیرؔ کی طبیعت امیرؔ مینائی کی جانب زیادہ مائل رہی یا پھر امیرؔ کی زبان، اسلوب اور علمی صلاحیت نے خیرؔ پر خاص اثر ڈالا جس کی وجہ سے وہ امیرؔ مینائی کے زیادہ قریب ہوئے اور اپنی شاعری میں بھی بہ حیثیت استادان کو بڑے اکرام کے ساتھ یاد کیا ہے۔ خیرؔ ان کی شاگردی میں کب تک رہے اس کا پتہ نہیں چلتا۔ بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ امیرؔ سے کسبِ فیض کیا اور شعری نکات سے آشنائی حاصل کی۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی شعری پختگی کو امیرؔ مینائی کے نام معنون کیا ہے:

خیرؔ اتنا بھی ہے بہ فیضِ امیرؔ ۔۔۔ ورنہ ایسے تھے مرے اشعار کب

خیرؔ تم اس کو سمجھ لو کہ بہ فیضِ امیرؔ ۔۔۔ ٹھوس ہوتا نہیں جو شعر ادق پر کاغذ

زیورِ حسنِ اودھ تھے جو اسیرؔ اور امیرؔ ۔۔۔ دستِ قزّاقِ اجل نے وہی زیور توڑا

امیرؔ مینائی کے علاوہ خیرؔ کو علامہ ظہیر احسن شوقؔ نیموی کی شاگردی کا بھی شرف حاصل تھا۔ شوقؔ نیموی کا شمار اس عہد کی نابغہ روزگار شخصیتوں میں ہوتا تھا۔ وہ اردو زبان و ادب کے فصحا میں تھے۔ درس و تدریس ان کا خاص مشغلہ تھا اور شعرا ان سے مشورۂ سخن کیا کرتے تھے۔ شعرا کی ایک جماعت ملتی ہے جو علاّمہ کی ذاتِ بابرکات سے کسب فیض کرتی نظر آتی ہے۔ اگر چہ حضرت شوق نیمویؔ نے اپنی کتاب یادگار وطن میں ان سترہ خاص شاگردوں کے نام مع کوائف درج کیے ہیں جو مسلسل ان کے خوانِ علمی سے فیضیاب ہوتے رہے۔ یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ شوق نیموی کی استادی کا ایک زمانہ قائل تھا۔ نیموی نے اپنے شاگردوں کے سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

''احیاناً خدا جانے کتنے لوگوں نے مجھ سے مشورہ لیا ہے۔ اور دوستانہ بعض اوقات دیوان کا دیوان بنظر اصلاح دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ مگر جو لوگ بحثییت شاگرد آج تک اپنا کلام دکھاتے ہیں اور مجھ سے اصلاح لیا کرتے ہیں اور اکثر ان میں صاحبِ دیوان ہیں ان کے نام وغیرہ لکھے جاتے ہیں۔

(یادگارِ وطن، شوق نیموی، ص۔ ۱۱۷، مطبع قومی پریس لکھنؤ، سال ندارد)

علامہ شوقؔ نے خیرؔ رحمانی کا ذکر بہت ہی محبت سے کیا ہے۔ شوقؔ نیموی اور خیرؔ رحمانی کے درمیان استادی اور شاگردی کا رشتہ بہت مضبوط تھا۔ اس کے علاوہ موصوف شوقؔ کے علمی تبحر سے بہت متاثر تھے۔ شوقؔ مفسرِ قران بھی ہیں۔ تفسیر کی کتابوں میں انھیں سند کے طور پر پیش کیا جاتا رہا۔ شوقؔ کو بھی اپنے اس عزیز شاگرد کے کمال پر ناز تھا۔ اپنے سوانح 'یادگارِ وطن' میں اپنے چہیتے شاگردوں کی ایک فہرست بھی درج کی جس میں خیرؔ کا نام چھٹے مقام پر درج ہے۔ شوق نیموی ابھی اپنی عمر کی چالیسویں بہار میں ہی تھے کہ پیام اجل آ گیا اور ۲۵ر نومبر ۱۹۰۴ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

خیرؔ رحمانی نے اردو کے علاوہ فارسی زبان میں بھی شاعری کی ہے اور ایک دیوان یادگار چھوڑا ہے۔ ان کی فارسی شاعری کسی طور پر بھی اردو شاعری سے کم درجہ کی نہیں ہے۔ فارسی زبان میں شاعری کے لیے انھوں نے سّید محمد علی ایرانی، متوفی ۱۹۵۱ء سے رجوع کیا تھا جو ایک مصنف، صحافی اور اپنے وقت کے بہترین داعی و مبلغِ اسلام تھے۔ انھوں نے اسلام کو دیگر مذہبی کتابوں کی روشنی میں دینِ حنیف ثابت کیا۔ 'تورات' کے مطالعہ اور عبرانی اور انجیل سے اکتساب کے لیے انگریزی زبان سیکھی اور یہودی علما اور عیسائی پادریوں سے کئی مناظرے کیے اور اپنے استدلال و دلائل سے انھیں قائل کیا۔ انھوں نے ایک انجمن 'صفخانہ' کے نام سے قائم کی اور اپنی ادارت میں ایران کا پہلا مذہبی مجلّہ 'الاسلام' کے نام سے جاری کیا۔ عیسائی مشنریز کے ساتھ کامیاب مناظرے کی وجہ سے مظفر الدین شاہ نے انھیں 'داعی الاسلام' کے خطاب سے نوازا تھا۔ وہ حجِ بیت اللہ سے فارغ ہو کر مصر کے راستے ہندوستان آئے اور شہر بمبئی میں قیام کیا۔ ہندوستان میں بھی عیسائیت کے زبردست مخالف رہے اور اسلام کی تبلیغ کی خاطر ہندوستانی ہم خیال اشخاص کے اشتراک سے ایک انجمن بنائی اور 'دعوت اسلام' نامی جریدہ فارسی اور اردو زبان میں جاری کیا۔ ایرانی کاؤنسل بمبئی کی سعی و سفارش پر حیدر آباد یونیورسٹی، دکن میں بحثییت استاد ارجمند ادبیات فارسی بالخصوص فارسی باستانی، پہلوی درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ وہ ہندوستانی زبانوں میں اردو، بھاشا، گجراتی اور سنسکرت زبانوں سے واقف تھے۔ خیرؔ رحمانی اور سیّد محمد علی ایرانی کے مابین رابطۂ علمی

بہت گہرا تھا۔'ابوالخیر رحمانی: حیات وخدمات' (قلمی) میں درج ہے کہ خیرؔ رحمانی اور محمد علی ایرانی کے مابین جن علمی وادبی مسائل واشکال کو بنیاد بنا کر مباحث قائم کیے گئے تھے وہ فارسی زبان میں تقریباً بیس خطوط پر مشتمل ہیں۔ خیرؔ کے سوالات اور استاد محمد علی ایرانی کے جوابات پر مبنی بیس خطوط کا ذکر موجود ہے لیکن کسی کا بھی کوئی نمونہ نقل نہیں کیا ہے۔

تلامذہ :

خیرؔ رحمانی کے علمی تبحر کا شہرہ دور دراز تک پھیل چکا تھا۔ امرا اور رُؤسا کے یہاں بطورِ اتالیق درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ نثری وشعری اصلاح دی۔ صحافت کا گُر سکھایا۔ آپ کے شاگردوں میں کئی مشاہیر علما، ادبا، شعرا وکلا اور رؤسا شامل ہیں۔ ان کا نام بحیثیت استاد بہت کم لوگوں نے لیا ہے۔ شاگردوں میں سب سے بڑا نام سیّد نواب سعادت علی خاں پیغمبر پوری کا آتا ہے، خیرؔ رحمانی ۱۹۱۷ء تک نواب کے اتالیق رہے۔ انھوں نے سعادت علی خان کا دیوان ترتیب دیا۔ اس دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ صفحات رنگین ہیں جو اس عہد کے اعتبار سے ایک انوکھی بات تھی۔ اس کے لیے کاغذ جرمنی سے منگایا گیا تھا۔ یہ دیوان ماہ اپریل ۱۹۰۷ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شائع ہوا۔ دیوان پر حالاتِ مصنف کے تحت مولانا خیرؔ رحمانی نے نہ صرف نواب سیّد سعادت علی خان کا بہترین تعارف کروایا بلکہ کلام پر اپنی گراں قدر رائے بھی دی ہے۔ موصوف نے دیوان ھذا کی طباعت کی تاریخ یوں کہی ہے:

یہ ہے دیوان یا کانِ فصاحت معدنِ جدت ۔۔۔ بہت ہی خوب دی دادِ ذہانت واہ کیا کہنا
صفائی ایسی اور اتنی صفائی اے سبحان اللہ ۔۔۔ فصاحت ایسی اور اتنی فصاحت واہ کیا کہنا
حقیقت کے مضامیں کی صفائی اے تعال اللہ ۔۔۔ اسے کہتے ہیں اعجاز و کرامت واہ کیا کہنا
جنابِ خیر تھے اس غور میں تاریخ ہو ایسی ۔۔۔ کہے سن کر جسے خود ہی طبیعت واہ کیا کہنا
تو نکلی غور کے دل سے یہی تاریخ بر جستہ ۔۔۔ چھپا بے مثل دیوانِ سعادت واہ کیا کہنا

غور کا دل ''و'' اور عدد ۶ ہے۔ دوسرے مصرعے ۔۔۔ ۱۳۱۸
کے مجموعۂ عدد میں ''۶'' جوڑ دیجیے۔ ۔۔۔ ۶+ ۱۳۱۸= ۱۳۲۴ھ

خیرؔ کے دیگر معروف شاگردوں میں ایک نام بسملؔ عظیم آبادی کا لیا جاتا ہے۔ سیّد شاہ محمد حسن بسملؔ عظیم آبادی نجیب الطرفین تھے۔ ان کا بیشتر وقت شادؔ عظیم آبادی کی شاگردی میں گزرا۔ ان کی شاعری میں وہ تمام شعری خصوصیات جو مبارکؔ کو داغؔ کے توسط سے حاصل تھیں، بسملؔ کے کلام میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ بسملؔ کی شاعری میں ایک طرف شادؔ کی پاکیزہ غزلیہ شاعری کا رنگ ہے تو دوسری طرف مبارکؔ عظیم آبادی کی غزلیہ شاعری کا رنگ و آہنگ، صنائع وبدائع، تراکیب و محاورات کی جھلک' موجود ہے۔ بسملؔ کا تعلق عظیم آباد شہر سے سولہ سترہ میل مشرق کی جانب آباد ایک قصبہ ''خسرو پور'' سے تھا اور خیرؔ رحمانی کا وطن ثانی بھی خسرو پور تھا۔ اس طرح دونوں میں ایک گونہ فطری لگاؤ تھا۔ شادؔ عظیم آبادی کی وفات کے وقت بسملؔ ۲۶ رسال کے تھے۔ اس کے بعد بسملؔ نے خیرؔ رحمانی سے بھی مشورۂ سخن کیا اور مبارکؔ عظیم آبادی سے بھی۔ ان دونوں کا قیام خسرو پور میں تھا۔ البتہ مبارک کی شاگردی کا برملا اظہار ہوا ہے لیکن خیرؔ رحمانی کا نام مخفی ہی رہا، کیوں کہ موصوف کی حیثیت ایک اتالیق کی تھی۔ خیرؔ کے دیگر شاگردوں میں سیّد شاہ محمد جعفر حسین صادقؔ وسیّد شاہ محمد اصغر حسین اہالیانِ خسرو پور کا نام آتا ہے۔ جعفر کے والد نواب سیّد واجد حسین ایک بڑے زمین دار تھے۔ سیّد شاہ محمد جعفر حسین صادق نے خیرؔ رحمانی کی رہنمائی میں تعلیم کی ابتدا کی پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے کیمبرج تشریف لے گئے۔ لندن میں سوشلسٹوں سے متاثر ہوئے لہٰذا ہندوستان آ کر سماجی خدمت گار ثابت ہوئے۔ بڑے متحرک وفعال تھے۔ ادبی ذوق خوب پایا تھا۔ کئی سماجی اور ادبی انجمنوں سے فعال وابستگی رکھتے تھے۔ ان کی تحریر کردہ کتابوں کا علم نہیں لیکن ایک کتابچہ 'ہندوستانی کا مسئلہ' کے عنوان سے شائع شدہ ملتا ہے جو انجمن ترقی اردو، صوبہ بہار کی مقرر کردہ سب کمیٹی کی رپورٹ ہے۔ اس کے سرِ ورق کے مختصر خلاصہ پر ارکان سب کمیٹی میں قاضی عبد الودود، سیّد شاہ محمد جعفر حسین، سیّد محمود شیر، اور قاضی محمد سعید کے نام دیکھے جاسکتے ہیں۔ سیّد شاہ محمد جعفر حسین نے خیرؔ رحمانی کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا، شاعری شروع کی اور تخلص 'صادقؔ' اختیار کیا۔ ان کی ایک کتاب 'بچیوں کی کہانی' ۱۳۴۱ھ میں چھپی جس کے تعلق سے خیرؔ رحمانی نے چار قطعات کہے ہیں۔ اسلامی خلافت جنتری یا سالنامہ اسلامیہ مطبوعہ ۴۱-۱۳۴۰ھ کے تعلق سے خیرؔ

رحمانی کی کتاب 'جوشِ آزادی' کی جلد کے سرِ ورق کے اندرونی صفحہ پر یوں صراحت موجود ہے:

> جس میں خلافت کے تاریخی حالات، زمانۂ آں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر موجودہ سلطان وحید الدین تک کے تمام خلیفوں اور عربی بادشاہوں کے سن جلوس، وفات، ان کے عہد کے مشہور واقعات، نماز مع ترکیب اور دینی ضروری ہدایات، غازی مصطفیٰ کمال پاشا، غازی انور پاشا، امیر امان اللہ خان، مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، مہاتما گاندھی، مولوی ظفر علی خان اور ہندوستان کے تمام مشہور مسلمان لیڈروں کی تصاویر مع مختصر حالات.....قومی نظمیں، دنیا کی اسلامی آبادیوں کے حالات، اس کی پشت پر عام واقفیت کے لیے نقشہ یورپ، ایشیا وافریقہ، ہر ایک تاریخ کے مشہور واقعات۔ ہر قسم کی تاریخی تعطیلیں۔ ڈاک خانہ اور عدالت کے متعلق تمام ضروری ہدایات اور کئی ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں۔''

سیّد شاہ جعفر حسین نے 'جوشِ آزادی' مولفہ خیؔر رحمانی کے دیباچہ میں استادِ گرامی کا نہ صرف تعارف کروایا ہے بلکہ اس کتاب پر اپنی مختصر رائے بھی دی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

> ''یہ ایک مختصر مجموعہ ہمارے استاد حضرت مولانا خیؔر رحمانی دربھنگوی کی قومی نظموں کا ہے جس کے حرف حرف سے اسلامی جوش، لفظ لفظ سے اسلامی درد، مصرعے مصرعے سے قومی جذبات کی موجیں اُٹھ رہی ہیں۔''

جعفر کے چھوٹے بھائی سیّد شاہ اصغر حسین کی ابتدائی تعلیم کا آغاز بھی خیؔر رحمانی کی زیرِ نگرانی ہوا۔ علوم اسلامیہ سے خاصا شغف تھا۔ عربی، فارسی اور اردو کے ادبِ عالیہ کا ذوق خوب پایا تھا۔ وہ تاحیات وکالت کے پیشے سے جڑے رہے۔ قانون پڑھا اور پڑھایا بھی۔ اس طرح سیکڑوں نونہالوں کو قانونی داؤ پیچ کا گُر سکھایا۔ جب تک زندہ رہے خدمت خلق کرتے رہے۔

خیر کے لائق و فائق شاگردوں میں ایک نام سیّد مظہر امام کا بھی آتا ہے۔ ان کا تعلق بہار

کے ضلع گیا سے تھا۔ بہار کی سیاست میں ایک کامیاب رہنما کی حیثیت سے ابھرے۔ آزادی سے قبل بہار اسمبلی کے رکن رہے اور آزادی کے بعد دو بار رکنِ ایوان بالا مقرر ہوئے۔ ان کے اندر ملّی درد اور ہندوستانیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اسکول قائم کیا۔ لائبریری قائم کی۔ کئی کتب خانوں، تعلیمی اور انتظامی کمیٹیوں کے سرگرم کارکن بھی رہے۔ خیؔر رحمانی اور سیّد مظہر امام میں قلبی تعلق تھا۔ فنِ خطابت خیؔر رحمانی سے سیکھی۔ ادبی ذوق اسی خوانِ نعمت سے پایا تھا۔ انجمن ہلال اتحاد جس کے بانی مولانا خیؔر رحمانی تھے لیکن اس کی مہار' سیّد امام کے ہاتھوں میں تھی۔ مختصر یہ کہ بڑے کمال کے انسان تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ تمام عمر استاد کے شکر گزار رہے اور کبھی بھی تعظیم وتکریم کا موقع ہاتھوں سے جانے نہیں دیا۔

ازدواج واولاد

خیؔر رحمانی کی تین منکوحات کا پتہ چلتا ہے۔ ان کی پہلی شادی امتیاز الدین کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی جن کے بطن سے ایک بیٹی اُم الصفیہ کی پیدائش ۷/ مارچ ۱۸۹۱ء کو ہوئی۔ موصوف کی دوسری زوجہ کا نام بی بی زیب النساء ہے، جن کے ساتھ ۱۱/ مئی ۱۹۰۱ء کو عقدِ مناکحت سے بندھے۔ بی بی زیب النساء کے والد کا نام سیّد تفضّل حسین اور دادا کا نام سیّد سخاوت علی تھا جو ضلع موتی ہاری کے ایک گاؤں 'دیواجت' کے 'اہالیان' میں تھے۔ یہ گاؤں مشرقی چمپارن میں قائم مہسی اسٹیشن سے دوڈھائی میل کی دوری پر واقع ہے۔ موصوف کے خاندانی کوائف سے پتہ چلتا ہے کہ بی بی زیب النساء کے بطن سے دو بیٹیاں تولد ہوئیں، جن میں اُمّ الراضیہ متولد ۲۵/نومبر ۱۹۰۷ء بڑی اور اُمّ الزاہدہ متولد ۱۵/فروری ۱۹۱۰ء چھوٹی تھیں۔ خیؔر رحمانی نے تیسرا نکاح ضلع دربھنگہ کے ایک قصبہ ڈنگروارہ کے متمکن وحید الدین کی بیٹی محترمہ اختر النساء سے کیا، جن کے بطن سے اللہ نے دو اولادِ نرینہ عطا کیں۔ بڑے بیٹے سیّد احمد ۱۱/نومبر ۱۹۱۹ء میں عالم آب وگل میں آئے جب کہ چھوٹے بیٹے سیّد محمد نے ۱۹/فروری ۱۹۲۲ء میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ سید محمد تقسیم ہند کے بعد پاکستان چلے گئے۔ بڑے بیٹے سیّد احمد ہندوستان میں ہی مقیم رہے جن سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں اور اب ان کے پوتے اور پوتیوں کے بیٹے بھی بڑے ہو چکے ہیں۔

معاش وروزگار:

مولانا خیر دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد تین برسوں تک کچھ رسائل و جرائد کے لیے مضامین لکھتے رہے پھر مونگیر چلے گئے اور رسالہ 'شوخ' یا 'گلدستۂ شوخ' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اشرف مختار نے 'حیات وخدمات خیر' (قلمی) میں لکھا ہے کہ خیؔر رحمانی بیلن بازار، مونگیر سے نکلنے والے رسالہ 'گلدستۂ شوخ' سے وابستہ تھے۔ دیگر تذکرہ نگاروں نے اس رسالے کا نام صرف 'شوخ' لکھا ہے۔ مرتب کتاب 'ترجمان' میں خیؔر رحمانی کے نبیرہ سید ابوالخذر قاضی بھیروی کے مضمون میں یہ مذکور ہے کہ خیؔر نے ۱۸۸۹ء میں مونگیر سے اخبار 'شوخ' نکالا۔ (ترجمان، شمارہ ۲، اردو مرکز پٹنہ، ص۔۱۹۱) قاضی عبدالودود کی کتاب 'چند اہم اخبارات ورسائل' میں رسالہ 'شوخ' کا ذکر سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ البتہ خیؔر رحمانی کے کتابچے 'شہانی رات' کے سرِ ورق پر اخبار 'شوخ' کا ذکر موجود ہے، جو شوخ کی اشاعت کی تائید کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد ذاکر حسین نے مغربی بنگال سے شائع ہونے والے رسالہ روح ادب کے صحافت نمبر (اپریل تا جون ۲۰۲۲، ص۔۱۴۳) میں ایک مضمون 'الپنچ اور خیؔر رحمانی دربھنگوی' کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس مضمون میں مونگیر میں مولانا خیؔر رحمانی کے مونگیر سے رسالہ شوخ نکالنے کی غرض وغایت کے تعلق سے قیاسی جواز تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن دلیل کا فقدان نظر آتا ہے۔ الکٹرونک میڈیا پر قادیانیت کے خلاف مولانا محمد علی مونگیریؒ کی خدمات کے حوالے سے دستیاب مطبوعہ مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ خیؔر رحمانی کی سرزمین مونگیر پر آمد مولانا محمد علی مونگیری کی آمد سے کئی سال پہلے ہوئی تھی۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ مولانا محمد علی مونگیری اور خیؔر رحمانی کی ملاقات کم سے کم اس عہد میں نہیں ہوئی، جس زمانے میں خیؔر رحمانی مونگیر میں تھے۔ خیؔر رحمانی کا جھکاؤ دوران تعلیم ہی مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (متوفی ۱۸۹۵ء) کی جانب تھا۔ مولانا خیؔر کے علاوہ ان کے کئی اکابرین حضرت فضل الرحمٰن کے مرید تھے۔ مولانا خیؔر نے بھی حضرت کی بیعت کی۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو خیؔر مونگیر نہیں آتے کہ شہرِ عظیم آباد کو اس زمانے میں بھی مرکزیت حاصل تھی۔ اس

ضمن میں سیّد ابوالحسن ندوی کی کتاب تذکرہ حضرت مولانا گنج مرادآبادی کے صفحہ۔۱۶ سے ذیل کی عبارت قابل توجہ ہے:

''جب شاہ صاحب دہلی سے اپنے وطن واپس آئے تو ایک عرصہ تک ملّاواں میں قیام فرمایا۔ اہلیہ صاحبہ کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد منتقل ہو گئے جو ملّاواں سے چار میل پر ہے، آپ نے وہاں دوسری شادی کی اور سکونت اختیار کر لی لیکن اس زمانے میں زیادہ تر سفر میں رہتے تھے، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور، بنارس، قنوج وغیرہ کا سفر فرماتے تھے۔ جب عمر مبارک زیادہ ہوئی تو سفر ترک فرما دیا اور مراد آباد میں مستقل قیام فرمایا، جہاں عقیدت مندوں نے پروانوں کی طرح ہجوم کیا اور تحائف وہدایا کی بارش ہوئی، بڑے بڑے امرا اور رؤسا دور دراز اور دشوار گزار علاقوں سے عقیدت مندانہ حاضر ہوتے اور آپ کی ذات مرجع خلائق بن گئی۔''

فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی شہرت قرب وجوار میں اس طرح پھیلتی چلی گئی کہ خیر کے وطن سے بہت سارے اشخاص نے گنج مرادآبادی کی خدمت میں حاضر ہو کر باقاعدہ بیعت حاصل کی۔ جن میں ایک نام بسملؔ دربھنگوی کا بھی ہے۔ بسمل کی تاریخ پیدائش کہیں درج نہیں ہے لیکن یہ کہا جاتا ہے کہ خیؔر اور بسملؔ ہم عمر تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ بسملؔ بھی اسی سال یا اس کے آس پاس پیدا ہوئے جو سنِ ولادت خیر کا ہے۔ بسمل کا انتقال ۱۸۹۳ء میں کم عمری ہی میں ہو گیا۔ ان کا دیوان ان کے انتقال کے بعد ۱۹۰۴ء میں مطبع 'الپنچ'، بانکی پور، پٹنہ سے شائع ہوا جس کا مقدمہ حضرت خیؔر رحمانی نے لکھا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور بڑا نام شوقؔ نیموی کا ہے، جن کی شاگردی میں خیؔر نے علمی، ادبی سفر کے ساتھ روحانی سفر بھی کیا۔ ان کے علاوہ بہت سی شخصیات ہمیں نظر آتی ہیں جو مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی مرید تھیں، جن سے مولانا خیؔر رحمانی کا ایک خاص تعلق تھا۔ پیری مریدی میں شیخ یا سالک کے تمام مرید آپس میں 'پیر بھائی' کہلاتے ہیں اور ان کے درمیان ایک خاص طرح کا ربط وضبط ہوتا ہے۔ خیؔر کے روابط جن اشخاص سے بھی رہے وہ تقریباً سبھی مولانا مرادآبادی سے بیعت تھے۔ خیؔر رحمانی دیارِ علمی دیوبند میں تھے، ابھی تعلیم سے فراغت نہیں

ملی تھی۔ مولانا فضل الرحمٰن کی بزرگی کا شہرہ دارالعلوم دیوبند تک جا پہنچا تھا اور دیوبند سے مولانا گنج مرادآبادی کے آستانے کا سفر بہت دشوار بھی نہیں تھا۔ جب خلائق خداوندی بیعت کے لیے ہجوم کر رہی تھی تو خیر اس نعمتِ عظمیٰ سے کیسے محروم رہ جاتے۔ دارالعلوم دیوبند کے بہت سے نوجوان طلبا حضرت کے سایۂ عاطفت میں آ چکے تھے جن میں ایک بڑا نام حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا بھی ہے جو مولانا خیر رحمانی سے علمی سند کے اعتبار سے دو سال بڑے تھے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کی ذات با برکات اور اسلام کے تئیں ان کی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ بڑے بڑے جید علما ان کے خوانِ علم سے نعمت چنتے رہے۔ مولانا فضل الرحمٰن کی شخصیت ایسی تھی کہ جو کوئی ان سے ملتا، انھیں کا ہو کر رہ جاتا۔ مولانا محمد علی مونگیری اور مولانا گنج مرادآبادی کے درمیان محبت وعقیدت کا بہت گہرا رشتہ اور ایک دوسرے کا احترام تھا۔ جس زمانے میں قادیانیت نے مونگیر کے علاقوں میں زور پکڑا مولانا فضل الرحمٰن کی منشا اور اجازت سے مولانا محمد علی اس علاقے میں آئے۔ پورنیہ، کشن گنج وغیرہ کے علاقوں میں قادیانیت اپنی انتہا پر تھا۔ بھاگلپور اور اس کے آس پاس کے دو چار علما مرتد ہو چکے تھے۔ جب مولانا محمد علیؒ کی گاڑی مونگیر اسٹیشن پہنچی تو خلقت خداوندی کا ہجوم تھا۔ ہر خاص و عام دیوانہ وار مولانا کے استقبال کو بھاگا اسٹیشن چلا آیا تھا۔ مولانا علی میاں ندوی نے 'کمالاتِ محمدیہ' کے حوالے سے ایک خط نقل کیا ہے، جس سے مولانا محمد علی کے تئیں اہل مونگیر اور اطراف واکناف کے اشخاص کی محبت ومودت اور عقیدت کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا کے ہاتھوں پر بیعت کرنے کے لیے اشخاص بڑے جوش وجذبہ سے شرسار تھے۔ لہٰذا مولانا محمد علی نے اشخاص پر مبنی جماعت کو بیعت سے سرفراز کیا:

''ایں کمینہ خادم دور افتادہ بہ اصرار بعض احباب از کانپور بہ مونگیر رسیدم۔ از توجہات عالیاتِ دریں جا بہر نوعِ جمعیتِ ظاہری و باطنی یافتم۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ مردمان برائے دخول سلسلہ آں قبلہ ہجوم کردند وبعض را حسبِ ارشاد سابق داخلِ سلسلہ نمودم وبعض را برا اجازت جدیدہ موقوف داشتہ ام۔ چہ ارشاد می شود۔'' (سیرت مولانا محمد علی مونگیری صفحہ ۳۴۱)

مولانا فضل الرحمٰن کی وفات ۱۸۹۵ء میں ہوئی۔ مولانا محمد علی نے ۱۹۰۱ء تا ۱۹۰۲ء خانقاہ تعمیر کروائی اور ۱۹۰۳ء سے باقاعدہ یہاں سکونت اختیار کی۔ مولانا علی کی شہرت، عظمت، تقویٰ و طہارت اور تبحر علمی کا شہرہ مونگیر کے علاوہ دربھنگہ، پٹنہ اور بہار کے دیگر علاقوں میں جا پہنچا تھا۔ لوگ دور دراز کے علاقوں سے بغرض بیعت آتے رہے جن میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے متعلقین ومریدین بھی شامل تھے اور ان میں سے بیشتر کا تعلق بہار یا اس صوبہ کی ملحقہ ریاستوں سے تھا۔ مولانا گنج مرادآبادی کی وفات کے بعد ان کے بیشتر مرید مولانا علی مونگیری کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔

مولانا خیر رحمانی جب فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے بیعت ہوئے تو بالکل جوان تھے۔ مولانا گنج مرادآبادی کی ساری زندگی کلمۂ حق بلند کرنے میں گزر رہی تھی۔ انھوں نے اپنے کئی مریدوں کو دینِ حق کی تبلیغ وترجمانی پر لگا رکھا تھا۔ عیسائیت کے بعد قادیانیت ہندوستان میں بالخصوص ان علاقوں میں اپنا پاؤں پسار رہی تھی، جہاں جہالت اور ناخواندگی زیادہ تھی۔ بہار کے شہر مونگیر کے قرب وجوار میں قادیانیت کا بڑا زور تھا۔ اغلب ہے کہ دیوبند سے فراغت کے بعد خیر جب وطن لوٹے تو مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی سے تحریک پا کر مونگیر پہنچے تاکہ دینِ مبین کی روشنی لوگوں تک پہنچائیں۔ مونگیر پہنچ کر خیر نے اپنے اندر کے صحافی کو جلا بخشنے کے لیے رسالہ شوخ نکالا تاکہ اس سے دو کام لیے جا سکیں۔ ایک ادبی ذوق کی تسکین اور دوسرے دینِ حنیف کی صحیح ترجمانی۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ رسالہ کا مالک کوئی اور تھا تب بھی مولانا خیر کے عزم وارادہ پر کوئی حرف آتا دکھائی نہیں دیتا۔ اردو صحافت کی تاریخ پر نظر ڈالنے پر پتہ چلتا ہے کہ ۱۸۵۵ سے ۱۹۰۰ء تک گلدستے کا زمانہ ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا کے ساتھ ہی گلدستہ نکالنے کی روایت کم زور پڑ گئی۔ گلدستے کی نوعیت عام رسائل سے قدرِ مختلف تھی۔ اس میں شعرا کے کلام شائع کیے جاتے تھے۔ شعری نشست، طرحی مشاعرہ کے علاوہ مشاعرہ کی روداد کے ساتھ شعرا کے کلام چھاپے جاتے تھے۔ مذہبی تقریب کے موقع پر گل دستے کے نمبر بھی شائع ہوتے تھے، جس میں حمد، نعت، منقبت پر مبنی اشعار مع کوائف جگہ پاتے تھے اور غزلوں اور نظموں کا بھی التزام ہوتا تھا۔

حقائق بتاتے ہیں کہ خیر رحمانی نے شعرا کے کلام پر مبنی اخبار 'شوخ' نکالا جس کی نوعیت گلدستہ کی تھی۔ ۱۸۹۲ء تک مولانا خیر رحمانی 'شوخ' کو اپنا لہو پلا کر شوخ بناتے رہے۔ اس کے بعد وہ دربھنگہ لوٹ گئے اور ۱۸۹۶ء میں Famine Circle Officer کی حیثیت سے موجودہ ضلع مدھوبنی کے ایک 'لدنیا' نامی بلاک میں ۵۷/روپئے ماہوار کے عوض باقاعدہ اپنے معاش کا آغاز کیا۔ یہ بلاک نیپال کے سرحدی علاقوں سے متصل ہے۔ خیر رحمانی کتنے دنوں تک یہاں رہے اور اس ملازمت سے کیوں الگ ہوئے، اس کی کوئی اطلاع نہیں ملتی۔ بعد کے احوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جز وقتی طور پر ملازمت اختیار کی تھی۔ جس زمانے میں خیر نے ملازمت اختیار کی ہوگی یہ علاقہ خاصہ جزیرہ نما رہا ہوگا کیوں کہ نیپال کی ترائی میں آباد یہ علاقہ آج بھی جدید ترقیوں سے کوسوں دور ہے۔ قحط اور سیلاب اس علاقے کا کل بھی مقدر تھا اور آج بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۸۹۷ء میں خیر رحمانی نے ان ہی علاقوں میں ریلیف افسر کی حیثیت سے بھی کام کیا لیکن یہ بھی مستقل ذریعہ معاش کا سبب نہ بن سکا۔ اس کے بعد وہ موجودہ ضلع سمستی پور چلے آئے اور ڈپٹی کلکٹر آف لینڈ ا کیوزیشن کے شعبہ میں مبلغ ۲۰/روپئے کے مشاہرہ پر تیسرے درجے کے کلرک کی حیثیت سے ملازمت اختیار کی، جسے بعد میں چھوڑ دیا۔ خیر رحمانی کی پہلی ملازمت اور دوسری ملازمت کا دائرۂ کار ان کے آبائی وطن قاضی بہیرہ سے ۹۰ کیلومیٹر کی دوری پر تھا اور خیر کے عہد میں وہاں آمد و رفت کا ذریعہ سوائے ٹرین کے کچھ اور نہ تھا اور سفر بھی خاصہ دشوار تھا۔ علاقہ بھی علم و ادب سے بے بہرہ ایسے عالم میں خیر کا جی کیسے لگتا۔

الپنچ کی ادارت:

مولانا خیر رحمانی کا ذہن شروع سے ہی اختراعی رہا۔ ان کی طبیعت کسی بندھے ٹکے اصولوں سے لاگ نہیں کھاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ دفتری اصولوں کی پابندی سے خود کو نکال لائے اور میدانِ صحافت میں عملی طور پر قدم رکھا۔ انھوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز بہت پہلے کر لیا تھا۔ وہ کئی رسائل و جراید کے مدیر اور ذمے دار کالم نویس اور مضمون نگار کی حیثیت سے خدمات

انجام دے رہے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی شناخت قائم ہوتی چلی گئی۔ اسی دوران وہ پے در پے اخبارات کے لیے پورَبی اور مشرِقی کے ناموں سے نامہ نگاری بھی کرتے رہے۔ ان کے صحافتی جوہر سے رسائل و جرائد کے مالکان بغایت درجہ متاثر تھے۔ جب 'الپنچ' کے اڈیٹر مولوی عبدالرحیم مہجور استھانوی بیمار پڑے تو ان کی نگاہ خیر رحمانی پر جا ٹھہری اور انھیں دربھنگہ سے پٹنہ بلایا اور اخبار ہذا کی تمام ذمہ داری ان کے دوش پر ڈال دی۔ ۱۹/ جولائی ۱۹۰۲ء کے شمارے میں مولانا سید عبدالرحیم کی وفات پر خیر رحمانی کا ایک تعزیتی مضمون ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ الپنچ کی ادارتی ذمہ داری سنبھالنے سے پہلے ابوظرفا اور قہر نگار، ہنٹر پھٹکار کے ناموں سے بھی نامہ نگاری کیا کرتے تھے۔ خیر کے لیے یہ دفتر کوئی نیا نہیں تھا بلکہ ماضی میں بھی اس اخبار سے انسلاک رکھتے تھے۔ خیر باقاعدہ ۱۸۹۰ سے ۱۹۰۶ء تک اس دفتر میں رہے۔ ۱۸۹۰ء سے جولائی ۱۹۰۲ء تک ان کی حیثیت ایک اڈیٹر کی رہی تاہم عبدالرحیم کی حیات تک خود کو نائب اڈیٹر لکھتے رہے۔ سال ۱۹۰۲ کے وسط سے انھوں نے خود کو اڈیٹر لکھنا شروع کیا۔ سال ۱۹۰۳ کے شمارے میں خیر رحمانی کی ایک تحریر ملتی ہے، جس میں تمام باتیں آئندہ شائع ہونے والے الپنچ کی نوعیت کے حوالے سے ہے:

> ''یہ ہیچ مدان خیر دربھنگوی اسسٹنٹ اڈیٹر آٹھ برسوں سے اخبار چلا رہا تھا۔ صرف وہ مضامین کو دیکھ لیا کرتے تھے......اخبار جس طرح سے نکل رہا تھا، انشاء اللہ نکلتا رہے گا۔ آٹھ برس سے جس کی اڈیٹری میں اخبار تھا اُسی کے ہاتھ میں اب بھی رہے گا۔ جیسا رنگ تھا وہی رہے گا۔ وہی ظرافت ہوگی، وہی متانت۔

(الپنچ۔ صفحہ۔ ۸، جلد۔ ۱۸، ۱۹۔ ۲۶/ جولائی)

مذکورہ بالا اقتباس سے یہ بات روشن ہے کہ خیر رحمانی جس علمی، ادبی اور صحافتی قد کے انسان تھے اسی قدر اعلیٰ ظرف سے بھی متصف تھے۔ انھوں نے الپنچ شائع کرنے کے لیے تمام دفتری کام انجام دیے تاہم خود کو نائب مدیر اور عبدالرحیم کو اڈیٹر ہی لکھتے رہے۔ عبدالرحیم 'الپنچ' کے مالک تھے لیکن ان کی زندگی کا آخری لمحہ بڑا ہی ہولناک اور صبر آزما تھا۔ ضیق النفس نے انھیں توڑ کر رکھ دیا تھا اور وہ بالکل صاحب فراش ہو چکے تھے ایسے عالم میں اخبار کا شائع کرنا ان کے بس کا

روگ بھی نہیں تھا۔ خیرؔ نے اپنے خاص صحافتی انداز سے اخبار کو زعفران زار و قہقہہ زار بنائے رکھا۔ اس عہد میں اخبار شایع کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوا کرتا تھا لیکن خیرؔ کے ماتھے پر شکن تک نہیں اُبھرا کرتی تھی۔ عبدالرحیم ۱۹۰۲ء میں زندگی کی جنگ ہار گئے۔ ان کا انتقال ''الپنچ کے لیے ایک سانحۂ عظیم سے کم نہیں تھا۔ ماہ جولائی ۱۹۰۲ء کے الپنچ کی جلد ۱۸ کے ۲۳۔۲۲ کے شمارے میں عبدالرحیم کی وفات پر خیرؔ نے 'لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے۔ اپنی خوشی سے نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے' کے عنوان کے تحت نثری مرثیہ لکھا ہے۔ پوری تحریر کا ہر لفظ ماتم کناں اور ہر نقطہ ذہن و دل پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ انھوں نے اس نثری مرثیہ میں غایت درجہ کی محبت و عقیدت کا اظہار نہایت ہی شائستہ انداز میں کیا ہے۔ اس تحریر سے صاحبِ الپنچ عبدالرحیم اور خیرؔ رحمانی کے درمیان تعلقِ خاطر کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ وہ عبدالرحیم کے تعلق سے لکھتے ہیں:

> ''آپ کا شباب کس طرح گزرا، ہم کو معلوم نہیں۔ یہ ناچیز دس برس سے ان کے ساتھ تھا۔ آپ کو نہایت محتاط پایا۔ باخدا اور خداترس...... جب آپ ضیق النفس سے پریشان ہوئے تو اس ہیچ مدان خیرؔ کو، جو پہلے 'ابوالظرفا' اور 'قہر نگار'، 'ہنٹر پھٹکار' کے نام سے نامہ نگاری کرتا تھا، بلالیا اور نائب اڈیٹر مقرر کیا۔ آپ صرف پروف دیکھ لیا کرتے تھے''۔

(الپنچ ۱۹۔۲۶ ر جولائی ۱۹۰۲ء، جلد۔۱۸، شمارہ ۲۲۔۲۳، صفحہ۔۱۳)

عبدالرحیم نے جوں ہی عالمِ بقا کا سفر اختیار کیا، وارثین کے درمیان غلط فہمیاں راہ پاتی چلی گئیں۔ آپسی اختلافات بامِ عروج کو پہنچے۔ 'الپنچ' مالکانہ بے توجہی کا شکار ہوگیا۔ خیرؔ تنہا الپنچ نکالنے کا جتن کرتے رہے لیکن ۱۹۰۴ء اور ۱۹۰۵ء کا سال الپنچ کے ساتھ خیرؔ کے لیے بھی بڑا صبر آزما رہا۔ وارثین کے اختلافات کی وجہ سے وہ کبیدہ خاطر ہوئے اور ۱۹۰۶ء کے آغاز سے ہی حضرتِ خیرؔ کی ہمت جواب دینے لگی۔ بالآخر انھوں نے ۱۹۰۸ء میں 'الپنچ' کی ادارتی ذمے داری سے اپنی علاحدگی کا اعلان کر دیا۔ خیرؔ رحمانی نے 'حیاتِ مبارک عظیم آبادی' میں لکھا ہے کہ ''۱۸۹۵ء یا ۱۸۹۶ء سے ۱۹۰۸ء تک میں اخبار الپنچ، بانکی پور کا اڈیٹر رہا''۔ (ادراک گوپال پور، شمارہ۔۴، ص۔۷) موصوف

جوں ہی الپنچ کی ادارت سے دست بردار ہوئے اخبار 'الپنچ' کے دیگر لواحقین میں مزید آگے بڑھنے کی ہمت نہیں رہی اور آخر کار الپنچ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

رسالہ بہار کی ادارت:

کہتے ہیں کہ عادت، عاشقی سے بدتر ہوتی ہے۔ ایک صحافی، صحافت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ جب خیرؔ الپنچ کے مدیر تھے اسی دوران انھوں نے ایک رسالہ ''گلدستۂ بہار'' کے نام سے جاری کیا تھا جو بعد میں ''دامنِ بہار'' کے نام سے شائع ہوتا رہا۔ نذرؔ عظیم آبادی کے قطعۂ تاریخ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹۰۳ میں پرچہ بہار جاری ہوا تھا:

قطعۂ تاریخِ پرچہ 'بہار'

گلشنِ نظم پر غضب ہے نکھار — کیوں نہ ہو لوٹ پوٹ دل سے بہار
وہ مضامین کے پھول رنگا رنگ — جن کی صورت ہے روکشِ گلزار
نغمے بلبل کے وہ کہ صلِ علیٰ — دل لبھائے وہ لَے بھری چہکار
تازہ گل دستۂ سخن نکلا — جس سے کیا کیا بسے ہیں شہر و دیار
جو شگوفہ ہے جانِ گلشن ہے — اس کا جو پھول ہے وہ عنبر بار
اُٹھتی کونپل کا حسن یاد آئے — وہ نکیلے رنگیلے ہیں اشعار
شعر ہیں، موتیوں کی لڑیاں ہیں — ان پہ کیجیے جواہروں کو نثار
ہے یقین ایک دن یہ گل دستہ — فصحاء کا ہو طُرّۂ دستار
نذرؔ تاریخ گر کوئی پوچھے — تو کہو غنچۂ اُمید بہار

۱۳۲۱ھ

(دبستانِ عظیم آباد کا گلِ سرسبد، حفیظ عظیم آبادی ص۔۳۹)

'بہار' دراصل 'الپنچ' کا ضمیمہ تھا اور اسی پریس سے شائع ہوا کرتا تھا۔ سیّد ضیاء الرحمٰن اس کے سرپرست اور عابد حسین عابد اس کے مہتمم تھے۔ اس رسالہ میں بیشتر عاشقانہ غزلیں چھپتی تھیں۔ مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا شاید ہی کوئی ایسا شاعر بچا ہو جس کا کلام 'بہار' میں شائع نہ ہوا ہو۔ اس رسالہ کی سرپرستی بھی بہت سے اشخاص نے کی جن میں ایک نام سیّد سعادت علی، پیغمبر پوری دربھنگہ کا بھی ہے۔ اس رسالے کی اشاعت کے تعلق سے خیرؔ بہت ہی سنجیدہ اور حساس واقع ہوئے تھے، اس لیے انھوں نے ۱۹۰۳ء میں ''انجمن مؤید اللسان'' قائم کیا تاکہ ''دامن بہار'' تعطل کا شکار نہ ہو اور خود ہی اس ادارے کے ترجمان کی ذمے داری سنبھال لی۔ 'دامن بہار' کی اشاعت کب تک ہوئی کوئی ثبوت بہم نہیں پہنچتا لیکن قاضی عبدالودود نے اپنی کتاب 'چند اہم اخبارات ومسائل' (ص۔۲۰۴ تا ۲۰۸) میں اس کے دس شماروں پر بالتفصیل روشنی ڈالی ہے۔ ممکن ہے کہ 'الپنچ' کے بند ہونے کے بعد 'بہار' بھی بند ہو گیا ہو جیسا کہ عرض ہوا کہ یہ مطبع 'الپنچ' سے ہی شائع ہوا کرتا تھا۔ الپنچ اور دامن بہار کے بند ہونے کے بعد بھی خیرؔ کا قلم جمود کا شکار نہیں ہوا بلکہ وہ اس عہد میں شائع ہونے والے موقر اخبارات جیسے اودھ پنچ لکھنؤ، روزنامہ اخبار 'زمانہ' کلکتہ، عصر جدید کلکتہ، روزنامہ احرار کلکتہ، روزنامہ نصرت بمبئی، روزنامہ کانگریس دہلی، الخلیل بجنور، مسلم دہلی، مکّہ مدینہ مرادآباد اور آگرہ اخبار آگرہ وغیرہ کے لیے مسلسل مضامین لکھتے رہے۔

(جوش آزادی، سیّد شاہ محمد جعفر حسین، مطبع لاہور، ص۔۲)

دیوکی نندن اور ڈائمنڈ جوبلی کالج میں پروفیسری کی خواہش:

خیرؔ رحمانی اپنے عہد کے ایک بڑے عالم فاضل شخص تھے۔ الپنچ کی ادارت کے دوران ان کی طبیعت درس وتدریس کی طرف مائل ہوئی۔ الپنچ کے مالک عبدالرحیم کی وفات کے بعد وارثین کے درمیان اختلافات ابھرنے لگے۔ خیرؔ رحمانی کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ اسی اثنا میں مونگیر کے ایک کالج کے لیے ضرورتِ استاد کے تحت ۱۹۰۵ء میں ایک اشتہار شائع ہوا اور خیرؔ نے وہاں اپنے آپ کو ایک امیدوار کے طور پر پیش کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ صوبہ بہار کے ضلع مونگیر میں

دیوکی نندن اور ڈائمنڈ جوبلی کالج کا قیام ۳؍اپریل ۱۸۹۸ء کو عمل میں آیا تھا۔ پہلے کلکتہ یونیورسٹی سے الحاق شدہ اس کالج میں آرٹس اور سائنس کے شعبے قائم ہوئے۔ رفتہ رفتہ کالج نے ترقی کی اور علوم شرقیہ کی تعلیم کے لیے استاد کی ضرورت پیش آئی۔ خیرؔ رحمانی نے علوم شرقیہ کی تعلیم دینے کے لیے اس کالج میں درخواست جمع کروائی۔ ان کی قابلیت گرچہ اپنی جگہ مسلم تھی تاہم انگریزی عہد میں کسی بھی عہدے کے لیے کسی کی سفارش یا خود کی اعلیٰ حکام تک رسائی ضروری خیال کی جاتی تھی اور جس کی کوئی رسائی نہ ہوتی اسے استصوابِ آرا کی ضرورت ہوا کرتی تھی۔ آج بھی کم وبیش یہی طریقۂ کار فرما ہے۔ جب یو۔جی۔سی کے تحت کسی کالج یا یونیورسیٹی میں کسی استاد کی تقرری عمل میں آتی ہے تو درخواست کے ساتھ دو یا تین معتبر حضرات کی رائے بھی جمع کروانی پڑتی ہے۔ رائے دینے والا ''ریفری'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ خیرؔ رحمانی کی علمی وادبی استعداد ونظر کی نسبت سے جن اشخاص نے اپنی رائے کا اظہار کیا تھا ان میں مولوی محمد یوسف جعفری، سیّد محمد یعقوب اور خدا بخش خان خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ مولوی محمد یوسف جعفری کی استصواب رائے خیرؔ کی نسبت سے یوں ملتی ہے:

> *"He is a good Persian and Arabic Scholar and has been for last ten years, virtually editing the Al-Punch, the leading Urdu Paper in Bengal and Bihar. It will give me a greate pleasure and satisfaction to see him occupying the Oriental Professorial chair in any Government or private college"*
> *Md.Yousuf Jafari*
> *Chief Moulvi, Board of Examiners, Calcutta.*
> *dated 08.08.1905*

سب ڈپٹی کلکٹر سیّد محمد یعقوب نے خیرؔ رحمانی کی علمی وادبی خدمات کو ذیل کے متن میں تلخیص کے ساتھ یوں واضح کیا تھا:

"He is an applicant for the Persian professorship at the Monghyr College.
I think no better Selection could be made and Molvi Abul Khaire the bearer of this, would be the fittest person for the post."
Syed Md. Yakub , B.L. sub. Dy. Collector, Giridih.
Dated 10.07.1905

مذکورہ اعلیٰ مرتبت اشخاص کے علاوہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ، بہار کے روحِ رواں خان بہادر خدا بخش خاں نے خیرؔ رحمانی کی استعداد و لیاقت کی داد دی اور ان کے نام تحسینی کلمات و اعترافِ لیاقت و استعداد پر مبنی ریفری نامہ جاری کرتے ہوئے لکھا:

"This is to certify that Moulavi Syed Abul Khair, Editor of the "Al-Punch" Akhbar، is a man of exceeding good character and possesses a wide knowledge of Persian Language. He is a frequent visitor to the Oriental Public library and he has been of greate use to me at times. I can safely say that he would do well as a Persian Professor."
(Khan Bahadur) Khuda Bakhsh Khan,C.S.I
Secretary, O.P. Library
Dated 05.06.1905.

(بشکریہ: خیرؔ رحمانی: حیات و خدمات، قلمی)

درخواست جمع کروانے کے بعد خیر پر وہ مصرع صادق آیا کہ ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔ جنابِ خیر بھی تمام تر قابلیت رکھنے کی باوجود مونگیر کے جوبلی کالج میں پروفیسری پانے سے قاصر رہے۔ اب قدرے حالات بدلے ہیں تاہم اب بھی بالکل شفافیت نہیں آئی ہے۔ انگریزی عہد میں پروفیسری کے لیے حکام بالا کی نگاہ ایسے شخص پر ہوا کرتی تھی جو سیاسی طور پر ان کے لیے کارآمد بھی ہو۔ خیرؔ صاحب اس سے عاری تھے۔ جمعیۃ العلما کی تحریک سے وابستہ رہے تھے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے پاسبان اور

انگریزی تہذیب و تمدن کے مخالف ٹھہرے تھے۔ تحریک ترکِ موالات کے حامیان میں ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایک ہندوستانی کے اندر پائی جانے والی حبّ الوطنی جب انگریز آقا کی نگاہ میں عیب کا درجہ رکھتی ہو تو ایسے میں پروفیسری حاصل کرنے کی صورت کہاں سے نکل آتی بلکہ ایسے شخص کے لیے کسی ادنیٰ عہدے پر بھی تا دیر قائم رہنا مشکل ہو جایا کرتا تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ خیرؔ رحمانی کسی بھی سرکاری دفتر میں بہت دنوں تک اپنی فعالیت برقرار نہ رکھ سکے۔ ان کے مزاحیہ صحافتی ترکش میں جس طرح کے تیر و تفنگ تھے، انگریزی حکومت کے دل کو مجروح کرنے کے لیے کافی تھے۔

ادارہ سازی:

خیرؔ رحمانی نے 'انجمن رِفاہُ الکفو' اور 'انجمن مؤیدُ اللّسان' قائم کیا تھا۔ انجمن رفاہُ الکفو کے قیام کے مقصد اور اس کی غرض و غایت کے تعلق سے جو تحریریں سامنے آتی ہیں، وہ بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ یہاں ان کا قلم مبلغ کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ وہ بہت سنجیدگی سے معاشرے کا جائزہ لیتے ہیں، مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں اور اپنی حسّاسیت کا مظاہرہ کس طرح کرتے ہیں، دیکھیے:

’’شرفا کی نسل کی تباہی دیکھ کر اس انجمن نے بیڑا اُٹھایا ہے کہ جہاں تک ہو سکے، شرفا کی نسل کی حفاظت کرے کہ سوائے شریف اور نجیبُ الطرفین کے، دوسری نسل سے تعلق بڑھا کر انقطاعِ کفو نہ کی جائے‘‘۔

انجمن کے قیام کا منشا بین غیر الذات شادیوں پر قدغن لگانا تھا۔ اراکین انجمن کے مطابق شرفاء کی نسل محفوظ نہیں تھی۔ نجابت اور شرافت ایسی صفات ہیں جو نسلی اور خاندانی اشخاص کے یہاں ملتی ہیں۔ دولت کے زور پر سخاوت پر قابو پایا جا سکتا ہے شرافت پر نہیں۔ عادات و اطوار، اخلاق اور طرزِ عمل سے انسان پہچانا جاتا ہے۔ اس انجمن نے اس سلسلے میں کیا اصول وضع کیے تھے اور کب تک یہ انجمن باقی رہی اس حوالے سے کوئی تحریر نہیں ملتی ہے۔ ظاہر ہے اس انجمن کے قیام کے پیچھے سادات کا ایک بڑا حلقہ ضرور رہا ہوگا یا وہ لوگ رہے ہوں گے کہ جن کی اولادیں دیہی

علاقوں کی خاندانی اورنسلی حد بندیوں کوتوڑ کرشہری بے راہ روی کے مرتکب ہوئے ہوں گے۔ مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ خیر رحمانی کو محض اس طرح کی انجمن کے قیام کی ذمے داری دی گئی ہوگی۔ اس سے زیادہ ان کا عمل دخل نہیں نظر آتا کیوں کہ ممدوح کے اہل خاندان گاؤں میں زندگی گزار رہے تھے اور وہاں آج بھی ہڈی، استخوان اورنسل کی تلاش میں لڑکیاں اورلڑکے اپنی عمروں سے تجاوز کر رہے ہیں۔ وہ خود فقہ اسلامی کی درس گاہ دارالعلوم سے فارغ تھے، اس کے باوجود ان کا رویہ سمجھ سے بالاتر ہے۔ اس منشا کے پس پشت کچھ تو مجبوریاں کارفرما رہی ہوں گی۔ موصوف کی تحریروں میں اعلیٰ نثر کا استعمال ہوا ہے جن میں پند ونصائح قابلِ غور ہیں۔

انجمن موید اللّسان کے زیر اہتمام ’بہار‘ نکلا کرتا تھا اور اس انجمن کی بنیاد شاد عظیم آبادی جیسے شعرا کے ہاتھوں پڑی تھی۔ حفیظ عظیم آبادی مشیر تھے جب کہ سرپرست اور مہتمم عابد حسین کی ذاتِ گرامی تھی۔ اس رسالے میں تواتر کے ساتھ شعرا کے کوائف واحوال مع کلام شائع ہوتے رہے۔ اس کا ادبی فائدہ یہ ہوا کہ بہار کے دور دراز کے علاقوں میں آباد بہت سے شعرا وادبا اس رسالے میں جگہ پانے لگے۔ اس رسالہ کا سب سے اہم کارنامہ یہ تھا کہ وہ شعرا جو اب تک کسی نہ کسی وجہ سے گوشۂ گمنامی میں جی رہے تھے، انھیں متعارف کیا گیا۔ مقابلہ جاتی طرحی کلام بڑے اہتمام سے شائع کیا جاتا تھا۔ یہاں آپسی چشمک اور گروہ بندی کے لیے کوئی جگہ نہیں تھی۔ ہر خاص وعام اور شعرا کے لیے اس کے دروازے کھلے تھے۔ نتیجتاً ہر گزرتے وقت کے ساتھ رسالے کی ترویج و ترقی میں اضافہ ہوتا رہا اور اب وہ وقت بھی آپہنچا تھا کہ شاعری کے علاوہ نثر پاروں کو جگہ ملنے لگی۔ نثر نویس اپنی تحریریں اور مضامین اس رسالہ کو بڑی تعداد میں ارسال کرنے لگے۔ مضامین کی کثرت کی وجہ سے اس رسالہ کو دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا اور اس کے نثری حصہ کو ’دامنِ بہار‘ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ دونوں حصّوں کی اڈیٹری کا شرف علامہ خیر رحمانی کو ہی حاصل تھا۔ انھوں نے اس رسالہ کو اپنی انتظامی وانصرامی صلاحیتوں کی بنا پر بام عروج تک پہنچا دیا۔ خیر کے نثری کارناموں میں اس رسالہ کی حیثیت ماہ ومہر کی سی ہے کیوں کہ یہاں سنجیدہ اور متین مدیر کا قلم جلوہ گر ہوتا ہے اور مولانا کو ایک بہترین نثار کی حیثیت سے لا کھڑا کرتا ہے۔

مظہر عالم خیر رحمانی نے تقریباً ۱۳ برس تک اپنی ذوق صحافت کو تقویت بخشا۔ مختلف علمی و ادبی کام انجام دیتے رہے۔ کئی علمی و ادبی انجمن کے سرگرم رکن رہے۔ الپنچ سے علیحدگی کے بعد عظیم آباد میں مزید قیام مناسب معلوم نہیں ہوا اور وہ سید نواب سعادت علی خاں پیغمبر پوری، سنگھواڑہ اسٹیٹ، دربھنگہ کے دربار سے منسلک ہوگئے۔ یہاں ان کی حیثیت نواب کے پرائیوٹ سکریٹری کی تھی۔ نواب صاحب علامہ خیر کے علم کے معترف تھے لہٰذا انھوں نے اپنے دیوان کی تدوین وتزئین کا سارا کام علامہ کے سر ڈال دیا۔ آپ نے نہ صرف دیوان کی ترتیب کا کام انجام دیا بلکہ کلام پر اپنی رائے بھی دی۔ مقدمہ میں سعادت خاں کا خاندانی شجرہ بہت خوب صورت انداز میں پیش ہوا ہے۔ یہ دیوان اپریل ۱۹۰۷ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے شایع ہوا۔ مولانا خیر نواب سعادت علی کے یہاں ۱۹۱۷ء تک رہے۔ اس کے بعد خسرو پور، عظیم آباد کے ایک مشہور رئیس نواب سیّد واجد حسین کے یہاں اتالیق مقرر ہوئے۔ ’ابوالخیر رحمانی: حیات و خدمات (قلمی)‘ میں درج ہے کہ واجد حسین کے چچا خان بہادر سیّد شاہ احمد حسین صاحب اور مولانا خیر رحمانی کے درمیان پہلے سے ہی دوستانہ مراسم تھے۔ وہ خیر صاحب کے کمالات سے واقف تھے اور انھیں کی خواہشات کے احترام میں ممدوح نے واجد حسین کے بچوں کی اتالیقی منظور کی۔ وہ ۱۹۲۱ء سے ۳/ اپریل ۱۹۴۲ء تک خسرو پور میں مقیم رہے۔ اس دوران بہت سے اشخاص نے مولانا سے کسبِ فیض کیا بالخصوص واجد صاحب کے شہزادگان شاہ جعفر حسین اور شاہ اصغر حسین کی تعلیم کے ساتھ مولانا خیر نے پوری تربیت فرمائی اور دونوں نے اہم مقام پایا۔ خیر صاحب کو خسرو پور دل وجان سے عزیز تھا اور کیوں نہ ہوتا خسرو پور ان کا وطن ثانی جو ٹھہرا۔ یہاں کی ہر چیز سے انھیں محبت تھی جن کا اظہار انھوں نے اپنی ایک غزل میں کیا ہے۔ اس غزل کا لطف یہ ہے کہ اس کی ردیف ’خسرو پور میں‘ ہے جو ایک خاص نغمگی پیدا کرنے کا باعث بن گئی ہے:

یونین کا ہوگا اب دربار خسرو پور میں ہونے والا ہے یہ اک آزار خسرو پور میں
یونین کو جان لو تم پیش خیمہ پھوٹ کا ہوگی اِک دن جنگ اور پیکار خسرو پور میں

مُسلم وہندو میں اب تک دیکھتے ہیں میل جول
یونین سے ہو گی اِک تکرار خُسرو پور میں

ہے ترقی پر تجارت خوب غلّہ کی یہاں
ہے سبھی غلّہ کا اِک انبار خُسرو پور میں

ایک چھوٹی سی جگہ میں ہیں معالج سات آٹھ
پھر کوئی کیوں کر ہو اب بیمار خُسرو پور میں

مدرسہ بھی، پاٹھ شالہ بھی ہے یاں، اسکول بھی
ریل بھی اور ڈاک بھی اور تار خُسرو پور میں

کچھ بُرے بھی ہوں گے لیکن بیشتر اچھے بھی ہیں
متقی و فاضل و ابرار خُسرو پور میں

کچھ نہیں ہم کو خبر کیا' کیا مشاغل ہیں یہاں
یوں تو ہم آئے گئے سو بار خُسرو پور میں

خیرؔ اس سے کیا غرض ہے کیا یہاں ہیں کیا نہیں
مُجھ کو کافی ہے مری سرکار خُسرو پور میں

حیاتِ خیر قلمی میں لکھا ہے کہ ۱۹۳۰ء تا ۱۹۳۱ء کے دوران ہی انھوں نے اپنے دونوں بیٹوں سیّد احمد اور سیّد محمد کو ان کی تعلیم وتربیت کی غرض سے خسرو پور، عظیم آباد بلوالیا تھا۔ حضرت خیرؔ رحمانی کی عمر تقریباً ۷۴؍سال ہونے کو آئی تھی۔ قویٰ مضحل ہو رہے تھے۔ چوں کہ وہ اپنے آبائی وطن قاضی بہیرہ سے دور تھے اس لیے انھیں وطن کی یاد ستانے لگی۔ آخر کار انھوں نے ۳؍پریل ۱۹۴۲ء مطابق ۱۶؍ربیع الاول ۱۳۶۱ھ کو خسرو پور کو ہمیشہ کے لیے الوداع کہا اور اپنے آبائی وطن لوٹ آئے۔ اس موقع پر تین قطعاتِ تاریخ کہے جن میں اپنی پیری، الپنچ کی ادارت، نواب سعادت کی سخاوت، نواب واجد حسین کی قدردانی ومہربانی، نواب کے شہزادوں اور حلقۂ احباب میں شامل کچھ فضلائے روزگار کا ذکر کیا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ فرمائیں:

پیری میں کہاں ہے نوکری کی طاقت
اب چاہیے دل میں کچھ ہو زُہد وتقویٰ

رزّاق جو رزق دے تو روزی سمجھو
ورنہ تقدیر میں ہے روزہ اعلیٰ

کہہ دو ترکِ ملازمت کی تاریخ
ہے یبسطُ الرّزقُ لمن یّشاءُ فتویٰ

۱۳۶۱ھ

وَلہ

آہ الپنچ کی وہ شانِ ادارت اب کہاں
ہائے نواب سعادت تھی سخاوت جس سے ماند

آہ دربار نواب شہ وَاجد حُسین
جن کی خدمت سے لگے ہیں خیرؔ ہم کو چار چاند

چھوڑ کر سب نوکری بیٹھا تو ہاتف نے کہا
آں قدح بشکست و آن دریا نماند

۱۳۶۱ھ

وَلہ

آہ خسرو پور سے جس وقت میں رُخصت ہوا
میرے جسمِ ناتواں پر چل رہی تھی ایک سیف
جنگ اعظم ختم ہونے کو تھی میں آیا یہاں
اب چلا تو جنگِ عالمگیر تھی ، موسم تھا سیف
جعفرؔ و باقرؔ کی اصغرؔ اور مظہرؔ کی یاد چٹکیاں
لیں گی قیامت تک کہاں وہ لُطف و کیف
آئے اکثر بسملؔ و حضرت مُبارک نکتہ سنج
لُطف دیتا تھا سبھوں کو اُن کا ہونا مثلِ ضیف
ایک قلق تھا خیرؔ دل کو نکلا جب سالِ مسیح
لُطفِ خسرو پور چھوٹا ہم سے صد افسوس حیف

۱۹۴۲ء

کتب خانۂ خیر:

مولانا خیرؔ رحمانی کا زمانہ علم وآگہی کی قدردانی کا زمانہ تھا۔ ان کے عہد تک علم نے تجارت کی شکل اختیار نہیں کی تھی۔ ہر علمی وفلاحی کام کو نجات کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ادب برائے ادب کا دور تھا۔ ذوقِ علمی کی تسکین کے لیے بہت سے فلاحی کام کرنے کی صحت مند روایت تھی، جن میں

مکتب، مدرسہ، اسکول اور کتب خانہ قائم کرنا اہمیت کا حامل خیال کیا جاتا تھا۔ سید ابوالخذر نبیرۂ خیؔر رحمانی نے اپنے ایک مضمون میں ان کی شاندار لائبریری کا ذکر کیا ہے۔ یہ موصوف کا ذاتی کتب خانہ تھا جہاں تقریباً پندرہ ہزار کتابیں دستیاب تھیں۔ ان کے علاوہ مخطوطات واکابرینِ ادب کے مراسلات وافر تعداد میں موجود تھے۔ جیسا کہ عرض ہو چکا ہے کہ ان کے آبا و اجداد شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کی اولادوں میں قاضی محمد مبارک نامی بزرگ پٹنہ سے جگدیش پٹی، بھون پور، تحصیل، سنگھوارہ اسٹیٹ، تشریف لائے تھے۔ عرف عام میں وہ 'حضرت قاضی بہاری شریف' کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ اورنگ زیب نے انھیں فرامین وخلعت کے ساتھ اس علاقہ کا قاضی مقرر کیا تھا۔ وہ فرامین تانبے کے پتروں پر کندہ تھے اور برسوں اس کتب خانہ کی زینت بنے رہے۔ ان کے علاوہ بہار شریف سے کچھ تحائف برادرانہ بھی آیا کرتے تھے۔ بہار شریف کی خانقاہ سے برادرانہ تعلق تھا کہ بہار شریف کی خانقاہ اور مونگیر کی خانقاہ ایک ہی شجرے سے متعلق تھیں۔ اس کا بیان پہلے آچکا کہ قاضی بھیرہ گاؤں کا نام قاضی بہار شریف کے عرف سے ہی قائم ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اورنگ زیب نے وقتاً فوقتاً فرامین بھیجے' وہ سب موجود ہیں۔ شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کئی تحریریں رونقِ کتب خانہ تھیں۔ بہت سے اہل علم سے موصوف کے دوستانہ تعلقات تھے جن میں مبارک، نصیر، فوق، شہباز، اکبر، بسمل، جعفری، مائل، فضل حق آزاد اور مولانا آزاد قابل ذکر ہیں۔

غرض کہ اس لائبریری میں بہت ہی نادر و نایاب کتابیں، مجلّات اور اخبارات اب بھی خستہ وشکستہ صورت میں مل جاتے ہیں لیکن کب تک یہ کتب خانہ سلامت رہے گا؟ خاندان کے بیشتر افراد شہروں میں منتقل ہو گئے ہیں۔ کبھی زلزلہ تو کبھی سیلاب کا خطرہ اپنی جگہ پر بدستور قائم ہے۔ وقت کی دھول نے کتب خانہ کی بیشمار چیزوں کو خراب کر دیا ہے اور جو بچ رہی ہیں مستقبل میں ان کے نشانات ملنے کے امکانات بھی معدوم ہو رہے ہیں۔

وفات:

خیؔر رحمانی نے خسرو پور کو خیر باد کہہ دیا تھا اور اپنے آبائی گاؤں کی فضا و ہوا میں سانس لیتے رہے۔ بس ذاتی کتب خانہ میں محو مطالعہ رہتے۔ ایک طرح سے دنیا سے ترکِ تعلق کر لیا تھا۔ موت جیسے جیسے قریب آتی گئی ذکر و اذکار بڑھتا گیا۔ آخر کار ۱۵ر نومبر ۱۹۴۸ بمطابق ۲۶ر محرم الحرام کا وہ دن بھی آ پہنچا جب اجل ابوالخیر الاسلام محمد صفی الدین مظہر عالم ملقب ابوالخیؔر رحمانی متخلص خیؔر رحمانی کو ملک عدم لے گئی۔ حلقۂ احباب کو دیر سے خبر پہنچی۔ جوں جوں ان کے انتقال کی خبر عام ہوتی گئی علمی و ادبی حلقوں میں صفِ ماتم بچھتی گئی۔ ۲۹ر نومبر ۱۹۴۸ء کو ان کے انتقال کی خبر روزنامہ صدائے عام پٹنہ سے ان سرخیوں کے ساتھ شائع ہوئی:

مایۂ ناز ادیب کی رحلت

خیؔر رحمانی صاحب کی وفات حسرت آیات

پٹنہ، ۲۷ر نومبر، مولانا خیؔر رحمانی صاحب نے ۱۵ر نومبر ۱۹۴۸ء کو تقریباً اسّی سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ اردو و فارسی کے ایک بلند پایہ ادیب تھے۔ کلاسیکی ادب اور مذہبی علوم میں مہارت اور وسیع مطالعہ کے ساتھ ساتھ موجودہ دور کے علمی اور سیاسی رجحانات سے بھی باخبر تھے۔ آپ گذشتہ دس سال سے اپنے مولد و منشا موضع قاضی بھیرہ، ضلع دربھنگہ میں گوشہ نشیں تھے اور ضعف و ناتوانی اور تقاضائے عمر کے سبب کُل علمی و ادبی مشاغل سے کنارہ کش ہو گئے تھے لیکن اس کے قبل تقریباً ایک پوری نصف صدی آپ نے علمی و ادبی مشاغل میں گزاری۔ آپ کے بے شمار مضامین اور غزلیں اخبارات و رسائل میں شائع ہوئیں۔ ملک کے گوشے گوشے سے ایک عرصہ تک خراج تحسین حاصل کرتی رہیں۔ پٹنہ، لکھنو، دہلی اور لاہور سے اردو اخبارات و رسائل میں آپ کی جتنی چیزیں پچاس سال کے عرصے میں شائع ہوئیں' ان کا شمار اور اندازہ کرنا ناممکن ہے۔

روزنامہ صدائے عام، پٹنہ، ۲۹ر نومبر ۱۹۴۸ء (خیؔر رحمانی: حیات وخدمات، قلمی)

خیرؔ رحمانی کی تدفین ان کے آبائی قبرستان میں ہوئی، جو قاضی بھیرہ میں ایک کیتھائی نامی پوکھر کے پشتہ (بھنڈ) پر واقع ہے۔ یہ ان کا خاندانی قبرستان ہے۔ اس کیتھائی پوکھر کو وہ جیتے جی بھی تحسین بھری نظروں سے دیکھا کرتے تھے۔ حد تو یہ ہے کہ اس پوکھر کی تعریف و توصیف میں انھوں نے محاکاتِ شعری سے کام لے کر بہترین غزل کہی۔ پیکر تراشی ایسی کی ہے جیسے کوئی معشوقہ ہو۔ اس طرح سے انھوں نے قیامت تک کے لیے اس پوکھر کو زندہ و جاوید بنا دیا۔ خیرؔ کی قبر کچّی بنائی گئی تھی۔ کوئی بھی نشان یا علامت باقی نہیں البتہ املی کا پُرانا درخت آج بھی وہاں قائم ہے جو خیرؔ کی قبر کی پہچان بنا ہوا ہے۔ خیرؔ نے خود یہاں دفن ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی جس کا اظہار اس شعر میں یوں کیا تھا:

اے خیرؔ جو میری موت آئے تو دفن اسی کی بھنڈ پہ ہوں
کیوں ہم کو نہ اس سے اُلفت ہو بالم ہے کیتھاہی پوکھر

معاصرینِ خیرؔ:

مولانا ابوالخیرؔ رحمانیؒ کی ذاتِ بابرکات ایسی تھی کہ انبوہ میں بھی منفرد رہے۔ اس عہد میں فضلائے روزگار کی پوری جماعت موجود تھی اور موصوف کی حیثیت بطور صحافی و مدیر تسلیم شدہ تھی۔ بحیثیت شاعر مقبول اور بحیثیت نثار صحیفۂ روزگار پر درج ہیں۔ خیرؔ رحمانی کے بزرگ معاصرین میں علامہ اقبالؔ، داغؔ، امیرؔ مینائی، اور شادؔ وغیرہ کو دنیائے شعروشاعری کی پیامبری حاصل تھی۔ خیرؔ کے اہم معاصرین میں شادؔ عظیم آبادی کا نام آتا ہے جو موصوف سے ۲۳ سال بڑے تھے۔ شاد کی غزلیہ شاعری جس سماج کی نمائندگی کر رہی تھی اس کا اثر پٹنہ کے شعرا پر تھا لیکن خیرؔ نے شاد کے اثرات قبول کرنے کی بجائے اپنی فکری راہ خود متعین کی اور اپنے دائرہ فکر و خیال کو وسیع کر کے عالمی مسائل کو بھی اپنی شاعری کا حصہ بنایا۔ موصوف کا تعلق اخبارات و رسائل و جرائد سے تھا۔ تواتر کے ساتھ مضامین لکھتے تھے۔ طنز و ظرافت کی چاشنی میں اپنی باتوں کو عوامی بنانے کے فن سے واقف تھے۔ مضامین کی بوقلمونی اور اس میں شعر کا التزام انھیں منفرد اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔

اس عہد کے مشاہیر میں ڈاکٹر عظیم الدین احمد نستعلیق شخصیت کے مالک اور بہترین شاعر تھے۔ علامہ اقبالؔ کی شاعری کے مقلد اور ان کی شخصیت کے اسیر تھے۔ اسی عہد میں مبارکؔ عظیم آبادی کی موجودگی علم و ادب میں اضافہ کا باعث سمجھی جاتی رہی۔ بڑے پُر گو شاعر تھے۔ نظم نگاری اور غزل گوئی میں اپنا خاص لہجہ اور پہچان رکھتے تھے۔ خیرؔ رحمانی نے اُن کی شخصیت اور شاعری کے بارے میں ایک رسالہ ''حیاتِ مبارک عظیم آبادی بہاری'' (۱۹۳۸ء) بھی لکھا تھا۔ پروفیسر نادم بلخی (م ۲۰۰۶ء) نے مبارک عظیم آبادی پر اپنے وقیع مضمون میں اس کا بھرپور استعمال کیا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر سید حسن عباس نے مذکورہ رسالے کو اپنے مجلّہ ادراک، گوپال پور کے شمارہ ۴ (اکتوبر دسمبر ۲۰۰۴ء) میں شائع کر دیا ہے۔ اس دور کے ایک اہم شاعر ریاض حسن خان خیالؔ بھی ہیں۔ انھوں نے غزلیہ شاعری کی دیرینہ روایت کو نہ صرف پروان چڑھایا بلکہ غزل کو مزید شگفتگی و جاذبیت عطا کی۔ دبستان عظیم آباد کا ایک اہم شاعر حفیظؔ عظیم آبادی کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ انھوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اپنا مستند کلام یادگار چھوڑا ہے۔ حفیظؔ کا کلام ۲۰۱۰ء میں کراچی سے چھپ گیا ہے۔ خیرؔ رحمانی کا عہد نسائی شاعری کی ترقی کے حوالے سے بھی اہم تھا۔ یوں تو سارے ہندوستان میں شاعرات کی فکری جمالیات نے سامعین کو متوجہ کر رکھا تھا۔ کہنہ مشق شاعرات کی ایک جماعت نئی پود کی آبیاری کر رہی تھی۔ شہرِ عظیم آباد بھی ہندوستان کے دیگر خطوں کی طرح نسائی شاعری کو پروان چڑھا رہا تھا۔ ان شاعرات کے درمیان جمیلہ خاتون کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ ان کے آٹھ دواوین شائع ہو چکے ہیں جن سے جمیلہ کی شاعری کی فکری غمازی ہوتی ہے۔

خیرؔ رحمانی نے اپنے ایک مضمون میں اپنے چند معاصرین کا ذکر اجمالی طور پر کیا ہے۔ دراصل وہ اس سلسلے میں ''آبِ حیات کے طرز'' پر ایک کتاب لکھنے کے لیے کوشاں تھے تاہم اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے اور کتاب صرف ایک مضمون ''حیات مبارک عظیم آبادی'' تک محدود ہو کر رہ گئی جس کا سطورِ بالا میں ذکر کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں اپنے کچھ معاصرین کے نام گنوائے ہیں جن میں عبدالحمید پریشاںؔ، سیّد امداد امام اثرؔ، نصیر حسین خیالؔ، شادؔ عظیم آبادی، فضلِ حق آزادؔ،

مبارک حسین مبارکؔ عظیم آبادی، شوق نیمویؔ، عنایت حسین امدادؔ، محمد باقرؔ، شیخ علی باقرؔ، عبدالغفور شہبازؔ، مولانا نذر الرحمٰن حفیظؔ، سیّد رحیم الدینؔ، بیتابؔ اور موجؔ وغیرہ کے نام اہم ہیں۔

خیرؔ رحمانی مصنفین کی نگاہ میں:

۱۔ علّامہ شوقؔ نیموی حیات وخدمات مولفہ محمد عتیق الرحمٰن قاسمی، ص۔۸۶ پر خیرؔ کی نسبت سے بہت سی مشترک باتیں ملتی ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ’’مولانا خیرؔ نثر نویسی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ اکثر مشہور اخباروں کے نامہ نگار رہے۔ خاص طور پر ’الپنچ‘ میں مضامین لکھتے تھے۔ ان کے مضامین بہت ہی دل کش اور خوب صورت ہوتے تھے۔ جن کو لوگ نہایت ذوق وشوق سے پڑھتے تھے۔ ان کا ایک رسالہ رجم الشہاب کے نام سے چھپ چکا ہے۔ شعر بھی اچھا کہتے تھے‘‘۔

۲۔ لالہ سری رام مؤلف خم خانۂ جاوید، جلد۔سوم، صفحہ۔۱۰۰ پر خیرؔ صاحب کے تعلق سے رقم طراز ہیں کہ دورِ موجودہ کے کہنے والوں میں ہیں۔ بہار میں ان کے کلام کی خاصی شہرت ہے۔ چالیس برس کے قریب عمر ہے۔

۳۔ حکیم سیّد احمد اللہ ندوی مؤلف تذکرہ مسلم شعرائے بہار، حصہ۔دوم، ص۔۲۲ پر خیرؔ رحمانی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ نثر نویسی میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے دل کش اور دل ربا مضامین سے نظم کا لطف آتا تھا۔ شعر وسخن کا بھی کمالِ شوق تھا۔

۴۔ سیّد بدرالدین مؤلف ’عظیم آباد کی تہذیبی داستان‘ نے خیرؔ رحمانی کا الپنچ کے حوالے سے صرف نام لکھنے پر اکتفا کیا ہے۔

۵۔ شاہد اقبال مؤلف ’وفیاتِ مشاہیر بہار‘ (ص۔۶) نے موصوف کو خطیب وعالم، شاعر وادیب لکھا ہے۔

۶۔ سلطان آزاد مؤلف ’بہار میں اردو طنز وظرافت‘ نے موصوف کے تعلق سے معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ موصوف کے دورِ ادارات میں الپنچ نے کافی ترقی کی۔ نیز اس کی شہرت ومقبولیت میں کافی اضافہ ہوا۔ آپ کی تخلیقات نظم ونثر الپنچ پٹنہ، اودھ پنچ، عالمگیر، ہمایوں لاہور اور صوفی پنجاب

جیسے رسائل وجرائد میں شائع ہوئی تھیں۔ آپ کی ظرافت نگاری میں ہجو کا رنگ زیادہ ہے۔

۷۔ شاداں فاروقی مؤلف بزمِ شمال نے موصوف کے کوائف اور آثار پر روشنی ڈالی ہے۔ کلام کے حوالے سے لکھا ہے کہ خیرؔ کو شعر وادب سے فطری لگاؤ تھا۔

۸۔ پروفیسر عبدالمنّان طرزی نے اپنی کتاب ’رفتگاں وقائماں‘ اور ’سعادت علی خاں (شخصیت اور شاعری)‘ کے بالترتیب صفحہ۔۵۲ اور ۵۴ پر موصوف کے متعلق مختلف تذکروں میں درج شدہ باتیں ہی اپنے انداز میں دہرائی ہیں لیکن کلام کے تعلق سے لکھتے ہیں کہ موصوف ایک اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب ’سعادت علی خاں (شخصیت اور شاعری)‘ میں مولانا خیر اور مولانا زکریا کے درمیان ادبی معرکے کی کچھ تفصیل کے ساتھ طرفین کے اشعار نقل کیے ہیں اور اس معرکۂ شعری میں خیرؔ رحمانی کو افضل قرار دیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنی کتاب رفتگاں وقائماں میں موصوف کو شعری زبان میں اس طرح یاد کیا ہے:

الپنچ کے ایڈیٹر تھے خیرؔ یعنی مظہر
ہے ’شوخ‘ کی سعادت مونگیر میں صحافت
دانشورِ وطن تھے وہ نازشِ سخن تھے
دیوان شاعروں کے ترتیب پائے ان سے
اردو کے دو تھے دیواں سرمایۂ سخن داں
اک فارسی کا دیواں تسکینِ تشنہ کاماں
تاریخ گوئی ان کی تھی اک مزید خوبی
تصنیف نثر کی بھی کچھ یادگار چھوڑی
یہ ساری ان کی دولت مخطوطے کی تھی صورت
بیٹے سے ان کے یہ بھی شاید کسی نے لے لی
ہندوستاں کے باہر اب ہیں یہ لعل و گوہر

۹۔ قاضی ابوحذر، نبیرۂ خیرؔ رحمانی کا ایک مضمون پٹنہ سے شائع ہونے والے رسالہ ترجمان میں ملتا

ہے۔(ترجمان،ص۔۱۹۱تا۲۰۵،نومبر۱۹۹۹ء)اس مضمون میں خیؔر رحمانی کی زندگی اوران کی شاعری کے تعلق سے مربوط ومبسوط باتیں کی گئی ہیں۔مضمون نگار نے اس شاعر وادیب کی کارگزاریوں کا ایک مکمل خاکہ کھینچا ہے۔خیؔر پر اب تک جتنے مضامین شائع ہوئے ہیں ان میں یہ مضمون سب سے زیادہ بہتر ہے کیوں کہ دوسروں کی بہ نسبت اس میں مواد زیادہ ہے اور گفتگو مفصل اور مدلّل کی گئی ہے۔مضمون نگار کی تحریر کئی معنوں میں اچھی ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس مضمون نے دیگر محققین کے اندر خیؔر رحمانی کی تلاش وجستجو اور انھیں جاننے، سمجھنے اور پڑھنے کی تحریک پیدا کی۔

۱۰۔اَشرف مختار،مؤلف خیؔر رحمانی: حیات وخدمات (قلمی)۔دراصل یہ مقالہ برائے حصول پی،ایچ۔ڈی،سن ۲۰۰۱ میں پروفیسر ناز قادری،بہار یونیورسٹی،مظفر پور کے زیرِ نگرانی لکھا گیا تھا۔مختار صاحب نے اس مقالے کو کئی ابواب میں تقسیم کیا ہے۔اس مقالہ میں خیؔر رحمانی کی کئی تحریروں کو سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔خیؔر رحمانی نے اپنی حیات میں ہی اپنی کلیات کی چار نقلیں تیار کروائی تھی جو مختلف کتب خانہ میں رکھوائی گئی تھیں' ان میں سے کسی ایک نسخے کو اشرف صاحب نے حاصل کیا اور اسے کاپی کر کے ایک مقدمہ کے ساتھ اپنا مقالہ تمام کیا۔ لیکن شعر کی صحت پر توجہ نہ ڈال سکے۔بعداز خرابیِ بسیار' یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ انھوں نے کچھ چیزیں موصوف کے ذاتی کتب خانے سے حاصل کر کے آئندہ تحقیق کرنے والوں کے لیے راستہ ہموار کیا کیوں کہ اب وہ چیزیں اس لائبریری میں موجود نہیں ہیں۔

خیؔر رحمانی نے جس قدر علم وادب کی خدمت کی اسی قدر گمنام بھی رہے۔ان کے حوالے سے بہت کم لوگوں نے ذکر کیا ہے اور جو کچھ آرا سامنے آئی ہیں، وہ ناکافی ہیں۔اس کی ایک وجہ تو یہ ہوسکتی ہے کہ ممدوح کا دیوان اب تک شائع نہیں ہوسکا تھا لیکن اپنچ کے تعلق سے یا اپنچ یا دیگر اخبارات ورسائل میں خیؔر کے شائع شدہ نثری وشعری اثاثہ جات کی روشنی میں بہت کچھ لکھا جاسکتا تھا۔اس کے علاوہ خیؔر کی مطبوعہ نگارشات میں جوشِ آزادی، چٹکیاں، رجم الشہاب اور شہانی رات موجود تھیں پھر بھی قلم کار خاموش رہے۔حیرت ہوتی ہے۔

تصنیفاتِ خیؔر:

خیؔر رحمانی کا شمار نابغۂ روزگار میں ہوتا ہے۔اس عہد میں بہت سے علما وفضلائے روزگار موجود تھے جن میں مولانا خیؔر رحمانی کی ایک خاص پہچان تھی۔خیؔر رحمانی کے تمام علمی وادبی آثار میں ان کے عہد کے ہندوستان کی جھلک ملتی ہے۔ان کی تحریروں کو تاریخی دستاویز ووثیقہ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے جن میں ایک صدی کی روداد درج ہے۔ممدوح نے تقریباً اسّی سالہ زندگی گزاری اور ہندوستان کو غلامی سے نکل کر آزاد ہوتے دیکھا۔موصوف کی شاعری کے عقدے اس وقت زیادہ کھلیں گے جب تاریخ کو سامنے رکھ کر مطالعہ کیا جائے گا۔غلام ہندوستان میں پیدا ہونے والا یہ شخص حریت پسندوں کی تحریکوں کا گواہ تھا۔ان کی آنکھوں نے انگریزی جوروستم دیکھا تھا۔ان کے آئینہ میں غدار وطن کی صورتیں بھی نظر آتی ہیں اور وطن کی آزادی کے نام پر نقلی بھائی چارہ کی گوہار بھی۔وطن عزیز کی تقسیم، بھائی کا بھائی سے بچھڑنا وغیرہ جیسے واقعات وسانحات کی گونج خیؔر کی تحریروں میں سنائی دیتی ہیں۔اس عہد کے سماجی، سیاسی، مذہبی اور ملّی خدوخال کو سمجھنے کے لیے خیؔر رحمانی کی علمی وادبی کارگزاریوں کی تفہیم اور ان کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔موصوف کثیر الجہات شخص ہونے کے ساتھ کثیر التصانیف بھی تھے۔ذیل میں ان کے تمام علمی آثار کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔حسناتِ خیر (نسخۂ خطی):

یہ خیؔر رحمانی کا پہلا دیوان ہے۔اس میں تقریباً دوسو چالیس غزلیں ہیں۔غزل مسلسل اور اشعار کی تعداد کی وجہ سے یہ کافی ضخیم ہے۔فنِّ خطاطی کا عمدہ نمونہ پایا جاتا ہے۔دیوان کے آغاز میں پہلے ورق کی پیشانی پر ایک قلمی تاج بنایا گیا ہے جو پہلی غزل کے مصرعۂ ثانی میں لفظ 'تاج' لا کر بسم اللہ سے منسوب کیا گیا ہے۔ان کے نبیرہ ابوالحذر نے ایک مضمون میں اس دیوان کے حوالے سے یہ لکھا ہے کہ دیوان کی ترتیب پہلے خط شکستہ میں عمل میں آئی بعد میں اسے صاف کر کے خط نستعلیق میں کتابت سے آراستہ کیا گیا۔دیوان کے مکمل ہونے کی تاریخ 'حسناتِ خیؔر' سے نکلتی

ہے۔یعنی یہ دیوان ۱۳۲۹ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔مقامِ حیرت ہے کہ اس دیوان کے نسخۂ خطی کی عمر ایک سو گیارہ سال ہو چکی ہے اور اب تک زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔

۲۔لمعاتِ خیر (نسخۂ خطی):

یہ خیر رحمانی کا دوسرا دیوان ہے۔اس دیوان میں غزل کے علاوہ نظم بھی شامل ہے۔غزلوں میں نعتیہ غزلیں بھی ملتی ہیں اور مفردات میں بہت سے اشعار شامل ہیں۔لمعاتِ خیر کے مادہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دیوان ۱۳۵۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا لیکن حیرت ہے کہ ۱۹۳۲ء سے اب تک کا سفر اس دیوان نے نسخۂ خطی کی صورت میں طے کیا ہے۔اب تک اس کی اشاعت عمل میں نہ آئی۔اس دیوان میں 'گلنار نظمیں' کے عنوان کے تحت منظوم نوید شادی اور دعوت نامے درج ہیں جو مولانا خیر رحمانی کے تبحرِ علمی کو ظاہر کرتے ہیں۔گلنار نظمیں سے مادۂ تاریخ نکالنے پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۵۱ھ (یعنی ۱۹۳۲) میں اسے لمعاتِ خیر کا حصہ بنایا گیا تھا۔

۳۔سخن تازہ اخباری (نسخۂ خطی):

اس مجموعے میں 'کیا نام کہ' کے عنوان کے تحت تکیۂ کلام پر مبنی اشعار ملتے ہیں۔کہہ مکریاں، نظمیں، مسلکِ حاضرہ اور فکاہیات وغیرہ پر مبنی کلام ملتے ہیں۔تازی سخن اخباری کے مادۂ تاریخ سے یہ واشگاف ہوتا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں مولانا خیر نے اسے ترتیب دے کر کامل کیا تھا لیکن افسوس کہ تاہنوز یہ اشاعت سے محروم رہا اور اس طرح ۸۵ سال کی مدت گزر چکی ہے۔

۴۔ملہمِ غیبِ خیر (نسخۂ خطی):

یہ قطعات تاریخ کا مجموعہ ہے۔جو ۱۳۴۱ھ سے ۱۳۵۷ھ تک کے واقعات، وفیات، تولدات، شادیات، مژدات، سیاسیات، تصنیفات، کتابیات، اخبارات، رسالہ جات اور مطبوعات پر مبنی ہیں۔قطعاتِ تاریخ میں اردو اور فارسی کے علاوہ عربی زبان کے کئی مصرعے اور قرآنی آیات ملتی ہیں جو خیر کے مطالعہ اور پختہ علمی شعور کی غمازی کرتی ہیں۔قطعات تاریخ سال کی ترتیب سے نسخے میں درج تھے اور کہیں بھی اس بات کی نشان دہی نہیں کی گئی تھی کہ مادۂ تاریخ

کن حروف یا کہاں سے کہاں تک کے حروف یا مصرعے سے نکلتا ہے۔دیوانِ تحیر یا دیوانِ سید سعادت علی خاں کے مطبوعہ نسخوں کو دیکھ لیجیے۔وہاں بھی مذکورہ طریقہ نظر نہیں آتا ہے۔مولانا خیر رحمانی دیوانِ تحیر کی تقریظ میں خود رقم طراز ہیں:

'میں نے ان کی بھی تقریظ اور تاریخیں لکھی تھیں مگر کلکتہ کے مطبع کی بد نظمی سے ضائع ہوئیں' اب نہ وہ سب قطعاتِ تاریخ و تقریظ یاد ہیں اور نہ کہیں اس کا مسوّدہ ہے۔ (دیوانِ تحیر، ص۔٦٦)

خیر رحمانی اپنے آثار کے تئیں بے نیاز واقع ہوئے تھے۔وہ خود الپنچ کے اڈیٹر رہے۔مطبع کا دیرپا تجربہ تھا اس کے باوجود اپنا کوئی دیوان شائع نہ کر سکے۔ممکن ہے کوئی مجبوری دامن گیر رہی ہو۔خیر رحمانی کی پوری زندگی تنگ ودو میں گزری۔وہ علمی وادبی طور پر دوسروں کے کام آئے لیکن ان کو اس کا کوئی خاص صلہ نہیں ملا۔نان ونون کے ساتھ زندگی یقیناً گزری لیکن فراغت نصیب نہ ہو سکی۔اخبارات ورسائل کے لیے لکھنا، الپنچ کی ذمے داری، مختلف انجمنوں سے وابستگی نے انھیں ہمیشہ مشغول رکھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی کسی تحریر کو یکجا نہ کر سکے۔بہت سی چیزیں ضائع ہو چکی ہیں۔ان کا جو کچھ بھی اثاثہ یکجا ہو پایا ہے، وہ اہلِ ادب کے لیے کسی اکسیر سے کم نہیں البتہ اس کا افسوس تو رہے گا کہ قارئین کی ایک بڑی تعداد خیر کے آثار ادبی کے مطالعہ سے محروم رہی۔

۵۔سپاس نامۂ ارمانِ خیر (نسخۂ خطی):

جیسا کہ نام سے ہی ظاہر ہے کہ یہ سپاس ناموں پر مبنی نظموں کا مجموعہ ہے۔'سپاس نامۂ ارمان خیر' سے مادۂ تاریخ نکالنے پر واضح ہوتا ہے کہ اس مجموعہ کی تاریخِ تکمیل ۱۳۲۱ھ ہے۔اس میں تقریباً ۲۵ نظمیں شامل ہیں، جن میں ایک نظم مسدس مثنوی کی صورت میں ہے۔

۶۔جوشِ آزادی (مطبوعہ):

یہ قومی نظموں کا مختصر سا مجموعہ ہے، جسے خیر رحمانی نے اپنے شاگردِ عزیز سید شاہ محمد جعفر حسین صادق کی فرمائش پر قلم بند کیا تھا۔اس کا کامل نسخہ نہیں مل پایا۔شروع کے دو اوراق یعنی ۳ اور

۴، دستِ بردِ زمانہ کی نذر ہو گئے۔ اس کتابچہ کو جناب مولوی سید شاہ جعفر حسین صادق خلف اکبر جناب خان بہادر سیّد واجد حسین صاحب، رئیس اعظم، پٹنہ کے اہتمام وسعی سے منیجر اسلامی جنتری، موچی گیٹ، لاہور نے مرتب و شائع کیا تھا۔ پہلی بار ایک ہزار کاپیاں چھپیں۔ کتابچہ کے سرِ ورق پر ایک شعر یوں درج ہے:

کیوں یاد ہے ہمارا کچھ آپ کو فسانہ
تھا ہم سے بھی موافق اِک روز یہ زمانہ

مذکورہ شعر کے بعد 'نوید حریت کا تیسرا حصّہ' لکھا ہوا ہے۔ شاید اس قبیل کا پہلا اور دوسرا حصّہ بھی رہا ہوگا۔ دیباچہ سید شاہ محمد جعفر حسین صادق نے لکھا تھا جس پر ۱۸ر فروری ۱۹۲۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اس میں جتنی منظومات ہیں ان میں کچھ بین الاقوامی اور کچھ بین الاسلامی مسائل کا احاطہ کرتے ہیں اور کچھ مشترک مسائل سے مملو ہیں۔

۷۔ چٹکیاں (مطبوعہ):

یہ نظم ۱۳۴۱ھ میں شیخ عنایت محمد آرٹسٹ و منیجر اسلامی خلافت جنتری نے لکھنؤ سے شائع کیا تھا۔ اس کی پشت پر بہت سی کتابوں کے ملنے کی اطلاع دی گئی ہے جن میں خیرؔ رحمانی کی مختصر نظموں کے مجموعہ 'جوشِ آزادی' کا بھی ذکر ہے۔ ۱۵۶ اشعار پر مشتمل یہ طویل نظم پند و موعظت کے ساتھ تلخ و شیریں کلام پر مبنی ہے۔ اس عہد کے مزاج اور روایت کے حسبِ حال اس طرح کی نظمیں مطابع والے شائع کرتے رہتے تھے شاید یہ نظم اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۸۔ شہانی رات (مطبوعہ):

یہ کتاب نثر میں ہے۔ سرِ ورق پر 'یا معین' لکھا ہے۔ اس کے بعد ایک شعر یوں درج ہے کہ:

سنانے کو سنا تو دے گا قاصد داستاں میری
کہاں سے لائے گا یہ جوشِ دل پھر یہ زباں میری

یہ کتاب خادم الفقر، منشی نور احمد مالک محبوب ایجنسی، امین آباد، پنجاب، لاہور پرنٹنگ

پریس سے رحیم بخش کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی۔ یہ کتاب حضور اکرم ﷺ کے معراج کے تعلق سے ہے۔ اس میں نظم و نثر کا حسین امتزاج ہے۔ نثر میں زورِ بیان کی غرض سے شعر کا التزام ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خیرؔ اس طرز کے دوسرے واقعات بھی نثر و نظم کے امتزاجی پیرائیہ بیان میں لکھنے کے متمنی تھے لیکن صرف ایک واقعہ پر اکتفا کر گئے۔

۹۔ نسب نامہ (نسخۂ خطی):

یہ کتاب سادات خاندان کا شجرہ ہے۔ اس میں اس چیز کا بیان ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے اہلِ خاندان کا سلسلہ ہندوستان میں کیسے قائم ہوا۔ چوں کہ خیرؔ رحمانی کا تعلق حضرت امام تاج فقیہ سے تھا۔ انھوں نے مختلف لکیریں کھینچ کر تاج فقیہ کا رشتہ حضور اکرم ﷺ کے عمِ محترم حضرت زبیرؓ سے ثابت کیا ہے۔ اسی شجرہ سے خیرؔ کے نسب نامے میں تمام مشمولات گزشتہ صفحات میں حالات خیرؔ کے تحت درج ہوئے ہیں۔ اس نسب نامے میں مختلف انبیا کا شجرہ اس طرح پیش ہوا ہے کہ حضرت آدم تک جا ملتا ہے۔ یہ کام بہت ہی عرق ریزی اور جاں فشانی کا تھا جسے موصوف نے نہایت ہی احتیاط سے ترتیب دیا ہے۔ شجرہ کی تکمیل کے بعد انھوں نے ایک دیباچہ لکھا ہے، جس کی ابتدا ذیل کے شعر سے ہوتی ہے:

ہماری سینہ فگاری کوئی تو دیکھے گا
نہ دیکھے آج، نہ دیکھے، کبھی تو دیکھے گا

۱۰۔ رجم الشہاب:

بیشتر تذکروں میں اس رسالے کا ذکر موجود ہے لیکن کسی نے اس پر روشنی نہیں ڈالی ہے۔ راقم الحروف نے بہت سے کتب خانوں کی خاک چھانی لیکن اس کا سراغ لگانے میں قاصر رہا۔ 'تذکرۂ مسلم شعرائے بہار' کے مصنف کے مطابق یہ رسالہ مطبوعہ ہے۔ انھوں نے بطور نمونہ دو اشعار بھی نقل کیے ہیں، ملاحظہ کریں:

ستم بیجا کیے ہم پر، رقیبوں سے وہ در گزرے
ہمارے دل دُکھاتے ہیں جو کرنا تھا وہ کر گزرے

ہاتھ میں کیوں لیے ہو تم خنجر
لاؤ اس کو گلے لگائیں ہم

۱۱۔ پارسیِ نو (مطبوعہ) :

یہ کتاب بہار کے اسکولی نصاب میں شامل تھی جو بچوں کو فارسی زبان سکھانے کے لیے لکھی گئی تھی۔ سرکار نے باقاعدہ اسے منظور کیا تھا جس کی وجہ سے اس کے متعدد اڈیشن شائع ہوئے۔ چوں کہ اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے اس لیے سال اشاعت یا صفحات کی تعداد کے تعلق سے کچھ کہنا ممکن نہیں۔

۱۲۔ رشحاتِ خیر ونفحاتِ خیر (نسخۂ خطی):

یہ فارسی دیوان ہے، جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے غزلیات موجود ہیں۔ ایک قطعہ، ایک ساقی نامہ اور بیس رباعیوں کے علاوہ مفردات میں خاصے اشعار ملتے ہیں۔ خیر نے اردو زبان میں کوئی رباعی نہیں کہی ہے بلکہ جو کچھ رباعیاں پائی گئی ہیں وہ سب کی سب فارسی زبان میں ہیں۔ اس دیوان میں قطعاتِ تاریخ بھی تھے جن کی تعداد بہت ہی کم ہونے کی وجہ سے ان کے مجموعہ قطعاتِ تاریخ 'ملہمِ غیب' میں جمع کردیے گئے ہیں۔ دراصل فارسی کے کئی قطعات ان کے فارسی دیوان رشحات خیؔر کے علاوہ پہلے سے ہی 'ملہم غیب' میں شامل تھے اور کچھ قطعات دونوں جگہ موجود تھے جنھیں تدوین وتصحیح سے گزار کر یکجا کردیا گیا ہے۔

۱۳۔ انشائے فصیحِ خیر (نسخۂ خطی):

یہ فارسی میں لکھے گئے مراسلات کا مجموعہ تھا۔ اس میں بیشتر وہ خطوط شامل تھے جو استاد محمد علی ایرانی اور خیر کے درمیان علمی مباحث واشکال کی بنیاد پر لکھے یا جواباً موصول کیے گئے تھے۔ اب یہ نسخہ ہماری دسترس میں نہیں ہے۔

۱۴۔ خیؔر رحمانی کے خطوط (نسخۂ خطی):

خیؔر رحمانی کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اس عہد کے بیشتر شعرا وادبا سے ان کے تعلقات تھے۔ چوں کہ وہ 'اپنچ' اور رسالہ بہار کے اڈیٹر تھے لہٰذا خطوط کا آنا اور جواب دینا ان کے فریضے میں شامل

تھا۔ اس کے علاوہ خیؔر رحمانی کے کئی خطوط استاد داغ دہلوؔی، امیؔر مینائی، شوؔق نیموی اور استاد محمد علی ایرانی کے نام علمی مباحث پر مشتمل ہیں۔ ان خطوط کی نثر عمدہ اور پیرایۂ بیان جاذبیت سے پُر ہے۔ خیر کا عہد ڈاک کا تھا۔ خط گفتگو ومراسم کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ تمام مراسلے حادثاتِ زمانہ کی نذر ہوگئے۔ ان میں ایک خط پیشِ خدمت ہے، جو انھوں نے اپنی غریب الوطنی میں اہلِ خانہ کو لکھا تھا۔ خط کیا ہے؟ اس عہد کی معاشرتی زندگی کی تصویر کشی ہے۔ خیؔر رحمانی کو اپنے اہلِ خانہ سے غایت درجہ کی محبت تھی۔ شفقت پدری کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس خط کے ایک ایک حرف سے عیاں ہے۔ اس میں ان اشخاص کے لیے درس بھی ہے جو اپنی اولاد کی تربیت میں قیل وقال سے کام لیتے ہیں۔ دوسری طرف خیؔر کی مالی اور معاشی حالت کی گواہی بھی یہیں سے ملتی ہے۔ زندگی کے نشیب وفراز اپنی جگہ لیکن خیؔر نے علم کے علم کو کبھی سرنگوں نہ ہونے دیا، ساری حیات بحرالم میں گزرتی چلی گئی لیکن شیوۂ ترویجِ علم کو اپنائے رکھا۔ کتنوں کے اتالیق رہے۔ کتنے نونہالوں کی علم وادب سے آبیاری کی۔ کتنوں کو شاعر وادیب بنایا لیکن معاشی آسودگی کبھی میسر نہ آئی۔ چند جملۂ پریشاں جو انھوں نے اپنے بیٹے سید احمد کی دلہن کے نام لکھے تھے ملاحظہ کریں:

''نور چشمی اچھی دلہن سلمہا ۔دعائے خیر

''صبح کو خبر ملی چاند ہوگیا۔ سوّیاں تیار تھیں مگر دودھ کہاں۔ کسی طرح سے نیاز ہوئی اور مسجد چلے گئے۔ نماز پڑھ کر واپس ہوئے تو حسن کی یاد آئی۔ کلیجہ پھٹ گیا اور بے اختیار رونے لگا۔ اللہ حسن اور حُسین کو سلامت رکھے کہ یہی میرے دل کے ٹکڑے ہیں۔ آہ حسن! تم میرا رومال لے کر اپنا منہ پوچھتے تھے، اب رومال پڑا ہے تم اس کو نہیں اُٹھاتے۔ خدا کرے تم کو جلد صحت ہو۔ مجھے اپنے ضعف سے یہ امید نہیں کہ اب حسن سے ملاقات ہوگی۔...... حسن سلمہ کی ذری ذری بات لکھو کہ میرے دل کو ڈھارس ہو''۔

خیؔر کی زبان دانی:

خیؔر رحمانی کوئی زبانوں کا علم تھا۔آپ نے دارالعلوم دیوبند میں دوران تعلیم جیّد علما سے کسبِ فیض کیا اور عربی زبان وادب میں مہارت حاصل کی۔فارسی کی تعلیم غیر معمولی تھی۔جدید فارسی میں بھی خوب دخل رکھتے تھے جوان کے استاد محمد علی ایرانی کی وجہ سے ممکن ہو پایا تھا۔کلکتہ سے فارسی زبان میں شائع ہونے والا اخبار ’حبل المتین‘ میں موصوف کے مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔اردو زبان پر کامل دسترس تھی۔الپنچ میں جتنے مضامین ملتے ہیں ان سب کی زبان بہت ہی فصیح اور رواں ہے۔مضامین میں بعض جگہ مکالماتی انداز مرزا غالبؔ کی نثر نویسی کی یاد دلاتے ہیں۔ممدوح کا تعلق کچھ انگریزوں سے بھی تھا، جن سے بہترین انگریزی سیکھی۔ہندو دوستوں کا ایک بڑا حلقہ تھا جن سے ہندوستان کی قدیم زبانوں کا درک حاصل کیا۔ایک شخص میں جب بہت سی خوبیاں اکٹھی ہو جائیں تو معاشرہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس سلسلے میں خیؔر صاحب خوش طالع ثابت ہوئے تھے۔خیؔر کے عہد میں زمین داری قائم تھی اور شرفا اپنے بچوں کے لیے ایک اچھے اطالیق کی تلاش میں ہوا کرتے تھے، لہٰذا رؤسا کی نگاہیں ان پر مذکور ہونے لگیں اور اس طرح سے شاگردوں کا حلقہ قائم ہوتا چلا گیا۔اُن کی علمی وادبی استعداد کا کیا کہنا وہ بیک وقت اردو، انگریزی، عربی، فارسی، ہندی اور دیگر علاقائی زبانوں میں روانی کے ساتھ گفتگو کرتے تھے۔تحریری طور پر بہت پختہ تھے۔موصوف کی انگریزی دانی بھی خوب تھی اور انگریز بھی اس کے معترف تھے۔ہندوستان کے اہلِ علم اور انگریزی زبان سے شغف رکھنے والوں نے ممدوح کی انگریزی دانی کا اعتراف کیا ہے۔جناب اوپندرا ناتھ بنرجی، ہیڈ ماسٹر، کے، پی انسٹی ٹیوٹ، مونگیر رقم طراز ہیں:

"He was a promising student and well-up in English."

جناب گوہر علی ڈپٹی مجسٹریٹ، پورینہ، بہار نے خیؔر کی انگریزی دانی کو ان الفاظ میں سراہا ہے:

He Possesses a fair Knowlegde of English.

الپنچ کے ۲۱؍جون ۱۹۰۲ کے شمارے میں خیؔر کی ایک نظم ’چھوٹے تارے‘ کے عنوان سے ملتی ہے جس میں موصوف کی انگریزی دانی کا بین ثبوت ملتا ہے۔ممدوح نے انگریزی نظم کا منظوم ترجمہ اس سادگی، صفائی اور روانی سے کیا ہے کہ اصل کا گمان ہوتا ہے۔انگریزی نظم لٹل اِسٹار کا ترجمہ اوپر سے دو شعر کے اندر مکمل ہو گیا تھا لیکن خیر نے اس نظم کی توسیع کی اور انگریزی نظم سے الگ ہندوستانی فضا اور ماحول میں اس نظم کو مکمل کیا۔ذیل میں نمونہ ملاحظہ کریں:

چھوٹے تارے

(نظم لٹل اسٹار، ترجمہ انگریزی)

چمکو چمکو چھوٹے تارو   کیا حیرت ہے مجھے تم کیا ہو
سارے جہاں سے اونچے اتنا   جیسے ہو آکاش پہ ہیرا
جب چمکیلا سورج ڈوبے   جوت نہ اس کی کسی پہ چمکے
دھیمے دھیمے چمکتے ہو تم   ساری رات دمکتے ہو تم
دیکھو یو نہی دمکتے رہنا   ساری رین چمکتے رہنا
کوئی بدیسی اور دکھیارا   جب ہو چھایا گھپ اندھیارا
ما نتا گن ہے تری یاری کا   اور تری چھوٹی جگاری کا
دیکھ نہیں سکتا تھا وہ رستا   تم جو نہ جگمگ کرتے ایسا
رہتے ہو نیلے اکاش کے اوپر   جھانکتے ہو کھڑکی کے اندر
آنکھیں بند نہیں ہو کرتے   جب تک پھر سورج نہ نکلتے

خیؔر رحمانی کے ادبی معرکے:

ادبی معرکہ آرائی کوئی نئی چیز نہیں ۔ ہر زبان کے شعرا و ادبا کے درمیان معاصرانہ چشمک نمایاں رہی ہیں۔ مشرقی علوم کے علما کے درمیان کچھ زیادہ ہی اختلافات رہے ہیں۔ عربوں کے یہاں زمانۂ جاہلیت میں بھی عکاظ کے میلے میں علمی و ادبی مقابلہ کروایا جاتا تھا۔ عکاظ کا میلا تو مشہور زمانہ ہے۔ اس میں شامل ہونے والے شاعروں کے سات عربی قصائد منتخب کیے جاتے تھے۔ ان میں سے ایک قصیدہ کا انتخاب عمل میں آتا اور اسے آبِ طلائی سے تحریر کرا کر خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کیا جاتا تھا۔ ان قصائد کو دنیا سبعۂ معلقات کے نام سے جانتی ہے۔ فارسی ادب کی تاریخ بھی ادبی معرکوں سے بھری پڑی ہے۔ شاہنامہ کا خالق، محمود کے دربار میں ادبی معرکہ سر کر کے پیش ہوا تھا۔ اردو ادب بھی ان معرکوں سے خالی نہیں ۔ اگرچہ اردو ادب کی عمر بہت زیادہ نہیں تاہم معرکے کم نہیں واقع ہوئے۔ انسان بنیادی طور پر خود پسند واقع ہوا ہے۔ وہ اپنی برتری کے خواب بنتا ہے اور پھر اس کی تعبیر کے لیے جنگ و جدال سے بھی گریز نہیں کرتا۔ سیکڑوں جنگیں محض اپنی بڑائی اور برتری کو ثابت کرنے کے لیے بلاضرورت لڑی گئیں۔ مثال کے طور پر اورنگ زیب نے دکنی حکمرانوں سے بلاضرورت جنگ کی جو سلطنت مغلیہ کے خاتمے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اردو ادب میں ادبی معرکوں کا آغاز طرحی مشاعروں سے ہوا، بعد میں اُس کا دائرہ وسیع ہو کر دبستانوں تک جا پہنچا۔ سوؔدا اور میرؔ، انشاؔ اور عظیمؔ، انشاؔ اور مصحفیؔ، شاہ نصیرؔ اور ذوقؔ، ذوقؔ اور غالبؔ، آتشؔ اور ناسخؔ، انیسؔ اور دبیرؔ، چکبستؔ اور شرؔر وغیرہ کے ادبی معرکوں سے قطع نظر چھوٹے معرکے بھی کم نہیں ہوئے۔ علم و ادب کے فروغ میں ان کی اپنی اہمیت بھی ہے۔

خیؔر رحمانی کی ادبی نوک جھوک بھی کم اہمیت کی حامل نہیں ۔ یہ دلچسپ بھی ہیں اور ادبیت سے پُر بھی۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی نے اپنی کتاب سید سعادت علی خان: شخصیت اور شاعری کے صفحہ ۶۳ پر اس معرکہ کی تفصیل فراہم کی ہے۔ یہ ادبی معرکہ مولانا خیؔر رحمانی قاضی بھیروی اور جناب مولوی زکریا، متوطن پرکھوپٹی، ضلع دربھنگا کے درمیان ہوا تھا۔ پرکھوپٹی موجودہ لہریا سرائے

سے پورب کی جانب چار کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ مولانا زکریا کے والد الحاج فاروق صاحب تھے۔ مولانا زکریا اردو، فارسی اور عربی زبان سے خوب بہرہ ور تھے۔ ان کے جتنے خطوط ملتے ہیں ان میں ان کا علمی تبحر نمایاں ہے۔ ان دونوں کا معرکہ دو مراسلات پر مشتمل ہے جن کی تعداد جواب الجواب کی صورت میں چار بنتے ہیں ۔ مولوی زکریا نے جو دو خطوط مولانا خیؔر رحمانی کے نام لکھے ہیں ان میں پہلا خط ۸/ رمضان، پنجشنبہ، ۱۳۰۶ھ (۱۸۸۹) کی تاریخ درج ہے جب کہ دوسرے مراسلہ کی مرقومہ تاریخ ۲۱/ اکتوبر ۱۸۸۹ء (۱۳۰۷) ہے۔ یہ دونوں خطوط ۲۱ صفحات اور ۱۳۳/ اشعار پر مشتمل ہیں۔ ذیل میں مولانا زکریا کے جتنے اشعار نقل ہوئے ہیں وہ سب کے سب طرزی صاحب کی کتاب سے نقل ہوئے ہیں۔ انھوں نے زکریا کے کل اشعار کی تعداد ۱۳۳ بتائی ہیں لیکن انھیں نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے دولت کدہ پر خاکسار کی حاضری ہوئی ۔ دوران گفتگو انھوں نے کہا کہ اب وہ خطوط ان کے پاس نہیں ہیں بلکہ ضائع ہو گئے۔ اللہ اعلم۔

بقول عبد المنان طرزی، مولانا خیؔر رحمانی کے دو مراسلے ملتے ہیں جن پر ۱۰/ رمضان ۱۳۰۶ھ بمطابق ۱۸۸۹ء اور ۱۹/ دسمبر ۱۳۰۷ھ بمطابق ۱۸۸۹ء کی تاریخ' بالترتیب درج ہیں۔ پہلا مراسلہ ۱۸ بیانیہ اشعار پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے مراسلے میں بحر متقارب مثمن مقصور میں ۵۳ اشعار، بحر خفیف مسدس محذوف میں ۱۲۸ اشعار اور بحر متجث مثمن مقصور میں ۶۵ بند پر مشتمل اشعار پائے جاتے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ دونوں مراسلے ۱۸ صفحات کی ضخامت لیے ہوئے ہیں لیکن ہمیں یہاں بھی مایوسی ہوئی کہ طرزی صاحب نے خیؔر کے تمام اشعار اپنی کتاب میں نقل نہیں کیے۔ طرفین کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جہاں ایک طرف ان دونوں بزرگوار کے ادبی نوک جھوک میں علمی سوتے جاری ہوئے ہیں وہیں یہ اشعار طبیعت کو مکدر بنانے کا باعث بھی ثابت ہوئے۔ سطحیت دونوں کے یہاں ہے لیکن خیؔر رحمانی کے یہاں فصاحت و بلاغت بھی ہے جب کہ مولانا زکریا سیدھے سیدھے ذات پر کیچڑ اچھالتے نظر آتے ہیں۔ پہلے مولوی زکریا کی شاعری میں معرکے کا ایک رخ دیکھیں:

دے ساقی شرابِ ارغوانی
دکھلاؤں قلم کی کامرانی

مضمون وہ لکھوں کہ جی کو پھڑ کائے
ہیبت سے عدو کی چھاتی پھٹ جائے

تسخیر کرے دل کو یکسر
دے دادِ سخن ہر اک سخنور

ہر جملہ میں سحرِ سامری ہو
شیشے میں اُتاروں پری کو

ہوں قیمتِ الفاظِ دونوں عالم
بول اُٹھیں ملک کہ ہے ابھی کم

اے واہ کدھر طبیعت ہے آئی
کھونٹے کے لیے بھی یہ گہرائی

ہزیان ہو، ہزل ہو ہجو ہو
کچھ سمجھے وہ ایسے فقرے گانٹھو

کیوں بے تجھے کچھ پاسِ ادب نہ آیا
منہ میں جو آیا کہہ سنایا

باتیں نہ بنا تو مجھ سے بڑھ کر
شامت نہ چڑھے تمھارے سر

دیکھا نہیں تو نے میرا قابو
فولاد ہیں دونوں میرے بازو

میدان سخن کا ہوں میں رستم
آ سامنے دیکھوں ترا دم خم

ہوں مرد شجاع و اہلِ ہمت
ظاہر ہے جہاں میں تیری جرات

تو تو میرے سامنے ہے کیا بال
لاکھوں کو کیا ہے پامال

مشہور سخنوری میں ہم ہیں
شعرا میرے آگے پشت خم ہیں

ہیں میری ہی فکر سے یہ پیدا
طفلانِ سخن کا ہوں میں باوا

گر حکم مرا یہ طفل پائیں
دشمن کا کلیجہ کاٹ کھائیں

مضمون ہے مرا تیرِ تمثال
حاسد کا جگر کرے یہ جنجال

بجلی کی چمک دیکھائے
اعدا کا دل و جگر جلائے

دشمن پہ رعد ہوکے کڑکے
سر پر گرے پار ہو جگر کے

اُمڈے مرے شعر کا جو دریا
طوفاں کرے جہاں میں برپا

خیر رحمانی کے اشعار بھی دیکھیے:

کہاں ہے تو اے ساقیِ زود رنج
خدارا زمستان مَی کش مرنج

مگر اس قدر تیز دیجیو شراب
کہ دل ہو مخالف کا جل کر کباب

پلادے کوئی ساغرِ آتشیں
کہ زنشد چون اختر عرق بر جبیں

پلا ساقیا وہ مے تند و تیز
کہ حاسد کرے دُم دبا کر گریز

وہ مے دے کہ جس سے بہکتا پھروں
مثالِ گلِ تر مہکتا پھروں

طبیعت کو ہو جوش صہبا کی طرح
قلم کی روانی ہو دریا کی طرح

وہ مے دے کہ ہو دل کو اک ولولہ
نہ ٹوٹے کبھی نظم کا سلسلہ

مزاجِ قلم آسماں پر ہے آج
دماغِ سخن لا مکاں پر ہے آج

نگاہیں ہیں عرشِ بریں کی طرف
اُترتے ہیں دسی زمیں کی طرف

نگہدارم اندازۂ جنگ را
کشم ساغر و بادۂ بنگ را

کلیجے پر دشمن کے رکھتا ہوں سِل
ڈرو مجھ سے صاحب کہ ہوں بگڑا دل

پھنسے سن کے سحر البیانی مری
فلک کے فرشتے زمیں کی پری

طلسمِ قلم اب دکھاتا ہوں میں
زمانہ کو گردش میں لاتا ہوں میں

اگر نظم لکھنے میں ہو جائے غرق
تو ستّر قدم اس سے پیچھے ہو برق

وہ جوہر اُگلتا ہے وقتِ رقم
کہ ہو دیکھ حاسد جسے فی العدم

اشارہ پہ چلتا ہے وہ تیز چال
صبا ہے پری ہے نظر ہے خیال

ہر ایک لفظ میں اس کے وہ گل بنے
فصیحِ زماں جس کے بلبل بنے

ہوں اس طرح نقطے ہزاروں چکاں
فلک پر ہے جیسے ثریا عیاں

بدہ ساقیا بادۂ آتشیں
کہ بخشد مرا فکر گردون نشین

زِ مینائی گردونِ اخضر شراب
فرو ریز در ساغرِ آفتاب

بمن بخش آن ساغرِ در فشان
کہ از گنجِ معنی بیابم نشان

بیک ساغرِ بادۂ پر نکال
کنم شیخِ بد کیش را پائمال

تو دانی بجایِ خود ای بد نما
کہ من بر صوابم جہان بر خطا

گمانت بر آن است ایں طرفہ تر　　کہ من آنچہ دانم نداند دگر
مزیدی بر آن تا ملائم کلام　　سوی ما بنشستی بجہل تمام
ز فیض سخن گر توئی بہرۂ آب　　بدین سا رقم کن بنظمِ جواب
بہ نزدیک خود گر توئی بر صواب　　بگو در ثبوتش چہ داری جواب
دگر در ثبوتش نہ داری کلام　　بہ پرہیز از گفتنِ نظمِ خام
باین نظمِ خام ای پرا گندہ ہش　　بما دعویِ ہم کلامی چہ خوش
بنشستم ہمان آنچہ بنشستہ　　درو کردۂ ہر چہ خود کشتۂ
کجا اسپِ تازی کجا جلِ خر　　کجا شیرِ قالی کجا شیرِ نر
کجا لطفِ شیر و کجا آبِ مل　　کجا بویِ سیر و کجا بویِ گل
فرشتہ کجا و کجا دیو زشت　　کجا لعلِ ناب و کجا کہنہ خشت
کجا ماہ رو بہ کجا شیرِ نر　　کجا لحنِ داؤد، آوازِ خر
کجا شکلِ آہو کجا شکلِ خوک　　کجا نغمۂ جنگ و آوازِ غوک
کجا بانگِ زاغ و نوایِ ہزار　　میاجی کجا و کجا شہریار
بہ فنِ سخن با منت تاب کو　　درین شیوہ ات مسلم آداب کو
زِ علمِ عروض از نہ داری خبر　　بہ بیہودہ گفتن ندامت مبر
تُرا نیست اصلا شعورِ سخن　　جہان بر کلامت شود خندہ زن
تو از علمِ تہذیب بیگانہ ای　　غلط گفتہ ام، بلکہ دیوانہ ای
پسندم نہ بد گفتنت این نمط　　چو گفتی سقط ہم شنیدی سقط
ہمان بہ کہ زین بس با آرام گہ　　نشینی چو روباہ باران زدہ
ملالم فزاید زِ طولِ کلام　　کنم ختم این نظم را بر سلام

درج بالا خیؔر کے اشعار اعلیٰ درجہ کے ہیں۔ بحرِ متقارب میں رواں لفظیات نے ایک خاص لطف پیدا کر دیا ہے۔ مقابلہ کے لیے جن لفظیات کا متضاد استعمال کیا ہے وہ نہایت ہی متناسب و

متوازن ہیں۔ تشبیہ و استعارہ کا عمدہ التزام شعر کی ماہیّت میں اضافہ کرتے ہیں۔ تجنیس کا استعمال شیر بمعنیٰ دودھ اور شیر بمعنی شیرِ ببر عمدگی سے ادا ہوئے ہیں جو ایک خاص قسم کی لطافت سے آشنا کرتے ہیں۔ دونوں بزرگوار کے شعری مطالعہ سے یہ بات مسلم الثبوت تک پہنچتی ہے کہ مولانا خیؔر رحمانی کا مرتبہ مولانا ناز کریا سے بہت بلند ہے بلکہ زکریا صاحب خیؔر رحمانی کو چھو کر بھی نہیں گزرتے۔

مذکورہ معرکہ کے علاوہ بھی چھوٹے چھوٹے ادبی واقعات ہیں مثال کے طور پر شاد عظیم آبادی کے ادبی بائیکاٹ کے تسلسل کو توڑنے میں خیؔر نے اہم رول ادا کیا اور 'الپنچ' میں ان کا کلام شائع کر کے اس طلسم کو توڑا جس میں شاؔد مقید کر دیے گئے تھے۔ خیؔر رحمانی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے درمیان چوں کہ اچھے مراسم تھے اس لیے خیر کی ذاتی لائبریری میں مولانا آزاد کے کئی خطوط کافی عرصہ تک دستیاب رہے جو آزاد نے وقتاً فوقتاً موصوف کے نام لکھا تھا۔ مولانا آزاد اور خیر صاحب کس طرح ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور دونوں میں مراسم کیسے پیدا ہوئے اس سلسلے میں کہیں سے کوئی سراغ نہیں ملتا لیکن یہ بات بالکل وثوق و اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ دونوں حضرات' علاّمہ شوؔق نیموی کی شاگردی میں رہے۔ حضرت شوؔق نیموی کے شاگردوں کی تعداد بہت تھی جن میں مراتب کے لحاظ سے ان دونوں کو خصوصیت حاصل تھی اور استاد نے اپنی کتاب یادگارِ وطن میں ان دونوں کا ذکر کیا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے کس قدر متاثر تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں کی غزلیں ایک ہی زمین میں ہیں۔ ذیل میں دونوں کا شعر ملاحظہ کریں:

خیؔر رحمانی:

گل کو مناسبت نہیں عارض سے اس کے خیؔر　　اک عندلیب کیا میں کہوں یہ ہزار میں

مولانا آزاد:

آزاد کو ہو اپنی تباہی کا کیا ملال　　کس کو قیام ہستیِ ناپائدار میں

مولانا خیؔر رحمانی ۱۹۰۲ء میں الپنچ کے اڈیٹر تھے اس زمانے میں کلکتہ کے ایک مشاعرے کی

روداد چھپی ہے جس کے نامہ نگار مولانا آزاد تھے۔اس مشاعرہ کے بانی مولانا محمد یوسف صاحب رنجور جعفری چیف مولوی بورڈ آف اگزامزس ،کلکتہ کی ذات گرامی تھی جنھوں نے ۱۹۰۵ء میں دیو کی نندن کالج مونگیر میں مشرقی علوم کی پروفیسری کے لیے جنابِ خیر کے لیے اپنی استصوابِ رائے کا اظہار کیا تھا۔کلکتہ سے شائع ہونے والے ایک اخبار جدت کے نام موصوف کا ایک طویل منظوم خط ملتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولا ابوالکلام آزاد آپ کی تحریروں کے شائق تھے:

آزاد نے از رہِ عنایت چاہی ہے بڑھانی میری توقیر
ورنہ میں کہاں ، کہاں ظرافت بذلہ سنجی کہاں ، کہاں میں پیر

ایک جگہ طرفین کے اعتراف واحترام کا ثبوت یوں ملتا ہے:

کس منہ سے ہم کہیں کہ خدا سے دعا نہ مانگ ہاں دل سے مانگ منہ سے فقط برملا نہ مانگ
آزاد کی وہ مانگ بھری نظم واہ واہ اردو کی ہے یہ مانگ یہ ہے عالمانہ مانگ
اردو کی ایسی مانگ جو آزاد نے بھری ٹھنڈی رہے یہ مانگ کہ اس کے سوا نہ مانگ
اردو ہے تو تو مانگ جلی اپنے واسطے آزاد ہی کو مانگ اس کے سوا نہ مانگ
دینا سخن کی داد بھی ہے خدمتِ سخن آزاد سے تو خیر نہ کچھ محنتانہ مانگ

مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا خیر رحمانی میں چشمک بھی رہا کرتی تھی۔ایک دوسرے سے بے تکلف تھے۔گفتگو میں مزاح کا پہلو نکال لیتے تھے۔ایک بار مولانا آزاد نے خیر صاحب سے کہا کہ آپ خیر کے ساتھ بھنگوی بھی ہیں ۔رسالہ ادراک ،(مدیر حسن عباس) میں ایک مضمون مبارک عظیم آبادی پر ہے جس میں درج ہے کہ خیر رحمانی اور مبارک عظیم آبادی بزمِ احباب ،کلکتہ کے مشاعرے میں شریک ہوئے جس میں خیر صاحب کی تکریم و پذیرائی خوب کی گئی اور انھیں اعزاز واکرام سے نوازا گیا تھا۔ یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ مولانا آزاد کا تعلق بزم احباب، کلکتہ سے بہت گہرا تھا اور حضرت علامہ رضا علی وحشت اس بزم کے روح ورواں تھے۔علامہ خیر

رحمانی اور مولانا آزاد کا ایک ادبی معرکہ رسالہ شیخ سرمد کی وجہ سے سامنے آتا ہے جس پر مولانا خیر رحمانی بحیثیت محقق کے عنوان کے تحت روشنی ڈالی جائے گی۔خیر رحمانی نے 'شحنۂ ہند میرٹھ' کے مدیر شوکت میرٹھی کے دعویٰ کی بھی قلعی کھولی اور اپنی تحریر سے یہ ثابت کیا کہ شوکت کا دعویٰ بنا دلیل ہے۔واقعہ یہ ہے کہ ایک بار شوکت صاحب نے فارسی کے مشہور شاعر بیدل عظیم آبادی کے اشعار کی تشریح کرتے ہوئے یہ دعویٰ کیا کہ ہند اور ایران میں کوئی فاضل ایسا نہیں جو بیدل عظیم آبادی کے اشعار کی ایسی تشریح کر سکے۔خیر صاحب کہاں برداشت کر سکتے تھے۔انھوں نے نہ صرف یہ کہ شوکت صاحب کے دعویٰ کو رد کیا بلکہ پھٹکار بھی لگائی۔خیر لکھتے ہیں:

''سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

مولٰنا الپنچ !تم نے ۸رمئی کے 'شحنۂ ہند میں ایڈیٹر(حضرت شوکت) کی بیجا ڈینگ تو دیکھی ہی ہوگی......تم سب اخبارچی تو ایک ہو......تم کو بھی اپنی آزادی کا ویسا ہی دعویٰ ہے جس طرح میاں شوکت کو ہمہ دانی کا...... بیدل کے چار شعر کی جو آپ نے شرح کی ہے جس پر آپ وثوق کے ساتھ دعویٰ کرتے ہیں کہ بجز مجدّد السنۂ شرقیہ کے کوئی ہندوستانی تو کیا شعراے فارس بھی نہیں سمجھ سکتے۔وہ ایسی ہے کہ چار دن کے لونڈے ایسی شرح لکھ سکتے ہیں۔نہ آپ نے کلام کی خوبی دکھائی نہ فصاحت و بلاغت کو دکھایا، نہ نکات بیان کیے اور ڈینگ اتنی۔اے معاذ اللہ۔اسی غزل کا یہ شعر:

بکشاد دست کرم قسم کہ درین زمانہ پرستم
نہ رسد بہ تہمت بستگی ز درینکہ نان بگذار رسد

لکھ کر اپنی ہمہ دانی کے زعم میں یہ فرماتے ہیں کہ ''تمام ہندوستان کے علما اور فضلا اور شعرا اس شعر کا مطلب بتائیں جس کو ہم حل کر چکے ہیں۔انشاء اللہ کوئی نہ بتا سکے گا۔ورنہ مجدّد کی کیا ضرورت تھی''۔اب میں حضرت شوکت سے پوچھتا ہوں

کہ جیسا ان کا بیان ہے۔اگر کوئی اس شعر کا مطلب بتادے تو دنیا کو ایسے مجدّد کی ضرورت تو نہ رہے گی! وہ اس کو مان لیں اور اس کا اعلان کردیں تو میں مطلب بتانے کو ڈٹا بیٹھا ہوں اور مطلب بھی وہ بتاؤں کہ میاں مجدّد کے فرشتہ خاں کو بھی نہ سوجھا ہو۔مجدّد تو مجدّد خود حضرت بیدل کی روح وجد کرنے لگے''۔

طمانچہ روک لے میرا بھلا یہ کس کی طاقت ہے
بڑے استاد نے مجھ کو سکھایا ہے پھری گتکا

خیر رحمانی کے ایک اور معرکے کا ذکر ابوحذر نے جناب نواب حسین کے چھوٹے بیٹے جناب اصغر حسین کے حوالے سے کیا ہے۔اصغر صاحب کے بارے میں تفصیل شاگردانِ خیر کے عنوان کے تحت درج ہو چکی ہیں۔خیر رحمانی کی صحبت میں اصغر صاحب نے اکیس سال گزارے تھے اور ممدوح کے تعلق سے بہت سے واقعات زبانی سنایا کرتے تھے۔وہ بیان کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ شادؔ عظیم آبادی کے مصرع 'بردل من نشست میل عظیم' پر علامہ فضل حق آزاد اور ان کے ہمنواؤں نے اعتراض کی بوچھار کردی۔بحثیں ہوتی رہیں۔اس موقع سے مولانا خیر رحمانی صاحب نے ایک زبردست مضمون لکھا جس میں انھوں نے ایران کے اساتذہ شعرا کے شعروں سے ثابت کیا کہ 'میلِ عظیم' کا استعمال بالکل درست ہے۔یہ بحث اتنی طویل ہوگئی کہ معاملہ آقا محمد علی ایرانی کے سامنے پیش کیا گیا۔وہ اس وقت نظام کالج عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد میں شعبۂ فارسی کے صدر تھے اور ایک مستند زبان داں تسلیم کیے جاتے تھے۔آقا محمد علی ایرانی نے یہ فیصلہ دیا کہ مولانا خیر رحمانی کا مضمون نہ صرف صحیح و درست ہے بلکہ ان کی فارسی دانی اور زبان فارسی کی صلاحیت کو ثابت کرتی ہے اور لکھا کہ ایں شخص زبان دانِ فارسی است یعنی یہ شخص فارسی پر عبور رکھتا ہے۔''

(ترجمان،ص۔۱۹۴،ترتیب وتہذیب،جابر حسین،اردو مرکز عظیم آباد،نومبر،۱۹۹۹)

خیر رحمانی کی شاعری:

مولانا خیر رحمانی کا کل شعری اثاثہ تین دواوین پر مشتمل ہے اور اس کا پہلا حصہ 'حسناتِ خیر' دوسرا 'لمعاتِ خیر' اردو زبان میں ہے جب کہ تیسرا دیوان 'رشحاتِ خیر' کے نام سے فارسی زبان میں ہے۔ان کے دواوین میں تقریباً تمام اصناف شعری میں اشعار موجود ہیں۔اُن تمام اصناف پر گفتگو آئندہ اوراق میں ہونی ہے۔دنیائے اردو و فارسی شاعری میں موصوف کا مقام و مرتبہ کیا تھا؟اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حالات و واقعات پیشِ نظر رکھے جائیں،جن سے ممدوح کا واسطہ پڑا تھا۔کوئی بھی شاعر اپنے زمان و مکان کی حد میں رہ کر حالات و واقعات کی عکاسی کرتا ہے اور خیر کی شاعری اس سے الگ نہیں۔موصوف کا کلام بروقت شائع ہوتا تو وہ ادب شناس، جو اب اس دنیا میں نہ رہے، خیر کا ادبی مقام و مرتبہ متعین کر جاتے لیکن اب یہ ذمہ داری عصر حاضر کے ادب شناسوں کے دوش پر ہے۔

شاعر کا دل دیگر اشخاص کے برعکس زیادہ حساس ہوتا ہے۔خیر رحمانی اپنے معاصرین میں حساس طبع واقع ہوئے تھے۔اس عہد میں مشاہیر شعرا کی پوری جماعت موجود تھی۔بہت سے اساتذۂ ادب رخصت ہو چکے تھے تاہم ان کے نام پر انجمنیں آباد تھیں۔مرزا غالبؔ جسمانی طور پر ملک عدم میں تھے تاہم روحانی طور پر اب بھی اسی عالم آب وگل میں موجود تھے بلکہ غالب کئی اذہان میں موجود تھے۔شاعری کے کئی دبستان آباد تھے۔داغؔ دہلوی کی شاعری ہندوستان کے دور افتادہ علاقوں تک پہنچ چکی تھی۔امیرؔ مینائی اور جلالؔ لکھنوی کی شعری بساط وسیع تر ہو چکی تھی بلکہ باقاعدہ ایک انجمن کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس کا دائرہ وسیع تر ہو رہا تھا۔الطاف حسین حالیؔ، محمد حسین آزادؔ،عبدالحلیم شررؔ،علامہ اقبالؔ،حفیظؔ جالندھری،جوشؔ ملیح آبادی اور اخترؔ شیرانی جیسے دیگر شعرا اپنی قبائے گل تیار کیے بیٹھے تھے۔غزل کے ساتھ نظمیں خوب کہی جا رہی تھیں۔دراصل ہندوستان کی آزادی کی تحریک اور حرّیت پسندوں کے اندر ایک نئی روح پھونکنے کی آرزو نے نظم گوئی کی جڑوں کو گہرا کرنے میں اہم رول ادا کیا اور اس وقت کے شعرا کے عام شعار سے الگ ایک طریقہ اپنایا۔انھوں نے سماجی، سیاسی اور ثقافتی مسائل پر اپنی توجہ مبذول کی اور انھیں نظموں

میں موضوع بنانے لگے۔ادھر غزل گوئی کی قدیم روایت سے قطع نظر شعرا مواد و مضامین کے لحاظ سے غزلیہ شاعری کا رخ موڑ رہے تھے نیتجتاً غزل گوئی کا مزاج و منہاج بدلتا رہا۔لب و رخسار کے پہلو میں زندگی اور لوازمات زندگی کی باتیں کی جانے لگیں۔شاعری پورے طور پر مقصدیت کی جانب گامزن ہوگئی تھی۔فکری لحاظ سے مواد و مضامین تغیر پزیر تھے۔ایسی صورت میں کوئی صورت نکالنا آسان کام نہیں ہوتا ہے اس کے باوجود خبیرؔ رحمانیؔ نے بڑی چابک دستی سے سماجی، سیاسی، مذہبی، ملّی اور ثقافتی مسائل کو ظرافت کے پیرائے پیش کیا۔وہ ایک طرف اپنے عہد کی ضرورتوں سے باخبر تھے تو دوسری طرف ماضی کی روایتوں سے آشنا تھے۔ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی اور ہندوستان میں آزادی کی تحریک چل پڑی تھی۔۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا قیام عمل میں آچکا تھا لیکن یہ ایک مضبوط سیاسی تنظیم کے طور پر ۱۹۰۰ء میں ابھری تھی۔شروع میں مسلمانوں نے اس کی زیادہ حمایت نہیں کی۔ہندوؤں کے اندران کے مذہبی جذبات زیادہ کارفرما رہے تھے۔مذہبی تبدیلی، گائے کا ذبیحہ اور اردو زبان اور اسلامی تہذیب و تمدن کے مسائل نے مسلمانوں کو اپنے تحفظات کے اظہار پر مجبور کردیا تھا۔ہندو مصلحین ایک طرف ہندو معاشرے کی اصلاح کررہے تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کی دل آزاری بھی ان کے شعار میں شامل رہا۔بال کنگادھر تلک نے سیاست کو پورے طور پر ہندومت سے جوڑ دیا تھا۔گائے کی رکچھا، گنپتی کا جلوس، شیواجی کا میلہ، گیتا، مہابھارت اور ہندو ثقافت کی ترویج و ترقی پر انھوں نے سارا زور خرچ کیا اور آرتھوڈوکس کی تشریح کو سرے سے خارج کرکے مذہب اور سیاست کا آمیزہ بنایا۔مسلمان کہیں کے نہیں تھے اور جو نظر آتے تھے ان کی حیثیت حاشیہ برداروں کی تھی۔سرسیّد احمد خاں نے مسلمانوں کی اس حالت کے پیشِ نظر علی گڑھ سے ایک تحریک شروع کی جو ۱۸۷۵ میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کی شکل میں وجود میں آئی۔ان حالات سے دوچار' مسلم امہ کی مکمل تصویر خبیرؔ کی نظم 'نوحہ' میں ملتی ہے۔انھوں نے اس نظم میں لفظ مقدر کو مونث باندھا ہے ممکن ہے اس عہد میں یہ لفظ مونث بھی باندھا جاتا رہا ہو یا جس نوعیت کی نظم ہے اس کی رعایت سے مونث باندھنے پر مجبور ہوئے ہوں۔نظم کے چند بند دیکھیں:

نوحہ

چل بسا بوڑھا سیّد سا رہبر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر
قوم کا کون والی ہے سر پر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

کون اب قوم کا ساتھ دے گا
کون اب قوم پر یوں مرے گا
کون دے گا وہ پُر زور لیکچر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

بوڑھے سیّد کا تھا اک سہارا
قوم سے کر گیا وہ کنارہ
کوئی مونس ہے اپنا نہ یاور
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ایک خرانٹ بھی چل بسا ہے
کہتے ہیں ہنستے ہنستے مرا ہے
کیسا اس کا کلیجہ تھا پتّھر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

بقلم ابوظرفاء دربھنگوی
۲۷ مئی ۱۸۹۸ء، اپنچ، جلد۔۱۴، ص۔۷

مسلم لیگ کی بنیاد برادران وطن کی مسلسل ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر ۱۹۰۶ء میں ڈھاکہ میں رکھی گئی اور ۱۹۱۶ء میں محمد علی جناح نے اس میں شمولیت اختیار کی۔ وہ امپیریل لجسلیٹوکونسل کے رکن بنائے گئے اور انھوں نے چائلڈ میرج ریسٹرینٹ ایکٹ اور مسلم وقف کو قانونی حیثیت دلوانے کے لیے کام کیا۔ بہت سی تحریکیں اندرون و بیرونِ ملک بھی چلتی رہیں۔ ہندوستان میں کئی جگہ فرقہ وارانہ فسادات رونما ہوئے۔ سماج کئی دھڑوں میں بٹا۔ کچھ اعلیٰ ذات کے لوگ نچلے درجہ پر قائم سماج کے لوگوں سے جنگی ایندھن کا کام لیتے رہے۔ اعلیٰ کو بہر حال اعلیٰ رہنا تھا۔ اپنی بقا کی خاطر وہ ہر حربہ استعمال کرتے رہے۔ پہلی جنگ عظیم ۲۸/ جولائی ۱۹۱۴ سے ۱۱/نومبر ۱۹۱۸ء تک لڑی گئی جس کی تباہ کاریوں سے انسانیت کراہ اُٹھی۔ اس جنگ میں سلطنت عثمانیہ کے اندر نسل کشی نے خیر رحمانی کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ عالم اسلام کا سب سے بڑا نقصان تھا۔ ہندوستان میں اس کی بقا اور تحفظ کے لیے ۱۹۱۹ء سے ۱۹۲۴ء تک خلافت تحریک چلائی گئی۔ گاندھی جی نے اس تحریک کی پر زور حمایت کی اور اس کی قیادت بھی سنبھالی۔ چار سال کے اندر اس کی شناخت انگریزوں کے تسلط کی مخالف تحریک کے طور پر کی جانے لگی۔ خلافت تحریک کی وجہ سے ہندوستان میں برادران وطن کے کچھ خاص اشخاص نے سول نافرمانی تحریک کو ہوا دی۔ فرقہ واریت نے سر اُٹھایا۔ چوری چورا کا واقعہ رونما ہوا۔ آخر کار یہ تحریک دم توڑ گئی اور اس کی ناکامی اور دیگر عوامل کی وجہ سے ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو افغانستان ہجرت کرنی پڑی۔ ۱۹۱۸ء میں انفلوئنزا جیسے وبائی مرض میں لاکھوں لوگ مارے گئے۔ ہندوستان میں طبقاتی کشمکش اور مذہب کے نام پر برپا ہونے والے فسادات، انگریزوں کی دوہری چالیں، برادران وطن کے ایک طبقہ کا انگریزی حکومت کا در پردہ ساتھ دینا اور دوسری طرف قومی یکجہتی کا نعرہ لگانا وغیرہ ایسی باتیں تھیں جو خیر کے زخم خوردہ دل کو پے در پے مجروح کرتا رہا اور ایسے موضوعات شعری قالب میں ڈھلتے رہے۔ خیر رحمانی کی شاعری میں مذکورہ بالا حالات کی بازگشت ہمیں سنائی دیتی ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھے بغیر ان کی شاعری کو سمجھنا محال ہے۔ اشعار بظاہر سادہ نظر آتے ہیں لیکن بین السطور ایک روداد، تاریخ، وثیقہ پوشیدہ ہوا کرتا ہے۔

خیر رحمانی کی نثر نگاری:

نثری میدان میں خیر رحمانی دو مختلف حیثیتوں سے سامنے آتے ہیں۔ اخبار کے لیے ان کے نثری مضامین میں طنز و مزاح کا پہلو غالب ہے جب کہ غیر اخباری نثر میں سنجیدہ اور متین اسلوب نمایاں ہیں۔ مثال کے طور پر 'شہانی رات' اور 'سوانح حیات سرمد پر ایک نظر' جیسے مضامین میں، جس نثر کا استعمال ہوا ہے وہ بہت ہی عمدہ، شستہ، شائستہ، رواں، سلیس، متین، سنجیدہ اور علم و ادب کا انمول گنج ہائے گرانمایہ ہے۔ ان نثر پاروں میں وہ ایک اچھے نثار واقع ہوئے تھے۔ ان کا تحریر کردہ مضمون 'سرمد' بہت اہم ہے جس میں تحقیقی نقطۂ نگاہ سے بحث کی گئی ہے۔ ان کی کتاب 'شہانی رات' معراج نبوی ﷺ پر ہے اور اس میں نثری اور شعری دونوں زبانوں میں معراج کے تعلق سے گفتگو ملتی ہے۔ ان مضامین کا وصف یہ ہے کہ ان میں نثر کے ساتھ اشعار کا بھی اہتمام ہے جو نثری بیان میں زور پیدا کرتا ہے۔ اخباری نثر ایجاز و معنیٰ کی آماج گاہ ہوا کرتی ہے چوں کہ یہاں صفحات کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے اس لیے کم سے کم لفظوں میں زیادہ باتوں کا بیان ہوتا ہے۔ 'الپنچ' میں خیر کی تحریریں ظرافت کی قبا پہنے اعلیٰ اقدار سے متصف ہیں اس لیے انھیں محض صحافتی نثر کہہ دینا ہی کافی نہیں۔ اخبارات میں شائع شدہ مضامین میں بھی شعری التزام موجود ہے۔ بحث کی تکمیل میں وہ ظرافت سے پُر اشعار سے مدد لیتے ہیں۔ ان کا انداز بیان اس قدر پُر اثر ہے کہ باتوں ہی باتوں میں نفس مضمون بیان کر جاتے ہیں اور قاری پر گراں بھی نہیں گزرتا۔ موصوف کے نثری سرمایہ میں ان کے اردو اور فارسی خطوط کے علاوہ دیگر مصنفین کی کتابوں اور شعرا کے دواوین پر نثری تقاریظ اور تبصرے دیکھے جا سکتے ہیں۔

خیر رحمانی بحیثیت ناقد:

خیر رحمانی کے اندر قدر شناسی کا زبردست مادہ موجود تھا۔ جناب نواب سعادت علی خاں، عبدالودود بسمل دربھنگوی اور تحیر عظیم آبادی کے علاوہ کئی شعرا کے کلام پر انھوں نے اپنی رائے دی ہے۔ سعادت پیغمبر پوری کے دیوان کا مقدمہ 'حالاتِ مصنف' کے عنوان سے ملتا ہے جس میں

صاحبِ دیوان کا تعارف کرواتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عہدِ شہنشاہ! آہ وہ بھی کیا زمانہ تھا جب ریاست پیغمبر پور (دربھنگہ) کے بانی شیخ ابوسعید خان دہلوی طالب ثراہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ خاندانِ مغلیہ کے شہنشاہ اعظم شاہ جہاں بادشاہ دہلی کے دربار میں شرفِ حضوری حاصل کرتے تھے اور آئے دن خلعت واعزاز کے ساتھ رخصت کیے جاتے تھے۔ دربار میں ان کا طوطی بول رہا تھا۔ مراحمِ خسروانہ کی بارش ہو رہی تھی اور خان موصوف کا خاندان اس سے متمتع ہو رہا تھا۔ وہ دن اس خاندان کے لیے روزِ عید تھا جس دن خان موصوف کو یہ ریاست بطور جاگیر التمغہ ملی تھی اور 'خان' کا معزز خطاب عطا ہوا تھا۔''

کلام پر نثری رائے دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اردو کی شاعری کا آپ کو فطرتی مذاق ہے۔ پھر مذاق ایسا سلیم کہ جس زمین میں فکر کی ایک مرصع غزل لکھ ڈالی۔''

انھوں نے کلام پر مزید تبصرہ کرنے سے گریز کیا ہے۔ ممکن ہے مراتب کے پیشِ نظر ایسا کیا ہو کیوں کہ خیرؔ صاحب کی حیثیت محض اتالیق کی تھی۔ وہ اسی صفحہ پر نواب کی بہادری اور شیر کے شکار کے تعلق سے لکھتے ہوئے یہ فرماتے ہیں:

''اس نمک خوارِ ریاست حقیر فقیر ابوالخیر مظہر عالم خیرؔ قاضی بھیروی دربھنگوی، ایڈیٹر اخبار 'الپنچ' بانکی پور، پٹنہ کو آپ کی دارالریاست کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے ان کی شجاعت اور ان کے نشانے کی کمال مشاقی کے دیکھنے کا برابر موقع ملتا رہا ہے۔''

خیرؔ نے کلام کے تعلق سے جو کچھ کہا ہے وہ اس مصرعے کے مترادف ہے کہ سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم۔ تاریخیقطعۂ نظر سے یہ مقدمہ بھرپور ہے۔ نواب سعادت علی خاں کے خانوادہ کا پورا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا۔ نواب سعادت علی خاں کا نام آتے ہی ذہن ریاستِ اودھ کے نواب کی طرف جاتا ہے لیکن یہ سیّد نواب سعادت خاں دوسرے ہیں جن کا تعلق دربھنگہ کے ایک گاؤں پیغمبر پور سے تھا، جن کا خاندان عہدِ شاہجہاں میں دہلی میں آباد ہوا پھر دہلی سے مہاجرت اختیار کی اور

ریاستِ عظیم آباد، بہار میں مقیم ہوا۔ نواب سعادت علی خاں آخر میں اپنی ننیہال پیغمبر پور، دربھنگہ میں مقیم ہوئے۔ زمین داری جاتی رہی، مقروض ہوئے۔ انگریزوں سے مقدمہ لڑا اور پھر اسی علاقے میں سپردِ خاک ہوئے۔ مولانا خیرؔ رحمانی نے سعادت علی خاں کے دیوانی مقدمے میں تمام تفاصیل فراہم کی ہیں۔ دیوان سعادت کے مقدمہ میں قارئین جس تشنگی کے شکار ہوئے موصوف نے قطعہ تاریخ میں اس کا ازالہ کر دیا ہے۔

یہ ہے دیوان یا کانِ فصاحت معدنِ جدت — بہت ہی خوب دی دادِ ذہانت واہ کیا کہنا
صفائی ایسی اور اتنی صفائی اے سبحان اللہ — فصاحت ایسی اور اتنی فصاحت واہ کیا کہنا
حقیقت کے مضامین کی صفائی اے تعال اللہ — اسے کہتے ہیں اعجاز و کرامت واہ کیا کہنا
بہتّر میرؔ کے نشتر ہیں، یاں ہر شعر ہے نشتر — نوکیلے شعر ہیں یا ہے قیامت واہ کیا کہنا
تو نکلی غور کے دل سے یہی تاریخ برجستہ — چھپا بے مثل دیوانِ سعادت واہ کیا کہنا

(و) ۶ — ۱۳۱۸

غور کا دل (و) کا عدد ۶ کو مصرعۂ ثانی کے مجموعۂ اعداد ۱۳۱۸ میں جمع کریں تو ۱۸۲۴ ہجری سال نکل آئے گا — ۶ + ۱۳۱۸ = ۱۳۲۴ھ

حضرت خیرؔ رحمانی نے دیوانِ تحیرؔ وارثی کی تقریظ لکھی ہے جس میں ان کا عیارِ نقد کھل کر سامنے آتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''یہ فارسی دیوان جو اس وقت آپ کے ہاتھ میں ہے اس کو مآلِ شاعری کہیے۔ معراجِ شاعری کہیے۔ حاصلِ شاعری کہیے۔ اس میں گل وبلبل والی شاعری نہیں ہے۔ اس میں عامیانہ چٹخارے نہیں ہیں۔ اس میں وہ ہے جو ڈھونڈھنے سے مل سکتا ہے۔ شاعری وہی شاعری ہے جس میں حقانیت ہو۔ راز و نیاز ہو مگر شاہدِ حقیقی سے سوز و ساز ہو تو اُسی شاہدِ حقیقی سے، نہ کہ شاہدِ بازاری سے۔ اُسی شاعری کے لیے الشعرا تلامیذ الرحمٰن اور اسی شاعری کے لیے الشعرا ہم الغاوون۔ دیوان کا ہر شعر تیر و نشتر ہے اور لفظ لفظ میں روحانیت اور معرفت مضمر

ہے۔اہلِ ظاہرواہلِ باطن دونوں ہی اس سے مزے لیں گے۔''

(دیوان تحیر،ص۔۶۶۔۶۷،مطبع نظامی پریس،شاہ بلی املی پٹنہ سیٹی،۱۳۴۲ھ)

عبدالودود بسمل دربھنگوی کا دیوان ۱۹۰۴ء میں مطبع 'الپنچ' سے شائع ہوا۔اس دیوان میں متعدد اصناف شاعری پر شعر موجود ہیں اور اس کا مبسوط و مربوط مقدمہ خیؔر کے رشحاتِ قلم کا عمدہ نمونہ ہے۔اس مقدمہ کے مطالعہ سے یہ بات آشکار ہوتی ہے کہ خیؔر کے اندر ایک زبردست ناقد چھپا بیٹھا تھا جو بلا تامل کاغذ پر بکھرتا چلا گیا۔کلام کی نوعیت، کیفیت اور کمیت کے تعلق سے بھرپور گفتگو ملتی ہے۔خیؔر نے جس نثر کا اہتمام کیا ہے وہ روانی وسلاست، شگفتگی اور شیرینیت سے پُر ہے۔الغرض کہ عمدہ نثر پارے کا بہترین نمونہ ہیں۔اس کے علاوہ خیؔر رحمانی کا مختصر ترین مقدمہ حفیؔظ عظیم آبادی کی 'نظم دل فریب' کے تعلق سے ملتا ہے۔دراصل یہ ایک رویو ہے جس میں ممدوح نے کلام کے محاسن ومعائب پر روشنی ڈالی ہے۔کلام کا تعارفی طرز فصاحت وبلاغت سے پُر، خاصہ لطیف ہے جو قاری کو افہام وتفہیم کی منزل سے ہم کنار کرتا ہے۔خیؔر کا ایک مضمون 'حیات مبارک عظیم آبادی' ہے۔اس مضمون کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عظیم آباد کے مشاہیر شعرا وادبا کے کوائف جمع کرنا چاہتے تھے اور ساتھ ہی ہر ایک کے کلام پر رائے اور ان کا نمونہ پیش کرنے کا ارداہ رکھتے تھے، لیکن مصروفیت نے اس کی مہلت نہیں دی۔اس سے قبل بھی خیؔر نے دبستان عظیم آباد کے مشاہیر کی گذشتہ صحبتوں کا ذکر کیا ہے۔ وہ یادوں کا شامیانہ لگا کر کہتے ہیں:

''عظیم آباد پٹنہ کا اگلا عظیم الشان علمی وادبی دور خدا جانے کیسا ہوگا۔کیسے کیسے باکمال ادیب اور جید علما وفضلا کی پُر کیف صحبتیں ہوں گی۔کتابوں میں کچھ ان کے تذکرے ہیں مگر سب تشنہ۔ہاں اس دور میں کوئی محمد حسین آزاد ہوتا تو ان کو آب حیات پلاتا''۔ (حیات وخدمات خیر قلمی)

اس کے بعد عبدالحمید پریشاں، امداد امام اثر، نصیر حسین خیال، شاد عظیم آبادی، فضل حق آزاد، مبارک حسین مبارک عظیم آبادی، شوق نیموی، عنایت حسین امداد، محمد باقر، شیخ علی باقر، عبدالغفور شہباز، مولانا نذر الرحمٰن حفیظ، سید رحیم الدین مدیر 'الپنچ'، لاڈلے صاحب، بیتاب اور

موج وغیرہ جیسے کاملین کے تذکرے کرتے ہیں۔وہ بالترتیب انیسویں اور بیسویں صدی کے دور متوسط اور متأخر کے فضلائے روزگار کا نام لے کر یادوں کے ہجوم میں کھوئے قلم برداشتہ پیکر تراشی پر آمادہ ہیں۔ایک ہوک سی اُٹھتی ہے اور برملا اظہار کرتے ہیں کہ 'پرلطف صحبتوں کا نقشہ آج تک آنکھوں میں پھر رہا ہے'۔

مبارک عظیم آبادی ایک مشہور شاعر اور ہومیوپیتھی معالج تھے۔خیؔر کے اہم معاصرین میں تھے۔اس نسبت سے ڈاکٹر مبارک کے نام سے جانے جاتے تھے۔داغ کے شاگرد تھے۔دہلی اور لکھنؤ کی تباہی وبربادی کے بعد عظیم آباد ایک اہم علمی، ادبی مرکز کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔پرانی قدروں کے امین، عالمِ آب وگل کو خیر باد کہہ کر رخت سفر باندھتے جا رہے تھے۔اس طرح باکمالوں سے دنیا خالی ہوتی جا رہی تھی۔خیؔر کا منشاء یہ تھا کہ عظیم آباد کے باکمال ودانا وبینا شخصیات کا خاکہ تحریری شکل میں کھینچ لیا جائے، اسی مقصد کے تحت انھوں نے یہ کام شروع کیا۔وہ مبارک عظیم آبادی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''یوں تو ہمارے ملک کے اہلِ کمال حضرات کی یہ عام فطرت رہی ہے کہ کبھی کسی نے اپنی شہرت نہیں چاہی اور نہ ملک کو اپنے کمال سے روشناس ہونے کا موقع دیا۔جس نے جانا، جانا۔جس نے سُنا، سُنا۔ہمارے حضرت مبارک اس کلیہ سے کس طرح مستثنیٰ ہوتے۔یہ خیال کر کے میں نے ارادہ کر لیا کہ لاؤ ان کی مختصر سی لائف لکھ کر ملک کو ان سے روشناس کراؤں، میں نے ان سے بارہا کہا کہ اپنے خاندانی حالات اور واقعات لکھ کر مجھے دیجیے۔مگر مردِ خدا نے اس میں بخل کیا اور ہنس کر یہی کہتے رہے کہ میرے حالات کیا اور واقعات کیسے؟ آخر جب میرا اصرار حد سے بڑھا تو بادلِ نخواستہ اور خدا جانے اپنے دل پر کتنا جبر کر کے چند سطریں لکھ بھیجیں، جو اس سوانح کی بنیاد اور میری معلومات اور اپنا مشاہدہ اس کی عمارت کی تعمیر کی مویّد ہیں۔''

(حیاتِ مبارک ،ص۔۶،بحوالہ حیات وخدمات قلمی)

اس مضمون میں شروع سے آخر تک شگفتگی، روانی، چاشنی، سلاست اور مواد کی فراوانی نظر آتی ہے۔ مبارک کی شخصیت کا خاکہ اس طرح کھینچا گیا ہے کہ قاری اپنے تصور میں محسوس کر سکتا ہے۔ ہر ایک روداد اور مشمولات نگاہوں میں روشن وواضح اور قابلِ فہم ہیں۔ جملے کی ترتیب وتشکیل اور صاحبِ فن کی تفصیل بہترین نثری مثلث قائم کرتے ہیں۔ اس پر نثر کا مکالماتی انداز یہ تاثر قائم کروانے میں کامیاب ہے کہ قاری مذکورہ شخصیت کو نگاہوں سے دیکھ رہا ہو۔ خیر نے اپنے ممدوح کا مکمل خاکہ پیش کیا ہے جیسے مشاعروں میں آمد ورفت، نشست وبرخاست، داد وتحسین کا ملنا وغیرہ، ساتھ ہی کلام پر اپنی ناقدانہ بصیرت کا چھڑکاؤ کرتے ہیں، کلام کے معائب ومحاسن پر نظر ڈالتے ہیں اور شاعر کی شاعرانہ عظمت کا ہیولا تیار کرتے ہیں، گویا ممدوح کے ہر ایک جوہر ذاتی کو مضمون نگار کا قلم واشگاف کرتا چلا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مشمولات کی ترتیب یوں دیکھی جاسکتی ہے:

”نام وسنہ ولادت، حلیہ اور وضع، مذہب وملّت، خاندانی حالات، تحصیلِ علم،
مذاقِ فارسی، اردو، مذاقِ شاعری، تصانیف، فی البدیہہ گوئی، شعرا سے ملاقات،
اتباعِ استاد، زبان کی تحقیق وتدقیق، خصوصیاتِ کلام اور خمریات۔“

دورِ جدید کے ایک محقق پروفیسر حسن عباس نے ادراک کے شمارہ نمبر۴ (اکتوبر-دسمبر۲۰۰۴) میں حیاتِ مبارک عظیم آبادی مصنفہ ابوالخیر رحمانی شائع کر دیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ انھیں پروفیسر نادم بلخی کے ذخیرے میں ملا۔ اس مقالے کا عنوان تاریخی ہے جس سے تالیف کا سال برآمد ہوتا ہے۔ بقول سید حسن عباس:

اس مختصر رسالے کو مبارک عظیم آبادی کی شخصیت اور شاعری پر ان کی حیات میں ان کے ہم عصر ادیب کا جامع اور بھرپور تبصرہ کہا جا سکتا ہے۔ غالباً حضرت مباک کی شاعری کا یہ پہلا محاکمہ ہے جو ابوالخیر رحمانی کے ذہن وقلم کا نتیجہ ہے اس رسالے سے پہلی بار یہ اہم اطلاع سامنے آتی ہے کہ مبارک عظیم آبادی اردو کے ساتھ فارسی گو شاعر وادیب بھی تھے۔...... مصنف کی شگفتہ بیانی اور ناقدانہ

بصیرت نے حضرت مبارک کی جو تصویر پیش کی ہے وہ دبستانِ داغ کے شعرا کی صف میں سب سے نمایاں نہیں تو دھندلی بھی نہیں کہی جاسکتی“

(ادراک شمارہ نمبر۴، اکتوبر-دسمبر۲۰۰۴، صفحہ۲۶۰، مرلز تحقیقات اردو فارسی، گوپال پور، سیوان)

خیر صاحب کا منشا تھا کہ بہار کے شاعروں کی تاریخ لکھیں لیکن وہ اس ضمن میں مزید کام نہ کر سکے۔ ماضی اور حال کے طریقہ نقد ونظر میں بڑا فرق ہے کیوں کہ شاعری کا منہاج ومزاج جداگانہ، حالات مختلف، جذبات الگ اور سب سے بڑھ کر شاعری کے معیار میں فرق آیا ہے۔ اب تو تنقید کی کئی قسمیں رائج ہیں۔ دورِ حاضر میں ادب کو بھی تجربات، مشاہدات اور تجزیات سے گزار کر سائنسی ماحصل کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔ اس تکنیکی دور میں، ہر چیز کا تجزیہ آسان ہے لیکن ماضی میں وسائل کی کمی کے پیشِ نظر ممکن نہیں تھا، اس کے باوجود ہماری تنقید کی پوری عمارت ماضی کی بنیادوں پر ہی قائم ہے۔ جن لوگوں نے ادبی معیار کا پہلا سانچا بنایا متبحرین میں سے تھے۔ ایک شخص بیک وقت کئی علوم کا ماہر ہوا کرتا تھا۔ ادب اور فنون لطیفہ پر انھیں دسترس حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس قدر ترقی کر لینے کے باوجود ماضی سے ہمارا رشتہ مضبوط ہے۔ معاصرین کے یہاں صرف سانچہ بدلا ہے۔ بنیاد وہی ہے جو خیر رحمانی کی تنقیدی بصیرت نے عطا کی تھی۔ خیر نے جن شعرا وادباء کے کلام پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے وہ قابلِ تحسین ہیں۔

خیر رحمانی بحیثیت محقق:

تحقیق کا مطلب تفتیش، دریافت اور چھان بین کرنے کے ہیں، یہ کوئی آسان کام نہیں کیوں کہ اس کا اپنا ایک منطقی انداز، استدلال اور اصول ہوتا ہے اور اس میں رد وقبول کا معاملہ دلائل وبراہین کی روشنی میں طے پاتا ہے۔ اس میں پاس ولحاظ کا گزر نہیں ہوتا۔ کبھی کبھی محقق مکالماتی انداز اختیار کرتا ہے تاکہ قاری کی رسائی آسانی سے ہوسکے۔ خیر رحمانی نے ایک مضمون بعنوان ”سوانح حیاتِ سرمد پر ایک نظر“ قلم بند کیا جو کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک رسالے کے جواب میں ہے۔ مولانا آزاد نے شیخ سرمد کے دفاع میں اپنا تمام زور صرف کیا ہے۔ شیخ سرمد کے تعلق

سے مورخین نے بڑی گمراہ کن باتیں قلمبند کی ہیں اور اس کے وطن، مذہب اور رہن سہن کے طریقے سے بعض نے اختلاف اور بعض نے اتفاق کیا ہے۔ مولانا آزاد سرِ ورق پر یوں رقم طراز ہیں:

''عشق کی شورش انگیزیاں ہر جگہ یکساں ہیں۔ ہر عاشق گو قیس نہ ہو مگر مجنوں ضرور ہوتا ہے اور جب عشق آتا ہے تو عقل وحواس سے کہتا ہے کہ میرے لیے جگہ خالی کر دو۔ سرمد پر بھی یہی حالت طاری ہوئی اور جذبِ جنون اس طرح چھایا کہ ہوش وحواس کے ساتھ تمام مال ومتاعِ تجارت بھی غارت کر دیا۔ دنیوی تعلقات میں جسم پوشی کی بیڑی باقی رہ گئی تھی، بالآخر اس بوجھ سے پاؤں ہلکا ہو گیا کہ پابندیاں تو مدعیانِ ہُشیاری کے لیے ہیں''

مولانا آزاد نے مضمون کا آغاز اس شعر سے کیا ہے:

آنانکہ غمِ تو بر گزیدند ہمہ   در کوئِ شہادت آرمیدند ہمہ
در معرکہ ٔ دو کون فتح از عشق است   با آن کہ سپاہ او شہیدند است

مولانا آزاد نے سرمد کے حوالے سے فارسی تذکروں میں وافر مواد کی عدم دستیابی پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ سرمد کی قومیت اور مذہب، خاندانی نام، تحصیل علمی، ابتدائی پیشہ، صحرا نوردی اور سرمد کی شہادت پر روشنی ڈالتے ہوئے مضمون مکمل کیا ہے۔ جب یہ رسالہ خیر رحمانی کی نگاہ سے گزرا تو انھوں نے اس پر تفصیلی مضمون لکھا اور کچھ سوال ایسے قائم کیے کہ آزاد کی تحریروں میں اس کا جواز نہیں ملتا۔ مولانا خیر رحمانی رقم طراز ہیں:

''ہمارے مکرم ومحترم حضرت ابوالکلام محی الدین آزاد دہلوی نے حضرت سرمد کی ایک مختصر سوانح لکھی ہے......سوانح سرمد میں رکھا کیا تھا، جو وہ لکھتے۔ حضرت مولانا کو تو سوانح کے ضمن میں حضرت عالمگیرؒ اور علمائے کرام کو جلی کٹی سنا کر دل کا بخار نکالنا تھا......خواہ مخواہ حضرت عالمگیرؒ کو برا بھلا کہا ہے اور سرمد کے قتل کا الزام ان کے سر تھوپا ہے اور عہد اورنگ زیب کے سارے علما کو کورِ بصر، کفر ساز، جبہ پوش کا خطاب عطا فرمایا ہے اور مؤرخین کو پولیٹیکل جال میں جکڑا ہوا عالمگیر

پرست، خوشامدی کی سند عطا فرمائی ہے۔''

وہ آگے مزید رقم طراز ہیں کہ:

''جو کتابیں حضرت عالمگیرؒ کی سیرت کا مستند ترین ماخذ بن سکتی تھیں، وہ ناپید تھیں اور ان کی شخصیت کے متعلق علم ونظر کا سارا انحصار محض اجنبیوں کے غرض آلود بیان پر تھا۔ عالمگیر نامہ کاظم شیرازی شیعی، منتخب اللبّاب ہاشم علی خاں حامی شیعی، مآثر الامرا نعمت خاں عالی شیعی، (مآثر الامراء نامی کتاب کا مصنف صمصام الدولہ شاہنواز خاں تھا) مآثر عالمگیری مستعد خاں سامی شیعی، واقعاتِ عالمگیری عاقل خاں شیعی اور خدا جانے کتنی کتابیں بظاہر تو حضرت عالمگیرؒ کے حالات سے مملو ہیں، مگر جہاں موقع ملا وہاں یہ خود غرض اور متعصب مؤرخین اپنے دل کا بخار نکالے اور اپنے قلبی تعصب کا اظہار کیے بغیر نہ رہے ہیں۔ اس پر طرہ یہ ہے کہ حضرت عالمگیر کا جانشین بھی بدقسمتی سے شیعی ہی تھا۔''

رحمانی صاحب صرف یہیں نہیں رکتے بلکہ تلخ وشیریں لفظیات کے پیرایہ میں اپنا اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ وہ مولانا آزاد کے ایک طرف گرویدہ ہیں دوسری طرف آزاد کی تحریر کے ناقد وشاکی بھی۔ رحمانی کا نظریہ بالکل یہاں صاف ہے کہ تکریم وتحریم اپنی جگہ لیکن تحقیق وحقائق کا بیان بالکل دلیل پر مبنی ہونا چاہیے۔ وہ مزید لکھتے ہیں:

''حضرت امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی کے ایسے مجتہد، محقق اور روشن خیال شخص سوانح سرمد کی اوٹ میں حضرت عالمگیر نوّر اللہ مرقدہٗ پر سرمدؒ کے قتل کا الزام دے گا......مؤرخین کی کورانہ تقلید میں اور ہندو فسانہ نگاروں کی طرح آنکھ بند کر کے برا بھلا سناتے ہیں۔''

وہ آزاد کی تحریر کے حوالے سے مزید آگے لکھتے ہیں:

''سرمد کے قتل کو کسی مورخ نے پولیٹیکل نہیں لکھا۔ ان تاریخی تحقیقات اور کشفِ پالیٹکس کا سہرا ہمارے علّامہ ابوالکلام صاحب کے سر ہے۔''

آگے بھی رقم طراز ہیں:

''حضرت مولانا کی تحریر میں تناقص اس قدر ہے کہ سوانح پڑھنے والا کسی صحیح مرکز پر نہیں پہنچ سکتا''

حضرت خیرؔ رحمانی مولانا آزاد کے سطور گزشتہ کے جواب میں رقم طراز ہیں:

''حضرت سرمد کے حالات اور واقعات ہیں کہاں جو کوئی تذکرہ نویس لکھتا۔ خاندانی حالات معلوم نہیں، آباو اجداد کا نام معلوم نہیں۔ کیا مذہب تھا، معلوم نہیں۔ کوئی مسیحی کہتا ہے کوئی یہودی، کہاں کے رہنے والے تھے، معلوم نہیں۔ کوئی فرنگی، کوئی ارمنی، کوئی کاشانی بتاتا ہے۔ تعلیم وتربیت کا حال معلوم نہیں۔ کب مسلمان ہوئے معلوم نہیں۔ کس کے ہاتھ پر اسلام لائے، معلوم نہیں۔ پیشہ تجارت تھا، کس چیز کی تجارت کرتے تھے، معلوم نہیں۔''

خیرؔ رحمانی کی تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ وہ شیخ سرمدؔ کو ایک بزرگ کا درجہ عطا کرنے کو بالکل تیار نہیں تھے۔ ان کی نظر سرمد کے افعال واعمال کی باریکیوں پر ہے۔ سرمد اور شہزادہ دارا شکوہ کے درمیان جس طرح کی ارادت تھی وہ سلطنت اورنگ زیب کے لیے خطرے کا باعث تھی۔ مذہب اسلام کے تئیں شیخ سرمد کا عقیدہ علمائے حق کے برعکس تھا۔ وہ ہمیشہ غیر شرعی افعال کے مرتکب ہوتے رہے۔ ایک صوفی خلافِ شریعت زندگی گزارنے کی کیسے سوچ سکتا ہے؟۔ ہندو شاہ نامی لونڈے سے عشق کرنا، اس کی محبت کا دم بھرنا جیسے کئی افعال شیخ جی سے سرزد ہوتے رہے۔ اس طرح کے افعال واعمال کی اجازت نہ مذہب اسلام نے کبھی دی ہے اور نہ ہی اس عہد کا معاشرہ اس کا متحمل تھا۔ مذہب اسلام میں امرد پرستی کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ شیخ جی ہمیشہ کلمہ آدھا ادھورا ہی پڑھا کرتے تھے اور اس پر تاویل یہ پیش کرتے کہ ابھی تک 'لا' کی منزل سے آگے نہیں بڑھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دینِ حنیف کے دستور سے ہٹ کر نہ کوئی عبادت ہے اور نہ ہی بندگی۔

بقول شیخ سعدیؔ شیرازی:

خلافِ پیمبر کسی رہ گزید   کہ ہرگز بہ منزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہِ صفا   توان رفت جز در پی مصطفیٰ

خیرؔ رحمانی کے نزدیک سارا معاملہ اورنگ زیب عالمگیر کی خالص اسلام پسندی اور شریعت پسندی کو ناپسندیدگی سے دیکھنے کا ہے۔ ورنہ سرمد کا قتل اتنا بڑا معاملہ نہیں جتنا بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ غیر مسلم کی نگاہ میں اورنگ زیب کی شرعی زندگی لائقِ ستائش نہیں ٹھہرتی ہے۔ اورنگ زیب کے افعال واعمال حسنہ بھی اس لیے پس پشت ڈال دیے گئے کیوں کہ وہ ایک پکا اور سچا مسلمان تھا۔ متعصب مورخین نے ہر چند کوشش کی کہ اورنگ زیب کو تاریخ کا ناپسندیدہ شخص قرار دے کر دنیا کے روبرو کرے۔ کسی حد تک وہ کامیاب بھی رہے۔ شیواجی کے قد کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا۔ خیرؔ رحمانی کی مراد یہ ہے کہ امام الہند مولانا آزاد کی ذات گرامی اس قدر متاثر کن ہے کہ ان کی تحریروں کو قبول کرنے کی بجائے قارئین کے سامنے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہوتا ہے اس لیے ان کو چاہیے تھا کہ وہ شواہد کی بنیاد پر اورنگ زیب عالمگیرؒ پر لگائے گئے غیر مناسب الزامات کی تردید کرتے لیکن وہ ایسا نہ کر سکے اور دیگر محققین کی طرح وہی باتیں دہرا دیں جواب تک رسمی طور پر لکھی جاتی رہی ہیں۔ خیر نے ایک جگہ لکھا ہے:

''حضرت عالمگیرؒ پر جتنے الزام غیر اقوام لگاتے ہیں، سب مولانا کے نزدیک بجا و درست ہیں اور حضرت مولانا شبلی نعمانی نے جو ان الزامات کی محققانہ ومؤرخانہ تردید کی ہے، وہ سب غلط ہے۔''

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اورنگ زیب عالمگیر کو غیر مسلم مورخین نے ہندوستانی شہنشاہی نظام کا ''ویلن'' بنا کر پیش کیا ہے۔ بنگال کا ایک مورخ 'سر جادو ناتھ سرکار' کو اس میں اولیت حاصل رہی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اس نامور مورخ نے فارسی مخطوطات کے حوالے سے جو کچھ لکھا ہے، اس میں وہ فارسی عبارت کے مفہوم تک رسائی میں ناکام رہے ہیں۔ اورنگ زیب کے معاملے میں دیگر بہت سے مورخین بھی عصبیت کے شکار نظر آتے ہیں۔ شیخ سرمد کے حوالے سے خیرؔ رحمانی کی باتیں اپنی جگہ بالکل درست ہیں کیوں کہ سرمد کے تعلق سے آج بھی منظر نامہ صاف نہیں ہے۔ اس کی رباعیوں میں بھی کچھ فلسفیانہ خیالات اس طرح ادا ہوئے ہیں جن سے شرک کی بو آتی

ہے۔ان باتوں سے قطع نظر یہ دیکھیے کہ شخصیت پرستی کا جادو جب سر چڑھ کر بولنے لگتا ہے تو اچھی، مناسب اور سچ بات بھی عوام کے لیے نامناسب ہو جاتی ہے۔یہی مولانا خیرؔ رحمانی کے ساتھ بھی ہوا۔مولانا آزاد کی شخصیت کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا، لہٰذا یہ مضمون ہزار کوششوں کی باوجود اس عہد میں شائع نہ ہو سکا۔جب اس مضمون کو پہلی بار لکھنؤ سے نکلنے والے رسالے ''نگار'' میں نومبر ۱۹۲۷ء میں بھیجا گیا تو مولانا نیاز فتح پوری نے فروری کے شمارہ میں شائع کرنے کا وعدہ ایفا نہ کرکے اس مضمون سے بھرپور اکتساب کیا اور سرمد کے حوالے سے اپنا نیا مضمون لکھ کر دسمبر کے شمارہ میں شائع کر دیا۔نیاز فتح پوری جیسے ادیب اس طرح کی حرکت کے مرتکب ہونے لگیں تھے تو سمجھیے کہ ادب کا بیڑا غرق ہونے میں کیا تامل ہے۔اس کے بعد اس مضمون کو لاہور سے نکلنے والے'' نیرنگ خیال'' میں بغرضِ اشاعت بھیجا گیا لیکن ناکامی ہاتھ آئی۔شبلی اکاڈمی اعظم گڑھ کے معروف رسالہ معارف میں شائع کروانے کی کوشش کی گئی لیکن ادارے نے اپنی معذوری ظاہر کی اور سیّد سلیمان ندوی نے ان مشوروں کے ساتھ مضمون واپس کر دیا کہ اس مضمون کو سنجیدہ لہجہ عطا کیا جائے اور لفظیات کو متین بنا کر بھیجا جائے۔مختصر یہ کہ اہلِ علم کی نگاہوں میں خیرؔ کا مضمون اس وقت آیا جب آزاد کا رسالہ ''حیاتِ سرمد'' دادِ تحسین وصول کر چکا تھا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا آزاد کی شخصیت کا جادو ہر خاص و عام پر تھا لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کسی کی تحقیق کو کسی شخصیت کے زیر اثر رد کر دیا جائے۔شیخ سرمد کے متعلق مولانا آزاد کا تحقیقی رسالہ اور اس میں شامل چیزیں مولانا آزاد کے حاصل شدہ مواد اور براہین پر محل تأمل ہے۔جب کہ مولانا خیرؔ کی تحقیق ان محاصل پر منحصر ہے جو تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔دونوں تحقیق کی روشنی میں بلاشبہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ خیرؔ کا نقطۂ نظر زیادہ استدلالی اور قرینِ قیاس ہے۔

خیرؔ رحمانی بحیثیت صحافی:

خیرؔ رحمانی میدانِ صحافت کے بھی مردِ میدان تھے، جسے انھوں نے وقتاً فوقتاً طنزیہ لب و لہجہ کی تبدیلی سے جاذب و دلکش بنایا۔انھوں نے طنز و مزاح سے وہی کام لیا جو اکبرالہ آبادی نے

اپنی شاعری سے لیا تھا۔جہاں ہر بات پہ زبان کٹنے کا ڈر ہو وہاں پیرائیہ بیان بدلا جاتا ہے لیکن بات نہیں بدلی جاتی۔فرنگی ہندوستان پر قابض تھے۔آقا کے خلاف غلام کو بولنے کی اجازت کہاں تھی؟ آئے دن اخبارات بند ہوتے تھے۔مظالم کی انتہا تھی، عوام پریشان تھے۔حریت پسند اشخاص چھپ چھپ کر منصوبے بناتے اور حکومتِ وقت کو اپنے لائحۂ عمل سے پریشانی میں ڈالتے رہے۔اس دَور کی صحافت بھی مجاہدانہ عمل تھا۔صحافت کا کام عوام کے اندر بیداری پیدا کرنا اور اخبارِ عالم سے باخبر رکھنا ہوتا ہے لیکن ۱۹ویں صدی کی صحافت تلواروں کے سائے میں پروان چڑھی۔انگریز بہادر کے خلاف لکھنا آسان کام نہیں تھا۔مولانا خیرؔ رحمانی اس سے باخبر تھے اس لیے انھوں نے اپنی خوش طبعی سے کام لے کر دانائی وزیرکی کا مظاہرہ کیا اور تلخ سے تلخ باتیں دل لگی کے پہلو میں قارئین تک پہنچا دیں۔ہندوستان کی آزادی کے لیے ضروری تھا کہ عوام بیدار ہوں لیکن علی الاعلان یہ کام مشکل تھا۔انھوں نے ایسی روش اختیار کی کہ حکام بالا کی توجہ آسانی سے اس جانب مبذول نہ ہو۔گرچہ شروع میں اس کا طرز محض چھیڑ چھاڑ یا تفریحی تھا لیکن وقت کی رفتار نے اسے بامعنیٰ اور بامقصد بنا دیا تھا۔حُرّیت کا تصور طنز و مزاح کے پیرائیے میں پیش کرنا ہر کس و ناکس کی بات نہیں تھی، لیکن موصوف نے اس میدان میں بھی اپنے جوہرِ ذاتی سے 'الپنچ' کی ماہئیت اور کیفیت میں اضافہ کیا اور اپنی علمی و صحافتی حیثیت زمانے سے منوا لے گئے۔

الپنچ کے اجرا میں شادؔ عظیم آبادی کی مخالفت کا ایک عنصر بھی شامل تھا۔اس کا پہلا شمارہ ۵/فروری ۱۸۸۵ء کو منظر عام پر آیا جو ۳۲x۲۵ کی تقطیع میں آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔اس جریدہ نما اخبار سے مولوی سیّد رحیم الدین، مولانا مظہر عالم ابوالخیرؔ رحمانی، مولوی سیّد محمد احسن بہاری، مولوی سیّد حسن استھانوی، مولوی سیّد صغیرالحسن رضوی اور منشی عابد علی عابد وغیرہ نہایت ہی سرگرمی سے جڑے تھے۔

مولانا خیرؔ رحمانی عظیم آباد سے نکلنے والے اس 'الپنچ' نامی اخبار میں پہلے پہل یوں ہی لکھتے رہے۔اس کے بعد ایک کالم نویس کی حیثیت سے سامنے آئے۔جب ۱۸۹۲ء میں اس اخبار کے مالک اور مدیر، سیّد عبدالرحیم شدید علالت کی وجہ سے صاحبِ فراش ہوئے تو انھوں نے تمام ذمہ

داریاں مولانا خیؔر رحمانی کے دوش پر ڈال دیں۔اس طرح ممدوح نے ۱۹۰۴ء تک اپنی صحافتی زندگی کو اوجِ ثریا تک پہنچایا اور تن تنہا وہ تمام مشمولات دیکھتے رہے جو ایک مدیر کا فریضہ ہوا کرتا ہے۔ایڈیٹر کا مُنتہائے نظر اخبار کو عوام میں مقبول بنانا، اس کے سرکولیشن کو بڑھانا اور اشاعت کو تواتر کے ساتھ جاری رکھنا ہوتا ہے اور موصوف اس ضمن میں بڑے کامیاب واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ اخبار دور دراز کے علاقوں تک رسائی حاصل کرلے اور اس سلسلے میں قارئین کے لیے جہاں گرم خبروں کا التزام کیا وہیں تفریحی مضامین کا بھی اہتمام کیا اور خود ہی مختلف ناموں سے مواد فراہم کرتے رہے۔

جیسا کہ عرض ہوا کہ خیؔر رحمانی کی تحریریں موقع بہ موقع بدلتی رہی تھیں، ظاہر ہے اخبار کو قاری کی ضرورت ہوتی ہے اور مدیر کو اس ضرورت کی مطابق ڈھلنا ہوتا ہے، خیؔر رحمانی کا مکمل مضمون 'الپنچ' کے حوالے سے 'بازی' کے عنوان کے تحت دیکھیں کہ کس خوب صورتی کے ساتھ بات سے بات پیدا کی اور ضرورت کے تحت شعری التزام کیا:

'' ڈنر باز پنچ، خوش رہو!

یارا! اب ہمارا تمھارا وہ زمانہ ہی نہیں رہا۔ورنہ پٹنہ والوں کو دکھا دیتے کہ ایسے بھی انسان ہوتے ہیں۔کون کون زمانہ نہیں دیکھا اور کیا نہیں دیکھا۔بٹیر بازی میں نے دیکھی۔مرغ بازی میں نے دیکھی۔مینڈھے بازی میں نے دیکھی۔آتش بازی میں نے دیکھی۔یاروں کی رنڈی بازی میں نے دیکھی۔تھیئٹر بازی میں نے دیکھی۔سرکس بازی میں نے دیکھی۔اسپیچ بازی میں نے دیکھی۔بارلیش باہم بازی میں نے دیکھی۔یہ بازی میں نے دیکھی۔وہ بازی میں نے دیکھی۔اغیرہ بازی میں نے دیکھی۔وغیرہ بازی میں نے دیکھی۔مگر یار! آج کل جو زہرہ بازی میں مزہ ہے وہ کسی میں نہیں۔ہائے مار ڈالا۔' ایک ہاتھ مار چھیلا دوٹک ہوئی جائے'۔جدھر نگاہ کی پرے کا پرا الٹ گیا۔

ادا ہے، ناز ہے، انداز ہے غمزہ ہے شوخی ہے   سراپا حسن کی تصویر ہے کیا شکل پائی ہے

اور گلا تو نور کا گلا ہے۔وہ آواز کہ اگر حاتم ہوتا تو سمجھتا کہ وہ ندا سے آواز آرہی ہے۔ مگر خدا رکھے ہمارے شہر کے منچلی طبیعت والوں کو یہ تو حاتم کے بھی دادا' پردادا نکلے، نہ صرف اس کو وہ ندا پر چڑھ کر آواز سنی بلکہ جی کھول کر داد سخاوت دی۔ایک جھلک دیکھنے پر سینکڑوں، ہزاروں روپئے نثار کردیے۔جو ہے یہی چیخ رہا ہے

جو آج جائزہ لیتا ہے جاں نثاروں کا   ہمارا نام بھی لے کر پکار ہم بھی ہیں

کوئی تو اس کے تیور پر مٹا جاتا ہے۔

بلائیں لوں قیامت حسن کی صورت نکالی ہے   انوکھا ہے جو ہے انداز ادا جو ہے نرالی ہے

اور کوئی صورت پر۔

نور کی شکل بھی ہے مہر و محبت بھی ہے   یہ تکلف ہے کہ صورت بھی ہے سیرت بھی ہے

کوئی آنکھوں کے اشارے پر جان دے رہا ہے۔

خدا پناہ میں رکھے تمھاری انکھیوں سے   یہ کھیل کھائی ہوئی ہے لڑائی لڑائی ہوئی

تو کوئی کٹیلی آنکھوں کے لیے آٹھ آٹھ آنسو بہا رہا ہے۔

مروت بھی ہو تیری آنکھ میں کاش   رسیلی ہے نشیلی ہے بڑی ہے

اور کوئی اس کی بے نیازی پر سر پیٹ رہا ہے۔

کسی طرح کھلتا نہیں حال دل کا   کسے چاہتے ہیں وہ کیا چاہتے ہیں

سارا شہر اس مزے میں تھرک رہا ہے۔

رقص اس نے جو کی زلف وا   تو زہرا اسیر سلاسل ہوئی

ناتو بہ ہزاروں کو اسیرِ سلاسل کیا۔

غرض خوب خوب محفلیں ہو رہی ہیں اور خوب خوب گل چھرّے اڑ رہے ہیں۔

پٹنہ والوں کو ایسے جلسے مبارک اور قومی جلسوں سے نفرت مبارک

کہوں کیا کسی سے دلِ حال اپنا   محبت نہیں ہے مگر چاہتے ہیں''

مذکورہ بالا شعری التزام سے آراستہ طنزیہ مضمون کے پسِ پردہ ایک نہاں داستان طولانی

ہے۔انسان کی فطرت میں سود و زیاں کا جو تصور ہے وہ بڑا ہی المناک ثابت ہوتا رہا ہے۔ خیرؔ رحمانی انگریزی تہذیب وتمدن کے دلدادہ اشخاص سے متنفر اوران کی کارستانیوں سے آزردہ خاطر اوران کے رویوں سے نالاں رہے۔ ہر زمانے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ معاشرے میں دو اقسام کے اشخاص ہمیشہ سے رہے ہیں جن میں ایک طبقہ اپنے قول وفعل کے اعتبار سے کامل جب کہ دوسرا طبقہ اپنے ظاہر وباطن میں مطابقت نہیں رکھتا۔ جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے کہ ڈنر باز اشخاص پر نفرین ولعنت بھیجی گئی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے انگریزی دعوت اور شراب وشباب کو نعمتِ عظمیٰ سمجھ رکھا تھا۔ انھیں ان باتوں سے کوئی مطلب نہیں تھا کہ ہندوستانی عوام پر کیسے کیسے مظالم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں۔ بالکل بے حسی کی زندگی گزارنا ان کا شیوہ بن چکا تھا۔ کبھی وہ مخبری کے مرتکب ہوتے تو کبھی انگریزوں کے سامنے اپنے عہد وفاداری کا یقین دلاتے۔ معاشرہ کی جانب جب رخ کرتے تو اپنی سفید پوشی کی قسم کھاتے۔ ان کے پاس دولت کی ریل پیل تھی اور انگریزوں سے وفاداری اور راہ رسم بڑھانے کے سلسلے میں تمام قسم کے انعامات ان کے ہی حصے میں آتے رہے۔ خیرؔ رحمانی جیسے محبانِ قوم وملت کو یہ بات گراں گزرتی رہی مگر وہ بے بس نظر آتے ہیں۔ وہ نہ تو اہلِ ثروت تھے اور نہ ہی فارغ البال۔ بہت سی مجبوریاں دامن گیر تھیں۔ اگر وہ نوجوان ہوتے تو شاید کتنوں کی خبر لے چکے ہوتے۔ وہ ان بے غیرت اشخاص کو بتلاتے کہ لہو و لعب کی محفلیں کیسی ہوتی ہیں؟ اس طرح کی محفلوں کے انعقاد کے طریقے کیا ہوتے ہیں؟ وہ ان لوازمات کا مشاہدہ کرواتے جو محفلِ شب باشی کے لیے ضروری ہوا کرتا ہے۔ اس پوری تحریر میں موصوف نے تاریخی پس منظر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہندوستان میں دور سلاطین، عہد مغلیہ، حکومتِ نوابین اور جاگیرداروں اور زمین داروں کی شان وعظمت کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ہندوستان عہد عتیق سے ہی تاریخ وثقافت اور فنونِ لطیفہ میں اپنی خاص پہچان رکھتا ہے۔ یہاں کی تہذیب وتمدن میں فنون لطیفہ کو ایک خاص درجہ رہا اور ہر دور میں اس کی باقاعدہ سرپرستی ہوتی رہی۔ کھیل تماشہ اور بازی گری یہاں کے خمیر میں رچی بسی ہے۔ وہ کون سا تفریحی عمل ہے جو عہد عتیق سے ترقی کرتا ہوا سلاطین، مغلیہ اور نوابین کے عہد تک نہیں پہنچا ہو۔ عہدِ اسلامی کا ہندوستان

اپنے دامن میں شاندار ماضی کی یادگار رکھتا ہے۔ تہذیبی وثقافتی لحاظ سے ان ادوار کا کوئی ثانی نہیں۔ مغلوں کے دستر خوان پر جو انواع واقسام کے کھانے چنے جاتے تھے بیچارے انگریز 'سلطنت برطانیہ' کو بیچ بھی لاتے تب بھی انھیں اس کا عُشرِ عَشیر بھی میسر نہ ہوتا۔ امیر خسرؔو نے اپنی مثنوی 'نوسپھر' میں اُن تمام انواع واقسام کے کھانوں کا ذکر کیا ہے جو عہدِ سلاطین میں دستر خوان پر چُنے جاتے تھے۔ انھوں نے ایک ایک لمحے کو اپنی تحریروں میں قید کیا ہے مثال کے طور پر جشن کیسا ہوتا تھا؟ بازی گر کیسے اپنا کھیل دکھاتے تھے؟ رقص کی محفلیں کس آداب وسلیقے سے سجائی جاتی تھیں؟ باغ میں چھتریاں کہاں لگائی جاتی تھیں؟ بادشاہ کہاں بیٹھتا تھا؟ صدقات وخیرات غربا میں تقسیم کرنے کا طریقہ کیا تھا؟ وغیرہ لیکن افسوس تو یہ ہے کہ انگریزی حکومت کے آتے ہی ہندوستانیوں نے اپنا شاندار ماضی بھی فراموش کر دیا تھا۔ وہ انگریزوں کی نقالی کرنے لگے تھے۔ ہندوستانیوں کو پلاؤ، شیر مال، کلچہ اور نانِ تنک کا نام تک یاد نہیں رہا وہ برگر، پزّہ اور لیمن کی بوتلوں کے ساتھ گوری میم پر ایسے فدا ہوئے کہ ہندوستانیت بھی جاتی رہی۔ فاضل مضمون نگار نے ہندوستان کی عظمت رفتہ کی یاد دہانی کروائی ہے اور اس کا واسطہ دے کر مندوبین محفل کی غیرت وحمیت کو للکارا ہے اور ساتھ ہی ان لوگوں کو متنبہ کیا ہے جو انگریزوں کی دعوت اُڑانے کے عادی ہو چکے تھے۔ انھوں نے ایک وطن پرست ہندوستانی کی طرح بے راہ رو اشخاص کو صلاح دی ہے کہ حرام دعوت کھانے کی بجائے جہاد کرنے والے مجاہدین کے ساتھ روکھی سوکھی کھا کر میدان کارزار میں کام آنا بہتر ہے۔

خیرؔ رحمانی کے جتنے بھی مضامین 'اپنچ' میں شائع ہوئے ہیں بیشتر اسی نوعیت کے ہیں۔ ان کے مضامین کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نفسِ مضمون کی مناسبت سے شعری التزام کرتے ہیں۔ شروع سے آخر تک مضمون پر قائم رہتے ہیں اور غیر ضروری باتوں سے اعتنائی برتے ہیں۔ خیرؔ رحمانی کی متعدد نظمیں اور مضامین 'اپنچ' کے مختلف شماروں میں شائع ہوئے مثلاً (۱) ۹۷ کا خاتمہ (۷/جنوری ۱۸۹۸ء، جلد۔۱۴، صفحہ۔ ۶)۔(۲) 'ہمارے چلتے پرزے ۹۸ء کے دھوم دھڑ کے' (ابو الظر فا در بھنگوی، نظم، ۷/جنوری ۱۸۹۸ء)۔(۳)۔ 'چل بسا بوڑھا سید سا رہبر'

(ابوظرفا در بھنگوی، نوحہ، ۲۷/مئی ۱۸۹۸ء)۔(۴)۔'اللہ اکبر کی اہمیت وافادیت' (خیر، انشائیہ، ۱/جولائی ۱۸۹۸ء)۔(۵)۔'اررَرَ کبیر۔جہرَ رَ رَ کبیر' (ابو الظرفا، نظم، ۱۶/مارچ ۱۹۰۰ء)۔ (۶) پھگوا ہے بھئی پھگوا ہے۔ براجونہ مانو پھگوا ہے (۱۹۰۰ء، جلد۔۱۶، صفحہ۔۵)۔(۷)'یاروں کا مضمون میرا مضمونچہ' (مولانا قہر نگار، نظم، ۴/جنوری ۱۹۰۱ء)۔(۸)'رہے گا نام اللہ کا' (ابوالظرفا، نظم، ۵/جولائی ۱۹۰۱ء)۔(۹)'شاہ کی املی کے نامی رئیس وسجادہ نشیں سید شاہ محمد مہدی کے صاحبزادے سید محمد حامد کے مکتب پر الپنچ کے نامہ نگار کی کامیاب رپورٹ' (مولانا قہر نگار، رپورٹ، ۱۲/جولائی ۱۹۰۱ء)۔(۱۰)'پانچ اور پانچوں گھی میں' (ابو الظرفا در بھنگوی، مضمون، ۵/اپریل ۱۹۰۲ء)۔(۱۱)'بازی' (ہنٹر پھٹکار، مضمون، ۵/اپریل ۱۹۰۲ء)۔(۱۲)'شحنۂ ہند میرٹھ سے دو دو باتیں' (مولانا ہنٹر پھٹکار، تبصرہ، ۲۴/مئی ۱۹۰۲ء)۔(۱۳)'چھوٹے تارے: انگریزی نظم لِٹِل اسٹار کا منظوم ترجمہ' (خیر، ۲۱/جون ۱۹۰۲ء)۔ (۱۴)۔'ڈاکیا' (خیر، نظم، ۲۱/جون ۱۹۰۲ء)۔ (۱۵)'لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے: سید رحیم الدین استھانوی، مدیر الپنچ کا نثری مرثیہ' (خیر، مضمون، ۱۹/جولائی ۱۹۰۲ء)۔

اُن کا ایک تبصرہ 'شحنۂ ہند میرٹھ سے دو دو باتیں' (جلد۔۱۸، صفحہ۔۳) پر موجود ہے 'موصوف کی علمی، ادبی اور شعری تفہیم کی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے نیز یہ بھی باور کرواتا ہے کہ عیار ادب کے لیے ان کا پیمانہ کیا تھا؟ اور کلام کو سمجھنے اور سمجھانے کا معیار کیسا ہونا چاہیے۔ خیر رحمانی کی یہ پندرہ نثری اور شعری نگارشات اور تخلیقات کے علاوہ بھی ان کے اسلوب وطرز میں کئی مضامین 'الپنچ' میں ملتے ہیں جو انھوں نے خود مختلف ناموں سے لکھے ہیں جن پر نہ ہی ان کا دعویٰ ہے اور نہ ہی کوئی ایسی دلیل لائی جاسکتی ہے جو ان مضامین کو ان کے نام سے منسوب کیا جاسکے۔ ان کے مضامین جو خود ان کے مختلف نام سے شائع ہوئے ہیں ان کے اسما پیش بند و پس بند کے علاوہ اس طرح ملتے ہیں جیسے برائے نام خیر، خیر در بھنگوی، رنگ رسیا در بھنگوی بھیڑوی، ابو الظرفا، موید الظرفا، قہر نگار اور ہنٹر پھٹکار وغیرہ۔ ان کے مضامین میں مختلف واقعات اور روداد کے ساتھ شعر و ادب کی جو چاشنی ملتی ہے وہ ہمیں گلستانِ سعدی کی یاد دلاتے ہیں۔

خیر رحمانی کی شاعری کا جائزہ :

خیر اپنے نظریہ کے امین اور اپنی فکر کے مبلغ ہیں۔ انھوں نے نہ کسی کی اتباع کی ہے اور نہ ہی کسی کے اسلوب کو اپنایا ہے۔ بے شک ہر شاعر پر اس کے استاد کا ایک اثر ہوتا ہے لیکن ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ خیر کے کلام پر نہ کسی کا کوئی رنگ ہے اور نہ ہی اثر۔ انھوں نے جو کچھ کہا ہے وہ اپنے اسلوب میں کہا اور کامیابی کے ساتھ اپنی شاعرانہ روش اور اپنے اسلوب کو پروان چڑھاتے رہے۔ خیر کی شاعری کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ انھوں نے اپنے کلام کو ہمہ گیریت عطا کی اور عالم انسانیت کی کراہ و درد کو اپنی شاعری کا مرکزی موضوع بنایا۔ ان کے یہاں اسلامی روایات کی وہ گونج بھی صاف سنائی دیتی ہے جسے معلم اخلاق، فوق البشر اور امن کے پیمبر لے کر آئے تھے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ خیر کی شاعری میں ماضی، حال اور مستقبل تینوں گلے ملتے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر ان کی شاعری میں ماضی کی مصوری ہے تو خود ان کے عہد کے سماج کی طبقاتی کشمکش کا مکمل خاکہ بھی ہے اور مستقبل میں پیش آنے والے حادثات و واقعات کی پیش گوئی بھی۔ شاعری وہی بڑی ہوتی ہے جو اپنے وقوعے سے اُٹھ کر صدیوں کا سفر طے کر لے اور خیر اس معاملے میں کامل نظر آتے ہیں۔ خیر کی تمام اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی پر روشنی ڈالی جائے گی اس سے قبل یہ ضروری تھا کہ مجموعی طور پر ان کی شاعری کا اجمالی خاکہ پیش ہو۔

جس شاعری میں لمسی حس پائی جائے وہ پُر اثر ہوا کرتی ہے۔ احساس کو لفظوں میں ڈھالنا فنی چابک دستی چاہتا ہے۔ بند کمرے میں بہار کا منظر پیش کرنے کی بجائے دل کے دروازوں کو کھول کر اور چمن میں بیٹھ کر گل ولالہ کی گفتگو ہو تو اس میں قاری خوشبو محسوس کرتا ہے۔ خیر رحمانی 'الپنچ' کے اڈیٹر تھے لہٰذا حادثات و واقعات اور سانحات پر ان کی نگاہ مرکوز رہا کرتی تھی۔ اس طرح ان کی انگلیاں ہندوستان کی نبض ٹٹولتی تھیں۔ ان کی نگاہیں یہاں کے قومی، سماجی، ادبی، ثقافتی مسائل کا مشاہدہ کیا کرتیں۔ ان کی نظر عالمی تواریخ اور عالمی سیاست کے کوائف تک پہنچتی تھی۔ ملّت اسلامیہ کے رنج وغم اور اسلام دشمن طاقتوں کی ریشہ دوانیوں سے وہ

خوب واقف تھے۔ وہ ہمیشہ ملّت کے نونہالوں کو شجاعت و جواں مردی کا درس دیتے رہے۔ کبھی انھوں نے نصیحت کی تو کبھی عملی طور پر ناصح کا بھرپور کردار نبھایا۔ خیؔر رحمانی ایسے شاعر تھے جنھوں نے شاعری کو تفریحِ طبع کا ذریعہ بنانے کی بجائے مقصدیت سے قریب کیا۔ خیؔر رحمانی نے ہر بڑے شاعر کی طرح اپنی شاعری سے وہی کام لیا جس کو ''پیمبری'' سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔ مولانا حالؔی، محمد اقبالؔ اور حفیظؔ جالندھری کی شاعری کی گونج آج بھی معاشرہ میں اس لیے سنائی دیتی ہے کیوں کہ ان کا مقصد قوم و ملّت کی اصلاح کرنا تھا۔ مولانا خیؔر رحمانی کا میلان طبع کچھ الگ سا تھا۔ میلانِ طبع اور اس کی ساخت میں فطری اور جبلی طور پر اس کے نسبی انسلاکات کی خصوصیات در آتی ہیں۔ جو شخص جس نسل یا جس ماحول کا پروردہ ہوتا ہے اس کی جھلک اس کے عادات و اطوار میں نظر آتی ہے۔ چوں کہ خیؔر کا تعلق قاضیوں کے خاندان سے تھا لہٰذا پند و موعظت کا ان کی شاعری میں در آنا فطری تھا اس پر طرہ یہ کہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیم نے انھیں پورے طور پر ناصح و حریت پسند بنا دیا تھا۔ وطن سے محبت ایمان کا حصہ ٹھہرا۔ جیسا کہ ہمیں علم ہے کہ دارالعلوم دیوبند کا مسلمانوں میں علم کے فروغ اور تحریکِ اصلاح معاشرہ کے ساتھ ان کے اندر حب الوطنی کی جوت جگانے کے اغراض و مقاصد کے تحت قیام عمل میں آیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ دیوبند کی علمی، فلاحی اور اجتہادی تحریک نے ہندوستانی مسلمانوں کو نہ صرف تیرگی سے نکالا بلکہ زندگی کو مقصدیت کے ساتھ گزارنے کا نسخہ عطا کیا۔ اس ادارہ نے ہندوستان میں حب الوطنی کی فضا ہموار کی، یکجہتی کا درس دیا اور ہندوستان کی آزادی کی خاطر برادرانِ وطن کے شانہ بشانہ کھڑے رہنے کی تلقین کی۔ علمائے دیوبند کی قربانیاں، اکابرین کے کارنامے موصوف کے پیشِ نظر تھے۔ وہ اپنے اکابرین کی ارواح کو کیسے شرمندہ کر سکتے تھے۔ اس لیے گاہے گاہے ان کا قلم مبلّغ کی صورت اختیار کرتا رہا اور وہ ظرافت کے رنگ میں اپنی باتیں اہلِ وطن کے گوش گزار کرتے رہے۔ تقسیم ہند کے بعد وطن پرستی کا مفہوم ایسا بدلا کہ غدار، وفادار ہو گئے۔ جن کے آبا و اجداد نے وطن کی آزادی کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں آج ان کی اولادیں حبس دوام میں ہیں۔

حب الوطنی سے سرشار مدارس کے فارغین و علما کو فرنگی حکومت نے بغاوت کے الزام میں دار پر لٹکایا۔ آج ان شہیدوں کے مزارات پر گل پوشی کرنے کی بجائے ان کی قبروں کے نشانات مٹائے جا رہے ہیں۔ جن مدارس نے وطنِ عزیز کو رہنما عطا کیے تھے اب وہ مدارس شک کے دائرے میں ہیں۔ آج جو کچھ زمانہ دیکھ رہا ہے خیؔر رحمانی نے سو سال قبل اس کی پیش گوئی کی تھی۔ ان کا قلم ماضی کی روداد کے ساتھ مستقبل کی عکس ریزی کرتا رہا۔ ان کی شاعری میں پیش آنے والے واقعات کی پیش گوئی جس طرح ملتی ہے ان کی ولایت پر ایمان لانے کو جی چاہتا ہے، لیکن ان کے عہد کے اکابرین نے ان کی باتوں کو وہ اہمیت نہ دی جس کے وہ مستحق تھے۔ خیؔر کے یہاں جو آگہی اور ایقان ہے وہ ان کا خاص انفراد ہے۔ ذیل کے متفرق اشعار دیکھیں:

سخت جانی کا بُرا ہو کہ ہیں اب تک زندہ ورنہ کیا کیا نہ ستم آپ نے ہم پر توڑا

یہ خانہ جنگیوں کا کیا نتیجہ ہے بہ جز اس کے اُجڑتے شہر ہیں؛ آباد زنداں ہوتے جاتے ہیں

کہیں قربانی پر جھگڑا کہیں ناقوس پر رگڑا خلوص و اتفاق آپس کے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

ہے یہ وطن کا نیک سلوک اُن کا یہ اشتعال مت پوچھو

یارانِ وطن دھوکا تو نہ دیں کچھ شُبہ دل میں گزرتا ہے

دل میں کچھ اور زباں پر کچھ کیوں پھول ایسے کترتا ہے

وعدہ کر کے کہہ دیتے ہیں کیسا وعدہ کس کا وعدہ

اچھی شاعری وہی ہے جو احساسات، جذبات، ردِعمل، طبیعت کی اُپج اور فکری گہرائی سے مملو ہو۔ سامع کی منجمد طبیعت میں ہل چل اور روانی بخشے اور ایک جوش و ولولہ سے ہم کنار کر کے آئندہ کے لائحۂ عمل کے لیے تیار کرے۔ شعر وہی ہے جس کی قرآت سے طبیعت میں ایک انبساط اور ایک جوش و جذبہ پیدا ہو، طبیعت ایک ہیجان سے دوچار ہو۔ بات پوری طرح سمجھی جائے اور شعر ہمیشہ کے لیے یاد ہو جائے۔ ایسا شعر جس کے سننے کے بعد کوئی تحریک پیدا نہ ہو، اس میں آہ

ہواور نہ واہ اس طرح کی شاعری قابلِ اعتنا نہیں ہوتی۔ خیر رحمانی کی شاعری میں تصویر درد ہے۔ انسان اور انسانیت کا سوال ہے۔ قوم وملّت کی شناخت کا رونا ہے۔ ہمیں رولانے اور ہنسنے پر مجبور کرنے کے ساتھ دعوت فکر دیتے ہیں۔ ان کی شاعری سے اس ہندوستان کی مکمل تصویر اور برادران وطن کے کچھ چنندہ اشخاص کی مکروہ صورت اُبھر کر آتی ہے۔ خیر کی شاعری میں جتنے بھی رنگ ہیں وہ سب کے سب مذہبِ انسانیت کے رنگ ہیں۔ اس کا دائرہ بین الاقوامی، بین الاسلامی اور بین الملکی ہوسکتا ہے لیکن مقتضائے بشریت سے پَرے نہیں ہے۔ ذیل کے اشعار کو ہندو اور مسلم کے تناظر میں نہ دیکھیں۔ یہ ان شیطانی طاقتوں کی تمثیلیں ہیں جو ہر زمانے میں آدمیت سے خالی اور انسانیت کے لیے سوالی رہا ہے۔ ذیل کے متفرق اشعار دیکھیں:

ھست اتّحادِ مسلم و ھندو بھم محال
ھر گز ندیدہ ایم کہ مسجد شود کنشت

مسلم و ہندو کا سمجھوتا محال
اس کی اب مشکل کشائی ہو چکی

امید نہیں خیر کو شب وصل کی آئے
میرے در و دیوار میں گویا ہے جڑی دھوپ

مشقِ دشنام ہو رہا ہوں
اپنی توقیر کھو رہا ہوں

گاؤ رکچھا پر بڑی اسپیچ دو ، ماتم کرو
خوب ہوٹل میں اڑاؤ تم کبابِ زندگی

سچ کہو میری وفا کا بھی کچھ آتا ہے خیال
گر خیال آتا ہے تو ہم کو ستاتے کیوں ہو

خیر کی شاعری کا یہ رنگ بھی خوب ہے جس میں طنز وظرافت کی ہلکی لکیریں ہونٹوں پر نمودار ہوسکتی ہیں:

ہم ہر اک بات میں غیروں سے دبے جاتے ہیں
ہم میں اسلام کی وہ آن نہیں شان نہیں

اب تو اسلام کا بکھرا ہوا شیرازہ ہے
اس سے بڑھ کر کہیں اجزائے پریشان نہیں

ہم تم سے نہیں ڈرتے باطل سے نہیں دبتے
جب جوش میں آئیں گے دنیا کو ہلا دیں گے

تُلے اہلِ وطن ہیں اتنے ہم کو وہ مٹا ڈالیں
مدد کر اے خدا مظلوم امّت ہے محمد کی

خیر کی شاعری کا یہ نمونہ قدرِ مختلف ہے۔ خیر کے یہاں اس رنگ کی شاعری بھی ہے۔ متفرق اشعار دیکھیں:

یہ وہ نکتہ ہے کہ سمجھیں اسے اسرار پسند
ہے فرشتوں کو خالِ رخِ دل دار پسند

اے فلک چھوڑ دے شیوہ ستم ایجادی کا
حوصلہ تنگ ہوا ہے ترے فریادی کا

قتل کے بعد تڑپنے میں مزہ آئے گا
زخم پر میرے جو قاتل نمک افشاں ہوگا

عشق کیا ہے ارے فنا ہے یہی
مر مٹے عشق میں بقا ہے یہی

خیر کی شاعری کا ایک خاکہ پیش ہوا۔ اب دیگر اصناف شاعری پر روشنی ڈالی جائے گی۔

خیر رحمانی کی غزل گوئی:

خیر نے اپنے دیوان کا آغاز بسم اللہ سے کیا ہے اور اس عہد کے شعرا کا یہی طریقہ بھی تھا۔ اپنی شاعری کو شاہکار بتانے والا یہ شخص کسی نخوت وغرور کا قائل نہیں تھا بلکہ جوش وجذبہ ایمانی سے سرشار عشق اللہ کا مدعی ہے اور اپنے دعویٰ کی دلیل میں اس نام کو پیش کرتا ہے جس نے کن فیکون کہا اور یہ دنیا معمور ہوگئی:

کیوں نہ حاصل ہو مرے دیواں کو رتبہ شاہ کا
ہے سرے عنوانِ مدحت تاج بسم اللہ کا
وصف لکھا ہے جو میں نے اک دلِ بت خواہ کا
میرے ہر اک بیت کا رُتبہ ہے بیت اللہ کا
وصل کو کہتا ہے اس کے کون سا ناداں محال
دیکھو اس کے نحن اقرب ہے جو قول اللہ کا
عشقِ خط سبزِ احمد نے گھلایا اس قدر
شبہ میرے جسم لاغر پر ہے سب کو کاہ کا

درج بالا غزل کا آخری شعر ذیل میں درج ہے جس میں قافیہ کاہ کا (ہ) مخفف ہے ’’کاہندہ‘‘ کا، جس سے یہاں خشک جسم مراد ہے جو عشق احمد کی تپش سے جل گیا ہے لیکن بروز قیامت اس کاہ کا پلہ کوہ گراں سے بالا ہوگا کیوں کہ عشق رسول دراصل عشق خدا ہے اور عشق میں فنا ہونا دراصل بقا کے دوسرے مفہوم کو اجاگر کرتا ہے۔ پس بروزِ قیامت ایک عاشق کا مرتبہ کوہِ گراں سے بلند و بالا ہوگا۔ شعر دیکھیں:

تیری میزانِ عدالت میں تلیں گے جس گھڑی

کوہ سے سنگین ہو جائے گا پلہ کاہ کا

خیؔر نے حمد و ثنا اور نعتیہ اشعار میں شعری ترکیب اور الفاظ کا استعمال کچھ یوں کیا ہے کہ شعر کی معنویت کو دوبالا کرتا ہے۔ عشق کسی سے کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ بندہ کی بندگی ریا سے پاک ہونی چاہیے۔ جنت ملنے کی امید اور جہنم سے نجات کے لیے عبادت کرنا عشق اللہ کی اہانت کے مترادف ہے۔ بندہ کو یہ سوچ کر کام انجام دینا چاہیے کہ یہ عشق کا حکم ہے۔

تیرے زلال لطف کی ہے تشنگی مجھے کوثر کا شوق ہے نہ مئے سلسبیل کا

جیسا کہ عرض ہوا کہ خیؔر کا ذہن و دل‘ دین حنیف سے مربوط تھا۔ راہ سلوک پر گامزن شخص کے میلان طبع کے مطابق الوہی خیالات کا شعر میں ڈھل جانا عین فطرت ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلوں میں جا بجا ایسے اشعار نظر آتے ہیں جن میں رمزیاتِ حسن کائنات کا بیان ملتا ہے:

نہیں پرہیز کچھ مے سے ہمیں ہم رند مشرب ہیں

پیالہ دے کے کرلے معتقد پیر مغاں اپنا

خیؔر کے عارفانہ خیالات کئی طرح سے ادا ہوئے لیکن سب کا محور و مرکز عشق ہے۔ یہ وہی عشق ہے جو ابتدا سے ہے اور انتہا تک جاری و ساری رہے گا کیوں کہ کائنات کی تخلیق عشق نے عشق کے لیے اور عشق سے کی ہے۔ اس لیے خاک سے لولاک تک عشق ہی عشق ہے یعنی یہ عشق زمزمہ حیات اور فسونِ کائنات کا ایسا ہالہ بناتا ہے کہ عاشق مجازی اور حقیقی دونوں اس کے گرد چکر

لگاتے ہیں۔ اس مقدس جذبے نے منبعِ حیات کی کھوج میں نہ جانے کیسی کیسی دشوار گزار منزلوں کو طے کیا۔ کوئی صدیقِ اکبؓر، کوئی اویس قرنیؓ، کوئی رومیؒ تو کوئی منصورؒ ٹھہرے۔ یہاں وحدت ہے دوئی نہیں۔ عشق تکمیل ذات ہے اور خیؔر کعبہ و بت خانہ سے پرے اس کی تجلی کو ہر ذرۂ کائنات میں دیکھتے ہیں۔ جمیل کا جمال ہر شے میں ہے۔ علت تو اس لیے ہے کہ وہ علت اولیٰ کا قرب حاصل کرے اور علّتِ اولیٰ زمان و مکان کے مفہوم سے بالاتر ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ہر جگہ وہ نظر آتا ہے شرط یہ ہے کہ صدق و صفا کا آئینہ علت کے پاس ہو۔ ایسی نظر ہو کہ اس کا مشاہدہ کر سکے۔

در ہمہ ذاتِ عالم جلوۂ جانانہ است سجدہ ام بے احتیاج کعبہ و بتخانہ ام

جلوہ ہے جہاں اس کا سر اپنا وہاں خم ہے کعبہ ہو کلیسا ہو مسجد ہو کہ میخانہ

معمور شد خرابۂ دل از فروغِ حسن اللہ ! درین خرابہ کہ جلوہ طراز ہست

غزل گوئی کا آغاز قصیدہ کے زیرِ اثر ہوا اور بتدریج ترقی کرتا ہوا ہر طرح کے خیالات کو اپنے اندر سمیٹتا گیا، لیکن تصوف نے غزل کو بامعنیٰ عشق کا لباس عطا کیا۔ فلسفہ، تخیل اور اخلاق کی آمیزش سے دقیق مضامین باندھے جانے لگے۔ چوں کہ بیشتر شاعر صوفی و عارف بھی تھے جس کے نتیجے میں لفظیات کی تفہیم بدلتی گئی۔ شاہدِ بازاری کی جگہ حقیقت نے لے لی۔ مَے، شراباً طہورا ہوگیا۔ یعنی تصوف کے زیر اثر غزل نے جن افکارِ پُر مایہ کی ترویج کی اور شاعری کو جس بلندی پر پہنچایا اس کی مثال پہلے اور بعد میں نہیں ملتی۔ خیؔر کا مسلک صوفیانہ تھا۔ وہ مرید بھی تھے اور شریعت و طریقت کے پیروکار بھی۔ داہنے ہاتھ میں دین مبین تھا جب کہ بائیں میں دنیا تھی اور انھوں نے توازن کے ساتھ زندگی بسر کی۔ یہ معاملہ موصوف تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان سے پیشتر سیکڑوں مثالیں مل جاتی ہیں۔ اگر انسان چاہے تو راہ سلوک کے ساتھ کاروبار زندگی سے بھی جڑا رہ سکتا ہے اور مذہب اسلام اسی کا متقاضی بھی ہے کیوں کہ دین اسلام میں رہبانیت کا گزر نہیں۔ خانقاہی زندگی کی اسلام نے مذمت کی ہے۔ موصوف نے زندگی اور اس کے آئین کو اپنے آئینہ میں خوب اُتارا تھا۔ ان کا ماننا تھا کہ عرفان و تصوف‘ مذہب اسلام سے الگ کوئی شئے نہیں۔ تصوف دراصل وہ ڈور ہے جو اللہ اور بندوں کے درمیان نہاں ہوتی ہے اور اس کے سہارے بندہ قربِ الٰہی

حاصل کرتا ہے۔ اس راہ سلوک میں خارزار وادیاں ہیں۔ دشت و دریا اور بیابان ہیں۔ نفس کئی مرحلے سے گزر کر معرفت حاصل کرتا ہے۔ دورانِ سفر ذرا سی لغزش گمراہی وضلالت کے لیے کافی ہے۔ ایک سالک کی رہنمائی میں ہی تصوف کے مراحل طے کیے جائیں کیوں کہ وہ منزلوں تک پہنچنے کے لوازمات سے واقف ہوا کرتا ہے۔ تصوف فسق وفجور اور شرک وبدعت سے پرے الوہی افکار کی دعوت دیتا ہے اور یہاں دنیاوی رسم ورواج کا گزر نہیں اور نہ یہ علم فرسودہ روایات کی آماج گاہ ہے اور نہ ہی ایسا تصوف قابلِ قبول ہے، جو راہ رسمِ دنیا کی دعوت دیتا ہو۔ مذہبِ اسلام دین حنیف ہے کوئی رسم نہیں، اس لیے مذہب میں کسی رسم کی ضرورت بھی نہیں۔ ذیل کے اشعار سے خیؔر کا موقف واضح اور روشن ہوتا ہے کہ تصوف اور علم تصوف کی نوعیت کیسی ہونی چاہیے:

ملا دیتا ہے جو تُجھ سے وہ فیضانِ تصّوف ہے
یہ ہے ایمان کی، ایمان ہی جانِ تصوف ہے
لباس فقر میں کچھ ہیں بُرے بھی مانتا ہوں میں
مگر ہادی ہیں اوروں کے یہ احسانِ تصّوف ہے
تُجھے چاہے تُجھے ڈھونڈھے تُجھے جانے تُجھے دیکھے
یہ معراج تصّوف ہے یہ ایمان تصّوف ہے
تجلّیاتِ انوارِ لطائف کو نہ کچھ پوچھو
منور جس سے عالم ہو چراغانِ تصّوف ہے
اسی کا ہو رہے، آئے نہ ذکر غیر بھی لب پر
یہی حکمِ تصوف ہے یہ فرمانِ تصّوف ہے
سمجھ جاتا ہے تلبیس عدو کو صوفی صافی
یہ فیضان تصوف ہے یہ وجدانِ تصوف ہے
خُدا کی راہ میں جو جان و مال اپنا لُٹاتا ہے
مجاہد ہی اکیلا مرد میدانِ تصّوف ہے

ہمیشہ غیر سے ترکِ موالات اُس سے الفت ہو
یہی شانِ تصّوف ہے یہ فرمان تصّوف ہے
جُنید و شبلی و عطار جس منزل میں رہتے ہیں
حقیقت میں وہی اے خیؔر ایوانِ تصّوف ہے

تصوف میں وحدت الوجود اور وحدالشہو د دو ایسے نظریے کارفرما ہیں، جن سے صوفیوں اور اہلِ شریعت کے درمیان نزاعی معاملہ بنا رہا ہے۔ خاص طور سے وحدت الوجود کے تعلق سے بڑا اختلاف رہا ہے‘ ابن عربی کا یہ فلسفہ ’’الرب حق‘‘ ’’والعبد حق‘‘ یالیت شعری من المکلف‘‘، یعنی رب بھی خدا ہے اور انسان بھی خدا ہے اور کاش مجھے یہ معلوم ہوتا کہ ان میں مکلّف کون ہے۔ اس طرح کے عقیدے اور عشق کی گنجائش اس مکتب فکر میں نہیں ہے، جہاں سے جنابِ خیؔر رحمانی نے فراغت حاصل کی تھی۔ ان کے یہاں وحدت الشہو دکم وبیش رد وبدل کے ساتھ لائق اعتنا ہے۔ خدا، خدا ہے اور مخلوق یعنی علت، علت اولیٰ سے قریب تر ہوسکتا ہے، اس کی ذات وصفات میں گم نہیں ہوسکتا۔ اس ضمن میں ارسطو کا مابعد الطبیعات کا نظریہ بھی اہم ہے۔ ہر چیز کے چار عوامل یا محرکات ہوتے ہیں جنھیں علت صوری، علتِ فاعلی، علت غائی اور علتِ مادی کے ناموں سے پکارا جاتا ہے اور ان چاروں کی کارفرمائی کسی امر کے لیے لازم ہوتی ہے۔ یہاں امر سے مراد امرالرحمٰن لیا جائے تو یہ بات بالکل روشن ہو جاتی ہے کہ مخلوق ہمیشہ خالق کی اطاعت کے لیے ہے۔ وحدت اکائی یا یکتائی ہے اور اگر اسے وحدتِ مشمولہ کہیں گے تو اکائی کا تصور جاتا رہے گا۔ خیؔر رحمانی کی شاعری میں اسی وحدت کی توصیف وثنا ہے جو اکائی یا تنہائی سے متصف ہے۔ ان کا نظریہ ہمہ از اوست کا ہے جسے ہم دوسرے معنوں میں نظریۂ وحدت الشہو د سے تعبیر کرتے ہیں۔ مقامِ شکر ہے کہ موصوف کی شاعری کہیں بھی شریعت سے ٹکراؤ کے درجے میں نہیں۔ ان کی شاعری میں خالق اور مخلوق، رب اور بندہ کے درمیان ایک واضح فرق محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اللہ اس دنیا کا کارساز ہے اور ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ نظامِ کائنات اسی کے دم سے ہے۔ رات ودن کے تغیرات اسی کی صناعی وکاریگری کا نتیجہ ہیں۔ وہ مرکز ومحور ومنبع اور سرچشمۂ نور وہدایت ہے

اوراس کی کبریائی میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔

دل کُشا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ　　حق نما لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
ہے جلا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ　　کیمیا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
اس کا ذکر فنا نہیں ہوتا　　ہے بقا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
کیا حلاوت ہے ذکر میں اس کے　　دل ربا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
جب نکیرین نے سوال کیا　　کہہ دیا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
نور عرفاں اسی سے ملتا ہے　　حق نُما لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
ہیچ ہے اپنی ان نگاہوں میں　　ما سوا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
قلب مومن پہ نور کے خط سے　　ہے لکھا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
خیؔر کے دردِ دل کی یا اللہ　　ہو ادا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ

درج بالا کلام میں موصوف نے اپنی جس شاعرانہ قدرت کو پیش کیا ہے اس کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ انھیں زبان و بیان کے ساتھ صنعتوں پر بھی عبور حاصل تھا اس کی مثال بحُسن و خوبی دوسرے اور چوتھے شعر میں دیکھی جا سکتی ہے کہ ثنا خواں نے کس خوب صورتی کے ساتھ صنائع معنوی میں صنعت تضاد یا طباق کا استعمال کیا ہے جیسے بگاڑ کی مطابقت میں سنوار، بھلوں کی مطابقت میں بُروں وغیرہ۔ اسی غزل میں تناسبِ لفظی یا مراعاۃ النظیر کی بھی عمدہ مثال ملتی ہے جیسے تو اُگائے بیج تو اُگتے ہیں تو کھلائے پھول تو کھلتے ہیں۔ اسی غزل کا پانچواں شعر لف ونشر مرتب کی عمدہ مثال پیش کرتا نظر آتا ہے اور اس کی نظیر یوں ملتی ہے کہ علم کے ساتھ عمل اور عمل اگر واقع ہوا تو اس کا پھل تو ملنا ہی چاہیے۔ پوری غزل میں نغمگی اور تناسب لفظی قائم ہے:

تو اَحد ہے فرد ہے اے خدا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ
نہیں کوئی تجھ سا ہے دوسرا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ
جسے چاہے پل میں بگاڑ دے جسے چاہے پل میں سنوار دے

تو پلک نواز ہے اے خدا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ
جو بھلوں پہ تیرا پیار ہے تو بُروں پہ تیری سنوار ہے
ترے رحم کی نہیں انتہا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ
مجھے علم دے تو عمل بھی دے مرے علم کا مجھے پھل بھی دے
یہی رات دن ہے مری دعا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ
ترا خیؔر عاصیِ بے نوا ہے گناہ گار و پُر از خطا
اسے بخش دے تو مرے خدا تری شان جَلَّ جَلَا لُہ

خیؔر رحمانی نے عرفانی والوہی خیالات کو اپنی شاعری میں موتی کی طرح پرویا ہے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ عرفان وآگہی کی شاعری نے غزل کو پرلطف بنایا ہے یعنی جب تک صنف غزل عرفان سے خالی تھی بالکل سپاٹ اور بے لطف تھی۔ صوفیاء نے غزلوں میں اخلاق واخلاص، فلسفۂ کائنات، رمزیات واسرارِ کائنات، وارداتِ قلبی، اثرات ذہنی اور وارداتِ وہبی وکشفی، تزکیہ نفس، محبت ومودت، انسانی رواداری وچارہ جوئی، خدا کی کلیت ویکتائی اور بندے کی جزویت وغیرہ جیسے مضامین کو غزل کا حصہ بنایا۔ غزل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی اور قاری کیف ومستی میں جھومنے لگا۔ اب ذیل کے اشعار کو ہی لے لیجیے کہ اس کائنات کے رنگ وبو میں اس کی جلوہ نمائی ہے۔ بس ایک خدا ہے اور اسی کی خدائی ہے۔ خیؔر کی فارسی اور اردو شاعری سے مثالیں دیکھیں:

آنکھ والا ہو تو دیکھے ، جسے دل ہو سمجھے
ذرّہ ذرّہ ہے اس عالم کا بیانِ فطرت
درھر گل این بستان آن حسن نمایان است
آئینۂ صد حیرت این صحن گلستان است

مگر وہ دل، دل نہیں جس میں اس کی موجودگی کا اقرار نہ ہو اور وہ آنکھ، آنکھ نہیں جو اس کائنات کی رنگینی میں اس کو جلوہ نما نہ پائے:

جب سے یہ سن لیا ہے دل ہے مقام تیرا　　سر، سرنگوں ہے اپنا ہر دم مراقبے میں

دل نیست کاندر روشن کس جلوہ گر نباشد — آں چشم نیست ہرگز کو حق نگر نباشد

نگاہ جو تصویر بناتی ہے دل اس کا ادراک رکھتا ہے لیکن وہ حسن کس کا ہے؟ قلب کی دھڑکن حقیقی اور حقیقت کی وجہ سے ہے۔ اگر معشوق خوب صورت ہے تو اس کے حسن کا پرتو ہے اور اس حسن کی خاطر دل کی دھڑکن اس کی بخشش اور عنایت کا نتیجہ ہیں اور یہ دولت کسی کو رائیگاں نہیں دی جاتی۔ یہ تو کاتب تقدیر کی مہربانی ہوا کرتی ہے۔

واہ کیا جلوہ ہے تیرے حسنِ خاطر خواہ کا — اس سے بڑھ کر اے صنم بس نام ہے اللہ کا
ہر کیفیت قلبی یک عکس حقیقت است — یک پرتو حسن است و یک فیض محبت است

یہ شرابِ عشق تو دیوانوں کے حصّے میں آئی اور فرزانے اس کے رمز و اسرار سے ناواقف ہی رہے۔

کہاں ہے خیؔر وہ ساقی وہ دورِ مینائی — اس ایک جام کی مستی تو آج تک نہ گئی
کان نہ شیشہ نہ در ساغر نہ در پیمانہ است — آں می بی نام در جام دل مستانہ است

کمالات و بلندی، عشق الٰہی کا ثمرہ ہوا کرتا ہے۔ عشق میں جمال جب نظر آتا ہے تو نار، نور بن جاتا ہے۔ ابراہیم خلیل ہو جاتے ہیں اور یعقوب کی فرماں برداری، آداب فرزندی کی مثال قائم کر لیتی ہے۔ خیؔر کا عشق منصور حلاج کے عشق سے مشابہ تو نہیں تاہم وہ عشق ان کے درد کا ایک حصہ ہے جو آتش عشق کو بھڑکاتا ہے۔ سینے کو جلاتا ہے اور جس کی گرمی عشق الٰہی کے لیے بندہ کو مزید متحرک و فعال بناتی ہے۔ عشق میں فنا فی اللہ ہو جانا دراصل بقائے زندگی ہے کیوں کہ تپش اور جلن زندگی کو نئے بال و پر عطا کرتے ہیں:

ذکر منصوری بلب داریم ما — گو بظاہر قابل داریم ما

عشق جو کہ ظاہر اور باطن دونوں میں موجود ہے اس کے مشاہدے کی تمنا ہر دل میں ہوتی ہے۔ عاشق ملاقات و وصل کی خاطر صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ عشق خواہ مجازی ہو یا حقیقی دونوں میں تلاش و جستجو کے عوامل کارفرما ہیں۔ عاشق تگ و دو اور صحرا نوردی محض عشق کے ساتھ تکمیل ذات کی خاطر کرتا ہے۔ صوفیاء عشق مجازی کو دراصل عشق حقیقی کے لیے راہ ہموار کرنے کا ذریعہ

سمجھتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نہاں اور عیاں جو کچھ ہے وہ اسی باری تعالیٰ کا عشق ہے اور اس کا انحصار عاشق پر ہے کہ وہ اپنے عشق تک کب، کہاں اور کیسے رسائی حاصل کرے گا۔

معجزاتِ عشق را در ما نگر — ھم بہ پرداھم بہ بازاریم ما

شاعر انسان کی ہستی کو خود قدرت کے ایک بڑے اسرار سے تعبیر کرتا ہے:

ہیں حقیقت کبھی مجاز ہیں ہم — میرے اللہ ایک راز ہیں ہم
در حقیقت تار و پود زندگی اعجاز ھست — ذرّہ ہائے خاک ہستی یک جہان راز ھست

انسان کئی پرتوں میں پوشیدہ ہے۔ کاشف اسرار کائنات اب تک اپنا سراغ نہیں پا سکے ہیں تو بھلا وہ اسرارِ خالق کائنات کو کیا جانے۔ انسانی وجود سے اس دنیا میں کیا کیا کارنامے انجام پائے۔ اللہ نے اس خاکی انسان کو جن جن کمالات سے نوازا اس کا ہی احاطہ ممکن نہ ہو سکا۔ سر سے پاؤں تک انسانی کالبدِ ظاہر کے ہر ٹکڑے کی بناوٹ اور اس کا کام، عقل ناقص میں سمانے سے قاصر ہے:

نہ سمجھے گا کوئی بھی حالت ہماری — معمّا ہے گویا حقیقت ہماری
ھستیِ ما خود حجاب اکبر است — ورنہ سر تا پای اسراریم ما

انسان کا وجود دو خانوں میں بٹا ہے۔ ایک دنیاوی زندگی اور دوسری زندگی عالم بقا کی ہے۔ شاعر اس عالم بالا سے گھبراتا ہے۔ وہ تو ایک ایک لمحہ حساب و کتاب کی فکر میں لگاتا ہے۔ خیؔر کے نزدیک یہ المیہ سے کم نہیں کہ ساری حیات دنیاوی بحرِ الم میں گزارنے کے بعد جب زندگی ہار گئی تو بروز حشر پھر حساب کیسا؟

فکر روز حساب کُشت مرا — ”خیر“ حرص ثواب کُشت مرا
دوبارہ حسابِ زندگی، ہائے — ما را مجھے حشر میں چلا کر

شاعر تو یہ چاہتا تھا کہ اللہ نے جس طرح دو عالم بنائے ہیں اسی طرح انسان کے اندر دو دل بھی پیدا کرتا تا کہ یہاں کی خواہشات اور وہاں کی خواہشات بھی جدا ہوتیں اور بے چارہ دل بھی آزاد ہوتا جب کہ معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے:

یک دلم داد و کاوشِ دو جہان — رحمت کارساز کشت مرا

عرض ہوا ہے کہ شاعر علم دین سے آراستہ و مزین ایک سچے مومن کی پہچان رکھتا ہے۔ ان کے خیال میں دنیا کے تمام جھمیلے، جی کے جنجال ہیں۔ فنا کے بعد نہ تو اس دھرتی کے سود و زیاں کا چکر اور نہ ہی آسمانی خوف کیوں کہ اب کسب گناہ ممکن نہیں ہے۔ البتہ کسب کردہ کی سزا کا مرتکب قرار دیا جانا ہے:

بعد فنا کشاکشِ سود و زیان کجا   در کنجِ گور دغدغۂ آسمان کجا

کیا ہے بے نشاں اس طرح کھا کر مجھ کو مٹی نے
اگر ڈھونڈھو تو تربت میں نہ ہوتارِ کفن پیدا

دنیا بے ثبات ہے۔ انسان فانی۔ زندگی چندروزہ ہے تو پھر آرائش محفل کیوں؟ انسان اس سے واقف بھی ہے اور آگاہ بھی اس کے باوجود وہ بچوں کو بہلا وہ دینے والے کھلونوں جیسی دنیاوی زندگی میں پھنس جاتا ہے۔ انجام تو بس فنا ہے:

این جا چرا نہ فھمم رازِ بھارِ ھستی   چون بہ شگنم بہ جنت آخر خمارِ ھستی
از بھر چیست برپا این کار زارِ ھستی   با من کسی بگو ید انجام کارِ ھستی
نقش و نگار رنگین باشد فریب خواھش   بادیگر فنائیست ھنگامہ زارِ ھستی

خیر رحمانی ہستی و نیستی کو جس انداز سے اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں ٹھیک اسی طرح لوازمات زندگی اور اس کی تکمیل و خواہشات کو بھی اپنا نشانۂ ملامت بناتے چلے جاتے ہیں۔ ان کے نزدیک زندگی کسی مقاصد کی تکمیل کے لیے نہیں ہے بلکہ انسان اپنی تکمیل کرلے یہی معراج زندگی ہے۔

حمد کے بعد نعت کی گفتگو بھی لازم ہے اور اس حوالے سے بھی دو چار مثالیں کافی ہوں گی۔ نعت گوئی خاصا مشکل فن ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ ایک طرف جلال اور دوسری طرف جمال اور حد فاصل کی مناسبت سے الفاظ کا شعر میں برتا جانا غیر معمولی بات ہے۔ خیرؔ نے ماہ ربیع الاوّل کی عظمت کو جس کروفر اور شان و شوکت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اس ماہ مبیں کے تمام نقوش روشن ہوجاتے ہیں:

تیرے آتے ہی ہرے ہو گئے نخلِ امید   باغِ اسلام کا خلعت ہے ربیع الاوّل
ہے تو ہی صاحبِ لولاک لما کا مظہر   تو عجب صاحبِ عزت ہے ربیع الاوّل

خیرؔ کی شاعری میں اس طرح عمدہ استعاروں کا استعمال ملتا ہے کہ اگر اس لفظ کو وہاں سے ہٹا دیا جائے تو شعر کا مفہوم ہی بدل کر رہ جائے گا۔ استعارے بھی ایسے کہ تلمیح کا روپ دھارے کھڑے ہیں اور اپنے دامن میں تاریخ کے گزرے لمحات کی روداد سمیٹے ایک وسیع جہانِ معانی آباد کرتے نظر آتے ہیں:

لیلۃ القدر کی ہے جان ربیع الاوّل   تجھ پہ سو سال ہوں قربان ربیع الاوّل
تو اڑاتا ہوا آیا ہے ہلالی جھنڈا   تو مہینوں کا ہے سلطان ربیع الاوّل

خیر نے بڑی کثرت سے نعتیں کہی ہیں۔ ایک ایک لفظ سے محبت کی کرنیں پھوٹتی ہیں۔ بلاغت کا بھرپور اطلاق ہوا ہے۔ بطور نظیر ایک مکمل نعت پیش ہے:

تِری صورت تو وہ صورت ہے کہ حق شیدا ہے
تیری ہی ذات سے یہ کون و مکاں پیدا ہے
نور اول ہے ہمہ نور سراپا ہے نور
تجھ کو خالق ہی سمجھتا ہے کہ تو کیسا ہے
زُلف مشکیں ہے کہ ہے سایۂ رحمت ہم پر
یا یہی آیۂ واللیل اذا یغشیٰ ہے
سر ہے سرتاجِ نبوت سرِ مو فرق نہیں
اس کو سرداری کا دعویٰ ہے بہت زیبا ہے
مانگ دونوں شب معراج کی حدِ فاصل
بات سیدھی سی یہ ہے راہِ شبِ اِسرا ہے
دیکھ پائے جو کوئی اُن کی منور وہ جبیں
اس کی تقدیر چمک اٹھے یہی لکھا ہے
دونوں ابروؤں کو دو مصرعۂ موزوں سمجھو
بیت نبوی کے یہ محراب ہیں، کیا زیبا ہے

دونوں آنکھیں ہیں کہ دو صاد ہیں ان مصرعوں پر
ہے یہی آنکھ جو ، آنکھوں کا مری تارا ہے
رُخِ پُر نور کے لائق نہیں تشبیہ کوئی
مختصر یہ ہے کہ اک نور یہ اللہ کا ہے
حوضِ کوثر کی صُراحی ہے بیاضِ گردن
یا کوئی کوثر وتسنیم پر پُل باندھا ہے
سینہ گنجینۂ اسرارِ خداوندی ہے
یا بڑے جوش پہ عرفان کا اِک دریا ہے
آپ کا جسم ہے اے خیؔر کہ ہے نور ہی نور
یا قیامت ہے گھڑی یا قدِ رعنا ہے

نعت کے ان اشعار میں خیؔر کا فن اپنے کمال کو پہنچتا ہوا نظر آتا ہے۔غور کیجیے کہ مانگ 'راہ شبِ اِسرا ہے، ابرو 'بیت' یا در ہیں، آنکھیں 'صاد' یعنی فہم وشعور اور ادراک کا در اور تسلیم کا زینہ ہیں۔ آگے بڑھیے تو ''بیاضِ گردن'' کو حوضِ کوثر کی صراحی سے استعارہ کیا گیا۔صراحی اور گردن میں ایک مماثلت ہے۔مگر یہاں ذرا توقف کیجیے کہ بیاض گردن کہنے میں ایک بلیغ معنویت پوشیدہ ہے۔صراحی کی گردن اور آپ صلعم کی گردن میں ایک نوع کی مماثلت قرار دی جاسکتی ہے۔لیکن گردن کو بیاض قرار دینا چہ معنی دارد؟ اس کی تفہیم اس وقت تک ممکن نہیں جب تک قرآن اور حدیث سے مدد نہ لی جائے۔مفسرین نے بعض آیات اور احادیث کی روشنی میں اس نکتے کا استنباط کیا ہے کہ قرارِ حمل کے بعد بچے کی عمومی حیوانی ساخت تشکیل پذیر رہا کرتی ہے۔۱۲۰ر دنوں کے بعد اس کی زندگی کا اعمال نامہ، جس میں اس کی مدتِ حیات، کارکردگی، تقدیر اور رزق وغیر کی تفصیل شامل ہوا کرتی ہے، اس کی گردن میں پیوست کردی جاتی ہے۔جدید سائنس کی زبان میں اسے ان دیکھا الٹرا مائکرو اسکوپک ڈاٹا چپ کہہ لیجیے۔پھر اس کے اندر روح پھونکی جاتی ہے۔ اب بیاضِ گردن پر غور کیجیے۔صراحی یا حوض کوثر تو کردار انعام ہے۔حوض کوثر اور صراحی تو پامال

استعارے ہیں بیاضِ گردن اور سینۂ گنجینۂ اسرارِ خداوندی کہنا وہ نکتۂ خیؔر ہے جو ان کا ہی حصہ ہے۔ان اشعار میں استعمال ہونے والی تشبیہات 'راہِ شبِ اِسرا' اور 'بیاضِ گردن' وغیرہ کی معنویت پر اس تناظر میں غور کیا جانا چاہیے۔یہ تو شاعری محض نہیں ہے۔ان میں تو بلاغت کا اعلیٰ شعور پوشیدہ ہے۔

خیؔر نے اردو زبان کے علاوہ فارسی میں بھی نعتیں کہی ہیں، مناسب وموزوں الفاظ، اعلیٰ تشبیہات، عالی صفات والے آقا جناب محمد الرسول اللہ ﷺ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔ ہر ایک لفظ سے محبت ومودتِ رسول کا اظہار ہوتا ہے، آپ ﷺ کی عظمت، رفعت، رحمت، صورت، سیرت، سخاوت، شجاعت، متانت، حلاوت، عدالت اور سخاوت کا ذکر نعتیہ شاعری میں کرنا دراصل دریا کو کوزہ میں سمودینے کے مترادف ہے۔خیؔر نے ذیل کی نعت میں رحمت للعالمین کی ذات بابرکات کی صفات عالیہ کا جس خوب صورت انداز میں ذکر کیا ہے، وہ ان کے والہانہ عشق رسول کو اجاگر کرتا ہے۔ ہر بیت کے ایک ایک لفظ سے محبت کے چشمے رواں دواں ہیں جو آپس میں مل کر عشق کا سمندر بناتے ہیں۔خیر کی اس نعت کو کسی بھی فارسی نعت گو شعرا کے مدمقابل رکھا جا سکتا ہے۔شیخ سعدی شیرازی کے منہاج ومزاج سے خیؔر کی فکر یہاں لگّا کھاتی ہے۔انداز بھی تقریباً وہی ہے۔ بلاشبہ یہ کہا جا سکتا ہے ذیل کی اس نعت میں متناسب لفظیات، تشبیہات و تلمیحات اور استعارات کے استعمال سے شیخ سعدؔی شیرازی کی عظمت کی یاد دہانی کروائی ہے۔

بہ یک بوریا شانِ دربار داری   دل بحر و دستِ گہر بار داری
بہ ھرموئ کاکل اسیرانِ اُلفت   بہ ھر پیچ صدھا گرفتار داری
تبسم گہر ریز کن یا محمدؐ   کہ سلکِ لآلی شھوار داری
دو عالم گرفتی بہ یک جنبش لب   عجب دلربا طرز گفتارداری
بہ زُلف سیہ راز وَالّیل گفتی   ز تفسیر وَالفجر رخسار داری
بہ یک گردشِ چشمِ خود یا محمدؐ   سیہ زلف ورخ پُر ز انوار داری
توئ یا نبی شہرِ علم حقیقت   درِ آن علی شاہ کرار داری

به لخت جگر چون حسین وحسن تو | بنازی چه اخیار و ابرار داری
برای جوانانِ امّت به جنّت | دو فرزند دلبند سردار داری
یکی لخت دل در دلش دردِ امّت | چو زهرا پُر از قدس و انوار داری
سیاه و سفیدست در قدرت تو | که گیسویِ مشکین و رخسار داری
ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ | چه یاران و اصحاب اخیار داری
بنازم که هستم درالطّالح لی | نظر سویِ خیؔر گنهگار داری

نبی اکرم ﷺ کی مدح میں دی گئی کئی شعری مثالیں اوپر گزریں جن میں عشق کا برملا اظہار ملتا ہے۔عشق احمد دراصل عشق اللہ تک رسائی کی سب سے مضبوط کڑی ہے۔کسی بھی مسلمان کا عشق اس وقت تک کامل نہیں جب تک وہ محبوب کے محبوب سے غایت درجہ کی محبت نہ کرلے۔نبی معظم ﷺ کے جوار رحمت میں اگر کسی کو جگہ مل جائے تو اس سے بڑھ کر ایک مومن کی معراج کیا ہو سکتی ہے۔خیؔر رحمانی نے اپنی پوری نعتیہ شاعری میں جس عقیدت ومحبت کا اظہار کیا ہے اور جس والہانہ عقیدت سے رحمت للعامین کی شان نبوت کو بیان کیا ہے وہ صرف ان کے لیے ہی نہیں بلکہ قارئین کے لیے بھی بخشش کا سامان ہیں۔عشق میں ڈوبی ہوئی لفظیات سے شاعر نے ایسی سحر کاری کی ہے کہ رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔نعت لکھنا دراصل سرفرازی وخوش بختی کی علامت ہے اور کم وبیش تمام شعرا کے یہاں اس کی مستحکم روایت پائی جاتی ہے۔نعت نبی ﷺ لکھنا توفیق و سعادت کی بات ہے۔قصداً یا ارادتاً مدح رسول اکرم کا ادا کیا جانا ممکن نہیں۔خیؔر اس کے مدعی ہیں کہ غزل کی صنف میں اللہ نے نعت گوئی کے لیے انھیں پیدا کیا اور یہی نعت گوئی اس کو درجہ کمال پر پہنچانے کا ذریعہ بنے گی:

برای نعت ؛ خیر؛ بی نوا را | به بزم اندرغزل خوان آفریدند

رحمت للعالمین کے مفہوم کی توضیح وتشریح اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ وہ ذات اقدس کی بعثت کو عاصیوں کی بخشش کا سب سے بڑا وسیلہ مانتے ہیں، اگر آپ ﷺ کو مبعوث نہ کیا جاتا تو جنت خالی ہی رہ جاتی:

ظهورِ رحمتِ عام است ورنه | چرا این جنبشِ عصیان آفریدند

اللہ نے وہ قلم عطا کیا جس کے دم پر مدح محمد ﷺ کا حق ادا ہو پایا۔ورنہ ایک امتی کی یہ مجال کہاں ہے کہ وہ اپنے آقا کی شان بیان کرے۔قلم بظاہر ہاتھوں میں ہوتا ہے لیکن بباطن پردۂ غیب سے املا کروایا جاتا ہے۔انسان کو یہ اختیار ہی نہیں ہے کہ وہ اپنی فکر میں وجہِ تخلیقِ کائنات کو برتے اور ان کے صفات بیان کرے۔ایک لامحدود ولامکاں ہے تو دوسرا ظرف زمان ومکان کی حدود میں رہ کر باعظمت وبالا نشاں ہے۔خیؔر نے اس تاج نگیں کی جن صفات عالیہ کی عکاسی مدحت رسول میں کی ہے وہ نعتیہ شاعری میں اضافہ ہیں:

چنان جا کردہ است اندر دل من احترام او | بصد اشکال آید بر زبان خیر نام او
غلامانِ محمد را چه پروای شهنشاهان | که مولای جهانی هست هر فردِ غلام او

وہ وجہ کائنات جو تجلّی نور کی قربت سے اس قدر گرم وروشن ہیں کہ انہیں مزید روشنی کی ضرورت کہاں ہے؟ وہ اس لیے شمع کعبہ اور مشعل کلیسا سے ماورا ہیں:

مگو که دلبر من گرم صد تجلّی نیست | به شمع کعبه و در مشعل کلیسا نیست

خیؔر کا اختصاص یہ ہے کہ انھوں اساسی علوم اسلامی اور علوم ضروریہ جو جلی اور خفی بھی ہے، کے درمیان ایک خاص ہم آہنگی وربط پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔وہ اپنے وقت کے بہترین صحافی، قلم کار، ناقد، شاعر اور نباضِ ملّت وقوم تھے۔تاریخ عالم پر گہری نظر تھی۔تاریخ اسلام سے کماحقہ واقفیت تھی۔تدبر وتفکر کا سبق قرآن سے ملا تھا جس کے نقوش ان کے ہر شعبۂ حیات میں ملتے ہیں۔انھوں نے اپنی غزلیہ شاعری میں اپنے عہد کی بھرپور عکاسی کی ہے۔وہ کچھ ناروا حالات سے کبیدہ خاطر ضرور تھے۔وطن عزیز میں تمام قربانیوں کے بعد حاشیے پر ڈال دیے گئے تھے جس کا انھیں احساس تھا یہی وجہ ہے کہ جب کسی مضمون پر روشنی ڈالتے ہیں تو اسلوب میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور جوش وزور بیان حاوی ہوجاتا ہے۔غزلیہ شاعری میں کسی مضمون کا بیان اس قدر زور وشور سے ہونا، تعجب خیز عمل ضرور ہے تاہم نادر نہیں۔مولانا حالؔی کے مسدس اور اقبالؔ کی نظموں اور غزلوں میں

جوافکاروخیالات پائے جاتے ہیں، خیرؔ کی غزلیہ شاعری اس سے متصف ہے۔ خیرؔ نے اپنی فکر کے مطابق عصری تقاضوں کواپنے اشعار میں برتا اوراپنے زور بیان، جذبہ اور جداگانہ تیور کے گہرے نقوش چھوڑے۔ ان کے یہاں جورموز وعلائم اور تلازمے ملتے ہیں وہ قدما کا طرۂ امتیاز رہے ہیں تاہم خیرؔ کے یہاں آکر جدید رنگ میں رنگ جاتے ہیں کیوں کہ ایک طرف موصوف روایت شکنی کے معترف نہیں ہیں تو دوسری طرف وہ کورانہ تقلید کے قائل بھی نہیں۔ ان کی کلاسیکی شاعری اس قدر جاذب ہے کہ ان پر اکیسویں صدی کے شاعر ہونے کا گمان گزرتا ہے۔

خیرؔ کی فکری بصیرت اور حساس ذہن نے ہمیشہ انھیں جگائے رکھا وہ قوموں کے عروج و زوال کی داستان پڑھتے رہے۔ انھوں نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حالتِ زار کا جائزہ لیا تو بے چین ہوئے۔ غیروں کے ناروا سلوک نے انھیں ہمیشہ کرب میں مبتلا رکھا۔ وہ اپنوں کی بے راہ روی پر غم زدہ تھے تو غیروں کی ریشہ دوانیوں سے خائف بھی۔ اس لیے ان کے کئی اشعار اس ضمن میں امت مسلمہ کے لیے تازیانہ ہیں۔ وہ اکثر ناصح قوم وملت نظر آتے ہیں۔ انھوں نے ملّت کی غیرت اور حمیت کو للکارا ہے اور جس پُر زور طریقہ سے امّت کو فرائض کی ادائیگی کا سبق پڑھایا ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں نے سات سو سال سے زیادہ حکمرانی کی لیکن یہاں کی مٹی میں ریشۂ اسلام استوار نہ ہوسکا۔ غیروں کے طریقے اور معدودے مشرکانہ افعال واعمال مذہبِ اسلام میں ایسے خلط ملط ہوئے کہ اصل صورت ہی مسخ ہوکر رہ گئی اور عوام نے اس معجونی اسلام کو ہی اصل چیز سمجھ لیا۔ سرزمین ہند میں دین اسلام کی صحیح تعلیم کیوں پروان نہ چڑھ سکی اس کی سب سے بڑی وجہ وہ نقلی بھائی چارہ تھا جس کی بنیاد پر اہل اسلام نے غیروں کو بھائی اور غیر ان کو چارہ سمجھتے رہے۔ ان کی خوشنودی، قومی اور یک جہتی کی خاطر بہت سے غیر اسلامی رسوم قبول کیے گئے لیکن اعتماد کی دیوار استوار نہ ہوسکی۔ انگریزوں کے خلاف تحریک حریّت نے زور پکڑا تو لمحہ بھر کو ہندوستانی ایک ہوئے لیکن یہاں بھی سب کے اپنے اپنے مفاد تھے۔ جب ظاہر و باطن میں تفاوت ہو تو بھائی چارہ قائم کرنا ایسا ہی ہے جیسے ریتیلی دیوار پر محل کی تعمیر۔ ان حالات کے باوجود شعرا وادبا نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ خیرؔ کا قلم بھی یکجہتی کے درس کے لیے اُٹھتا رہا۔ انھیں یہ امید

تھی کہ ندی کے دو دھارے ایک نہ ایک دن آپس میں مل جائیں گے اور ایک تلاطم برپا ہوگا اور یہ موجیں بیرونی طاقت کو تنکے کی طرح بہالے جائیں گی۔ ایسا ہوا بھی لیکن آگے چل کر اس تنکے کے ساتھ دونوں قوموں کا بھائی چارہ بھی بہہ گیا۔ خیرؔ کا قلم جس یاس وامید میں خون تھوکتا رہا اس کی بھر پائی ممکن نہ ہوسکی:

عبث دیوانے یہ ہندو مسلماں ہوتے جاتے ہیں
ذرا سمجھاؤ کیوں دست وگریباں ہوتے جاتے ہیں

یہ خانہ جنگیوں کا کیا نتیجہ ہے بہ جز اس کے
اُجڑتے شہر ہیں آباد زنداں ہوتے جاتے ہیں

کسی کا جاکے گھر لوٹا کسی کا جاکے سر پھوڑا
ہنسی کی بات ہے انسان حیواں ہوتے جاتے ہیں

کہیں قربانی پر جھگڑا کہیں ناقوس پر رگڑا
خُلوص و اتفاق آپس کے پنہاں ہوتے جاتے ہیں

یہ دونوں بھائی تو تھے ایک کیوں اس طرح لڑ بیٹھے
مگر ہے شکر اُس کا اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

الٰہی اگلا سا برتاؤ پھر ہوجائے دونوں میں
ہم اس تکرار کو سنکر پریشاں ہوتے جاتے ہیں

خُدا کا شکر ہے اے خیرؔ اب ہے، صلح کی صورت
سُنا ہے ایک اب ہندو مُسلماں ہوتے جاتے ہیں

مولانا خیرؔ کے اندر وطن کی محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر موجزن تھا لیکن وہ محبت کسی پارٹی کی رہین منت نہ تھی۔ اولاً نہ ہی وہ کانگریسی تھے اور نہ ہی مسلم لیگی بلکہ شروع میں مسلم لیگ کے ناقد اور مخالف تھے لیکن بہت دنوں تک وہ اس پر قائم نہ رہ سکے۔ ان کا جھکاؤ جمعیت علمائے ہند کی طرف تھا اور جمعیت آل انڈیا کانگریس کے ساتھ تھی۔ کانگریس میں بہت سے رہنما تھے لیکن خیرؔ کا

احترام گاندھی جی کے تئیں زیادہ تھا۔ وہ گاندھیائی فلسفہ اور ان کے عدم تشدد کی پالیسی سے متفق تھے۔ گاندھی جی نے ہمیشہ ہندوستانیوں کو یک جہتی کا سبق پڑھایا اور ہندو اور مسلم کو اپنی دو آنکھوں سے تعبیر کیا۔ ایک طرف وہ مذہب اسلام کے احترام گزار تھے تو دوسری طرف مسلم دنیا کے ساتھ کھڑے رہے۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ گاندھی جی ایک انصاف پسند انسان تھے۔

خیؔر کی شاعری میں یکجہتی و امداد باہمی کا جو درس ملتا ہے وہ ان کے قوتِ ایمانی کا حصہ ہے۔ خیؔر نے جس الفت کا سبق اپنے بزرگوں سے پڑھا تھا اس پر انھوں نے قائم رہنے کی آخری دم تک کوشش کی۔ برادرانِ وطن کی کٹر پسندی ان کے پائے استقامت کو لرزاں کرتی رہی، بار باران کے صبر کا پیمانہ چھلکتا رہا اور موصوف پوری توانائی کے ساتھ ڈٹے رہے۔ لیکن انسان صبر بھی کرے تو کہاں تک؟ مسلسل یلغار ہوگی تو جواب میں تلوار اُٹھانا بھی لازمی ہو جاتا ہے۔ خیؔر کے صبر کا باندھ ٹوٹا اور وہ ہار گئے۔ سماج دشمن طاقتوں نے فتح پائی۔ انھیں نعرۂ اتحاد اب سراب سا لگنے لگا تھا۔ حسیت یہ کہہ رہی تھی کہ عقرب کبھی نیش بازی سے باز نہیں آسکتا۔ نیم کی جڑوں میں شہد کی آبیاری اس کے پھلوں کو کبھی میٹھا نہیں کر سکتی۔ برادرانِ وطن وقتی طور پر متحد ہوتے اور جب مطلع صاف ہوتا تو مسلمانوں اور اسلام کے تئیں زہر افشانی شروع ہو جاتی۔ اس کے پیچھے کچھ خاص تنظیمیں کام کر رہی تھیں جن کا منشا تخریبِ اتحاد تھا نہ کہ اتفاق۔ ان کی کامیابی برہمن واد میں مضمر تھی۔ وہ مسلمانوں کو ملیچھ تصور کرتے اور مذہبِ اسلام کے متعلق نازیبا اور من گھڑت کلمات ادا کرتے۔ انسانیت کے دشمن چاہتے تھے کہ پورا ہندوستان، ان کے طاغوتی نظام کے زیر اثر آجائے اس لیے انھوں نے انگریزوں کی مخبری کی اور آزادی کے متوالوں کو سوئے دار تک پہنچایا۔ مذہبی افیون کے سہارے پورے معاشرے میں زہر گھولا گیا، فسادات رونما ہوئے، ملک تقسیم سے دوچار ہوا۔ انسانوں کا قتل عام، تاریخ عالم کا المناک حصہ بنا۔ آزادی کے بعد جو مسلمان ہندوستان میں رہے ان پر مسلسل صبر آزما حالات مسلط کر دیے گئے۔ آج اس وطن عزیز کی یہ حالت ہے کہ برہمنی افیون کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ مولانا خیؔر کی دور اندیشی اور دور بینی نے تمام پیش آنے والے حالات کا اکتشاف کر لیا تھا۔ ذیل کے متفرقات اشعار ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہوگا کہ

حالات سے کس قدر کبیدہ خاطر تھے:

ٹلے ہیں اہلِ وطن اتنے، ہم کو وہ مٹا ڈالیں
مسلم و ہندو کا سمجھوتا محال
شدھی ہو کہ سنگٹھن ہو کیا اس کی حقیقت ہے
پہلے ہم سمجھے تھے ہندو کچھ کریں گے کارِ ملک
خیالِ دوستیِ مسلم و ہنود محال
پارٹیوں سے پارٹ پارٹ ہے قوم
جلی مسجد بھی، گولیاں بھی چلیں
ہے یہ وطن کا نیک سلوک
یاران وطن دھوکا تو نہ دیں
رخِ صبیح پر اک خال عارضی بھی نہیں

مدد کر اے خدا مظلوم امت ہے محمد کی
اس کی اب مشکل کشائی ہو چکی
ٹُل جائیں گے ہم جس دم تو دھوئیں اُڑائیں گے
کام ہو جائے گا اب آسان پچپن فی صدی
اِدھر تو ہو نہیں سکتی، ہاں کبھی ہوگی
ہے عجب اس کا حال مت پوچھو
اُف کلانواں کا حال مت پوچھو
اُن کا یہ اشتعال مت پوچھو
کبھی شبہ دل میں گزرتا ہے
یہ اجتناب ہے ہندو کو اب مسلماں سے

علامہ خیر کی بینش اتحاد کی راہ میں حائل ام الامراض کا جائزہ لیتی رہی اور بغض، کینہ، کدورت، لالچ، مکر و فریب، خود غرضی، موقع پرستی، ابن الوقتی جیسی اصطلاحیں دو دلوں کے درمیان راہ پاتی رہیں۔ ہندو اور مسلم دونوں اس کے شکار ہوتے رہے۔ مسلمانوں میں بھی کچھ تنظیمیں نفاق کا درس دیا کرتی تھیں جب کہ ہندو کے لیے 'ہندو سبھا' جیسی دیگر تنظیموں نے مورچہ سنبھال رکھا تھا۔ خاص طور پر ہندو سبھا نے اتحاد کی راہ میں جلتی آگ میں ہمیشہ گھی ڈالنے کا کام کیا۔ اس کا نظریہ، ہندو، ہندی اور ہندوستان کے گرد گھومتا رہا۔ مسلمان، معاشی، سیاسی اور تعلیمی طور پر برادرانِ وطن سے پیچھے تھے۔ حکومت کھو دینے والی قوم ماضی کا نوحہ پڑھ رہی تھی۔ ملت اسلامیہ تنکوں کی طرح بکھری ہوئی تھی اور تنکوں کی طرح بکھری قوم ہندومت کے نام پر یکجا ہو رہی تھی۔ ہندو سبھا نے جو خواب بُنے اس کی بنیاد پر ملک کے دو ٹکڑے ہوئے۔ کچھ بنیاد پرست رہنما یہ نہیں چاہتے تھے کہ یہاں کے باشندے ایک قوم کی طرح زندگی گزاریں۔ اتحاد و یکجہتی جیسے الفاظ ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ تھے۔ ان کا اپنا لائحہ عمل تھا۔ مسلمان ان کی چالوں سے بے خبر

وطن کی حرّیت کے لیے اپنا خون بہاتے رہے اور ہندو سبھا انگریزوں کے لیے مخبری کرتی رہی۔ مسلمان کچھ قوم پرست ہندو رہنما کے شانہ بشانہ اتحاد کا نعرہ لگاتے رہے اور ہندو سبھا نعرہ اتحاد کو شرمسار کرتا رہا کیوں کہ اسے ہندوستان نہیں بلکہ ہندواستھان چاہیے تھا۔اشعار دیکھیے:

هست اتّحادِ مُسلم و هندو بهم محال	هرگز ندیده ایم که مسجد شود کنشت
کی می توان ثمر و گل و خار را یکی	کی می شود ہزار هم آهنگ زاغِ زشت
بالعلِ شب چراغ مقابل کُجا شود	دررنگ و درفروغ و بها خاک و سنگ و خشت
دو جنسِ غیر متصل هم نمی شوند	نور و نار بنگر و هم دوزخ و بهشت
کی گاوکند هند به منزل همی رسد	با اسپ باد پائے عراقی خوش سرشت
هندو سبها بسینه برآورد کینه ها	مُسلم همه ملال و غم و رنج در نوشت
جمعیتِ خلافتِ مُسلم کُجا، کُجا	ہندوسبھائے تیشه خصال و تنگ سرشت
هستند بی خبر چو ز تبرید اتفاق	در جام شان بباید ریزند شیر خشت
با شرکت کسی طلب حرّیت خطاست	خواهیم یافته ستاگرآن به سر نوشت
مارا به پایِ خویش بباید که ایستم	الحق که شیخ سعدیِ شیراز حق نوشت
حقا که باعقوبت دوزخ برابر است	رفتن بپای مردی هم سایه در بهشت

خیر کا قلم جو کچھ رقم کر گیا وہ ایک تاریخ ہے اور ایک ادیب وشاعر کا فریضہ بھی یہی ہونا چاہیے کہ وہ اپنے عہد کی صحیح عکاسی کرے۔رحمانی کا عہد کئی معنوں میں پرآشوب رہا تھا۔انگریز بہادر کے نزدیک یہی مناسب تھا کہ دوقوں کے درمیان فاصلہ قائم رکھے تا کہ ہندوستان میں ان کا قیام مزید طویل ہو۔کبھی گائے کا معاملہ کھڑا کرتے تو کبھی منادر ومساجد کے معاملات کونزاعی شکل دے دیتے ۔کبھی شدھی کرن کا شوشہ چھوڑا جاتا تو کبھی مذہب اسلام کے لیے نازیبا کلمات ادا کروائے جاتے ۔حتیٰ کہ رسول اکرم کی ذات باصفات پر کیچڑ اچھالے جاتے۔ان حالات سے مجبور ہو کر خیر رحمانی دکن کی راہ لینے کو تیار تھے کیوں کہ شمالی ہندوستان کے لوگوں کا ذہن جنوبی ہندوستان کی بہ نسبت زیادہ پراگندہ تھا اور نسبتاً دکن کا علاقہ زیادہ محفوظ تھا۔وہاں نظام کی حکومت قائم تھی اور اس وقت یہ

خطہ ہندوستان کا حصہ نہیں تھا بلکہ ایک آزاد اور خود مختار ریاست تھی۔شعر دیکھیں:

خیر رحمانی نے دی ان کو صلاح	چھوڑیے ہندوستاں ، چلیے دکن

خیر کی امیدیں اب بھی بندھی تھیں کہ ایک دن وطن کی فضا سازگار ہوگی اور یہاں کے مکیں شیر وشکر ہو جائیں گے:

باز هوایِ وطنم آرزو است	باز نسیمِ چمنم آرزو است

ماضی سے لے کر عہد حاضر تک ہندوستان میں جتنے فساد ہوئے یا کروائے گئے ان کے موضوعات طے کر دیے گئے ہیں۔انسان جذباتی ہوتا ہے۔عقیدت کا مسئلہ سب سے مقدم مانا جاتا رہا ہے اور اس کے سہارے بزم اور رزم برپا کرنے کے علاوہ سیاسی بساط بچھائی جاسکتی ہے۔ گائے کی رکچھا کے نام پر بڑے بڑے فسادات کروائے گئے اور اب ہجومی تشدد کے ذریعہ ہلاک کر دینے کا عمل کارفرما ہے۔خیر رحمانی کے اندر جس طرح کی سیاسی بصیرت تھی ان کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا کہ سیاسی بساط پر دوڑتے پیادے، اونٹ، گھوڑے اور کشتی کے مُحرک کو نہ پہچان سکیں۔ ذیل کے اشعار میں خیر کا طنزِ ملیح دیکھیے کہ کس خوب صورتی سے انھوں نے کہہ دیا کہ گاؤ سیاسی اور سماجی دونوں سطحوں پر ہر زمانے میں کفالت کا ذریعہ رہا ہے:

گو ماتا کی رکشا کی فضا دیکھ کے ہر وقت	کیا خوب بڑے لاٹ کو ہے سانڈ کی سوجھی
گاؤ رکچھا پر بڑی اسپیچ دو ماتم کرو	خوب ہوٹل میں اڑاؤ تم کبابِ زندگی
دودھ کے بدلے میں دوہو خون تک تم گائے کا	ہے تمھارے واسطے بس یہ ثوابِ زندگی

خیر اپنی شاعری میں مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال اور حفیظ جالندھری کی طرح مصلح قوم وملت نظر آتے ہیں۔ان کے مطابق مسلمانوں نے توحید کے سہارے بڑے بڑے معرکے سر کیے لیکن جب غیروں کے طریقے اور عیش پرستی ان کی زندگی میں داخل ہوئی تو قوم زوال پذیر ہوئی تاہم افسوس تو اس بات کا ہے کہ اسلام کے چہروں کو انھوں نے اپنے ہاتھوں ایسا مجروح کیا کہ غیروں کی ناپاک نگاہیں مذہب اسلام میں عیوب تلاش کرنے لگیں۔چراغ مصطفوی سے شرار

بولہبی کی چھیڑ چھاڑ کوئی نئی بات نہیں لیکن چراغ پر نچھارو ہونے والے پروانوں کی ایک آن بان اور شان ہوا کرتی تھی جواب ناپید ہے۔ پہلے کے مسلمان اپنے ایمان کے سبب معزز و مقرب تھے لیکن اب مسلمان برائے مسلمان ہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شعبۂ حیات میں پچھڑتے جا رہے ہیں:

کبھی محبوب تھی دُنیا میں ادائے مُسلم — عالم نور تھا عالم میں ضیائے مُسلم
گونج اٹھی نعرۂ تکبیر سے دُنیا ساری — آئی کانوں میں یکا یک جو صدائے مُسلم
آج بدعہدی و پیماں شکنی شیوہ ہے — کبھی مشہور تھی دنیا میں وفائے مُسلم
ہم قدم رکھتے تھے جس جا وہیں آتی تھی بہار — نکہتِ گُل سے بھی بہتر تھی ہوائے مُسلم
موت کو اپنی سمجھتے تھے حیاتِ ابدی — ایسا اسلام تھا ایسی تھی فضائے مُسلم

مسلمانوں میں کہیں فرقہ بندی ہے تو کہیں ذاتیں۔ ایک گروہ دوسرے کو کافر کہتا ہے۔ ہر شخص کے نزدیک دوسرا شخص غلط ہے۔ اس حالت تک مسلمان کیسے پہنچے؟ کیا اس کے محرک وہ لوگ نہیں ہیں جنھوں نے محنت کرنے کی بجائے مسلمانوں کی جیبوں میں اپنی روٹی تلاش کی ہے۔ خیؔر ایسے بدطینت لوگوں سے خوب واقف تھے جس کا اظہار ذیل کے اشعار میں ہوتا ہے۔

سنّی کی وہابی کی ہے جنگ یہاں جاری — یہ دہن کا ساماں ہے لاحول ولا قوۃ
اب تو اسلام کا بکھرا ہوا شیرازہ ہے — اس سے بڑھ کر کہیں اجزائے پریشان نہیں
پڑ گئی ہے تم کو کیا ہر ایک سے لڑنے کی خو — ایک سے باتیں نہیں اخلاص کی ہے گُل سے بحث

مسلمانوں کا پستیوں سے گزرنا اور اپنے حالات کا جائزہ تک نہ لینا اور بے حسی کی زندگی گزارنا وغیرہ ایسے عوامل ہیں جن سے خیؔر کا دل پارہ پارہ ہے۔ جب تمام امداد و کمک کی امید جاتی رہی تو بے خودی میں پکار اُٹھے کہ:

اُٹھیے اُٹھیے میرے آقا ! اُٹھیے — اُٹھیے اُٹھیے میرے مولا ! اُٹھیے
ردّی حالت ہے اب اسلام کی آج — اٹھیے اے خسروِ بطحا! اُٹھیے
آبرو مٹتی ہے اسلام کی آہ — فاطمہ زہرا کے ابا! اُٹھیے
آہ نرغے میں گھرا ہے اسلام — پیارے حسنین کے نانا! اُٹھیے

رُخ سے سر کایئے اب چادر کو — دن بہت چڑھ گیا شاہا اُٹھیے
خواب کب تک، نہیں اب خواب کا وقت — بہر امداد خدا را، اُٹھیے
آپ کو خالقِ اکبر کی قسم — اب نہیں ضبط کا یارا، اُٹھیے
بھیجیے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کو اب — دیجیے ہم کو دلاسا، اُٹھیے
ورنہ اسلام چلا دُنیا سے — ہائے تاریک ہے دنیا اُٹھیے
بھیجیے حیدر کرار کو اب — کیجیے خود ہی مداوا، اٹھیے
بھیجیے خالدِ سیفُ اللہ کو — وقت اب آگیا اس کا اُٹھیے
التجا خیؔر کی ہے دل سے یہی — میرے مولا! میرے داتا اٹھیے

لامحدود صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ جب تمام ذرائع یا سہارے غرقاب ہوتے ہیں تو انسان جس قدر بھی ہاتھ پاؤں مارے اس کا ڈوبنا طے ہے۔ دریائی کنارے کوئی ایک دن میں غرقاب نہیں ہوتے بلکہ یہ ایک مسلسل عمل ہے، موجوں کی ضرب کی وجہ سے سطحِ آب بلند ہوتی ہے اور کناروں کو آغوش میں لے لیتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح امّت مسلمہ بھی اچانک ذلت وخواری سے دوچار نہیں ہوئی بلکہ اس کے پیچھے ان کی پندرہ سو سالہ زندگی کے وہ اعمال ہیں، جن کے سبب انھیں ذلت وخواری میں ڈال دیا گیا ہے۔ موصوف سے پہلے بھی اس خوارگی کو شعرا نے بیان کیا ہے جن میں حالؔی اور اقبالؔ کی ذاتِ گرامی ممتاز رہی ہیں۔ زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا رہا ہمارے کردار گھٹتے رہے۔ خیؔر رحمانی کے عہد میں تو اس امّت کی حالت مزید ناگفتہ بہ ہوئی یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سب سے مضبوط سہارے کو اپنی مناجات میں یوں پکارا:

حد کو پہونچی ہے ذلت و خواری — رحم کر ہم پہ خالق باری
خیؔر ہنستے ہیں میری حالت پر — طعنہ زن ہیں مری جہالت پر

ایزدِ باری تعالیٰ کے ساتھ ناخدائے کشتی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت کی اور انھیں بھی خدا کا واسطہ دیا کہ اس مظلوم امّت کی خبر لیں تاکہ مزید ذلت وخواری کے دن دیکھنا نصیب نہ ہو:

خدا را ناخدائے کشتیِ امت مدد کرنا — بچالے سب کو اب آؤ محمد مصطفیٰ آؤ

خیر رحمانی کی شاعری کے کئی رنگ اُوپر گزرے جو موصوف کے مزاج و روش کو سمجھنے میں معاون ہیں۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور سوچ وفکر کسی کی ذات میں ایک دن میں نہیں سماتے بلکہ مسلسل تحریک کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ وہ جس ماحول کے پروردہ تھے وہاں بلحاظ مذہب وملّت انصاف وعدل کی حکمرانی تھی۔حق گو وراست باز کی ہمیشہ پذیرائی اور خاطی وگنہ گار کی سرزنش کی گئی ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن اور اقدار واخلاص نے انھیں ناصح و پیر پند دانا بنا دیا تھا۔مزاج میں نرمی اور عرفانی افکار نے اس قدر گھر کرلیا تھا کہ وہ حقیقی زندگی کے امین بن کر ابھرے۔فقر وغنا، برد باری، صبر وتحمل کے ساتھ حرص وطمع سے عاری ایک سادہ زندگی گزارنے کی وکالت کرتے رہے۔ پندوموعظت کی شاعری یا شاعری میں پندونصائح کا کامیابی کے ساتھ برتنا ایک صحت مند معاشرہ کی تشکیل کرنے کے مترادف ہے۔ خیر نے تلخ وکڑوی باتوں کو ظرافت کی شیرینی میں لپیٹ کر پیش کیا ہے۔متفرقات دیکھیں:

خیر اب تو کام آؤ قوم کے   مدح خوانی خود ستائی ہو چکی

یہ زن و فرزند کیا کام آئیں گے   اب خدا سے خیر اپنا دل لگاؤ

ای بی خبر از نکاتِ ھستی   ما نیز درین ناکام یابیم

بیاباں مرگ ہوں میں بےکسی چھائی ہے تُربت پر   نہ میں محتاج چادر کا نہ خواہاں شامیانے کا

حقّا کہ با عقوبت دوزخ برابر است   رفتن بپای مردی ھمسایہ در بھشت

پہلوانی نہیں چلتی ہے قضا کے آگے   ژال باقی رہا دنیا میں نہ رستم محفوظ

باز آؤ کہیں طعنہ زنی خندہ زنی سے   اب ہاتھ اُٹھاؤ مری خاطر شکنی سے

ہستی میں آنے سے ہوئی قدر عدم کی   جائیں گے سبق لے کے غریبُ الوطنی سے

قلم کار اپنے معاشرہ کا مصور ہوتا ہے اور اس کی بنائی ہوئی تصویر نسل در نسل منتقل ہوتی ہے۔ خیر نے اپنے عہد کے تمام واقعات کا بغائر مطالعہ کیا تھا جہاں نثری قالب میں ڈھالنے کی ضرورت ہوئی، اخبار کا سہارا لیا اور جب دل وجاں ایک ہیجانی کیفیت سے دوچار ہوئے تو اشعار کی صورت میں ڈھال دیا۔ وہ تمام اشعار بظاہر سادہ نظر آتے ہیں تاہم ہر شعر کے اندر واقعات کی دنیا آباد ہے۔ ادبی نقطۂ نظر سے بھی ان کی اہمیت مسلم ہے۔ان میں وہ تمام شعری اوصاف موجود ہیں جو کسی بھی شاعری کے لیے لازم سمجھے گئے ہیں۔

خیر رحمانی ایک نیشنلسٹ مسلمان کی حیثیت سے وطن کی محبت میں سرشار رہے، وہ گاندھیائی تحریک کے حامی تھے کیوں کہ گاندھی جی کو دل سے پسند کرتے تھے۔ انھوں نے کانگریس کی حمایت کبھی نہیں کی ،ان کے نزدیک ہندوستان میں ہندوؤں کا ایک غیر متوازن طبقہ بظاہر کانگریسی تھا جب کہ بباطن سنگھی ذہن ودل کا مالک تھا۔اس وقت باقاعدہ ان کی سیاسی تنظیم نہیں تھی اس لیے وہ کانگریس میں ہی تھے۔ وقتاً فوقتاً یہ طبقہ سرگرم ہوتا اور جب وقت آتا تو اپنی پیٹھ دکھا دیتا۔ اس نام نہاد قوم پرستوں کا ایک بھی شخص جنگ آزادی کی لڑائی میں کام نہ آسکا۔ ان مجروح ذہن اشخاص کا منشا یہ تھا کہ منوسمرتی کے نظام کے تحت ہندوستان پر ان کی حکومت قائم ہو۔ اپنے مقصد کی برآوری کے لیے انگریزوں کی مخبری کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ یہ ہر حربہ استعمال کرنے میں طاق وماہر تھے۔ یہاں تک کہ فرقہ وارانہ فسادات ان کے دم سے ہی برپا ہوا کرتے تھے ، ہندوستان میں تحریک آزادی جوں جوں آگے بڑھتی رہی ان شدّت پسند اشخاص کی سرگرمیاں تیز ہوتی رہیں۔آزادی کے دن جوں جوں قریب آتے گئے یہ طبقہ مشتعل ہوتا رہا حتیٰ کہ دوقومی نظریے کی بنیاد پڑی۔حریت نواز تقسیم ہو گئے۔ خیر ان سانحات کو دیکھتے اور محسوس کرتے رہے۔انھوں نے ایسے ہندوستان کا خواب دیکھا تھا جو سب کا اور سب کے لیے ہو۔ان کی نگاہوں نے رشکِ جناں ہندوستاں کی بربادی بھی دیکھی اور آشیانوں کو تنکوں میں بکھرتے بھی

دیکھا اوران دھاگوں کوٹوٹتے بھی دیکھا جس کے تانے بانے محبت واخوت سے بنے تھے۔ خیؔر کو مادرِوطن سے بے انتہا محبت تھی۔ یہاں کی خاک میں ان کے آبا واجداد مدفون تھے۔ یہاں کی مساجد، معابد اور خانقاہوں میں ان کے اسلاف کی روحیں آباد تھیں۔ وہ انھیں چھوڑ کر کہاں جاتے۔ زخم پر زخم سہتے رہے تاہم پائے استقامت میں جنبش نہ ہوئی۔ فرقہ وارانہ فساد اور تحریک تقسیمِ ملک نے موصوف کو کرب سے دوچار کررکھا تھا۔ وہ بارہا اس کرب سے گزرتے رہے جو یگانگت وہم آہنگی کی راہ میں کوہ گراں ثابت ہوتا رہا۔ ایسی آزادی جس کے پائے انسانیت کے جنازے پر رکھے جائیں خیؔر کے نزدیک قابلِ اعتنا نہیں تھی۔

خیؔر رحمانی نے غلام ہندوستان میں اپنی آنکھیں کھولی تھیں۔ عہد گزشتہ کی داستانیں سن کر بڑے ہوئے تھے۔ جب قلم سنبھالا تو ہر ناانصافی کے ساتھ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے سامنے ہندو اور مسلم کے مابین رسہ کشی اور انگریزوں کی پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی، عالمی افراتفری، اسلام کی بیخ کنی جیسے مسائل کا انبار تھا۔ ہندوستانی مسلمان کی حالت ناگفتہ بہ تھی، علم سے کوسوں دور تھے۔ حکومت کے ساتھ ان کی ناموس وعزت بھی جاتی رہی تھی۔ ماضی کے حاکم کی اولادیں بے یار و مددگار سر چھپانے کی جگہ تلاش کرتی رہیں کیوں کہ ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں، شان دار تہذیبی وراثت کا قلع قمع ہو چکا تھا۔ خیر کو انگریزوں سے زیادہ شکایت ان گمراہ برادرانِ وطن سے تھی جو کل تک ان کے ہم نوالہ وہم پیالہ رہے تھے۔ ان کی طوطا چشمی نے شاعر کو اندر سے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کے باوجود امید پر دنیا قائم ہے کہ مصداق چارہ جوئی کرتے رہے۔ اور صاف شفاف سماج کی تمنا کرتے رہے۔ اس نسیم صبح کا انتظار کرتے رہے جس کی ٹھنڈی ہوا میں بلا تفریق مذہب وملت ورنگ ونسل ہندوستانی سانس لے سکیں:

باز ھوای وطنم آرزو است   باز نسیم چمنم آرزو است

ہندوستان میں آزادی کے لیے چلائی جانے والی تحریکوں میں ہندو مسلم اتحاد کا نعرہ لگانا کوئی گناہ نہیں تھا۔ خیؔر کر بھی کیا سکتے تھے۔ فرقہ پرست طاقتیں سرگرمِ سیاست تھیں اور آج بھی ہیں۔ خیؔر کے خیال میں شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی پی سکتے ہیں لیکن ہندو اور مسلمان کبھی ایک جان

و دو قالب نہیں ہو سکتے اور کسی حد تک یہ بات بالکل صحیح بھی ہے کیوں کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو پاکستان کا وجود ہی عمل میں نہ آتا۔ جب تک دل ریا و لالچ، ذاتی مفاد اور بغض وعناد سے پاک نہ ہوگا ہندوستان کبھی ایک قوم نہیں بن سکتا۔ خیر صاحب کو اس کا شدت سے احساس تھا یہی وجہ ہے کہ وہ ایک شعر میں بڑے ہی تلخ آمیز لہجے میں نعرۂ اتحاد کی حقیقت کی قلعی یوں کھولتے نظر آتے ہیں:

ھست اتحادِ مسلم و ھندو بھم محال   ھرگز نہ دیدہ ایم کہ مسجد شود کنشت

بلا جدوجہد کے کسی بھی مقصد میں انسان کامیاب نہیں ہوتا ہے، زندگی کی تگ ودو میں پسینہ بہانا اور خون چھڑکنا معمولی عمل ہے۔ آزادی قربانی چاہتی ہے اور وطن پر جان نچھاور کرنا پست ہمت لوگوں کا کام نہیں۔ سستی اور کاہلی انسان کو پژمردہ بناتی ہے۔ پس وپیش اور تذبذب میں پڑنے والے سپاہیوں کے کاندھوں پر بندوقیں نہیں رکھی جاتی اور نہ ہی ایسے لوگ میدان کارزار کے لیے مناسب سمجھے جاتے ہیں، خیؔر کہتے ہیں کہ اگر آزادی کا پروانہ چاہیے تو مردانہ وار لڑو۔ حرّیت پسند ہو تو قیل وقال چھوڑو اور بے خطر جنگ کرو۔ خیؔر مجاہدِ قلم ہے۔ انھوں نے اپنی روشنائی سے وہی کام لیا جو میدان جنگ میں سپاہی اپنا خون بہا کر لیتے ہیں۔ محبِ وطن مسلمان کبھی وطن کی حفاظت میں پیچھے نہیں رہا بھلا ممدوح کیسے رہ جاتے:

جنگِ آزادی تذبذب رانمی دارد روا   بی محابا جنگ کن گر ھمتِ مردانہ است

خیؔر نے آزادی کے بعد ہندوستان میں اس خونی منظر کا بھی مشاہدہ کیا تھا جو تقسیمِ ہند کے نتیجے میں برپا ہوا تھا۔ فطرت نے ہجرت کا تقاضہ کر دیا تھا۔ اِدھر کے مکیں اُدھر اور اُدھر کے اِدھر منتقل ہو رہے تھے۔ بھائی سے بھائی بچھڑ رہا تھا۔ ہولناک فرقہ وارانہ فساد ہر طرف بپا تھا۔ کشت و خون کا بازار گرم تھا۔ جان کے لالے پڑے تھے۔ مال ودولت کی لوٹ مچی تھی۔ عزت وآبرو کی سرِ عام دھجیاں اُڑ رہی تھیں۔ کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ تھا۔ آنکھیں اشک بار تھیں۔ قانون کی بالا دستی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کے مترادف ایسی بیہودگی مچائی گئی کہ انسانیت سسک اُٹھی۔ خیؔر نے اس سانحہ عظیم کو قیامتِ صغریٰ سے تعبیر کیا ہے:

دیدنی ھست قیامت کہ بپا درھند است   بھرِ آئین شکنی ھرکس دیوانہ شدہ است

علاّمہ خیؔر رحمانی ایک سچّے قلم کار تھے۔ اخبار کی ادارت کی ذمہ داریوں سے واقف تھے۔ ایک اڈیٹر کا فریضہ ہے کہ عوامی معلومات، رائے عامہ اور عوامی تفریحات کی باضابطہ اور مستند اشاعت کا اہتمام کرے۔ انسانی اقدار کے تحفظ کی بات ہو یا مظلوم و مجبور عوام کے احساسات و جذبات، سامنے لائے جائیں تا کہ منصفِ وقت اس سے روشناس ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کئی بین الاقوامی و بین اسلامی مسائل اور اس کا حل خیؔر کی شاعری میں درآئے ہیں جن میں ایشیا اور یورپی ملکوں کی کش مکش، پہلی عالمی جنگ، یورپی ملکوں کا اسلام سے نفرت، ترکی کا اتحاد و زوال وغیرہ ایسے واقعات ہیں جو ایک طرف تاریخ عالم کا حصّہ ہیں تو دوسری طرف موصوف کے شعری موضوعات کے اہم اثاثہ جات بھی۔ غزل میں واقعہ نگاری کا فنؔ ممدوح کے یہاں بہت ہی توانا اور مستحکم ہے۔ ان کے اس شعری تجربہ کو روایتی اور کلاسیکی رویے کے طور پر دیکھا تو جا سکتا ہے تاہم جس جدت اور حسیت کا خوشگوار پہلو سامنے آتا ہے، وہ ان کی غزلوں کو روایتی طرز بیان و اسلوب سے کسی قدر الگ کرتا ہے۔ ذیل میں ان کی ایک فارسی غزل کو دیکھیں جس کا ہر مصرع تاریخی روداد بیان کرتا نظر آتا ہے۔ موصوف کی غزل حافظؔ شیرازی کی اس مشہور زمین میں ہے، جس پر بیشتر شعرا نے طبع آزمائی کی ہے لیکن خیؔر نے اپنی اختراعی طبیعت، لطافت و ظرافت کے سہارے اس غزل کو ایک الگ ہی رخ عطا کر کے درجہ کمال پر پہنچا دیا ہے۔ اس غزل میں تشبیہ، استعارہ، تلمیح اور کنایہ کی عمدہ مثالوں کے علاوہ دیگر تلازمے بحسن و خوبی دیکھے جا سکتے ہیں۔ واقعات کا ایسا تسلسل ملتا ہے کہ اسے نثر میں اگر ڈھالا جائے تو شاید اوراق کم پڑ جائیں گے بطور مثال چند اشعار نقل ہیں:

اگر آن ترک انکورا کشد گرگِ اروپا را — بہ تیغ ترکیش بخشم سمرنا و بروسا را

بدہ ساقی مَیِ باقی کہ یونانی نخواہد یافت — کنار آبنای باسفورس مارمورا را

عجب کان ترک یورپ کوب دہرآشوب و شیرافگن — گرفت از پنجۂ یونان بہ سہ ساعت سمرنا را

ز نازِ اتحادی ہا کمالِ ترک مُستغنیست — چہ بحث از کنفرنس و آرمستس اھلِ ھجا را

من از آن روز کین یونان بجنگ آمد بدانستم — کہ این سودا دمار از سر برون آرد اروپا را

حدیثِ صُلح کمتر گو از ارمستس نشان کم جو — کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمّا را

نصیحت گوش کن یونان کہ از جان دوست تر دارند — جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا را

بدم گفتی و من ہم کلہ ات از مشت بشکستم — بلی شکر شکن باید لبِ لعلِ شکر خارا

بہنگام گریز آتش زدی برخانہ ہا ای دُون — ازین روز از تو بگرفتند دریایِ سکارا را

بہ شعر حافظؔ شیراز تغیر ھست و در تاریخ
بگو ای خیؔر فتح یادگاری چشمِ بینا را

درج بالا مثال میں اسلام دشمن طاقتوں کا ظہور صاف نظر آتا ہے۔ مذہبِ اسلام کے خلاف بہت سی طاقتیں برسوں سے صف آرا ہیں۔ آج پندرہ سو سال ہونے کو آئے لیکن دینِ حنیف پر اعتراض کا کوئی پہلو باقی نہیں رہا۔ ہر زمانے میں ہر خطے سے ملحد اُٹھتے رہے اور اپنی جہالت کا تیر مذہب اسلام پر خالی کرتے رہے۔ الحمد للہ ان جہلا کی تمام کاوشیں رائیگاں جاتی رہیں۔ خیؔر کی شاعری میں جگہ جگہ اس کے اشارے ملتے ہیں:

کون ہے جو نہیں اسلام کا دشمن اس وقت — شیرِ انگلش نہیں گربۂ یونان نہیں

صاحبِ قلم خیؔر، ان طاغوتی طاقتوں کا مشاہدہ کرتے رہے۔ ہمیشہ اپنی پرورش اور تعلیم کو پیش رو رکھا اور دین حنیف پر ہو رہی یلغار پر اپنی بے باک رائے کا اظہار کرتے رہے۔ جہاں مناسب سمجھا جواب دیا۔ جہاں ضرورت پڑی قلم کو تلوار بنایا۔ دنیاوی وسیلوں پر اکتفا کرنے کی بجائے اِمداد کے لیے آقا ﷺ کو پکارا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی غزلیہ شاعری میں نعتیہ مضامین کثرت سے ملتے ہیں جن میں ان کے کرب، شور اور التجا کو دیکھا جا سکتا ہے:

دشمن دیں ہیں دانت نکالے تیغ ہیں سب ہاتھوں میں سنبھالے
آپ کے ہے اسلام پر نرغا صلّی اللہ علیک وسلم
اُٹھیے اب اے اسلام کے بانی سر سے اونچا ہو گیا پانی
ہے اسلام کی جان پہ ایذا صلّی اللہ علیک وسلم

پہلی جنگِ عظیم کا آغاز ۱۹۱۴ء میں ہوا تھا۔ یہ واقعہ انسانی تاریخ کی شرم ناک جنگوں میں

سے ایک تھا۔ ایک طرف جرمنی، آسٹریا، ہنگری، ترکی اور بلغاریہ اور دوسری طرف برطانیہ، فرانس، روس، اٹلی، رومانیہ، پرتگال، جاپان اور امریکا تھے۔ ترکی جرمنی کا اتحادی تھا اور ورسائی معاہدہ کے تحت جنگ موقوف ہونی تھی لیکن اس جنگ میں ترکی کو سب سے زیادہ قیمت چکانی پڑی۔ انگریزوں نے عربوں کو ترکی کے خلاف اس طرح اکسایا کہ مسلمان آپس میں لڑ پڑے۔ کچھ عرب آزاد ہوئے اور کچھ پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا۔ بعد میں ترکی بھی انگریزوں کے تسلط میں چلا گیا۔ اسلام دشمن طاقتوں نے سلطنت عثمانیہ کو اس طرح زیروزبر کیا کہ اسلامی دنیا میں قائم عظیم خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس جنگ میں لاکھوں مسلمان انگریزوں کے ذریعہ سلگائی ہوئی قومیت کی آگ میں جل گئے۔ خیر رحمانی کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ترکی کو کسی بھی حالت میں جرمنی کے پھندے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ ترکی اور عالم عرب کی تباہی کا ذمہ دار جرمن کو مانتے تھے۔ خیر کا قلم ہر واقعات کا جائزہ باریک بینی سے لیتا رہا۔ وہ الپنچ میں لکھتے رہے ساتھ ہی اہم واقعات کو اشعار کی شکل میں نہایت ہی سادے انداز میں ڈھالتے رہے۔ اس طرح ان کے دیوان میں بہت سے اشعار ملتے ہیں جن کی حیثیت ایک وثیقے کی ہے۔ اشعار میں تاریخ گوئی اور واقعہ نگاری اس بات کی نشان دہیکرتی ہیں کہ اس رئیس القلم کے اندر شعری بلاغت کا موجیں مارتا ہوا سمندر موجود تھا۔ کاش لوگوں نے ان سے کوئی اور کام لیا ہوتا۔ کاش وہ اپنے عہد کی تاریخ منظوم کر گئے ہوتے، پھر بھی جو سرمایہ ہم تک پہنچا ہے ان کو اپنے عہد میں ممتاز و ممیّز کرنے کے لیے کافی ہے:

ادھر جرّار فوجیں اتحادی اور برٹش کی
اُدھر قلعہ شکن اور صف شکن پلٹن ہے ٹرکش کی
چلا جرمن غضب کی چال ترکوں کو ملانے میں
ہوئے ترک اس کے حامی دیکھیے یہ حد ہے سازش کی
مچا رکھی ہے ایک ہڑ بونگ اس ظالم نے عالم میں
کچل ڈالا اگر چہ ان سبھوں نے لاکھ نالش کی

خیر رحمانی نے اس عالمی جنگ میں شامل جرمن کی عیاری اور چالاکی کو اجاگر کیا ہے۔ ہر شخص

کا اپنا نظریہ ہوتا ہے اور حالات کو دیکھنے کا پہلو بھی۔ موصوف کی سیاسی بصیرت کا پختہ ثبوت اس سے بڑھ کر کیا ہوسکتا ہے کہ وہ عالمی سیاست کے رخ اور پل پل بدلتی صورت حال کو اپنے آئینہ میں دیکھ رہے تھے۔ جرمنی کی ظاہری اور باطنی طینت سے واقف تھے۔ تاریخ کی آنکھوں نے دیکھا ہے کہ جرمنی جب ہالینڈ اور بلجیم کو روندتا ہوا فرانس پر حملہ آور ہوا تو اس جنگ کا دائرہ بڑھتا ہوا یورپ سے ایشیا تک پھیل گیا۔ بہت سی سلطنتوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ معاشی بدحالی نے ان کو آ گھیرا۔ اس سات سالہ جنگ کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ سلطنت عثمانیہ کی تباہی تھی۔ آخر کار مضبوط اسلامی سلطنت کا شیرازہ بکھر رہ گیا اور دشمنانِ اسلام اس کے ٹکڑے کو نوچ نوچ کر کھانے لگے اور جو نہ کھا سکے وہاں اپنا کرگس و گدھ بٹھا دیا۔

بڑھا ہے ڈنک جرمن کا کہیں اب نیشِ عقرب سے
نہیں اس کا کوئی منتر نہیں کوئی دوا اس کی
بلا کی سعی کرتا ہے یہ ترکوں کے ملانے میں
غضب کی چال چلتا ہے یہ موذی گانٹھ ہے بس کی
کہیں برطانیہ پہلے ہی ترکوں کو ملا لیتا
تو کیوں اس طرح کھلتی آنکھ اس بیمار نرگس کی
مگر اب جرمنوں کے داؤں پر ہے آج کل ترکی
کوئی دیکھے جبھی مونچھوں پر بل سلطان خامس کی
کہے دیتے ہیں ہم ٹرکی خیالِ خام سے باز آ
سنے گا جرمنی کب تک ارے تجھ ایسے بے حس کی

خیر کی غزلیہ شاعری کو عالمی تناظر میں دیکھنے سے عالمی سیاست اور اس کے سود و زیاں پر موصوف کی فکری بصیرت و بصارت کی داد دینی پڑتی ہے۔ جیسا کہ عرض ہوا تھا کہ موصوف کی غزل گوئی کا کینوس بڑا ہے۔ ان کی غزل روایتی فضا میں بھی سانس لیتی ہے تاہم اس کے اندر جو تنوّع اور بوقلمونی ہے وہ خیر کی انفرادیت کو سامنے لاتی ہیں۔ میرؔ، غالبؔ اور داغؔ کی وراثت اردو

شاعری میں برسوں سفر کرتی ہوئی عصر حاضر تک دراز ہے۔ اگر شاعری انسانی حوادث و تجربات کو اس طرح پیش کر دے کہ اس میں واقعات، احساسات اور جذبات انسانی زندگی میں مدغم ہو کر رنج وخوشی سے ہمکنار کرنے کا سبب بن جائے تو ایسی شاعری آفاقی ہو جاتی ہے اور اس میں ماضی اور حال کے تجربوں کے ساتھ مستقبل کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اس روشنی میں خیؔر کی غزلیہ شاعری حقیقت کا روپ دھارے کھڑی نظر آتی ہے۔ ان کے یہاں مجازی شاعری کی بجائے انسانی اعمال و افعال سے متعلق حقیقی شاعری نے خوب جگہ بنالی ہے۔ شاعری مقصدیت سے بھرپور انسانی بود و باش سے ہم آہنگ ہے۔ ہر بڑی شاعری میں پیغام بشریت و احترام آدمیت کا اعادہ ہوتا ہے۔ شاعر اپنے عہد کے مطابق وقت کا پیامبر ہوتا ہے کیوں کہ اس کی انگلیاں وقت کے نبض پر ہوتی ہیں۔ عصری تقاضے کے تحت شاعری ڈھلتی ہے گرچہ اشارے اور کنائے بدلتے رہتے ہیں۔ خیؔر کے اشعار عصری حسیت، مزاج و منہاج اور مسائل انسانی کے ادراکات سے الگ نہیں ہیں ان کے یہاں بھی انسانی بقا اور اس سے جڑے مسائل کی جزویات موجود ہیں۔ متفرقات دیکھیں:

بہار آئی، ہوئے گل ہائے نسرین و سمن پیدا　　ہزاروں ہو گئے شاخوں پہ مرغانِ چمن پیدا

دشتِ جنوں میں کٹ گئیں کیا کیا مصیبتیں　　ہر آبلہ سے خارِ مغیلاں نکل گیا

بھائی کا بھائی ہے دشمن یار سب اغیار ہیں　　کیا ہوا بدلی ہے کیا رنگِ زمانہ ہو گیا

ہو گیا اپنا مرض اب لا علاج　　لیڈروں سے اب دوائی ہو چکی

اندھیرا ہے کبھی شب کا کبھی ہے روشنی دن کی　　دگرگوں دیکھتا ہوں رنگ آنکھوں سے زمانے کا

آکے جنٹلمین بیٹھا ہال میں　　دیکھو وہ ہندوستانی اُٹھ گیا

خیؔر کی شاعری میں سوز و گداز، درد و غم، آہ و فریاد، اور دنیا کی ستم ظریفی کے ساتھ اس کا مداوا بھی ہے۔ وہ زمانے کے شاکی نہیں بلکہ اپنی تقدیر کو اپنے عمل پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے یہاں دل اور آتش دل، داغ اور داغِ دل کوئی الگ شے نہیں۔ آتش دل کو چقماقی شیشہ بناتا ہے اور اس کا حصول اس قوت تک ممکن نہیں جب تک انسان اپنے اس دل کے آئینہ میں اس جمال کو نہ اتار لے جس کے پرتو کی گواہی کائنات دے رہی ہے۔ وہ اپنی شاعری کو قدما کا منہاج و مزاج مانتے ہیں تاہم اپنے تدبر و تفکر کے ساتھ شعری سبک و اسلوب دیگر شعرا سے جداگانہ مانتے ہیں اور جسے ان کے تعلّی کا اظہار بھی کہا جا سکتا ہے لیکن کوئی بھی چیز بے سبب نہیں ہوتی اور اگر کوئی تبحر ایسی گفتگو کر رہا ہو تو یقیناً وہاں رُک کر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ کسی کو صرف تعلّی باز کہہ کر رخ موڑ لینا فلسفۂ تدبر و تفکر سے روگردانی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو غالب سے بڑا تعلّی باز اردو شاعری میں شاید ہی کوئی نظر آئے۔ اس نے اپنی شاعری کے تعلق سے جتنے دعوے کیے، کیا ہم ان کا انکار کرنے کی جسارت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر خیؔر رحمانی کے دعوے پر ان کی دلیل کو محمول کریں اور دیکھیں کہ اس شاعر نے شاعری میں کیا گل و بوٹے کھلائے ہیں۔ چند اشعار جن میں ممدوح نے اپنے تعلّی کا اظہار کیا ہے۔ متفرقات دیکھیں:

لوگوں کو اپنی ہے نئی تحریر پر گھمنڈ
مجھ کو تو ہے فقط روشِ میرؔ پر گھمنڈ

ہماری ذات سے اے خیر چمکی ہے غزل گوئی
گئی ظلمت، ہوئی جس وقت شمع انجمن پیدا

ہم کو تو خیؔر ناز ہے اپنے کلام پر
لوگوں کو ہو بھلا سے میاں میر پر گھمنڈ

چلے جاتے ہیں حاسد سُن کے میری گرم غزلوں کو
جہاں میں آج کل غُل ہے مری آتش زبانی کا

فلک کی سیر ہوتی ہے ہمیشہ فکرِ عالی سے
قدم مارے ہیں ہم نے بھی بہت مشکل زمینوں میں

زیادہ پھول کی ڈالی سے ہر اک مصرع تر ہے
ترا ثانی نہیں اے خیؔر اس رنگیں خیالی میں

دیکھتے چشمِ سخن گو کی جو تعریف اے خیؔر
صاد آنکھوں سے وہ کرتے مرے اشعاروں پر

حالِ دل کیا لکھوں لکھتے ہی لگا اُڑنے خط
شوقِ مضمون نے لگائے مرے اشعار کے پر

نکلنے ہی نہیں دیتے ہیں مرغانِ معنٰی کو
غضب کی بند شیں اشعار میں استاد کرتے ہیں

خیؔر کو اپنے جن کلام پر ناز تھا اور جن کلام کی وجہ سے اظہارِ تعلّی کے مرتکب ہوئے۔ اس قبیل کے چند اشعار دیکھے جا سکتے ہیں کہ آیا ان میں میؔر کا سوز، غالؔب کی فکر، داؔغ کا عشقیہ زمزمہ اور اقباؔل کا آئینہ حق کس حد تک ان کے کلام میں موجود ہیں۔ متفرقات کی تفہیم کریں:

کروٹیں لے کے کہتا ہوں شبِ ہجر
نیند کو موت آگئی ہے کیا

سوزش ہمارے قلب کی جاتی نہیں کبھی
کیا ہم کو ہو گیا ہے مرض احتراق کا

کبھی سیرِ گلزار کی ہو جو خواہش
مرا آکے داغِ جگر دیکھ لینا
خیالِ زلف پیچاں یوں ہے عشاقوں[1] کے سینے میں
کوئی جس طرح پالے سانپ اپنے آستینوں میں

مزہ قندِ مکرر سے زیادہ مجھ کو ملتا ہے
حلاوت کوٹ کر ظالم بھری ہے تیری گالی میں

سختیاں جھیلیں ہیں وہ عشقِ بتاں میں اے خیؔر
موم بھی ہاتھ میں آیا تو میں آہن سمجھا

غم و درد و الم پیدا ہوئے ہیں واسطے میرے
ہوا ہوں میں زمانے میں، پیے رنج و محن پیدا

گل تو کیا خیر ہو بلبل کا جگر بھی پانی
اپنے نالوں میں تو وہ رنگِ اثر پیدا کر
ساقیا ہم سے نہیں چھوٹنے کا جام بھرا
ساغرِ گل میں نہیں رہتی ہے شبنم محفوظ

[1] خیؔر نے خلاف قاعدہ بہت سے جمع الفاظ کا جمع الجمع بنایا ہے، جیسے اشعاروں وغیرہ۔ اس مصرعہ کو وزن اور بحر میں لانے کے لیے اس طرح کا اختراع خیر سے ہی ممکن تھا کیونکہ وہ اختراعی طبیعت کے مالک تھے۔

خیرؔ کی شاعری میں لطیف احساس وجذبات جلوہ فگن ہے جوانھیں مجازی دنیا سے حقیقت کی طرف لے آئی۔ خیرؔ جس مکتب کے پروردہ تھے وہاں مجاز کو بھی حقیقت کے لباس میں دیکھنے، سمجھنے اور پرکھنے کی ہدایت موجود ہے۔ مجاز کچھ بھی نہیں ۔ نگاہ ایسی پیدا ہو کہ سب حقیقت کا روپ ڈھارے کھڑے ہوں یہی وجہ ہے کہ خیرؔ کے کلام کا ایک بڑا حصہ اس لوبانی فضا سے معطر ہے جوآدم کوآدمیت اور انسان کوانسانیت سے قریب تر کرنے میں اہم فریضہ انجام دیتا ہے۔ انسان اپنے کارِ منصبی سے غافل ولاپرواہ اس دنیائے فانی میں بے مقصد زندگی گزارتا رہے گا تو پوری کائنات بے سبب اور بلا وجہ نظر آئے گی۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے ہونے کا احساس کرواتا ہے پھر یہ انسان تہی دل اور تہی چشم سے کب تک کام لیتا رہے گا۔

خیرؔ کی شاعری میں خالص غزلیہ اشعار بھی موجود ہیں جہاں حسن وعشقیہ واردات ،لب و رخسار، ناز وعشوہ وغمزہ اور اداؤں کی گفتگو ملتی ہے۔ موسمِ بہار میں رنگ برنگے پھولوں کی خوشبو انسانی دماغ کومعطر کرتی ہے اور انسان بلا اختیار اُن گلوں کی سمت کھنچتا چلا جاتا ہے۔ انسان اور گل ونبات میں ایک خاص رشتہ ہے اور یہ رشتہ جنت سے قائم ہے اس لیے جب بھی بہار کا موسم آتا ہے تو انسان اس کی جانب رجوع کرتا ہے۔ بہار میں نغمگی صرف بلبل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ انسان بھی سرمست ہوکر اپنا راگ الاپتا ہے۔ بہار یا بہار جیسی چیز، گل یا خوئے گل کی صفات رکھنے والی چیز کوئی ہے تو وہ حضرت انسان ہیں اور انسان میں بھی صنف نازک کو اولیت حاصل ہے۔ کائنات میں جو رنگینی، سرسبزی، شادابی اور رعنائی ہے وہ عورت کے دم سے ہے۔ صنف نازک سے زیادہ کوئی شے اس کائنات میں لطیف نہیں۔ اس کا جمال، اس کی ادائیں، وفا اور جفا دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ انسان بہرحالِ انسان ہے اور اپنے جنس مخالف کی جانب فطری طور پر راغب ہوتا ہے۔ کبھی وہ وفاؤں کا دم بھرتا ہے تو کبھی شا کی بنا پھرتا ہے۔ اس نے اپنی چاہت کی تکمیل میں بیابان وصحرا کا چکر لگایا ہے۔ کبھی بشکل فرہاد زندگی ہارا تو کبھی مجنوں کی طرح پتھر کھایا' گویا صنف نازک اس کائنات کا مرکز ومحور ہے اور تمام تر خوشیوں اور طربناکیوں کا سبب ہے۔ اگر اس صنف کا وجود نہ ہوتا تو شاعری بھی نہیں ہوتی۔ غزل کے معنی ہی عورتوں سے بات کرنا ہے۔ کہا جاتا ہے

کہ غزل لفظ غزال سے مشتق ہے اور جب اس غزال کی گردن کاٹی جاتی ہے تو اس کے نرخرہ سے ایک آواز نکلتی ہے جسے غزل سے موسوم کیا جاتا ہے۔ وقت کی رفتار نے غزل کے دامن کو وسیع تر کیا ہے اور اس صنف میں حمد اور نعت بھی خوب کہے جاتے رہے ہیں۔ اس کائنات کا خالق خود جمیل ہے اس لیے اس نے جمال پیدا کیا جو اس کا محبوب ہے اور بندہ کو دونوں محبوب ہیں اس لیے حمد اور نعت گوئی کے لیے شعرا نے صنف غزل کا انتخاب کیا۔ غزل دراصل ان حادثات و واقعات اور جذبات کی عکاسی کرتا ہے جس کا اثر قلب پر ہوتا ہے اور ذہن اس کے اثرات مرتب کرتا ہے۔ ان میں وارداتِ قلبی بھی ہے اور اثراتِ ذہنی بھی، زندگی کی حقیقت بھی ہے اور اس کا فسانہ بھی، اس میں حقیقت بھی ہے اور مجاز بھی، اس میں انسانی جذبات کی آہنگی بھی ہے اور طبیعت کی تیزی بھی، نفس کی برانگیختگی بھی اور نفس کی پہچان بھی، انسانی جبلت کی توضیح بھی اور عزت نفس کا پاس بھی۔ مختصر یہ کہ غزل کا دامن اگر کثیف ہے تو پاک بھی اور جو جس طبیعت کا ہوتا ہے غزل اس کی فکر سے مطابقت پیدا کر لیتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ شاعر تفنن طبع کے لیے غزل میں ایسی باتیں کہہ دیتا ہے کہ قاری یک رخا ہوکر شاعر کی شاعری کو کوزہ کا منجمد پانی سمجھتا ہے۔ ہمیں خیرؔ کی غزل گوئی کے تعلق سے کسی غلط فہمی کا شکار ہونے کی بجائے ان کی غزلیہ شاعری میں جتنے رنگ پائے جاتے ہیں ان کی بنیاد پر ان کا مقام ومرتبہ متعین کرنے کی ضرورت ہے۔

غزلؔ کی زبان شیرینی ولطافت سے پر ہوتی ہے۔ درسِ اخلاقی ہو یا درسِ فلسفہ اگر شاعر کے اندر قوت بیان ہے تو غزل کا ہر مصرع تیر بہدف ہوتا ہے۔ عشقیہ شاعری کا اپنا مزاج رہا ہے۔ عشق کے اظہار میں کیسے کیسے مضامین باندھے گئے۔ غلو کا سہارا لے کر شعرا نے زمین وآسمان کو ایک کر دیا تاہم آج تک عشقیہ اشعار کے کہنے اور سننے میں جو لطف ہے، وہ قابل بیان ہے۔ خیرؔ کو دیکھیے کہ عشق کی انتہاؤں کو کس خوب صورتی سے بیان کیا ہے۔ عشق کا مضمون اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اس روئے زمین پر انسان۔ ہزاروں شاعر وشاعرات نے اس مضمون کو پامال کیا ہے اس کے باوجود خیرؔ رحمانی نے اپنے اسلوبِ بیان سے اس میں تازگی بخش دی ہے۔ انھوں نے جس لوچ ونزاکت کے ساتھ فلسفۂ تصوف بیان کیا ہے، قابل تعریف ہے۔:

عشق کی گرمی نے بھڑکائی ہے میرے تن میں آگ
کیا تعجب ہے اگر لگ جائے پیراہن میں آگ

گھبرا اٹھی ہے خلق تیری عشقِ ناز سے
اب بھی تو کام لے تو ذرا امتیاز سے

عاشق ہر شے میں محبوب کی شبیہ تلاش کرتا ہے۔ نشیلی آنکھوں میں جو جادو ہے اس کا اثر براہ راست عاشق پر ہوتا ہے اور محبوب کی اپنی شانِ بے نیازی ہے وہ عاشق کو اپنے دیدار سے محروم ہی رکھتا ہے۔ عاشق بیچارہ شراب کے پیالے میں گلاب ڈالتا ہے تاکہ مے گلفام سے معشوق کی گلابی آنکھوں کے سحر کا توڑ پیدا کرلے لیکن مجاز اور حقیقت میں جو فرق ہے وہ اپنی جگہ قائم ہی رہتا ہے:

میں نے تو دیکھی ہے ساقی کی گلابی آنکھیں
مۓ گلفام نگاہوں میں کہاں جچتی ہے

اب یہاں شاعر کا خیال دیکھیے کہ گردشِ شمس و قمر کو اس نے کیا خیال عطا کیا۔ پوری کائنات رقص میں ہے لیکن سب کے پیچھے وہ شرابِ حقیقت کام کر رہی ہے:

فلک پر بھی ہے دورِ ساغرِ مے
یہ گردش کہتی ہے شمس و قمر کی

اس شعر کو دیکھیے کہ کس لطافت کے ساتھ باندھا ہے۔ معشوق کی کمر کے حوالے سے سیکڑوں اشعار مل جائیں گے لیکن خیرؔ رحمانی جس تجاہل عارفانہ اور غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معشوق کی کمر کے لیے لفظیات برتتے ہیں وہ غیر معمولی ہیں:

مو ہے نہ رگِ گل ہے نہ یہ تارِ نظر ہے
مضمون نہیں ملتا تری نازک کمری کا

ایک اہم مضمون یہ ہے کہ کوئی کسی کا نہیں۔ انسان دنیا میں تنہا آیا تھا اور اکیلا ہی جائے گا۔ اس حقیقت کے پیچھے معنیٰ کا ایک جہاں آباد ہے۔ رفاقت کی دُہائی، ساتھ جینے اور مرنے کی قسمیں کھانے والے وہی اشخاص تھے جو ہمیشہ سفر و حضر میں ساتھ رہے لیکن راہ قیامت میں پھر وہی تنہائی کی حقیقت درپیش ہے:

مجھے دوست جب دفن کرنے لگے
میں حسرت سے ایک ایک کو تکتا رہا

خیرؔ کی شاعری میں محاکات کا بھرپور استعمال ملتا ہے جس کی کئی مثالیں گزریں۔ یہاں ایک مثال تجنیس کی دیکھیے کہ شاعر ہندوستانی پرندہ 'پپیہا سے سوالی ہے تم پی پی پکارتے ہو اور میں بھی پی پی پکارتا ہوں، گویا ہم دونوں ہم آواز ہیں۔ اس شعر کے پہلے مصرعے میں ''پی'' سے مراد پیا یعنی معشوق ہے دوسرے مصرعے میں ''پی پی'' آواز کے معنی میں برتا گیا ہے۔ شعر دیکھیں:

اے پپیہا پوچھتے ہیں ہم بھی اکثر 'پی' کہاں
دیکھ ہم آواز ہیں تیری اس 'پی' 'پی' کے ہم

شاعری میں ایہام گوئی کی روایت ایک دور میں خوب پھلی پھولی لیکن بعد کے شعرا نے ایہام گوئی کے بغیر بھی شاعری کو دل کش بنایا۔ خیرؔ نے خال خال ایہام سے کام لیا ہے۔ ذیل کے شعر میں شاعر نے 'کوئی تجھ سے چھپا نہیں مطلب' دور کے معنی میں استعمال کیا ہے جب کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ سامنے اس کا یار ہو اور وہ بنفس نفیس اس سے مخاطب ہو:

آرزو میری جانتا ہے تو
کوئی تجھ سے چھپا نہیں مطلب

رندی و سرمستی غزلیہ شاعری کا اہم حصہ رہا ہے۔ خوش باشی کا فلسفہ ہر بڑے شعرا کے یہاں موجود ہیں۔

فارسی اور اردو شاعری میں خوش فکری کے مضامین کو شعرا نے خوب باندھا اور ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کی۔ خیرؔ رحمانی نے بھی اس میدان میں قدما کے تتبع میں اس طرح کے کئی مضامین باندھے ہیں جن میں جام و سبو، رندی و سرمستی، لافکری، خوش حالی، عیش کوشی، شادمانی، ساقی و شراب اور میخانہ کی ایک خیالی دنیا آباد ہے:

ہم ایسے رند کہ مسجد کی عید سے کیا کام
پسند ہم کو تو ہے زیرِ بام ہی کی عید

جو لطفِ مے کشی کچھ جانتا شیخ
مذمت مے کی پھر اصلا نہ کرتا

مجلسِ قاضی میں بھی جاتا ہوں یوں میں بادہ نوش
ہے بغل میں شیشۂ مے اور ساغر ہاتھ میں

جہاں سے کوچ ہوا خیرؔ بادہ کش کا ضرور
کہ آج وہ نہیں رونق شراب خانے کی

بتاؤں مے کدہ میں حالِ توبہ کیا زاہد وہ ٹوٹی پھوٹی کہیں اک طرف پڑی ہوگی
کھول دو جوڑے کو وقتِ میکشی خوب ایسے میں مزا دے گی گھٹا
مے کے پینے سے غرض ہے ساقیا جام ہو مٹی کا یا بلّور کا

خیرؔ رحمانی کے یہاں غزلِ مسلسل کی کئی مثالیں ہمیں ملتی ہیں۔ان غزلوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ خیرؔ بڑے ہی پرگو شاعر تھے۔اگر ان خیالات کو وہ نظمیہ لباس عطا کرتے تو ان کی نظم گوئی میں اضافہ سمجھا جاتا۔موصوف نے غزلِ مسلسل میں بڑی مہارت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔
خیرؔ کا تعلق دربھنگہ سے تھا اور یہ شمالی بہار کا مردم خیز خطہ رہا ہے۔کبھی اسے متھلانچل کی راجدھانی سمجھا جاتا تھا یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ متھلا دیش میں دربھنگہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔
اساطیری عہد میں راجہ جنک کی حکمرانی رہی تھی اور سیتا کی پیدائش اسی علاقے سے منسوب ہے۔
رام چندر جی کی بنفسِ نفیس آمد اور سیتا جی کی ان سے شادی اساطیری عہد کی مشہور داستانوں میں سے ایک ہے۔رام چندر کس کس علاقے سے گزرے اور ان سے ملاقات کے متمنی سادھو سنت کہاں کہاں موجود تھے؟ ان کی سمادھیاں اس بات کی گواہ ہیں۔اس کے بعد ویدک عہد کے دربھنگہ کی بہت سی کہانیاں ملتی ہیں۔۱۰۹۵ء سے دربھنگہ کی باقاعدہ تاریخ ملتی ہے جب راجہ کرناٹ راجہ نائب دیو نے یہاں حکومت کی بنیاد ڈالی۔۱۲۰۲ء میں محمد بختیار خلجی نے مسلم حکومت کی بنیاد ڈالی۔اس کے بعد سلاطین کا عہد، سلاطین شرقیہ کا زمانہ، مغل کا دورِ حکمرانی وغیرہ رہا اور ان ادوار میں یہ علاقہ مسلسل ترقی کرتا رہا۔یہاں کے اساتذہ اور علمی و ادبی شخصیات بہت سے درباروں سے اپنا انسلاک رکھتی تھیں۔خیرؔ کا عہد انگریزوں کی حکمرانی کا تھا۔اس غزلِ مسلسل میں شاعر نے دربھنگہ کی تصویر کشی کی ہے کہ حقیقت کو آئینہ کر دیا ہے:

رات دن ہے خیالِ دربھنگہ ہوں میں محوِ جمالِ دربھنگہ
مجھ غریب الوطن کی ہے یہ دُعا کہ نہ چھوٹے خیالِ دربھنگہ
جوش اسلام میں ہے فی الواقع قدرتِ حق کمالِ دربھنگہ

اے فلک رات دن کی گردش میں کہیں دیکھی مثالِ دربھنگہ
سبز پوشانِ سروقد کی طرح ہے ہر اک نو نہال دربھنگہ
دہلی و لکھنؤ سے کیا کم ہے اوج پر ہے مقالِ دربھنگہ
کاملؔ و بسملؔ و ذبیحؔ کہاں ہائے نازک خیالِ دربھنگہ
وہ سخاوت علی و فضلِ کریم طوطیِ بے مثالِ دربھنگہ
دونوں پر ناز تھا وکالت کو تھے وہ شیریں مقالِ دربھنگہ
عالموں صالحوں کا وہ مجمع ہائے وہ خوش خصالِ دربھنگہ
وہ خوانیں ذی حشم صد حیف وُہ عروج کمالِ دربھنگہ
وہ سماں پھر رہا ہے آنکھوں میں ہائے جاہ وجلالِ دربھنگہ
خواب کی طرح ہیں وہ باتیں یاد صد تأسف مجالِ دربھنگہ
تھا کسی وقت میں عُروج اس کو اب ہے گویا خیالِ دربھنگہ
اب بھی مٹنے پر شان ہے باقی شیر ہے ہر شغالِ دربھنگہ
وہ گراں قدر قلعہ کی مسجد ہے ظہور جلالِ دربھنگہ
جامِ جم کی نہیں حقیقت کچھ دیکھ لو گر سفالِ دربھنگہ
راج کی وہ فلک نما کوٹھی ہے یہ شان و جلالِ دربھنگہ
وہ کچہری کے قصر عالی شان ہیں سب حسبِ حالِ دربھنگہ
بابھنوں کا حُسن عالم سوز اللہ اللہ جمالِ دربھنگہ
بھویں تانے ہوئے وہ ماہ وشاں جن کو کہیے ہلالِ دربھنگہ
گوری صورت وہ چاند سا چہرہ ہیں وہ بدر کمالِ دربھنگہ
یہ ملاحت بھلا کہاں ہے نصیب ہے عجب خط و خالِ دربھنگہ
تیر لگتا ہے ہائے غُربت میں نہ کرو پھر سوالِ دربھنگہ
دیکھ لو جا کے اپنی نظروں سے پوچھتے کیا ہو حالِ دربھنگہ

خیؔر کے دم سے اب چہکتا ہے   بُلبُلِ خوش مقالِ دربھنگہ

خیؔر کی کئی غزلیں قافیتین یا ذوقوافی ہیں۔ عام طور پر ذوقوافی غزلوں کی بنیاد قافیہ پر ہی ہوتی ہے اور تکرارِ قافیہ ایک خاص قسم کا آہنگ وموسیقی پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے جو کانوں کو بڑا ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔ دراصل دوسرا قافیہ پہلے کا ذائقہ ہے۔ ماضی میں شعرا نے اس فن کو اپنے اشعار کے ذریعہ جلا بخشا اور ذوق وشوق پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ترقی پا کر یہ فن معیاری صورت اختیار کر گیا اور نظم میں ذوقافیتین کے استعمال کا باقاعدہ مقابلہ منعقد ہونے لگا اور فاتح شاعر 'ملک الشعرا' کے خطاب سے نوازا جانے لگا۔ فارسی اور اردو شاعری میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ خیؔر قادر الکلام شاعر تھے۔ اگر وہ ذوقوافی غزلیں نہ کہتے تو اپنے اوپر جبر کرتے۔ پوری غزل میں صنائع وبدائع کا التزام ہے۔ لفظیات کی ترتیب، تراکیب اور بندش نے کلام میں غنائیت پیدا کر دی ہے:

لیا تھا تو نے تو اے ستم گر ہمارے دل کو ہنسا ہنسا کے
ارے یہ کیا ہے کہ دو ہی دن میں گھلا دیا ہے، رُلا رُلا کے
جو مجھ سے کرنا ہے تم کو پردہ نقاب میں مُنہ چھپا چھپا کے
تو کیوں بڑھاتے ہو شوق میرا تم اپنا جلوہ دکھا دکھا کے
تری جفا سے نہ سانپ لوٹے ہمارے سینہ پہ کس طرح پھر
رقیب گیسو کو چومتا ہے غضب ہے ہم کو دکھا دکھا کے
ہمارے وعدے تو ٹالے جائیں یہ کیا قیامت یہ کیا ستم ہے
عدو سے وعدہ وصال کا ہو غضب ہے ہم کو سُنا سُنا کے
جو میں بلاؤں کبھی مری جاں حنا لگانے کے ہوں بہانے
عدو کے گھر جاؤ بے بُلائے نظر ہر اک کی بچا بچا کے
میری ہی بربادیوں کے سارے یہ مشورے ہو رہے ہیں شاید
زمیں سے سرگوشیاں ہے کرتا فلک جو سر کو جُھکا جُھکا کے

عبث ہو مغرورِ حُسن پر تم فلک نہیں قدرداں کچھ ایسا
بگاڑ ڈالے ہیں ایسے اس نے ہزاروں نقشے بنا بنا کے
اگر دلِ غیر حکم رکھتا ہے نقشِ تسخیر کا تو اے جاں
کریں گے اب مہربان اپنا تجھے ہم اس کو جلا جلا کے
نہیں فقط شکل کے ہیں شیدا سنو تم اے خیؔر جو کہیں ہم
خدا ہے شاہد کہ جان و دل سے فریفتہ ہیں ادا ادا کے

شاعری میں مصوری لفظیات کی زبان سے ہی ہوتی ہے۔ مصوری یا منظر کشی شاعری کو باوقار بناتی ہے۔ مہابھارت یا شاہنامہ کی اہمیت بہت سے معنوں میں ہے لیکن ان میں جو واقعات ہیں اس کے حوالے سے لفظیات برتے گئے ہیں۔ جنگ اور رَن کی کیفیت، لوگوں کا ہجوم، ہتھیار و اوزار کی پہچان، اس کے چلنے کی آواز، تلوار کی چمک یا تیزی، ہلاک شدہ لوگوں کی حالت وغیرہ، دراصل شاعر کی بلاغت وزورِ بیانی کو اجاگر کرتے ہیں۔ پیکر تراشی، مصوری، منظر نگاری، عکس ریزی، مجسمہ سازی، پیکر گیری وغیرہ کو وہی فنکار اپنے شعر میں ڈھال سکتا ہے جس کی نگاہ تصویر کھینچتی ہو اور قلم اس میں رنگ بھرتا ہو۔ شاعری خود ایک بڑا آرٹ ہے۔ اس فن میں مہارت سے کسی منظر کو بیان کرنے کے لیے محاکات سے کام لینے کی ضرورت پڑتی ہے اور جو جس قدر مشاق و ماہر ہوتا ہے پوری تصویر اُتار کر رکھ دیتا ہے۔ خیؔر رحمانی نے اپنی ایک غزل میں 'کیتھائی پوکھر' بطور ردیف استعمال کیا ہے۔ یہ کیتھائی پوکھر ان کے آبائی گاؤں قاضی بہیرہ میں ایک قبرستان کے قریب واقع ہے اور یہیں حضرت خیؔر رحمانیؒ بھی مدفون ہیں۔ اس پوکھر کی تعریف وتوصیف میں انھوں نے تشبیہ، استعارہ، مجاز مرسل اور کنایہ سے کام لیتے ہوئی عمدہ مصوری کی ہے۔ اس تالاب کی عمدہ منظر کشی نے مذکورہ پوکھر کو زندگی دوام بخشنے کے علاوہ ان قارئین کو اس کا مشاہدہ کروا دیا جنھوں نے کبھی اسے نہیں دیکھا ہے۔ ملاحظہ کریں:

کوثر ہے یہ تسنیم ہے یا زمزم ہے کیتھاہی پوکھر
ہے خُلد سے ملتی نہر اس کی اعظم ہے کیتھاہی پوکھر

راک شان نرالی رکھتی ہے، اعظم ہے کیتھا ہی پوکھر
سب پوکھر سے یہ افضل ہے اکرم ہے کیتھا ہی پوکھر
پانی میں ڈالوں پاؤں اگر آئے گی دُلہن کی ایک صدا
پازیب کی آواز اس میں ہے چھم چھم ہے کیتھا ہی پوکھر
اک دن بھی نہالو اس میں اگر سب پاپ ہرن ہو جائیں گے
گنگا جمنا سے پاک ہے یہ جہلم ہے کیتھا ہی پوکھر
پانی کی تہہ کی چیز نظر آتی ہے ایسی صفائی ہے
پانی ہے اس کا آبِ رواں جام جم ہے کیتھا ہی پوکھر
بھنڈ اس کی جوارِ رحمت ہے آسودہ ہیں کتنے غوث وقطب
زندوں کا بھی مُردوں کا بھی مدغم ہے کیتھا ہی پوکھر
پانی پر اس کے جب تیرو اک سیل رِواں کا لُطف ملے
تکھی ہے کبھی یکّہ بھی کبھی ٹمٹم ہے کیتھا ہی پوکھر
مُنہ دھونا اور وضو کرنا جب چاہا غُسل بھی کر لینا
ہر حالت میں ہر صورت میں ہمدم ہے کیتھا ہی پوکھر
دو دو سو برس کے کیتھے تھے، تھی یہی وجہ کیتھا ہی کی
باقی نہیں نام کو ایک بھی اب، پُرنم ہے کیتھا ہی پوکھر
اے خیؔر جو میری موت آئے تو دفن اسی کی بھنڈ پہ ہوں
کیوں ہم کو نہ اس سے اُلفت ہو بالم ہے کیتھا ہی پوکھر

خیؔر رحمانی کی شاعری کے کئی رنگ ہمارے سامنے آئے۔ ہمیں یہاں غزل کے روایتی اندازِ نظر سے بحث مقصود ہے، جن کی بنیاد پر یہ صنف اب تک مقبول رہی ہے۔ خیر کی غزلوں میں خالص غزل کے اشعار بھی ملتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انھوں نے صرف خشک مضامین کو ہی جگہ دی اور دیگر امورِ غزل سے پرہیز کیا ہو۔ ان کے یہاں لب و رخسار کی باتیں بھی ہیں لیکن وہ تمام

اشعار بہ رنگ دیگر کے حامل ہیں۔ خیر نے اردو اور فارسی غزل کو وقار بخشا اور امیر خسرؔو و اقبالؔ کی طرح ہندوستان میں فارسی شاعری کی زلفوں میں شانہ کیا۔ انھوں نے قدما کے کلام سے بھی استفادہ کیا تھا اور ان کے یہاں قدما کی زمین، ردیف وقوافی کا استعمال بھی مل جاتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں دیکھئے کہ انھوں نے کس مہارت کے ساتھ اساتذہ کی زمین میں شاعری کی ہے:

حافظؔ : بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

خیؔر رحمانی : بدم گفتی و من ہم کلمات از مشت بشکستم
بلی شکر شکن باید لب لعل شکر خارا

امیر خسرؔو : جان زتن بردی و در جانی ہنوز
دردہا دادی و درمانی ہنوز

خیؔر رحمانی : آہ بی دردی و درمانی ہنوز
با جفا و جور جانانی ہنوز

خیؔر رحمانی کی شاعری میں وہی جوش، ولولہ کارفرما ہے جس کا خمیرہ شیخ سعدی نے تیار کیا تھا، حافظ نے دو آتشہ بنایا اور امیر خسرو نے اسے کمال تک پہنچایا۔ ان کی شاعری میں بھی وہی رنگ موجزن ہے جو قدما کے یہاں بہت گہرا ہے۔ خیر کے معاصرین کی شاعری میں بھی تقریباً ایسا رنگ نظر آئے گا تاہم ہر ایک کی اپنی طبیعت اور اپنا اسلوب ہوتا ہے اور موضوعات اسی کے مطابق ڈھلتے ہیں۔ خیؔر کی شاعری مختلف ہونے کے باوجود علامہ اقبالؔ کی شاعری سے قریب تر ہے۔ خیؔر کے بعض شعر میں اقبالؔ کی جھلک صاف نظر آتی ہے دوسری صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اقبالؔ ہوں یا دیگر ایرانی شعرا اس کے کم وبیش اثرات خیؔر رحمانی نے قبول کیے تھے۔ یہاں ایک مثال اقبالؔ کے کلام سے پیش ہے۔ اگرچہ دونوں کی بحریں مختلف ہیں اس کے باوجود کلام میں مماثلت ہے۔ زورِ بیان اور اندازِ تکلم کے علاوہ شوخی و جوش اور فلسفیانہ خیالات دونوں کی غزلوں میں نمایاں ہیں۔ دونوں نے اپنے اسلوب میں باتیں کہی ہیں تاہم کلام کا رنگ ایک ہے۔ ملاحظہ کیجیے::

علاّمہ اقبالؔ : بباک بلبلِ شوریدہ نغمہ پرداز است
عروسِ لالہ سراپا کرشمہ و ناز است
نواز پردۂ غیب است ای مقام شناس
نہ از گلوی غزل خوان نہ از رگِ ساز است
کسی کہ زخم رساند بتارِ ساز حیات
زمن بگیر کہ آن بندہ محرمِ راز است
مراز پردگیان جہان خبر دادند
ولی زبان نکشایم کہ چرخ کج باز است

خیرؔ رحمانی : در حقیقت تار پود زندگی اعجازھست
زرہ ھای خاک ھستی یک جہانِ رازھست
من چہ گویم با کہ گویم ھر چہ با من کردہ ای
زود پیدا می شود این جا کہ دنیا سازھست
ای گل خندان تو تنہا نیستی واقف ازین
ورنہ ھر برگ گلستان آشنائے رازہست

خیرؔ رحمانی کی نظم گوئی:

شاعری دراصل مناظمہ کے وسیع تر مفاہیم کی عکاس ہے، تاہم غزل کے علاوہ بیشتر اصناف شاعری کونظم سے متصف کیا جاتا ہے۔ اردو نظم نگاری کی ابتدا دکن میں ہوئی اور پھر یہاں سے شمالی ہند جا پہنچی۔ ابتدائی نقوش میں بیش تر حمدیہ کلمات، عارفانہ خیالات، سماجی زندگی کے رسومات، الٰہیات اور میلہ جات جیسے مضامین باندھے گئے۔ اُردو نظم گوئی کی مکمل اور مستحکم روایت نظیرؔ اکبر آبادی سے پہلے نہیں ملتی ہے۔ نظم گوئی کو نظیرؔ نے عوامیت و ہمہ گیریت عطا کی اور مسائل انسانی کو

نظموں میں موتیوں کی طرح پیرو دیا۔ فطری، سماجی، سیاسی، انفرادی، اجتماعی داخلی اور خارجی مسائل نے نظیرؔ کی نظموں میں جگہ بنائی۔ اس طرح نظم گوئی نے اپنی دیرینہ شناخت کو ممتاز و نمایاں کیا' اس کی باوجود مقبولیت غزل کا مقدر بنی۔ نظم نگاری کی نشاۃ ثانیہ محمد حسین آزادؔ اور حالیؔ کے قلم سے ہوئی۔ شبلی نعمانی، اکبرؔ الہ آبادی، چکبستؔ اور اقبالؔ نے نظم گوئی میں موضوعات کا دائرہ وسیع کیا اور انسانی زندگی میں پیش آنے والے اتفاقات و واقعات و تجربات اور ضروریات جیسے مسائل نظمیہ شاعری کا حصہ بنتے چلے گئے۔ خیرؔ رحمانی کے عہد تک نظم میں رسمی، غیر رسمی، انقلابی اور روایتی، سماجی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، اخلاقی حتیٰ کہ رومانی خیالات و افکار نے اپنی جگہ بنالی تھی۔ لہٰذا خیرؔ کو بھی نظم جدید کے فن کاروں کے زمرے میں شامل کر کے ہی دیکھنا چاہیے۔ ان کے یہاں بھی، سماجی، سیاسی، ادبی، مذہبی، اخلاقی، معاشرتی اور شخصی موضوعات پر ایسی فصیح و بلیغ نظمیں موجود ہیں جو ان کے معاصرین کے یہاں کم تر پائی جاتی ہیں۔ اس عہد میں جتنے موضوعات مقبول رہے ان میں وطن اور سیاست سے متعلق زیادہ مضامین باندھے گئے۔ انگریز بہادر کا ظلم وستم، ہندوستانیوں کے اندر حب الوطنی پیدا کرنا، ان کے اندر انقلابی روح پھونکنا، ہندوستانی عظمت کی یاددہانی کروانا، یک جہتی واتحاد کا سبق پڑھانا، مشرقی اور مغربی تہذیبوں کے فرق کو بتانا، تمدنی ٹکراؤ کی نشان دہی کرنا اور ہندوستان کی آزادی کے لیے مختلف پارٹیوں بالخصوص کانگریس کے ذریعہ اُٹھائے گئے اقدامات کی حمایت یا مخالفت کرنا وغیرہ خاص اہمیت کا درجہ رکھتے تھے۔ اس عہد کا ہر شاعر ہندوستانی جنگ آزادی کی عبارت سے کسی نہ کسی شکل میں متصل نظر آتا ہے اور آنا بھی چاہیے تھا کیوں کہ وطن سے محبت ایمانی فریضہ بھی ہے اور ایک شہری کا وظیفہ بھی۔ خیرؔ پکے اور سچے وطن پرست تھے۔ وہ اس وقت مضمحل نظر آتے ہیں جب وہ اپنی طرح پاک وصاف، ریا و سالوس سے مبرا اور ذاتی مفاد سے بالاتر دوسروں کو نہیں پاتے۔ ان کی سادگی نے حب الوطنی کے اظہار میں انھیں جذباتی بنا دیا تھا۔ وطن عزیز کی ناموس کی خاطر جان دینے والوں کے علاوہ تحریک آزادی کو زک پہنچانے والے لوگ بھی موجود تھے۔ خیرؔ ان حالات سے کبیدہ خاطر اس لیے تھے کہ رنگ ونسل، ذات، علاقہ، زبان، لباس و پوشاک، تہذیب وتمدن کے نام پر

سیاست کرنے والوں نے ہمیشہ دلوں کو مجروح کیا۔ خیر صاحب نے اپنے عہد کی مکمل تصویر کشی کی ہے۔ نظمیہ شاعری میں جزویات نگاری سب سے اہم چیز سمجھی جاتی ہے جن کا زبردست اہتمام و التزام خیر رحمانی کی نظموں میں ملتا ہے۔

جب بھی وطن سے جڑا مسئلہ سامنے آیا خیر نے اس کے مثبت و منفی پہلو کی توضیح کی اور مضمرات کی جابجا نشان دہی کی۔ جب گاندھی جی کی رہنمائی عدم تعاون یا ترک موالات تحریک کا آغاز ہوا تو خیر رحمانی نے نہ صرف اس تحریک کی حمایت کی بلکہ ہندوستانیوں کو تشویق دی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اس میں حصہ لیں۔ اس تحریک کے آغاز سے قبل باقاعدہ ستمبر ۱۹۲۰ میں گانگریس کے ناگپور اجلاس میں اس کی منظوری بھی لی گئی تھی۔ ستیہ گرہ کے طرز پر چلائی جانے والی اس تحریک نے ہندوستانی سیاست کا رخ موڑ دیا۔ گاندھیائی دور کا آغاز بہت پہلے ہو چکا تھا لیکن اس تحریک نے ہندوستانی سیاست میں گاندھی جی کو ایک خاص مقام عطا کیا۔ خیر رحمانی نے ذیل کی نظم 'ناگپور چلو' میں جس طرح کے فقرے کسے ہیں اور جس اولوالعزمی کے ساتھ لوگوں کی حمیت کو للکارا ہے ان کی بے انتہا حب الوطنی کو اجاگر کرتے ہیں:

ناگ پُور چلو

تمھاری ضرورت ہے ، ناگ پور چلو
اگر وطن کی محبت ہے ، ناگ پور چلو

مٹاؤ نام نہ اپنی وطن پرستی کا
اگر ذرا تمھیں غیرت ہو ناگ پور چلو

تم اب بھی جوش میں آتے نہیں قیامت ہے
بلند قوم کا رایت ہے ناگ پور چلو

چلو چلو کہ تغافُل کا اب یہ وقت نہیں
بُری تمھاری یہ غفلت ہے ناگ پور چلو

اس امتحاں میں تمھارا کہیں قدم نہ ڈگے
یہی تو وقت غنیمت ہے ناگ پور چلو

پُکارتا ہے وطن آج المدد یارو
تمھیں جو قوم کی الفت ہو ناگ پور چلو

تم اُس پکار پہ اب تک نہ اُٹھے صد افسوس
یہی تو تم سے شکایات ہے ناگ پور چلو

گھروں میں چین سے کب تک پڑے رہو گے اٹھو
تمھارے ملک پہ آفت ہے ناگ پور چلو

اگر جو پاس شرافت ہے ناگ پور چلو
تم اپنی قوم سے اے خیر کیوں نہیں کہتے

خیر رحمانی کی ایک نظم کانگریس پارٹی کی توصیف میں ہے جس میں شرطیہ و معترضہ الفاظ نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اس سے یہ بھی مراد لیا جاسکتا ہے کہ کانگریس کی پالیسیوں سے خیر متفق نہیں تھے تاہم بعد میں گاندھیائی تحریک سے متاثر ہوکر اتفاق رکھنے لگے تھے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ کانگریس اپنے قیام ۱۸۸۵ سے ۱۹۰۵ تک بالکل حکومتِ وقت کی تابع دار ہوکر رہ گئی تھی، اس مدت میں جتنے فیصلے لیے گئے وہ سب حکومتِ وقت کی نیم رضامندی کے تحت رہے۔ کانگریس کے اندر وہ زور وشور اور شدت نہیں تھی کہ برطانوی ایوان میں لرزہ ہوتا' نتیجہ یہ ہوا کہ کانگریس کے اعتدال پسند رہنما پس پشت چلے گئے اور انتہا پسندوں کی بہار آئی۔ ۱۹۰۵ء سے ۱۹۱۹ء تک بہت سے غیر دانشمندانہ فیصلے لیے گئے۔ حتیٰ کہ اعتدال پسندوں کو پارٹی سے نکال دیا گیا اور بعد میں انھیں پھر ایک معاہدہ کے ذریعہ داخل کیا گیا لیکن اعتدال پسندوں نے اپنی لیبر پارٹی بنالی اور اس طرح جوتیوں میں دال بٹتی رہی اور کانگریس لڑھکتی ہوئی ۱۹۱۹ میں آ پہنچی۔ اب یہاں سے گاندھیائی دور کا آغاز ہوا جو ۱۹۴۷ میں ہندوستان کی آزادی کے حصول کا سبب بنا۔ خیر رحمانی ذی قلم، ذی فکر اور ذی علم تھے، ان کے اندر سیاسی بصیرت بھی تھی اور بصارت بھی، کانگریس کے مختلف ادوار ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں تھے، اس لیے جب ۱۹۲۲ میں بہار کے شہر گیا میں کانگریس پارٹی کا اجلاس دیش بندھو چترنجن داس کی صدارت میں ہوا تو خیر رحمانی نے اس اجلاس کی منظر کشی کی اور کانگریس کو جوان و تروتازہ کہا۔ یعنی کانگریس اپنا جوبن دکھلا رہی تھی اور ہندوستانیوں کے دلوں میں آزادی کا حصول انگڑائیاں لے رہا تھا، گذشتہ سطور میں یہ عرض ہوا تھا کہ کانگریس بھی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئی تھی اور جس کے نتیجے میں کئی پارٹیاں وجود میں آئیں، مسلم لیگ کا قیام ۱۹۶۰ء میں ہو چکا تھا لیکن اب بھی کانگریس پورے ہندوستان کی رہنمائی کررہی تھی، عوام کی امیدیں اسی پارٹی سے وابستہ تھیں اور اپنی آواز بلند کرنے کا سب سے بڑا پایہ دان بھی یہی تھا اس لیے فطری طور پر خیر کا جھکاؤ کانگریس کی جانب ہو چلا تھا اور یہ اس وجہ سے تھا کہ اب کانگریس کی باگ ڈور مہاتما گاندھی کے ہاتھوں میں تھی اور گاندھیائی فلسفہ وفکر سے خیر رحمانی

ایک حد تک متاثر تھے، یہی وجہ ہے کہ گاندھی جی کی نسبت سے ایک تاریخی قطعہ بھی ملتا ہے جو ستیہ گرہ کی پاداش میں گاندھی کو جیل ہو جانے کے موقع پر خیرؔ کے رشحاتِ قلم سے عالم وجود میں آیا تھا اور جس کا ذکر آگے ہونا ہے ہمیں تو یہاں ان کی نظم کانگریس کی بہار میں بہار تلاش کرنی ہے جس میں مناسب ہندی لفظیات کی آمیزش دیکھی جا سکتی ہے:

بڑے اُمنگ پہ اب کے ہے کانگریس کی بہار   گیا میں دید کے قابل ہے اس برس کی بہار
پکارنا اب وہ ادب سے رضاکاروں کا   سمجھئے بانگ درا اُسے جرس کی بہار
جُلوس صدر کی شان و شکوہ شاہانہ   وہ زرق برق سوار اور وہ فرس کی بہار
وہ جی حضوری و عمال کا ترسنا ہائے   وہ کانگریس کی لپک ان کی وہ ترس کی بہار
وہ ڈیلیگیٹوں کا جوش و خروش سے ملنا   عجیب ولولہ رکھتی ہے اس درس کی بہار
پڑا ہے اب کے برس ہی تو کانگریس میں رس   غضب ہے ہند میں ہر انجمن کے رس کی بہار
قدیم عہد کے کھدّر کا ہے یہ نظارہ   سوراج پور میں ہے خیرؔ سندرس کی بہار

خیرؔ رحمانی کا قلم کسی کھینچی ہوئی لکیر کا اسیر نہیں تھا، وہ شاعری کا ملکہ رکھتے تھے۔ جس موضوع کو چاہا شعر میں ڈھال دیا۔ ان کا کمال تو یہ ہے کہ حمد و نعت اور مناجات میں عالمی مسائل کو پیش کیا۔ جب عالم بالا کی باتیں کی تو ایسے استعارے لائے جو عالی اور بے مثال ہیں۔ جب عالم آب و گل کی باتیں کیں تو ایشیا و یورپ کے ممالک کے سیاسی، سماجی مسائل کو پیش کیا۔ ہندوستان کا سارا نقشہ اور اس کے مسائل ان کی نگاہوں میں تیرتے رہے، جہاں ضرورت پڑی حمایت کی اور اگر کہیں خلل محسوس کیا تو لب کشائی کی۔ وہ پکے ہندوستانی تھے اور یہاں کی سرزمین سے پیار کرتے تھے۔ خیرؔ کا تعلق شمالی بہار سے تھا اور یہ علاقہ ندیوں کے جال کے درمیان آباد ہے۔ کوسی، گنڈک، باگ متی، کملا جیسی مشہور ندیاں اسی علاقے سے بہتی ہیں۔ ان ندیوں کا منبع نیپال میں واقع کوہ ہمالیہ ہے، جو ہر سال سیلاب کی سوغات بہار کے ان شمالی حصوں کو دے جاتا ہے اور جس کے نتیجے میں جانی اور مالی نقصانِ عظیم برپا ہوتا ہے۔ خیرؔ صاحب نے کچھ دنوں تک سیلاب کی تباہ کاریوں کے درمیاں ریلیف آفیسر کی حیثیت سے کام بھی کیا تھا۔ وہ باڑھ سے نپٹنے کا دیرینہ تجربہ بھی رکھتے تھے۔ ان کی نظم ''سیلاب'' میں جو باتیں

ہیں وہ ان کے ذاتی مشاہدے پر مبنی ہیں۔ اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''سیلاب'' کو نظم کے کوزہ میں ان سے بہتر کون باندھ سکتا تھا؟ انھوں نے سیلاب کی جو منظر کشی کی ہے ان میں جزئیات نگاری نمایاں ہے۔ برسات اور سیلاب میں کس طرح کا چولی دامن کا رشتہ ہے اور برسات سیلاب کیوں کر بنتا ہے اور اس کے نتیجے میں کس قسم کی تباہیاں دروں پر دستک دیتی ہیں، سماجی اور معاشرتی نظام کس طرح بگڑتا ہے، غربا و مساکین کے سروں پر کیا افتاد پڑتی ہے غرض کہ تمام احوال و کوائف کا جستہ جستہ بیان سامنے آتا ہے، سب سے اہم اور خاص یہ ہے کہ سیلاب زدہ علاقوں کی جغرافیائی حالت کی مکمل تصویر سامنے آتی ہے۔ علاقہ، محلّہ، اس کی گلیاں، سڑکیں اور کس ضلع میں کیسی تباہی آئی؟ اور وہاں نقصانات کا تخمینہ لگانا کوئی آسان کام نہیں۔ مثال کے طور پر دربھنگہ شہر کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں کے اہل خانہ کی زندگیوں کا انحصار کشتی رانی پر ہے اور کچہری کا علاقہ جسے لہریا سرائے کے نام سے جانا جاتا ہے وہ سیلاب کے درمیان اس طرح قائم ہے جیسے کوئی جزیرہ ہو :

ہاں کتنے گھر ہوئے ہیں بے نشاں سیلاب میں
سیکڑوں ہی ہو گئے بے خانماں سیلاب میں
ایک تو سیلاب ظالم اس پہ یہ بارش کا زور
اُڑ اُڑا کر بیٹھے ہیں لاکھوں مکاں سیلاب میں
ہر گھروں میں ہو رہا ہے آج کل پانی کا دخل
بھاگ کر جائے بھلا کوئی کہاں سیلاب میں
ہاں اگر آئے تو اب پانی بھرے طوفانِ نوحؑ
پانی پانی ہو خجالت سے یہاں سیلاب میں
اب تو سڑکیں بھی نہیں پایاب جل تھل ہے تمام
کیا کہوں کتنے پانی میں کنواں سیلاب میں
خوب پانی میں لگائی آگ سیلاب نے
سرد دل سے بھی نکلتا ہے دھواں سیلاب میں

بہہ رہے تھے ٹھاٹھ پر دریا میں بے تاب وتواں
ایک حالت میں تھے سب پیر و جواں سیلاب میں
بہتے پھرتے تھے مواشی اور اثاث البیت بھی
قافلہ چیزوں کا تھا گویا رواں سیلاب میں
پھر گیا پانی کسانوں کی ہر اک امید پر
ہر طرف سے آتی ہے بانگِ فغاں سیلاب میں
مختصر یہ ہے کہ پانی سے تہہ و بالا تھی خلق
غرق کتنے ہو گئے بانکے جواں سیلاب میں
موتیہاری کی یہ افواہاً خبر سُنتا ہوں میں
شہر کا باقی نہیں کوئی مکاں سیلاب میں
کشتیاں چلتی تھیں دربھنگہ میں گھر گھر الحفیظ
تھی کچہری یا جزیرہ الاماں سیلاب میں
فصل بَھدوی کی جو کل کٹنی ہوئی، وہ غرق آج
کون سنتا ہے کسانوں کی فغاں سیلاب میں
خوب سمجھا ہم نے اب تو معنیِ نقش برآب
بُلبلا تھی زندگانی بے گماں سیلاب میں
سر سے بھی پانی گذر جاتا ہے جب انسان کے
پھر خیالِ نیک و بد باقی کہاں سیلاب میں
تھا مظفرپور میں دریائے گنڈک کا وہ زور
کہہ رہے تھے شہر والے الاماں سیلاب میں
لاشوں کا بہتے نظر آنا قیامت کا تھا وقت
دل خراش آیا نظر ہم کو سماں سیلاب میں

زُور تھا پانی کا چندوارہ میں اور تھانے کے پاس
اور کلیانی میں بھی ہم تھے جہاں سیلاب میں
تھی خرابی کوٹ کی پتلون کی اور گون کی
دیدنی تھا وہ کچہری کا سماں سیلاب میں
خیر تم کو کچھ خبر ہے گھر کی اپنے یا نہیں
گر گیا افسوس اپنا بھی مکاں سیلاب میں

خیر کی نظم ''برسات'' کائنات میں مظاہر قدرت کی عمدہ عکاسی کرتی ہے۔کائنات کا مشاہدہ، اس کا تجزیہ اوراس کے ردِعمل میں شعری تصورات وافکار کا ابھر آنا عمدہ شاعری کی دلیل ہے۔جس شاعر کا مشاہدہ جتنا قوی ہوتا ہے کلام میں زور اسی قدر عود کر آتا ہے۔برسات کے دنوں میں ہر طرف کیچڑ، چھپا لیدر۔ہوا کا دباؤ جب کم ہوتا ہے تو بارشیں زیادہ ہوتی ہیں، اس وقت نہ ہی بجلی کڑکتی ہے اور نہ ہی بادل گرجتا ہے۔مسلسل بارش کی وجہ سے طبیعت میں اکتاہٹ پیدا ہوتی ہے اور کچی دیواریں مسلسل وقفے وقفے سے گرتی رہتی ہیں وغیرہ وغیرہ،اس طرح کی جزئیات خیر کی نظم میں مُترشّح ہیں۔نظم کی ہیئت میں کوئی تجربہ تو نہیں البتہ تسلسل اعلیٰ درجہ کا ہے۔زبان صاف ستھری اور مقامی رنگ کی آمیزش کے ساتھ ہندوستانی پن کی عمدہ مثالیں پیش کرتی ہیں۔اس نظم کی خوبی یہ ہے کہ مقطع میں خالص غزل کا شعر ہوگیا ہے اوراس کی بنیاد پر غزل مسلسل کا رنگ ابھرتا ہے:

اب کی واللہ ہے برساتوں کی نانی برسات
بلکہ ہے نُوح کے طوفاں کی ثانی برسات

بوڑھے کہتے ہیں ادھر ہوتی تھی کانی برسات
اب کی برسات ہے البتہ پُرانی برسات

دن کو رہتا ہی ہے اِک شورِ قیامت برپا
رات کو بھی کہے جاتی ہے کہانی برسات

کیچڑوں سے تو گھن آتی ہے جدھر رُخ کیجے
کون کہتا ہے کہ ہوتی ہے سُہانی برسات

نہ وہ بجلی کی کڑک ہے نہ وہ بادلوں کی گرج
اِیک زناٹے سے برساتی ہے پانی برسات

اڑ،اڑا کے گرے جاتے ہیں غریبوں کے مکان
ہاں رہے گی یہ تیری یاد نشانی برسات

ہر نچھتّر ترا راجہ ہے برسنے میں آج
اب کے تو خوب بنی بیٹھی ہے رانی برسات

کھیتیاں غرق ہوئیں کوئی سہارا نہ رہا — اپنی امیدوں پر اب پھر گیا پانی برسات
گھر گرے، مال گئے، جان گئی، کچھ نہ بچا — سارے آفات کی ہے اک تو ہی بانی برسات
لاکھ ہو زور ترا ہو تہ و بالا عالم — میرے ہی گھر میں ترا مرتا ہے پانی برسات
موسلا دھار برستے ہوئے دیکھا اب کے — سر سے اونچا ہوا اب اپنے یہ پانی برسات
پٹنہ میں اس نے مچا رکھی ہے چھیچا لیدر — وہ کچا ہند کہ ہر کس ہے فغانی برسات
خیؔر کے دیدۂ تر سے تو نہیں بڑھ سکتی — آمقابل میں، یہی ہم نے ہے ٹھانی برسات

خیؔر کی نظم گوئی کے دونمونے اوپر گزرے جن میں نظم کی وہ تمام خوبیاں پائی گئیں جو نظیؔر سے لے کر محمد حسین آزاد اور اس کے بعد بھی دیگر شعرا کے یہاں موجود رہی ہیں۔صنف نظم گوئی میں خیر نے سنجیدہ اور فطری تجربے کم کیے ہیں۔جن نظموں میں آمد کی کیفیت ہے وہ اعلیٰ درجہ کی ہیں۔ ’’گلنار نظمیں‘‘ کے عنوان سے جتنی نظمیں پائی جاتی ہیں، ان کی ادبی اہمیت کے مقابلے معاشرتی زیادہ ہے۔نوید شادی کے عنوان سے متعلق پانچ نظمیں فرمائش،طلب،التجا اور معاشرتی ضرورت کے تحت کے لکھی گئیں ہیں جن میں ظرف مکان و زمان کے ساتھ اس عہد کی معاشرتی زندگی اور لوازماتِ زندگی کے خد وخال کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔اس عہد میں جو شادیاں ہوا کرتی تھیں اس کی نوعیت کیا ہوتی تھی؟ دولہا اور دلہن کے گھر والوں کے درمیان قول وقرار کس طرح طے پاتے تھے؟ بارات کی آمد۔اہل بارات کا استقبال، دولہا اور دلہن کے نکاح کے بعد سہرا خوانی، مہمانوں کی رخصتی وغیرہ ایسی چیزیں تھیں جن کا ذکر سہرا یا رخصتی نامہ میں ہوا کرتا تھا۔بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

بہار آئی ہے خُرّمی چارسُو ہے — زباں پر عنا دل کے بھی فانکُو ہے
بہار آئی سر سبز ہے باغ و صحرا — گل حمد کا ہے کھلا خوب سہرا
گلِ نعتِ فخرِ رسل پر ہے جوبن — نثار اس پہ گُلزار گل اور گلشن
دُرودوں کے گل ہائے تازہ نچھاور — برُوحِ صحابہ برُوحِ پیمبر
بہار آئی ہے خُرّمی رونما ہے — یہ سجّاد اب مظہر مدّعا ہے
کہ ہے میرے بھائی کے دل کا جو پارہ — محمّد سُہیل آنکھ کا میری تارا

یہ ہے آرزو اس کو دُولہا بناؤں — تمنّا یہ ہے اس کو نوشا بناؤں
جمادیؒ الاوّل ہے بہتر زمانہ — برات اس کی ہو ہفدہم کو روانہ
کٹونا سے شاداں بہ سوئے دیانواں — بہ قصر حکیم عبد قیوم ذی شاں
توقع یہ ہے آپ تشریف لائیں — مری آبروٗ اور عزّت بڑھائیں
ہے اکیسویں دس بجے دن کو دعوت — طعامِ ولیمہ میں فرمائیں شرکت

خیؔر کی ایک نظم ’’لاسین کانفرنس‘‘ کے عنوان سے ہے۔اس نظم میں پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۲۔۱۹۲۳ کی لوزان/لاسین کانفرنس کے احوال ملتے ہیں جو آٹھ ماہ کی گفت وشنید کے بعد ترکی اور اس کے مخالف اتحادی کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا تھا۔اس کا مسودہ فرانسیسی زبان میں ہے جن میں ۱۴۳ مضامین تھے۔اس معاہدہ کے ذریعہ صلح اور جنگی قیدیوں کے تبادلے طے پائے۔لیگ آف نیشنز جس کا قیام ہو چکا تھا اس کی کیا پالیسیاں رہیں اور دنیا کے دوسرے ملکوں نے کیا اقدام کیے؟ یورپی رہنماؤں کا رویہ کیسا رہا؟ ایک ایک مشمولات پر روشنی پڑتی ہے۔

ذیل میں خیؔر رحمانؔی کی ایک نظم حاضر ہے جو بہت ہی عمدہ اور رواں ہے۔اکبرالہ آبادی کے طرز کی یہ نظم بظاہر سادہ معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا داخلی مطالعہ اس تہذیب وتمدن کی نفی کرتا ہے جس سے خیؔر متنفر تھے۔اکبرالہٰ آبادی کی مشہور نظم ’’جلوۂ دربار دہلی‘‘ کو ایک طرف اور خیؔر کی نظم ’’لاسین‘‘ کو دوسری جانب رکھنے پر یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مواد ومضمون کے لحاظ سے دونوں میں تھوڑی مماثلت ہے۔دونوں کے یہاں مشترک اقدار کا رونا ہے لیکن خیؔر کا کینوس بڑا ہے۔نظم دربار دہلی اور نظم لاسین کانفرنس میں طنز وظرافت کے ساتھ تہذیبی تصادم کو صاف محسوس کیا جاسکتا ہے۔دونوں نظموں میں لارڈ کرزن کا ذکر بھی ملتا ہے جو سلطنت برطانیہ کا مشہور رہنما اور ہندوستان میں گورنر جنرل تھا۔اس شخص نے بہت ہی خسیس طبیعت پائی تھی۔اسے اسلام اور اسلامی سلطنت سے غایت درجہ کی نفرت تھی۔مشرقی تہذیب کا مخالف اور مغربی تہذیب کا سرپرست تھا۔اکبؔر کی نظم ہندوستان کے شہر دہلی کی منظر کشی کرتی ہے تو خیؔر کی نظم میں عالمی پس منظر اور پیش منظر کی بُناوٹ نظر آتی ہے۔عالمی سیاسی اُتھل پتھل کا نقشہ جس طرح خیؔر رحمانی نے کھینچا ہے اس کی

حیثیت تاریخی بن گئی ہے۔تیل اور گیس کی دولت سے مالا مال بلاد اسلامیہ کی سرزمین اپنے قدرتی وسائل کی فراوانی کی وجہ سے آماجگاہ شر بنادی گئی ہے۔مسلمانوں کو آرام طلبی سے فرصت نہیں۔تعلیم اور سائنسی علمِ تحقیق کے فقدان نے انھیں یورپی صناعی وکاریگری کا محتاج بنا دیا ہے۔خیؔر کے عہد سے لے کر آج تک یہ معرکۂ تیل وگیس برپا ہے۔ایران،عراق،شام،مصر،لبنان میں آج بھی بھیانک حالات ہیں۔خیر کی آگہی دیکھیے کہ انھوں نے اپنی نظم میں اپنے عہد سے بہت آگے تک کی پیشین گوئی کر دی ہے اور وہ شاعری ہی کیا جس میں اپنے عہد کے وقوعے سے بلند ہو کر باتیں نہ کہی جائیں۔اس نقطۂ نظر کے تحت خیؔر اپنے ذہن اور فکری رسا کی وجہ سے ایک کامیاب شاعر نظر آتے ہیں۔یہاں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نظموں کو قارئین کے حوالے کر دیا جائے تا کہ خیؔر کو نظم گو شاعر کی حیثیت سے بھی سمجھنا آسان ہو جائے۔

لاسین کانفرنس

از خیؔر رحمانی

ہم نے بھی لاسین کو دیکھا
بالشوئک چچرن کو دیکھا
مجلس میں کرزن کو دیکھا
چالڈ سے پرفن کو دیکھا
بحثِ کیپچولیشن دیکھی
کانفرنس میں اُلجھن دیکھی
کرزن کی وہ پھسلن دیکھی
عصمت کی وہ اینٹھن دیکھی
کرزن کو دھمکاتے دیکھا
باتوں میں بہلاتے دیکھا

جلوۂ دربارِ دہلی

از اکبؔر الہٰ آبادی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا
جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
حضرت ''ڈیوک کناٹ'' کو دیکھا
پلٹن اور رسالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے

باتیں خوب بناتے دیکھا
سر کا بھیجا کھاتے دیکھا
دیکھا قبرستان کا ماتم
ہائے وہ دیدۂ کرزن پُرنم
ڈانٹ کے بولا تُرکی ضیغم
دیکھ لو اب ترکوں کا دم خم
موصل کی وہ کشتی دیکھی
باہم دھینگا مُشتی دیکھی
دیکھی وہ کرزن کی دھڑکن
اور صدائے لیگ نیشن
اس پر امریکہ کی ٹیکن
ترکوں کی چھیلن پر چھیلن
تیل پر سب کی رال ٹپکنا
سب کا قدم روغن پہ پھسلنا
اُن کا روغنِ قاز وہ ملنا
دیکھا وہ کرزن کا لچکنا
اسپیچوں میں گرمی دیکھی
یورپ کی ہٹ دھرمی دیکھی
کیا کیا کچھ بے شرمی دیکھی
ترکوں کی وہ نرمی دیکھی
دیکھنا اور ابھی ہے باقی
طے ہونا ہے حد عراقی

سنگینیں اور بھالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے
خیموں کا اک جنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
برہما اور ورنگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا
اوج برلیش راجا دیکھا
پر تو تخت و تاج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا
رخ کرزن مہراج کا دیکھا
پہنچے پھاند کے سات سمندر
تحت میں ان کے بیسوں بندر
حکمت و دانش ان کے اندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر
ہے مشہور کوچہ و برزن
ہال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائر ہوش تھے سب کے لرزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن
ہال میں چمکیں آکے یکا یک
زریں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوج سما تک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

بھاگ چلا مجلس کا ساقی   سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
خیرؔ پڑھو اشعار فراقی   جس نے دیکھا ہو وہ جانے

۳۰؍جنوری ۱۹۲۳ء

خیرؔ کی طویل نظم گوئی کی ایک اور مثال پیش ہے جو ''ساقی نامہ'' کے عنوان سے ہے اور اس نظم میں وہ تمام نظمیہ اوصاف بدرجہ اتم موجود ہیں جو بڑے نظم گو شعرا کا خاصہ رہا ہے۔ اس میں طنز کا نشتر بھی ہے اور ظرافت کا زعفران بھی۔ تہذیبی تصادم کے ساتھ مشرقی اور مغربی تمدن کے فرق کو صاف محسوس کیا جا سکتا ہے۔ پوری نظم میں محاکات شعری نے اپنی خاص جگہ بنالی ہے۔ جاڑے اور گرمی کے موسم میں جو تفاوت ہے اس کا جستہ جستہ بیان ملتا ہے۔ جزئیات نگاری کسی بھی نظم کے لیے کمال کا درجہ رکھتی ہے، وہ اس نظم میں بھی موجود ہے۔ ہندی الفاظ کے ساتھ انگریزی الفاظ کا بلا تکلف استعمال دیکھا جا سکتا ہے۔ خیرؔ کی دیگر نظموں کی طرح اس میں بھی عالمی تاریخ کی بازگشت سنی جا سکتی ہے اور ساتھ ہی ہندوستانی شعرا کا البم بھی دیکھا جا سکتا ہے:

جاڑا گذرا اب آئی گرمی   موسم نے بھی دکھائی گرمی
جو ٹھنڈے تھے گرم ہو گئے ہیں   جو سخت تھے نرم ہو گئے ہیں
اب دھوپ میں آگئی ہے تیزی   شبنم کی گئی وہ اشک ریزی
کوئل کی کوک کا مزا ہے   کیا اس کی ہوک کا مزا ہے
وہ بادِ صبا کے سرد جھونکے   کتنے ہیں خوش گوار ٹھنڈے
چڑیاں کیا چہچہا رہی ہیں   پیارے نغمے سُنا رہی ہیں
ساقی اس فصل میں نہ اب ٹال   جو کچھ موجود ہو وہی ڈھال
اب تشنہ لبی سے جاں بہ لب ہوں   ہے گرم مزاج پر غضب ہوں
ہاں دل کی لگی بُجھا دے ساقی   اب دیر نہ کر پلا دے ساقی
پانی کے بھیس میں جو ہے آگ   ہے گرمیٔ دل کو اس سے اِک لاگ
اس آگ کو برف سے بُجھا دے   مہتاب میں آفتاب لا دے

ساقی ہمت نہ پست کرنا   یاروں کو ہے آج مست کرنا
ہے جشنِ جلوس سالِ ثانی   ہے پنچ کی آج میزبانی
گڈ ہیلتھ کا جام ''پنچ'' کے ڈھال   سارے دشمن ہوں اس کے پامال
مہمانوں کو آج تو چھکا دے   ساقی دریائے مَے بہا دے
وہ سوختہ ہم خیال آتش   ہے گرم زبان کو جس پہ نازش
ہے پنچ میں اک بہار ان سے   صفحے ہیں لالہ زار اُن سے
ٹھنڈی ٹھنڈی اُنہیں پلا دے   اُن کے دل کی لگی بجھا دے
ہاں ثاقب دہلویؔ کو ساقی   نشتر جالندھریؔ کو ساقی
شوق قدوائیؔ خوش بیان کو   میر بسملؔ سے تر زبان کو
جی بھر کے پلا کہ وجد آئیں   زورِ قلم اپنا خوب دکھلائیں
ہشوندویؔ کو بھی چھکا دے   اپنی وحشت انھیں دکھا دے
وہ شوخ بیاں ظریفؔ بھوپال   شوخی کی نہیں ہے جن کی تمثال
دے بادۂ پُرتگال اُن کو   دکھلا اپنا کمال اُن کو
تلچھٹ خُم میں رہے جو باقی   وہ خیرؔ کو دیدے میرے ساقی
پی کر تری خیر یہ منائیں   دیں پنچ کو دل سے یہ دُعائیں
یارب رہے اس کا خوان معمور   مطبخ رہے گرم حسب دستور

(برائے ضیافت پنچ لاہور۔ ۱۳۴۱ھ)

حضرتِ خیرؔ رحمانیؒ نے نظموں کا بڑا وقیع اثاثہ چھوڑا ہے۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان کا دیوان آج تک پردۂ خفا میں رہا ہے۔ ادب کا بڑا نقصان تو ہوا ہی ساتھ ہی خیرؔ کی عظمت و شہرت چہار دانگ عالم نہ ہو سکی۔ تذکروں، ریسرچ جرنل اور کتابوں میں ان کا ذکر خال خال ہوتا رہا تا ہم پورا کلام قارئین کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ اس شخص نے علم و ادب کی جو خدمت کی اس کا صلہ انھیں جیتے جی نہیں مل سکا۔ جس فن کو ہاتھ لگایا اس میں اضافہ کیا۔ ''ارمغانِ خیرؔ'' کے نام سے ان کی طویل

نظموں میں سپاس نامے ہیں جو مہاراجہ رامیشور سنگھ دھیراج دربھنگہ، سر سلطان احمد، وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی، سیّد عبدالعزیز، خان بہادر مولوی سیّد مظہر امام، جناب آر، ایل، گپتا، سب ڈویزنل افسر باڑھ کے نام سے منسوب ہیں اور سر ایڈورڈ آرتھر گیٹ لفٹیننٹ گورنر بہار واڑیسہ، عمدہ اور قابل خواندنی ہیں۔ تہنیت ناموں میں بابو مہا دیو لال، نواب سیّد شاہ واجد حسین خسرو پور اور نواب سعادت علی خاں کی صحت یابی سے متعلق ہیں۔ خیؔر رحمانی صاحب، نواب سعادت علی خاں کے اتالیق واستاد تھے اس لیے نواب کی صحت یابی پر ایک استاد کی دعا اور خوشی کا اظہار ہوا ہے۔ اس نظم کی ادبی حیثیت یہ ہے کہ جزئیات نگاری درجہ کمال پر ہے اور تناسبِ لفظی کا عمدہ التزام ملتا ہے:

اُداس سُست، پریشان، مضطرب بیچین | علیل آپ تھے یا جاں نثاروں پر تھی بپت
بخار ایک سو اور تین درجے تک آیا | بڑھی ہی رہتی تھی ہر وقت نبض کی سرعت
غریب پاتے ہیں خیرات عام بخشش ہے | بڑا ہے آج ریاست کا دامنِ دولت

ایک نظم ''خیر مقدم'' کے عنوان سے ہے جو سیّد مجید عالم، ڈویزنل انسپکٹر آف اسکول کی ''ٹوپلس اسکول خسرو پور'' کے معائنے کے موقع پر پڑھی گئی تھی۔ ظاہر ہے اسکول کی فلاح و بہبود کی خاطر افسر بالا کے لیے خیر مقدمی کلمات ادا کرنا معاشرتی زندگی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ خیؔر نے صنف مسدس میں بھی طبع آزمائی کی اور ایک خوب صورت نظم ''مسدس الوداع'' کے عنوان سے لکھی جو مولوی سیّد شاہ جعفر حسین صادق کی انگلستان روانگی اور مراجعت کے موقعوں پر کہی گئی تھی۔ روانگی اور واپسی کے کئی بند ہمیں چونکاتے ہیں۔ ان میں فارسی اور اردو کی آمیزش کے ساتھ ترکیب، تسلسل اور لف ونشر مرتب کا عمدہ امتزاج ملتا ہے۔ نظم مراجعت میں فارسی کا بند بہت ہی خوب صورت ہے۔ حافؔظ شیرازی نے شراب کے بدلے اپنا دلق (گدڑی، درویشوں کا لباس) بیچ دیا تھا لیکن خیؔر نے شرابِ اولیٰ کی خاطر خرقہ گروی رکھنے کی بات کی ہے۔ دراصل یہاں شراب استعارہ ہے مغربی علوم وفنون کا جو جعفر حسین انگلستان سے لائے تھے۔ یہ شراب اولیٰ اس وقت دو آتشہ کا روپ دھارلے گی جب اسے مشرقی علوم وفنون کے پیالے میں ڈھال کر نوش کیا جائے:

تم کو ہو وہ تبحّر بحری سفر سے حاصل | ہر لہر میں ہو جس کی سیرابیاں بھی شامل

ہر علم میں ہو فاضل ہر فن میں تم ہو کامل | بَحرُ العُلُوم ہو کر تم ہند میں ہو داخل
تہذیب کا نہ دامن ہاتھوں سے اپنے چھوٹے
اسلامیت نہ چھوٹے پھر اتّقاء نہ ٹوٹے

ای بحرِ کرم ساقی از بہر کرم برخیز | از مے کدۂ یورپ بر آری کہ آں ریز
از بادہ و پیمانہ تا چند کنم پرہیز | ہاں ریزِ مَے مغرب در ساغر مشرق ریز
ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ
ایں دفترِ بی معنی غرق مَے ناب اولیٰ

ملہمِ غیب میں دیگر نظمیں بھی ہیں جن میں خیؔر کا زورِ بیان اور الفاظ ومعنیٰ پر گرفت اور قوت ایجاز ومعنیٰ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ موصوف کی بیشتر نظمیں اچھی ہیں لیکن موضوعات کے اعتبار سے فوقیت وبرتری کا حامل نہیں۔

فکاہیات:

خیؔر رحمانی کا تعلق اخبار سے تھا اور اخباری ضرورت کے پیش نظر عصری مسائل پر مزاحیہ یا طنز لطیف یا شگفتہ انداز میں اظہارِ خیال کیا جانا کوئی عیب کی بات نہیں۔ دراصل ہر اخبار میں فکاہیہ کالم کا اہتمام قارئین کی بڑی تعداد کو رِجھانے کے لیے ہوتا ہے اور اس کے شذرات تازہ ترین عصری موضوعات پر مبنی ہوتے ہیں جن میں ظرافت کی چاشنی خوب پائی جاتی ہے۔ دیگر یہ کہ کسی بھی بات کو جامع انداز میں پیش کرنے کے لیے بھی فکاہیہ شاعری سے کام لیا جاتا ہے اس لیے فکاہیہ کالم لکھنا ہر کس و ناکس کی بات بھی نہیں ہوتی کیوں کہ توازن کا برقرار رکھنا اہم مسئلہ ہوتا ہے۔ خیؔر نے جتنے فکاہیات لکھے ہیں وہ سب اس عہد کی غمازی کرتے ہیں جس میں وہ جی رہے تھے۔ ذیل کا ایک فکاہیہ دیکھیں جس میں وہابی تحریک وفکر کے زیر اثر سعودی حکومت نے ۱۹۲۵ء میں جنت البقیع میں انہدامی کاروائی کی اور بقیع کے مقدس مزارات، تاریخی آثار، عمارات کے گنبد توڑ ڈالے گئے۔ اس دن کو ''یوم الہدم'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جن اکابرین اسلام وائمہ عظام کے مزارات کے گنبد ومناروں کو ڈھادیا گیا۔ ان میں حسن بن علیؓ، زین العابدینؒ، محمد باقرؒ، جعفر

صادقؑ کے علاوہ ام البنین مادر ابوالفضل العباسؑ، اسمٰعیل پسرِ جعفر صادقؑ، ازواج مطہرات میں اماں حضرت عائشہ بنت ابوبکرؓ، سودہ بنت زمعہؓ، حفصہ بنت عمرؓ، زینب بنت خزیمہؓ، اُم سلمہؓ، جویریؓ یہ بنت حارث، اُمّ حبیبہ رملہؓ بنت ابوسفیان اور صفیہؓ بنت حیی بن اخطب کے مزارات اور اس پر موجود گنبد کو مسمار کیا گیا۔ سعودی حکومت نے حد تو یہ کی کہ حضرت مالک بن انسؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ تک کے مزاروں کے گنبد کو زمین بوس کر دیا اور اسکی تاویل یہ پیش کی گئی کہ مزارات اور اس پر بنے گنبد بدعات میں سے ہیں۔ خیؔر ایک سنّی مسلمان، اہل تصوف اور شریعت محمدی ﷺ کے پاس دار تھے۔ ان آثار کا ضائع کر دینا نہ تو دینی اور نہ ہی دنیاوی نگاہ سے مناسب تھا۔ تحقیقی دنیا میں ہر چیز برہان و دلیل کا درجہ رکھتی ہیں اور اس طرح کی اسلامی یادگاروں کو ضائع کرنا کم عقلی کی دلیل کے سوا کچھ بھی نہیں۔ بہرحال خیؔر صاحب کو ملاحظہ کریں:

قبّہ ہی میں بدعت ہے تو چھتری توڑو   پھر ریلوے لائن کی بھی گمٹی توڑو
بدعت کے مٹانے پہ تُلے ہو جب تم   بُرجِ حمل و گنبد و بُرجی توڑو

درج ذیل فکاہیہ انفلوئنزا نامی بیماری سے متعلق ہے جو ۱۹۱۸۔۱۹۲۰ء میں یورپ سے پھیلا اور پوری دنیا کو اپنی چپیٹ میں لے لیا۔ یہ ہسپانوی انفلوئنزا، اس قدر خطرناک تھا کہ بڑی تعداد میں انسان اس کا شکار ہوکر لقمۂ اجل ہو گئے تھے۔ جب یہ مرض سفر کرتا ہوا ملک ہند میں داخل ہوا تو یہاں کے ہر بڑے شہروں میں قیامتِ صغریٰ برپا کر گیا۔ اس کے اثرات سے دیہی علاقوں میں رہنے والے کچھ محفوظ رہے تھے۔ اس بیماری کی نوعیت، علامات اور شدّت و تکلیف کی روداد خیؔر نے بحسن وخوبی درج کی ہے۔ چوں کہ یہ بیماری نئی تھی لہٰذا اس کا توڑ بھی یورپ والوں کے پاس تھا اور ہندوستان میں دوا کی عدم دستیابی تھی۔ آج سو سال کے بعد یک بار دیگر ’کورونا نامی بیماری‘ یورپی سرزمین سے محوِ سفر ہے۔ گرچہ اس کا مرکز سرزمین ایشیا کے ایک ملک چین کو قرار دیا گیا ہے لیکن اس کے اب تک ثبوت فراہم نہیں کروائے گئے ہیں۔ اس وبائی مرض میں بھی لاکھوں انسان خاک میں مل چکے ہیں۔ اس کی علامات انفلوئنزا سے زیادہ میل کھاتی ہیں اور تباہی کا اہم مرکز بھی یورپ ہے۔ گرچہ اس کا دائرۂ کار ہر جگہ یکساں ہے پھر بھی شہروں کی بہ نسبت مضافاتی علاقے زیادہ

محفوظ ہیں۔ یہ وبائی مرض بھی چھوا چھوت کے زمرے میں آتا ہے اور اس طرح ایک شخص سے دوسرے میں منتقل ہو جاتا ہے۔ ہر طرف موت کا راج ہے۔ کیا بچہ کیا بوڑھا کوئی محفوظ نہیں۔ ۲۰۱۹ء میں اس مرض نے اپنے پیر پھیلانے شروع کیے اور اب ۲۰۲۱ آپہنچا ہے۔ ایک بار پھر لاکھوں لوگ لقمہ اجل بن گئے اور جو بچے ہیں معاشی طور پر مردہ ہیں۔ اس بیماری کے زیر اثر انسانی جانوں کی عالمی تباہی نے ہمیں اس انفلوئنزا کی یاد دہانی کروادی جسے خیؔر رحمانی نے قلم بند کیا تھا:

اس انفلوئنزا نے ہے کیا دھوم مچائی یورپ کی دُہائی
بیجا تو نہ ہو گر کہوں ابلیس کا بھائی یورپ کی دُہائی
جس شہر میں دیکھو ہے وہاں آپ کا جلوہ کیا سخت ہے دورہ
اب لکھنؤ و آگرہ سب پر ہے چڑھائی یورپ کی دُہائی
ہے کون سا وہ شہر کیا ہو نہ جہاں سیر، بالفعل ہے مونگیر
بحران سے پاتا نہیں اب کوئی رہائی یورپ کی دُہائی
آمد کی خبر اُن کی ذرا غور سے سنیے کچھ دھیان تو دیجیے
اعضا شکنی ہوتی ہے اس طور سے بھائی یورپ کی دُہائی
بے خوابی و تکلیف و پیاس اور حرارت کس کی ہو شکایت
وہ انفلوئنزا ہے جسے کہتے ہیں آنی یورپ کی دُہائی
جب اس سے افاقہ ہو تو ہے کھانسی و بلغم اور چشم ہے پرنم
اے خیؔر کہاں کی یہ دوا اور دوائی یورپ کی دُہائی

لوک گیت:

لوک گیت ادب کی ایسی شاخ تصور کی جاتی ہے جس میں عوام کے احساس و جذبات کا فطری اظہار پایا جاتا ہے۔ عوام سیدھے طور پر ان لفظیات سے جڑی ہوتی ہیں اور عوام اسے خوش الحانی سے ادا کرتی ہیں اس لیے اسے لوک گیت کہتے ہیں۔ انسان پیدائشی طور پر اگر شعر کہتا تھا تو یہی گیت ہے جو بعد میں ترقی کر کے مختلف اصنافِ شاعری میں ڈھل گیا۔ جب انسان نے گوں

گاں کرنا شروع کیا تو ابتداء میں بغیر وزن اور شعری تراش خراش کے جو کچھ کہتا گیا وہ سب گیت کی شکل اختیار کرتا گیا۔ آج بھی شادی بیاہ میں عورتیں گیت گاتی ہیں لیکن یہ سب سینہ بہ سینہ محفوظ چلا آرہا ہے۔ گیت کی اپنی زبان، اپنے اوزان اور اپنے اشاریے ہوتے ہیں۔ یہ نہ کسی قاعدہ وکلیہ کے اسیر ہیں اور نہ ہی اس کے لیے کوئی اصول وضع کیے گئے تھے۔ گاؤں کی چوپال پر میں نے اپنے بچپن میں بزرگوں سے کئی قصے سنے ہیں۔ قصہ گو خاص طور پر بلوائے جاتے تھے۔ لوگوں کا مجمع لگتا تھا اور قصہ گو نہایت ہی پاٹ دار آواز میں قصہ بیان کرتا اور بیچ بیچ میں رنج وغم سے پُر' گیت کے اشعار بھی پیش کرتا۔ ان کی آواز میں ایسا سوز ہوتا تھا کہ سامع رو پڑتے تھے۔ گیت کی کئی قسمیں ہیں جو موقع ومحل کے مطابق گائے جاتے ہیں۔ ظاہر سی بات ہے جب انسان خوش ہوگا تو خوشی کے گیت نکلیں گے اور جب غمگین ہوگا تو لفظیات بدل جائیں گی۔ پوری دنیا میں گیت لٹریچر کا وجود ہے اور ہر زبان میں لوگ گیت گائے جاتے ہیں۔ ہندوستان ایک قدیم ملک ہے۔ یہاں کی مٹی میں بھجن، کرتن اور گیت کا رچاؤ کچھ اس طرح سے آمیختہ ہے کہ آسانی سے دونوں کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔ جب گیت کی لفظیات وضع ہوئیں تو موسیقی کی ضرورت پڑی اور اس فن موسیقی میں بھی ہندوستانیوں کو کمال حاصل تھا اور یہاں کے موسیقار دوسرے ملکوں میں جا کر اپنا فن پیش کرتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ایران کے بادشاہ بہرام گور نے اپنے عہد میں بارہ ہزار گانے بجانے والی رقاصاؤں کو ہندوستان سے بلوایا تھا۔ ہندوستان کے سیکڑوں اساطیری داستانوں میں گیت کی آمیزش ہے اور آج بھی ہمارے گوش ان نغمات سے بھرپور لذت اُٹھاتے ہیں۔

خیرؔ رحمانی نے گیت میں کوئی زیادہ تجربے نہیں کیے ہیں۔ ۱۶؍ مارچ ۱۹۰۰ء کے الپنچ، جلد۔ ۱۶، صفحہ۔ ۶ پر 'ہولی ہے بھئی ہولی ہے' کے عنوان سے ایک نثری ٹکڑا شائع ہوا جس میں لوک گیت کے عناصر کا التزام ہے۔ گیت سے پہلے نثری ٹکڑا دراصل تمہیدی گفتگو ہے اس کے بعد شعری لفظیات ادا ہوتے چلے گئے ہیں۔ اس میں خالص مقامی اور علاقائی زبان اور بولی کے ساتھ مگدھی، بھوجپوری اور میتھلی زبانوں کا امتزاج موجود ہے۔ کہیں کہیں پر فارسی اور اردو لفظیات کا استعمال بھی ہوا ہے جن پر ہندوستانیت غالب ہے۔ گیت کے دو بند حاضر ہیں:

ہولی ہے بھئی ہولی ہے

آیو ہوری پنچ کھلاری — اوسنگ چلیں سب باری کنواری
برج کی ناری بھئیں متواری — کوئی عبیر اوڑاوے ٹھاری — کوئی بنائے رہی پچکاری
آیو ہوری پنچ کھلاری — اوسنگ چلیں سب باری کنواری
ہند میں ا بکی پھر کال آیا — جان کا مورے جنجال آیا — کیسی ہوری کیسی گاری

کلام کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو ہندی اور میتھلی جو کہ میتھلانچل کی زبان ہے خوب آتی تھی۔ انھوں نے اپنے کلام میں ہندی اور میتھلی کے علاوہ دیگر کئی زبانوں کا استعمال بلاتکلف کیا ہے۔ ذیل کا ایک گیت دیکھیں جو نئے سال کی آمد پر ۷؍جنوری ۱۸۹۸ء کے 'الپنچ' کی جلد۔ ۱۴، صفحہ۔ ۶ پر '۹۷ کا خاتمہ' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس گیت سے پہلے موصوف نے بہت سی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں ہندوستان کے علاوہ بیرونی مسائل کا بھی احاطہ ہے۔ خیرؔ کو ظرافت میں کمال حاصل تھا۔ کہیں بھی سطحی گفتگو نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنی فصاحت وبلاغت کے سہارے بڑے سے بڑے مسائل کی جانب اشارہ یا بے باک گفتگو کرتے ہیں۔ ہر مضمون کے آخر میں اپنا ایسا کلام پیش کرتے ہیں جس میں نثری گفتگو کا خاصہ ہوتا ہے۔ اشعار دیکھیں:

اب تو نیا سال اَئی گے نندی
بالم مورا پٹنہ سہر سے — کنگنا لیے گھر اَ ئی گے نندی
اب تو نیا سال اَئی گے نندی
جب مورے سیّاں گھر وا میں اَئی ہیں — سیجوا بچھونا بچھّے تی گے نندی
اب تو نیا سال اَئی گے نندی
کیسی گیرانی کیسا ما ہنگواں — پٹنہ سہر سے سب کِلئی گے نندی

اب تو نیا سال اَئی گے نندی

پنچ بہادر جگ جگ جِی ہیں   یاروں کو اپنے ہنسئی تئی گے نندی

اب تو نیا سال اَئی گے نندی

ابو ظرفا مورا پریتم پیارا   میٹھی بتیاں سونئ تئ گے نندی

اب تو نیا سال اَئی گے نندی

رباعیات:

خیّر رحمانی کی شخصیت اور ان کے کام کو دیکھنے کے بعد خوشگوار حیرت ہوتی ہے۔اس مردِ قلندر کی دسترس سے کوئی بھی صنف ادب باہر نہیں۔ جب ایک شخص کے اندر اتنی ساری خوبیاں پنہاں ہوں تو اس کا ظہور کسی نہ کسی صورت میں ہونا ہی تھا اور ہوا بھی۔انھوں نے صنف رباعی میں صرف بیس نمونے یادگار چھوڑے ہیں۔ان کی بیس رباعیاں ان کی طبعی جولانگاہ کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔اس شخص کی زندگی کئی ادبی خانوں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر جگہ کاملاً اپنی موجودگی درج کروانا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔یہی وجہ ہے کہ کسی صنف میں کم اور کسی میں زیادہ آثار ملتے ہیں۔

خیّر نے اردو میں کوئی رباعی نہیں کہی ہے۔فارسی زبان میں رباعیوں کی تعداد کم ہے۔جتنی بھی رباعیاں ہیں وہ سب صنفی اوصاف پر کما حقہ پوری اترتی ہیں۔خیّر کی رباعیاں اپنے صنفی اوصاف سے منفصل نہیں بلکہ متصل ہیں اور ان میں عرفان وتصوف، زندگی اور اس کی حقیقت، ہستی ونیستی، فلسفہ وحکمت، گناہ وثواب، جام تجلّی، عشق وحدت، جستجو، مےِ معرفت اور جام مصفّا کی باتیں ملتی ہیں۔خیّر رحمانی شاعر مشرق علّامہ اقبالؔ سے تقریباً سات سال بڑے ہیں۔اس عہد کے حالات سے تمام شعرا نبرد آزما تھے۔ہر جگہ افراتفری اور جنگ وقتال درپیش تھا۔بین الاقوامی و بین الاسلامی دنیا ایک آزمائش سے گزر رہی تھی۔برگزیدہ شعرا مضمحل ومضطرب تھے۔اقبالؔ نے قوم وملت اور اسلامی دنیا کی حمیت کو جگانے کے لیے پیام مشرق لکھا جس میں باباطاہرِ عریاں کے وزن پر رباعیاں کہیں جنھیں آج کے ادب شناس نے قطعات سے منسوب کیا ہے لیکن وہ سب

رباعیاں ہیں۔ہمارے پاس اپنا پیمانہ کچھ بھی نہیں ہمارے تمام اصناف شعری فارسی کے ہیں اس لیے یہاں چوں وچرا کی گنجائش نہیں ہے۔

علّامہ خیّر رحمانی کی فارسی رباعیاں ان ہی مضامین کی نمائندہ ہیں جو رباعی کی خاصیت رہی ہیں۔ان رباعیوں میں اعلیٰ خیالات وافکار کی جوت اور قوم وملّت کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی سعی کی گئی ہے۔اس عہد میں کہی جانے والی بیشتر فارسی رباعیوں کے مضامین میں یکسانیت اور ایک دوسرے کے خیالات کی آمیزش نظر آتی ہے۔موصوف کی رباعیاں تعداد کے لحاظ سے کم ضرور ہیں لیکن کیفیت اور معنویت کے لحاظ سے پُر مایہ ہیں۔انسان اشرف المخلوقات ہے اور کائنات کے بہت سارے اَسرار کا ہم راز بھی۔اس مضمون کو موصوف نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ باندھا ہے:

نغمۂ جان نوازِ ہستی ما ئیم   دستِ مضراب سازِ ہستی ما ایم

مظہرِ جلوہ خدا ما ہستیم   یعنی آگاہ رازِ ہستی ما ایم

انسان ایک دوسرے کا غم بانٹنے کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔اگر کسی کے دل میں احترام آدمیت و بشریت نہیں تو ایسا شخص انسان کہلانے کا بھی مستحق نہیں ہے۔ملّت کے درد کے احساس کا پہلا زینہ بھی یہی الفت ومحبت ہے اور محبت کا گزر وہیں ہوتا ہے جس دل میں نرمی ہوتی ہے۔گل وبوٹے وہیں اُگتے ہیں، جہاں نمی ہوتی ہے۔یہ آفاقی سچائی ہے کہ سنگلاخ زمین میں کبھی پودے نہیں اگتے۔

انسان باید کہ با مروت باشد   بی جان است اگر نہ اھل الفت باشد

دل نیست کہ در وی غم ملّت باشد   جان نیست کہ در وی نہ محبت باشد

انسان اشرف المخلوقات ہے۔اس کی عظمت کی دلیل یہ ہے کہ عرش سے فرش تک اسی کے چرچے ہیں۔مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ دنیا میں آنے کے بعد اس خاکی انسان نے اپنی کرتوتوں سے اپنی عظمت خود خاک میں ملا دی۔وہ دنیا کے لہو ولعب میں ایسا گرفتار ہے کہ سیاہ کاری اس کے قدم کو بوسہ دے رہی ہے اور یہ غافل انسان اپنے آئینۂ دل میں نہ ہی اپنی تصویر

دیکھتا ہے اور نہ ہی تائبِ گناہ ہوتا ہے:

ازعرش فزون تر ست رفعت مارا	یک نور جہان تاب حقیقت مارا
انسان آنست کو شناسد خود را	ورنہ چہ حقیقت و فضیلت ما را

دنیا ایک ایسا معمہ ہے کہ اس کے رازوں کو پانا آسان کام نہیں۔ فلسفی اور دہریہ مدتوں سے ڈور سلجھارہے ہیں مگر جس قدر وہ سلجھاتے ہیں اسی قدر الجھتے چلے جاتے ہیں۔ اگر انسان اسرار جہان پالے تو بندہ اور خدا میں فرق کیا رہ جائے گا۔ انسان کو اپنے رازِ ہستی کے گرہوں کو کھولنے کی سعی کرنی چاہیے نہ کہ راز خالق کائنات کی، یہ لا حاصل جستجو ہے۔ مخلوق اس کی علت ہے اور وہ علت اولی، ایسی صورت میں اسرار کائنات کی تلاش بے سود ہے۔

جو یایِ رموز ! رمز فطرت ھستی	در باب حقیقت کہ حقیقت ھستی
درعلت و اسباب چرا غلطانی	تو علت عالی و غایت ھستی

خیرؔ کی شاعری میں وحدت الشہود کا نظریہ پایا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس رازِ ہستی کی جستجو اور آرزو ہے تو انسان اسے اپنے اندر ڈھونڈے۔ کیا یہ دندان، چشمان، زبان، دہان، ابدان اور دستان، خود بہ خود خلق ہوئے یا ان کا بنانے والا کوئی خالق ہے۔ دریا میں روانی، موجوں میں طغیانی، عندلیوں کی نغمہ خوانی، پرندوں کی چہکار، پھولوں کہ چٹخ، غنچوں میں مہک کس کی وجہ سے ہے؟ عقل ہے تو پھر اس کی فہم کیوں نہیں کہ پانی کی موجوں پر کشتی کو چلانے والا، زمیں کے سینوں سے گلہ عطا کرنے والا، دھرتی پر تیز رفتار ہواؤں کو سنبھالا دینے والا کوئی تو ہے جو بھی ہے وہی خدا ہے، جس کو خالی اور ظاہری آنکھوں سے دیکھنا محال و ناممکن ہے۔

ھر کیفیت بخشک و تر موجود است	ھر ماھیت بہ بحر و بر موجود است
دادند از آن جملہ بہ انسان عطری	ھر چیز کہ ھست در بشر موجود است

کہہ مُکرنی:

اس کا مطلب کسی بات کو کہہ کر مُکر جانا یا انکار کر جانے کے ہیں، اس طرح کی شاعری کا رواج قدیم زمانے سے رہا ہے لیکن اس کی شہرت کا سہرا حضرتِ امیر خسروؒ کے سر جاتا ہے، اردو

اور ہندی شاعری میں بھارتیندو ہرش چندر نے اس صنف کو چار چاند لگایا اور تواتر کے ساتھ کہہ مکرنیاں کہتے رہے، بعد کے کچھ شعرا کے یہاں بھی کہہ مکرنیاں مل جاتی ہیں حتیٰ کہ فلمی گانوں میں بھی اس کا چلن رہا ہے۔ کہہ مُکرنی دراصل ایک پہیلی ہے جس میں چار مصرعے ہوتے ہیں اور چوتھا مصرع ہمیشہ چھپا کر سکھی سے سوال کیا جاتا ہے اور جواب خواہ کچھ بھی آئے، اس سے مُکر اور مفر اختیار کرتے ہوئے سوالی اپنا جواب پلٹ دیتا ہے اور اس طرح سکھی اپنا منہ بنا کر رہ جاتا یا رہ جاتی ہے۔ فقط ایک مثال حاضر ہے:

گھر گھر جا کر جس کو جگائے	آپ چھپنے اور سب کو بچائے
آزادی کی چلائے آندھی	اے سکھی ساجن نا سکھی گاندھی

قطعاتِ تاریخ:

تاریخ گوئی بہت ہی قدیم صنعت ہے۔ کسی لفظ، مصرع، بیت یا نثری جملہ میں استعمال ہوئے حروف کے ابجد سے تاریخ نکالی جاتی ہے، جتنے حروف مل کر تاریخ متعین کرتے ہیں انھیں مادہ تاریخ کہتے ہیں، اسے عربی میں قطعۂ تاریخ اور ترکی میں رمز کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔ تاریخ گوئی آسان فن نہیں اور نہ ہی ہر کس و نا کس کی بات ہے، ہر حروف کے اعداد کو یاد رکھنا اور ان اعداد کی مناسبت سے بامعنیٰ مصرع موزوں کرنا کارِ دشوار ہے۔ عربی اور فارسی شعرا اس فن میں طاق نظر آتے ہیں، اردو شاعری میں بھی کچھ اساتذہ اس فن کے ماہر ہوا کرتے تھے، وقت کی رفتار نے اس فن کو گہن لگا دیا اور اب علم عروض کے ساتھ فن ابجد شماری بھی معدوم ہوتا جا رہا ہے۔

خیرؔ رحمانی فن تاریخ گوئی میں ایک مشاق استاد نظر آتے ہیں۔ جہاں تک میری معلومات ہے خیرؔ اپنے معاصرین میں ممتاز اور نمایاں ہیں۔ انھیں مادۂ تاریخ نکالنے میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ فنِ تاریخ گوئی کا اطلاق جن موضوعات پر ہوتا ہے وہ سب خیرؔ کے یہاں موجود ہیں۔ طباعتِ کتاب، تاریخ وفات، تاریخ اجرائے اخبارات ورسائل وجنتری، قطعاتِ تاریخ شادی، تاریخ فتح، تاریخِ بنائے مسجد، تاریخِ تکمیلِ مسجد، تاریخ انعقاد جلسہ، تاریخ انعقادِ انجمن، تاریخ فتح مقدمات، تاریخِ فتح کھیل کود وغیرہ جیسے بہت سارے موضوعات ہیں جنھیں خیر نے اپنی فن تاریخ گوئی کے

ذریعہ تاریخِ عالم کا حصہ بنا دیا ہے۔ موصوف بہت ہی قادر الکلام شاعر تھے۔ زبان و بیان پر قدرت حاصل تھی۔ الفاظ کی بندش سے چھوٹی باتوں کو بھی بڑا بنا کر پیش کرنے کا ہنر جانتے تھے جن کی جھلک ان کے قطعات تاریخ میں صاف دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں قطعات تاریخ کہے ہیں۔ مشاہیر میں لالہ لاجپت رائے، رابندر ناتھ ٹیگور جیسی شخصیات کے علاوہ غیر معروف شخصیتوں پر بھی قطعات ملتے ہیں۔ ان تاریخی قطعات کو دیکھنے سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ خیر کا حلقہ بہت وسیع تھا اور آپ خود وسیع الخیال و کشادہ فکر تھے۔ خلائق خداوندی کا دل توڑنا گناہ سمجھتے تھے لہٰذا جب کسی نے فرمائش کی تو اس کے لیے قطعۂ تاریخ کہہ دیا۔ ان کے قطعات بہت کم تعداد میں رہ گئے ہیں۔ انھوں نے دیوانِ تحیر میں یہ لکھا ہے کہ قطعاتِ تاریخ کے مجموعے کو طباعت کے لیے کلکتہ بھیجا تھا جو مطبع کے مالک کی لاپرواہی کی وجہ سے ضائع ہو گئے۔ خیرؔ صاحب کی بیاض میں جتنے قطعات ہیں وہ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں کہ خیرؔ کا قلم قطعات تاریخ نویسی میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ مختصر یہ کہ آٹھ کتابیں، چھ رسائل، ۱۲۱ اخبارات اور ۹۰ اشخاص کے مختصر یا طویل قطعاتِ تاریخ 'ملہم غیبِ خیرؔ' میں پائے جاتے ہیں۔ ان قطعات میں ممدوح کی پُر گوئی و زور بیانی بدرجہ اتم دیکھی جا سکتی ہے۔ چند نمونے دیکھیں:

تاریخ اجرائے اخبارِ ''بغلول'' کلکتہ

ظرافت کا مردنگ یا ڈھول نکلا
ہنساتا ہوا میر بغلول نکلا

ہر اک بات میں اس کی شوخی عیاں ہے
ظرافت کا گویا یہ کچکول نکلا

کہاں کوئی پاتا ہے شوخی کو اس کی
اگرچہ ظریفوں کا ایک غول نکلا

دبا دے گا یہ ٹینٹوا بڑھ کے اک دم
کسی کے جو مُنہ سے بڑا بول نکلا

جو ہیں زندہ دل قدر اس کی کریں گے
حقیقت میں اخبار انمول نکلا

کہو خیرؔ اجرا کی تاریخ اس کی
کہ جیسا یہ شوخی کا چنڈول نکلا

مسیحی جو تاریخ پوچھا کسی نے
کہا ہم نے <u>سرمست بغلول نکلا</u>

۱۹۲۹ء

قطعۂ تاریخِ شادی

سید شاہ جعفر حسین، کیٹناب و سید شاہ باقر حُسین، سلّمہُما اللہ تعالیٰ، فرزندان نواب سیّد شاہ واجد حسین

رئیس خسرو پُور، پٹنہ

یہ خوشی ایسی خوشی اتنی خوشی صلِ علیٰ
ہے زمیں سے آسماں تک اک مَسرّت کا سماں

دو پسر کی شادیاں نواب صاحب کو نوید
ایک فخر خاندان ایک افتخار دُودماں

شادمانی اتنی اتنی خرّمی اتنا سُرور
ہے ہر ایک خرّم ہر اک مسرور ہر اک شادماں

پوچھنا کیا ہے مَسرّت کا مرے نواب کی
غنچۂ دل کھل رہا ہے گھر ہے رشکِ گلستاں

ہے دعائے خیرؔ بھی، ہے مصرعِ تاریخ بھی
<u>جعفر و باقر کی شادی ہو مبارک جاوداں</u>

۱۳۴۶ھ

قطعات تاریخِ وفات ''مولا شاہ ولی''، کلکتہ

کون رہا ہے کون رہے گا سب کو فنا آخر ہے فنا
قوم کے ہادی، دین کے رہبر، دُنیا سے مُنہ موڑ چلے
اس دُنیا سے چھٹیں محرم تیرہ سو سینتس میں آہ
مولا شاہ ولیِ کامل حق سے ملے جنّت میں گئے
گورستان و چاہ و مسافر خانہ و مسجد کی خاطر
اپنی زمینِ محصولہ کو راہِ خُدا میں وقف کیے
حضرتِ خیرؔ نے برجستہ رحلت کی یہ تاریخ کہی
<u>مولا شاہ ولیِ کامل دارِ بقا جنّت کو گئے</u>

۱۳۳۷ھ

قطعۂ تاریخ بنائے مسجد مولوی مسعود عالم صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ آرہ
مسجد چشمۂ فیض

بحمد اللہ ہوئی تعمیر مسجد — خدا کا گھر نہ کیوں ہو سب سے برتر
کہا ہاتف نے یہ تاریخ تعمیر — مرجع خانۂ اللہ اکبر

۱۳۴۵ھ

مفردات:

اردو، عربی اور فارسی شاعری میں مفردات کوئی صنف سخن نہیں ہے۔ فارسی شاعری میں بیت کے عنوان سے اس کا رواج رہا ہے۔ حافظ، سعدی اور جامی جیسے بزرگ شعرا نے بیت کو وسعت دی۔ خاص طور پر گلستان سعدی اور بہارستان جامی میں نثری گفتگو میں بیت کا استعمال پایا جاتا ہے۔ شیخ سعدی نے تو گلستان میں جو حکایتیں بیان کی ہیں ان میں زور پیدا کرنے کے لیے پوری حکایت کا نچوڑ ایک بیت میں پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ کہیں کہیں تو شعری زورِ بیان اس قدر روشن ہوتا ہے کہ حکایت ماند پڑ جاتی ہے۔ خیؔر کے یہاں اسی طرح کے مفردات پائے جاتے ہیں۔ ان میں جو شعری محاکات وعلائم اور امور استعمال ہوئے ہیں وہ شاعر کی قادرالکلامی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ذیل میں مفردات سے چند مثالیں دیکھیے:

از نگارش نامہ از بس دریغ آمد مَرا — چشمِ قاصد از تو روشن چشمِ راقم منتظر
خیؔر کو سن لو کہ اس گلشن میں — نہ سُنے گا کوئی بلبل کا ترانہ ایسا
یہاں تک آئے ہو تو داغِ ہجراں دیکھتے جاؤ — مرے دل کا پھلا پھولا گلستاں دیکھتے جاؤ
چرخِ چارم پہ خجل مجھ سے مسیحا ہوتا — ساتھ اس شوخ کے جھولے پہ جو بیٹھا ہوتا
اُس شوخ کا جب خواب گیسو میں نظر آیا — لہراتا ہوا سانپ ہر اِک سو، نظر آیا
تو چاہے تو یُوسف سا کئی لاکھ خریدے — اے جانِ حسین، حُسن کی دولت کے بدولت

خیؔر رحمانی نے مفردات میں سب سے زیادہ عید پر شعر کہے ہیں۔ ان کے کہے ہوئے اشعار سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ممدوح نے کس سال، کیسے اور کہاں عید منائی تھی۔ ان اشعار میں ایک طرف ان کی آپ بیتی ہے تو دوسری طرف مسلمانوں کی معاشرتی، معاشی اور سماجی زندگی کی عکس ریزی بھی۔ گرچہ اس عہد میں انگریزی تہذیب وتمدن نے مشرقی تہذیب کو پیچھے چھوڑ دیا تھا اس کے باوجود شرفا اپنی روایتوں سے جڑے ہوئے تھے۔ آج کی طرح وہ دور ترقی یافتہ نہیں تھا۔ مراسلہ اور خطوط دو دلوں کے درمیان پیغام رسانی کے اہم ذریعہ تھے۔ جب کوئی تہوار کا موقع آتا تو ایک دوسرے کے یہاں کارڈ بھیجے جاتے تھے۔ خاص طور پر عیدی کارڈ بھیجنے کا چلن عام تھا۔ ماہِ رمضان کی آمد کے ساتھ رنگ برنگے، مختلف النوع عیدی کارڈ بازاروں میں ملنے لگتے تھے۔ بعض بعض کارڈ اس طرح بنائے جاتے تھے کہ ان میں عیدی (روپیہ) رکھ کر پوسٹ کیا جاتا تھا۔ عید کارڈ لکھنے اور بھیجنے کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا، کوئی حتمی بات کہنی ممکن نہیں، البتہ ترقی یافتہ اسلامی ملکوں میں ۱۹ رویں صدی کے آغاز سے ہی اس کی ابتدا سمجھی جاتی ہے۔ میں نے جو تاریخی کتابوں میں پایا ہے کہ کارڈ نام کی کوئی چیز عہد سلاطین یا مغل دورِ حکومت میں نہیں تھی۔ سلطنت کے عہدہ داران، وزرا اور امرا ہلالِ عید کے موقع پر ایک دوسرے کے یہاں تبریک ومبروک کے مضامین پر مبنی شعری پیغام بھیجا کرتے تھے۔ چوں کہ اس وقت چھپائی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا لہٰذا کارڈ کی شکل بھی نہیں تھی لیکن بعد میں جب کارڈ طباعت سے آراستہ ہو کر بازاروں میں دستیاب ہوا تو ان میں، مغل آرٹ، ایرانی آرٹ یا اسلامی فنِ نقاشی کا نمونہ ہوا کرتا تھا۔ آج وہ مشرقی تہذیب ہندوستان میں دم توڑ چکی ہے۔ کچھ کچھ اسلامی ممالک میں اب بھی اس کا رواج پایا جاتا ہے۔ عید کے کارڈ کا شکوہ کیسا؟ اب تو نہ خطوط نگاری ہے اور نہ ہی ڈاکیہ کبوتر۔ وقت کی رفتار نے انسان کو مشین بنا دیا ہے اور اخلاقی طور پر پستی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ ہر شخص برقی نظام کے سہارے زندہ ہے۔ نہ اب مروّت باقی ہے اور نہ ہی محبت لیکن خیر کا عہد اپنے دامن میں اسلامی تہذیبی وراثت رکھتا تھا اور یہی وجہ ہے کہ موصوف نے عید کی نسبت سے چیدہ چیدہ اشعار کہے ہیں جن میں ان کی شگفتگی، شکایت اور رنج وغم کے تلخ وشیریں جذبات مضمر ہیں:

ماہ رو ہو نہ بغل میں تو کہاں چین ہو آج
عید کا چاند جو آئے تو عیدین ہو آج

مُجھ سے جب عید میں وہ چاند کا ٹکڑا نہ ملا
عید ہی اپنی نہیں کوئی ملا یا نہ ملا

عید کے دن بھی تم سے نہ مل سکے
دل کا غنچہ وہ ہے جو کِھل نہ سکے

عید آئی ہے گلے مل لیجیے
مُضطرب دل کو تسلّی دیجیے

عید آئی ہے ادھر آؤ گلے سے لگ جاؤ
عید ملنا ہے تو سینہ بھی ملے دل بھی ملے

عید کے دن تو مری جان چلے آؤ کہیں
عید ملنے کے بہانے سے بھی مل جاؤ کہیں

وہ حسیں اب مرے بغل میں نہیں
ہائے افسوس کس کس سے عید ملیں

یہاں کی عید تو ہے بختِ واژگون کی عید
مُبارک آپ کو یہ پیاری دہرہ دون کی عید

اُداس اور ہے پھیکی یہ خُسروپور کی عید
الٰہی تم کو مُبارک ہو راج پور کی عید

ہے سنائی یہ خُسروپور کی عید
مُبارک تم کو اصغر دُور کی عید

خیؔر کا اپنا مزاج تھا، ہر بات میں لطف پیدا کرنا ان کی فطرت تھی، بھلا عید کے تعلق سے وہ کیسے مستفیض نہ ہوتے، ظریفانہ لب و لہجے میں یہ اشعار دیکھیں:

اکیلی عید تو گویا ہے مار دھاڑ کی عید
بہت بلند و مبارک ہے یہ پہاڑ کی عید

بغیر دوست کے ہے عید سینہ چاک کی عید
جو خط سے عید ملے تو ہوئی یہ ڈاک کی عید

وہ عید کیا جو نہ ہو مجھ کو حُضوری کی عید
مُبارک آپ کو ہر طرح مسوری کی عید

(۷رمئی ۱۹۲۹ء)

خیؔر نے فارسی شاعری میں بھی مفردات کہا ہے۔خیر کی فارسی شاعری اردو سے بڑھ کر ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔اہل فارسی کے چیدہ شعرا و ادبا کے دواوین ان کے مطالعہ کا حصہ تھے۔شاعری میں پختگی اس قدر ہے کہ کسی ایرانی شاعر کے کلام کا گمان ہوتا ہے۔خیؔر کے عہد میں فارسی میں شعر گوئی کی روایت قائم تھی اور ہر فارسی گو شاعر نے ریختہ گوئی اور اردو شاعری کی آبیاری کیا۔میرؔ، غالبؔ، نظیرؔ، دردؔ، مومنؔ، ذوقؔ، حالیؔ، داغؔ، اقبالؔ، شادؔ عظیم آبادی وغیرہ نے فارسی کے ساتھ اردو کلام خوب کہا ہے۔گزرتے وقت کے ساتھ

اردو عوامی زبان کا درجہ پاتی چلی گئی اور فارسی خواص میں سمٹتی رہی نتیجہ یہ ہوا کہ ان اساتذہ کے فارسی کلام پر ہماری نظر کم گئی۔خیؔر رحمانی نے بھی اس عہد کے ذوق کے مطابق فارسی میں شاعری کی ہے جس کی داد دینے والے کمیاب ہو چلے ہیں۔خیؔر کے فارسی اشعار میں صفائی، لطافت، معنیٰ آفرینی، نازک خیالی وغیرہ خوب پائی جاتی ہیں۔موصوف کی فارسی شاعری سبک ہندی میں کہے جانے والے اشعار کی عمدہ مثال پیش کرتے ہیں۔

بہ اشارات باغیار سخن می گوید
چشمت اغیار نوازی ز ذہانت آموخت

عمرت دراز مرگ کہ بر وقت آمدی
حالا مریضِ عشق ترا یاد کردہ بود

درجگر درد وبسینہ سوز و در دل کاوشی ھست
ای ھمہ لطف و کرم از یار دلدار آمدہ

ساقیا از می خوناب سیہ مستم کن
یا بگو ابر سیہ را کہ نیابد بہ چمن

ھزاران سجدہ از بھرِ ضرورت
گھی یک سجدۂ بی احتیاجی

حضرت مولانا خیؔر رحمانیؒ کی شاعری کا ایک عمومی جائزہ اوپر پیش ہوا۔ایک بڑا شاعر، ادیب ہمارے درمیان سے گذر رالیکن ہم اس کی وہ پذیرائی نہ کر سکے جس کا وہ مستحق تھا۔خیؔر اپنے عہد کا ذہین شخص تھا۔ان کی زیرکی، دانائی، عقل مندی طبعی ذہانت و فطانت کا ایک زمانہ معترف تھا۔انھوں نے غزل، نظم، رباعی، قطعہ تاریخ، کہہ مکرنی اور فکاہیہ گوئی کے سہارے اپنی ادبی شخصیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی۔نثری سرمایہ بھی کم نہیں۔'الپنچ' اور' گلدستۂ شوخ' کو اپنی باوقار نثر سے استحکام بخشا۔علم و ادب کی جانب ان کا فطری رجحان اور جولانی طبع نے ہر صنف ادب میں شعر کہلوا لیا جو ان کے عہد کا خاصہ رہا تھا۔دوسرے لفظوں یہ شخص جامع الکمالات تھا۔اس مردِ عالی تبار نے میزانِ ادب اور فنِ تحقیق میں منصفانہ رویہ اختیار کر کے اپنا قد بلند کیا لیکن افسوس تو یہ ہے کہ دو تین مضامین کے علاوہ دیگر آثار ناپید ہیں۔اس زمانے میں نقد کی جو صورتِ حال تھی اور جن ناقدین علم و فن نے عنانِ ادب سنبھال رکھا تھا ان میں خیؔر کی حیثیت اپنی جگہ مسلم ہے۔ان مضامین کے بالاستیعاب مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کی زبان و ادب موصوف کے دستِ قدرت میں تھے۔زبان کی باریکیوں اور لوچ پر نگاہ گہری تھی۔انھوں نے نقد ادب کی جانب توجہ کی ہوتی تو

بڑے ناقد کے طور پر پہچانے جاتے۔ خیرؔ نے طنز وظرافت کی چادر کو وسیع تر کیا۔ بطور صحافی بھی پند ونصائح کو شیرنی میں لپیٹ کر قائین تک پہنچاتے رہے اور دلوں کو گدگداتے رہے۔ اس عالی مرتبت کی شعور آگہی اور آشوب آگہی کمال کے درجہ پر تھی۔ جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کی جن نشانیوں کی طرف اشارہ کیا وہ ہو کر رہیں۔ ان کا عہد آج کی طرح ترقی یافتہ نہیں تھا۔ دُور رسانی آسان نہیں تھی۔ ذرائع ابلاغ کے تار کمزور تھے اس کے باوجود دنیا کی دو عظیم جنگوں کے احوال تمام محاسن و معائب کے ساتھ موصوف کی نظم ونثر میں ملتے ہیں۔ اخبار الپنچ کی فائل خیرؔ رحمانی کی سماجی، سیاسی، مذہبی اور فوری بصیرت و بصارت پر بھر پور روشنی ڈالتی ہے۔ کہنے کو تو وہ ظریفانہ کالم نویس تھے لیکن بین السطور میں اخلاقی و اصلاحی گفتگو کا رچاؤ ہے۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ سنجیدہ نہیں تھے بلکہ قاری کے ذوق وشوق کے مدِنظر انھوں نے اپنے اوپر غیر سنجیدگی طاری کر رکھی تھی۔ اگر وہ سنجیدگی اختیار کر لیتے تو آج صورت حال بالکل مختلف ہوتی اور وہ بھی مولانا آزاد کی صف میں بطور مدیر کھڑے نظر آتے۔

اس کلیات میں شامل غزل مسلسل میں جرمن، امریکا، اٹلی، ترکی، عالم اسلام اور انگریز بہادر کی پالیسیوں کے علاوہ ہندوستان کی سماجی، سیاسی اور مذہبی صورت حال پر خیرؔ کی بے باک رائے ملتی ہے۔ ہندوستان میں کانگریس کی کارکردگی اور کٹر پسند ہندوؤں کی تخریب کاری کے کئی واقعات خیرؔ کے قلم سے مترشح ہیں۔ ان کا قلم قوم وملت کا بے باک ترجمان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک ایک واقعے پر ان کی گہری نظر تھی۔ وہ کسی سیاسی پارٹی سے وابستہ نہیں تھے تاہم گاندھیائی فلسفہ وحکمت کے معترف وقائل رہے۔ آزادی کے دن قریب آئے تو برادرانِ وطن کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے درپردہ مسلم لیگ کی حمایت کرنے لگے۔ شاید وہ پاکستان بھی جانا چاہتے تھے لیکن اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ آزادی ملنے سے قبل بالکل قریب کے دنوں میں کانگریس کی پالیسیوں سے متنفر نظر آتے ہیں۔ انھوں نے زندگی کو چھو کر دیکھا تھا اس لیے ان کی شاعری کا رنگ اورمزاج وقت کے ساتھ بدلتا رہا۔ انھوں نے شاعری کے ساتھ نثری تجربے بھی کیے اور ظرافت میں ہجو کی رنگ آمیزی بھی کی۔

خیرؔ رحمانی کی شاعری اس دور کے مزاج ومنہاج سے مطابقت رکھتی ہے۔ ان کی صحافت اس وقت کے ہندوستان کی آواز ہے جس میں ہندوستانی تہذیب وتمدن کی پاسداری اور مغربی کلچر کی ممانعت ہے۔ انگریز بہادر کی پالیسیوں پر انگشت نمائی کے ساتھ ہندوستانیوں کے لیے یک جہتی کا سبق بھی ہے۔ ان کی غزلوں، نظموں، قطعات، رباعیات، فکاہات، گیت اور مثنوی میں بصری، لمسی، ظرافت، رمزیت واسراریت، پند وموعظت اور اخلاقی شاعری کا بھرپور لطف لیا جا سکتا۔ ان کی شاعری کو زمان ومکان کی تبدیلی کے باوجود عصری معنویت حاصل ہے۔ ان کا اظہاریہ عرصوں تک انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ ان کے تمام موضوعات اور شعری متن معنوی اعتبار سے عصری روح سے ہم آہنگ ہیں، جن میں فنی چابک دستی کے ساتھ جذباتی ابلاغ موجود ہیں۔

خیرؔ رحمانی جیسی شخصیت گاہے گاہے پیدا ہوتی ہے۔ اس شخص میں بہت سی خوبیاں جمع تھیں جس کا اظہار نہ ہو سکا اور اگر ہوا بھی ہے تو وہ چیزیں دستیاب نہیں۔ خیرؔ کی بے نیازی نے ان کے شعری اور نثری تجربے کو بروقت زمانے کے روبرو ہونے نہیں دیا ورنہ خیر کی عظمت اس عہد کے دیگر شعرا وادبا سے کم نہیں۔ توقع ہے کہ یہ کلیات خیر فہمی کے سلسلے میں ادبی حلقے کی سرد مہری کی تلافی کرے گا، خیر شناسی کی راہ ہموار ہوگی، اہل قلم اس کار خیر کو آگے بڑھائیں گے اور ہمیں اپنے وقت کے جید عالم، ادیب وشاعر کے وقیع علمی وادبی سرمایے سے نہ صرف استفادے کا موقع ملے گا بلکہ ادبی وعلمی حلقے میں اس کا خیر مقدم بھی کیا جائے گا۔

☆☆☆

ڈاکٹر افتخار احمد
ایسوسی ایٹ پروفیسر
مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد
(سابق صدر، شعبۂ فارسی مولانا آزاد کالج، کولکاتا)

دیوانِ اوّل

حسناتِ خیر

۱۳۲۹ھ

ردیف:الف

(۱)

کیوں نہ حاصل ہو مرے دیواں کو رُتبہ شاہ کا
ہے سرِ عنوان مدحت تاجِ بسم اللہ کا

وصف لکھا ہے جو میں نے اک بُتِ دل خواہ کا
میرے ہر اک بیت کا رُتبہ ہے بیتُ اللہ کا

گل کھلائے ہیں تری قدرت نے کیا کیا دہر میں
ہاتھ جل کر ہو یدِ بیضا کلیم اللہ کا

اس میں رکھا ہے کسی بُت کے تصور نے قدم
ہے نمونہ خانۂ دل آج بیت اللہ کا

میرے دل میں ہے چراغِ داغِ عشقِ مصطفےٰ
اس شبستاں میں نہیں کچھ کام شمع و ماہ کا

وصل کو کہتا ہے اس کے کون سا ناداں محال
دیکھو اس کو نحنُ اقرب ہے جو قول اللہ کا

رہنما بن کر مجھے لے جائے گا خود دل مرا
منزلِ مقصود میں کیا کام خضرِ راہ کا

عشقِ خطِ سبزِ احمدؐ نے گھلایا اس قدر
شبہہ میرے جسمِ لاغر پر ہے سب کو کاہ کا

آسماں کی کیا حقیقت عرشِ اعظم ہل گیا
عشقِ احمدؐ میں جو مارا میں نے نعرہ آہ کا

کہر بادِ سنگ میں ہو جذب اور دل میں نہ ہو
مرتبہ انساں سے کیا بڑھ کے ہے کوہ وکاہ کا

وحشتِ دل نے اُبھارا اور لی طیبہ کی راہ
میں نہیں پابند ہوں کچھ خیمہ و خرگاہ کا

خیؔر کو کیا خیر و شر سے روزِ محشر کے غرض
زاہدو مداح ہے جب یہ رسولُ اللہ کا

(۲)

واہ کیا جلوہ ہے تیرے حُسنِ خاطر خواہ کا
اس سے بڑھ کر اے صنم بس نام ہے اللہ کا

تیری میزانِ عدالت میں تُلیں گے جس گھڑی
کوہ سے سنگین ہوجائے گا پلہ کاہ کا

داد مظلوموں کی تو دیتا ہے اے فریاد رس
تو بناتا ہے ہدف ظالم کو تیرِ آہ کا

چل کے گورستاں میں پوچھیں منزلِ اول کا حال
جانچ لیتا ہے مسافر کو مقدم راہ کا

لُطف کا تیرے فقط رہتا ہوں میں امیدوار
میں نہیں خواہاں ہوں ہرگز مال و عزّ وجاہ کا

کام یہ پلکوں سے لینا ہے مجھے مدِّنظر
ایک دن جاروب کش ہونا ہے اُس درگاہ کا

بحرِ غم میں آشناؤں کو ڈبو دیتے ہو تم
ہم کو آئے کس طرح باور تمہاری چاہ کا
اہلِ دولت کے لیے شایاں ہے یہ بارِ ثقیل
میں گدا، محتاج کب ہوں خیمہ و خرگاہ کا
لاکھ بڑھ جائے مگر ہے اسفل و اعلیٰ میں فرق
آبِ باراں سے نہیں بہتر ہے پانی چاہ کا
عارضِ روشن سے اس کے یوں خجل ہے آفتاب
مہر کے آگے ہو جیسے رنگ پھیکا ماہ کا
خیرؔ کا کیا کرسکے گا سامنا کوئی عدو
ہو مقابل شیر کے یہ دل ہے کب روباہ کا

(۳)

رحمت ہے عام تیری بخشش ہے کام تیرا
محتاج پھر کسی کا کیوں ہو غلام تیرا
کیا لحن، کیا بیاں تھا، جس سے کلیم غش ہیں
ہم بھی ذرا سُنیں تو دل کش کلام تیرا
سر سرنگوں ہے اپنا ہر دم مراقبے میں
جب سے یہ سُن لیا ہے دل ہے مقام تیرا
تو آئے یا نہ آئے تو بولے یا نہ بولے
ہم تو پُکارتے ہیں لے لے کے نام تیرا

ہم تجھ کو لاکھ مانیں ہم تجھ کو لاکھ چاہیں
لیکن ہے بے نیازی اے یار کام تیرا
جب تیرا نام لیتا ہوں ہونٹ چاٹتا ہوں
ہے شہد سے بھی میٹھا اللہ نام تیرا
اب کیوں ہے خیرؔ تجھ کو بدنامیوں کا خدشہ
مشہور ہوگیا ہے قصّہ تمام تیرا

(۴)

ہوتا اگر کرم نہ جہاں کے کفیل کا
موسیٰؑ! عبور سہل نہ تھا رودِ نیل کا
وردِ زباں تھا نام خدائے جلیل کا
کس طرح آگ جسم جلاتی خلیل کا
تیرے کرم سے مصر کے یُوسفؑ ہوئے عزیز
اللہ کیا ہی پاس ہے عبدِ ذلیل کا
قوت ہر اک ضعیف کو ہے تجھ سے اے قوی
چاہے جو تو، تو مور کو دے زور پیل کا
تیرے زلال لُطف کی ہے تشنگی مُجھے
کوثر کا شوق ہے نہ مئے سلسبیل کا
زردی ہے مرے رُخ کی ترے عشق کی گواہ
دعویٰ کے ساتھ شرط ہے ہونا دلیل کا

رونے پہ میرے رعد بھی نالاں ہے، ابر بھی
یارب مُقابلہ ہے سمندر سے جھیل کا

کیا گفتگو کرے کوئی اُس ذات پاک میں
یہ وہ جگہ ہے دخل نہیں قال و قلیل کا

اُلفت کی راہِ سنگ سے بھی ہے زیادہ سخت
کوسوں نشان تک نہیں ملتا ہے میل کا

زانو سے اُس کا سینۂ زخمی نہ یوں دبا
قاتل ذرا تو پاس کر اپنے قتیل کا

منعم کسی کے کعبۂ دل کو نہ توڑنا
مخفی نہیں ہے معرکہ اصحابِ فیل کا

ساقی نے کر دیا ہے مجھے مے کدہ معاف
جاری ہے حکم بادہ پر اب تو سبیل کا

ناحق الجھ رہے ہو تم اے منکر و نکیر
خیرؔ اک ذلیل بندہ ہے ربِّ جلیل کا

(۵)

رہنے دو مداوا مری شوریدہ سری کا
دیوانہ ہوں سر پر مرے سایہ ہے پری کا

آنکھیں تری دیکھیں تو ہرن چوکڑی بھولیں
یاد آئے چراگاہ، نہ ہوش آئے چری کا

دن رات مرے رونے سے ہم سایہ ہیں نالاں
ماتم ہے ہر اک گھر میں تری نوحہ گری کا

روشن ہے کہ ہے چاند بھی دیوانہ کسی کا
بے وجہ اُسے شوق نہیں، دربدری کا

مو ہے نہ رگِ گل ہے نہ یہ تارِ نظر ہے
مضموں نہیں ملتا تری نازک کمری کا

قاصد کہیں اب مژدۂ وصل آ کے سنائے
مُشتاق مرا کان ہے اس خوش خبری کا

زنجیریں پہنائیں تری زلفوں نے پری رُو
دیوانوں میں غُل ہے تری بے دادگری کا

آہو ہے نہ جادو ہے نہ بادام نہ نرگس
کرتی ہے وہ آنکھ اِن پہ اشارہ نظری کا

کیوں خشک نہ کر دے مجھے اس عشق کی گرمی
نام اس سے نہیں رہتا ہے دریا میں تَری کا

اٹکھیلیوں سے آئے اگر تیرے مُقابل
توڑوں تری پاپوش سے سر کبک دری کا

پیوست ہے یوں دل میں ترا تیر سہ پہلو
سوفار کا زخموں میں پتا ہے نہ سری کا

پہنے ہیں جوانانِ چمن پھولوں کے گہنے
موسم ہے یہ اے دستِ جنوں جامہ دری کا

اے روح نہ مرقد میں مجھے چھوڑ اکیلا
کچھ پاس تو لازم ہے تجھے ہم سفری کا
کچھ خیؔر کی حالت پہ اسے رحم نہ آیا
اے آہ میں قائل ہوں تری بے اثری کا

(۶)

دیکھ کر جلوہ رُخِ پر نور کا
پھر گیا آنکھوں میں نقشہ طور کا
ماتھے پہ ٹیکا نہ دے سیندور کا
خون ہوگا اِس دلِ رنجور کا
لینے آیا ہے مجھے پیکِ اجل
راہ ٹیڑھی ہے سفر ہے دور کا
کیوں کروں ناحق تمنائے بہشت
واعظو ! عاشق نہیں میں حُور کا
روزِ فُرقت اس قدر تاریک ہے
شبہ ہوتا ہے شبِ دیجور کا
مے کے پینے سے غرض ہے ساقیا
جام ہو مٹی کا یا بلور کا
ہم فقیری میں ہیں اپنی خیؔر مست
ہیچ تاج و تخت ہے فغفور کا

(۷)

دخل میں نے جو تری بزم میں پایا ہوتا
عرشِ اعلیٰ پہ مری کرسی کا پایا ہوتا
شامیانے کی تمنا ہے نہ گنبد کی ہوس
قبر پر یار کی دیوار کا سایا ہوتا
رکھ کے تربت میں جو تلقین پڑھی یاروں نے
حالِ دلدار مناسب تھا سُنایا ہوتا
مہندی ملنے سے ترے ہاتھ لگا کیا قاتل
خون اپنے دلِ عاشق کا لگایا ہوتا
خیؔر کے حال سے ہوتی تمہیں آگاہی جب
ہاں جو اس کی طرح دل آپ کا آیا ہوتا

(۸)

ستم دیکھے کوئی چرخِ کہن کا
لحد پر بھی ہے تودہ لاکھ من کا
ہوا ہے بے طرح صیّاد دشمن
خُدا حافظ ہے مُرغانِ چمن کا
شمیمِ زلف کا دیوانہ ہوں میں
مجھے سودا نہیں مُشکِ ختن کا
رہا یہ پاسِ عشقِ چشمِ جادو
نہ چکھا گوشت بھی ہم نے ہرن کا
صبا میں ہے عجب خوشبوئے نازک
کہیں پھولا ہے تختہ یاسمن کا
کوئی مل جائے گر غربت میں مجھ کو
تو پوچھیں حال کچھ اہلِ وطن کا
بیاباں مرگ قسمت نے کیا ہے
نہیں محتاج میں گور و کفن کا
کبھی دو خیؔر کو اِذنِ حضوری
وہ ہے مُشتاق تیری انجمن کا

(۹)

صباحت کیا کرے گی تیرے رُخ کی یاسمیں پیدا
گلستانِ جہاں میں دوسرا تجھ سا نہیں پیدا
ہزاروں رنج ہوتے ہیں پئے جانِ حزیں پیدا
ہمارا پوچھتا آتا ہے گھر ، غم ہو کہیں پیدا
خیالِ زلف میں رو کر جو میں نے اشک پونچھے ہیں
تو لاکھوں ہوگئے ہاتھوں میں مارِ آستیں پیدا
تلاطم خفتگانِ خاک میں ہے میرے رونے سے

مری آنکھوں نے اک طوفاں کیا زیرِ زمیں پیدا
کوئی تو کیجیے کارِ نمایاں عشق بازی میں
کہ ہو دونوں جہاں میں اک صدائے آفریں پیدا
کسی کے نام سے ہے خیرؔ زینت لوحِ عالم کی
یہ ایسا نقش ہے جس سے ہوا حُسنِ نگیں پیدا

(۱۰)

اے فلک چھوڑ دے شیوہ ستم ایجادی کا   حوصلہ تنگ ہوا ہے ترے فریادی کا
ذوق اب دخترِ رز سے ہے مجھے شادی کا   شوق ہے پیرِ مُغاں کی مجھے دامادی کا
کوئی غم دوست زمانہ میں نہ ہوگا مجھ سا   نام بھولے سے بھی لیتا نہیں ہوں شادی کا
مٹ گئیں سامنے اِن آنکھوں کے کیا کیا شکلیں   بھول سکتا ہے سماں دل سے اُس آبادی کا
خیرؔ تُربت پہ گرائے تو کسی نے آنسو
دیکھ کر حال مری خاک کی بربادی کا

(۱۱)

سخت ہنگامہ مری آہ و بکا سے ہوگا   تہلکہ حشر میں نالوں کی صدا سے ہوگا
دردِ سر دور ہمارا نہ دوا سے ہوگا   فائدہ یار کی خاکِ کفِ پا سے ہوگا
عشق ہم کو جو تری زُلفِ دوتا سے ہوگا   سامنا روز نئی ایک بلا سے ہوگا
استخواں پر مری ہوگی نہ لڑائی کیا کیا   معرکہ خوب سگِ یار و ہما سے ہوگا

اس شہہِ حسن کی محفل میں بھلا کیا جاؤں   ملتفت کب کوئی سلطان گدا سے ہوگا
قید میں تنگ رہا کرتا ہوں اے جوشِ جنوں   دل شگفتہ مرا صحرا کی ہوا سے ہوگا
بانکپن آپ کا کم خنجر برّاں سے نہیں   قتل ہر ایک اسی ناز و ادا سے ہوگا
دل چُرا کر مرا لائے گا کفِ رنگیں سے   کام مُشکل ہے مگر دُزدِ حنا سے ہوگا
اے بُتو! کوئی شکایت نہیں تم سے ہم کو   شکوہ و شُکر جو ہوگا تو خُدا سے ہوگا
کوئی ایسا نہیں پہنچائے جو نامہ میرا   یہ کبوتر سے نہ یہ پیکِ صبا سے ہوگا
جب کرم ہی نہیں کیوں رکھتے ہو اُمّیدِ کرم
اب جو کچھ ہوگا تو خیرؔ ان کی جفا سے ہوگا

(۱۲)

قاتل جو تیرے ہاتھوں خونِ وفا نہ ہوتا   یوں شوخ و سُرخ ایسا رنگ حنا نہ ہوتا
واقف اگر میں ہوتا گیسو کے پیچ وخم سے   ناحق کو اس بلا میں پھر مُبتلا نہ ہوتا
آنے سے تیرے کیا کیا ارمان دل کے نکلے   جانے سے رنج وغم میں کیوں مبتلا نہ ہوتا
تیرے قدم کے نیچے سمجھے ہیں ہم قیامت   کیوں کر قدم قدم پر محشر بپا نہ ہوتا
آنے کا میرے گھر تک وعدہ تو کوئی کرتا   پھولوں کی سیج کھِچتی مئے ہوتی، کیا نہ ہوتا
میری طرح عدو کا ہوتا جو عشق صادق   شکوے کے نام سے بھی لب آشنا نہ ہوتا
مجبور کر دیا ہے فُرقت نے خیرؔ مجھ کو
دل مضطرب نہ ہوتا جو وہ جُدا نہ ہوتا

(۱۳)

لال چہرہ جو ہوا اُن کا تو میں زرد ہوا
وہ اگر گرم ہوئے خوف سے میں سرد ہوا

سچ تو یہ ہے کہ زمانے میں نہیں تیرا نظیر
دفترِ عالمِ امکاں میں تو ہی فرد ہوا

بادِ پا یار کا چلنے میں وہ ہے تند ہوا
سامنے پڑ گیا جو اُس کے وہی گرد ہوا

رنج جب تک نہ ہو پھر عیش کا کچھ لطف نہیں
مجھ کو تسکین ہوئی دل میں اگر درد ہوا

خیؔر کیوں تو ہمہ تن درد بنا خیر تو ہے
اتنی سی عُمر میں کس کس کا تجھے درد ہوا

(۱۴)

رُت پھری صحرا میں سبزہ جا بہ جا پیدا ہوا
دل میں پھر جوشِ جنوں پھر ولولہ پیدا ہوا

ابر آیا شوق سے پھر ساقیا پیدا ہوا
پھر طبیعت میں مری تازہ مزا پیدا ہوا

دل ہمارا ہے ترے تیرِ مژہ کے واسطے
تیغِ ابرو کے لیے میرا گلا پیدا ہوا

وقتِ پیدائش مرے رونے پہ سب کہنے لگے
لیجیے اِک اور غم کا مبتلا پیدا ہوا

سوئے وہ مہندی لگا کر اور میں جاگا کیا
رات بھر اندیشۂ دُزدِ حنا پیدا ہوا

قلبِ بے جا میں میرے، جان ساقی آ گئی
بادۂ خوں ناب سے آبِ بقا پیدا ہوا

تیرے سُرمے کے لیے حق نے جلایا طور کو
تیرے ہاتھوں کے لیے رنگِ حنا پیدا ہوا

شُکرِ نعمت میں نہ غفلت چاہئے انسان کو
جاگ اٹھا میں جو شورِ آسیا پیدا ہوا

یاد مجھ کو آ گئی اُس یوسفِ گم گشتہ کی
آنکھ بھر آئی اگر شورِ درا پیدا ہوا

محفلِ عالم میں ہے مجھ کو بھی اک سوز و گداز
شمع کی صورت ہوں میں بھی دل جلا پیدا ہوا

خیؔر تھا بیمارِ اُلفت، اس کی لو جلدی خبر
اُس طرف کیوں نالہ و شور و بُکا پیدا ہوا

(۱۵)

نہ خوں آنکھ سے کب ٹپکتا رہا
یہ ساغر ہمیشہ چھلکتا رہا

مجھے دوست جب دفن کرنے لگے
میں حسرت سے اِک اِک کو تکتا رہا

جو چہرے سے اُس نے الٹ دی نقاب
تو پہروں مجھے ایک سکتا رہا

ملا کیسی مشکل سے گھر یار کا
مرا نامہ بر کیا بھٹکتا رہا

گئی خارِ غم کی نہ دل سے خلش
یہ کانٹا جگر میں کھٹکتا رہا

درِ یار کھولا نہ دربان نے
میں رو رو کے سر کو پٹکتا رہا

کسی سے ہوا طے نہ صحرائے عشق
ہر اک اس میں آ کر بھٹکتا رہا

شبِ وعدہ آیا نہ وہ بے وفا
عبث راہ میں اس کی تکتا رہا

وہ پیتے رہے غیر کے ساتھ مے
اِن آنکھوں کا ساغر چھلکتا رہا

اسی سے لڑی آنکھ پھر خیؔر کی
وہ آنکھوں میں جس کی کھٹکتا رہا

(۱۶)

پاؤں جو غُبار اس کے در کا
ہو جائے علاج دردِ سر کا

محتاج نہیں میں سیم و زر کا
مشتاق ہوں ایک سیم بر کا

سمجھے جو بال اُس کمر کو
بے شبہ قصور ہے نظر کا

پاتا نہیں چین وصل میں دل
دھڑکا ہے شام سے سحر کا

قاصد پھر آیا ہائے محروم
پایا نہ سُراغ اس کے گھر کا

ٹوٹے گا نہ تارِ اشک اے چشم   رشتہ مضبوط ہے گُہر کا
آنسو جو نکلیں تو آبرو ہو   رُتبہ ہو صدف کیا گہر کا
کیوں خیرؔ کمر کو باندھتے ہو
بتلاؤ تو عزم ہے کدھر کا

(۱۷)

خونِ ناحق مرا جلّاد نہ پنہاں ہوگا   دیکھنا حشر میں دامن ترا افشاں ہوگا
دشتِ وحشت میں جنوں خیز جو ساماں ہوگا   آگے آگے مرے ہرغولِ بیاباں ہوگا
وہ پری رُو جو کبھی گھر مرے مہماں ہوگا   میرا ویرانہ بھی ہم شکلِ پرستاں ہوگا
جور و بے داد کا ان کی جو یہ پایاں ہوگا   کون سا گھر ہے جہاں میں جو نہ ویراں ہوگا
فصلِ گُل آتے ہی ہوجائے گا پھرزورِجنوں   بیڑیاں ہوں گی نہ قفلِ درِ زنداں ہوگا
آپ برسات میں دیکھیں مرے رونے کی بہار   اُس طرف ابر اِدھر دیدۂ گریاں ہوگا
قتل کے بعد تڑپنے کا مزا آئے گا   زخم پر میرے جو قاتل نمک افشاں ہوگا
شکلِ سیماب پہ اپنے دل بیتاب کا حال   تیرے آئینۂ دل پر بھی نمایاں ہوگا
تیغ پر تیغ لگائے گا جو جلاد مجھے   مرتے مرتے بھی اک احسان پہ احساں ہوگا
بے حجابی جو شبِ وصل کی یاد آئے گی   صبح دم مُنہ پہ پڑا گوشۂ داماں ہوگا
چشمِ بد دور ہے کیا یار کا دریائے شباب   اب ترقی جو ہوئی جوششِ طوفاں ہوگا
حشر کے معرکے میں خیرؔ قیامت ہوگی
جب مرے ہاتھ میں اُس شوخ کا داماں ہوگا

(۱۸)

روکے ان آنکھوں نے کیا طوفانِ شور افزا کیا
بحر کو جیحوں[1] بنایا نہر کو دریا کیا
خواب میں ڈُوڑا کُھلا دیکھا جو چوٹی کا تری
دل ہی دل میں اک تصوّر رات بھر باندھا کیا
آدمی کیا دل فرشتوں کے ہوئے ہیں پائمال
چال نے تیری دو عالم کو تہہ و بالا کیا
صبح تک وعدے کی شب در سے لگی تھی اپنی آنکھ
وہ نہ آیا رات بھر میں راستا دیکھا کیا
آبرو بخشی ہوئی ہے تیری اے ابرِکرم
قطرۂ ناچیز تھا میں، گوہرِ یکتا کیا
ہوگیا رنگِ مساوی اعلیٰ و ادنیٰ میں بھی
پہلوئے گُل میں جو تونے خار کو پیدا کیا
تیرے حُسنِ فیض سے پائی ہے ذرّوں نے چمک
تیرے نورِ لطف نے مُنہ چاند کا اُجلا کیا
بے حجابانہ نہ اُس سے وصل کی ٹھہری کبھی
جب ہوئی خلوت میسّر آنکھ کا پردا کیا
کی سَحر نے دیر آنے میں تو مرجائیں گے ہم
کس قدر ہم نے تحمّل اے شبِ یلدا کیا

[1] ایران کی ایک ندی کا نام ہے

عطر ملنے کے بہانے سے ملی چھونے کو زُلف
کیا مرے ہاتھوں نے بھی کارِ یدِ طولا کیا
گر پڑا چاہِ ذقن میں جا کے اندھوں کی طرح
خیؔر دل نے کچھ نہ مانا میں بُہت روکا کیا

(۱۹)

بہت ہے شوق اُن کو آج کل زلفیں بنانے کا
جبھی چوتھے فلک پر ہے دماغ ان روزوں شانے کا
مزہ کچھ پڑ گیا ہے آپ کو میرے رُلانے کا
یہ لپکا چھوڑیئے ہر ایک سے آنکھیں لڑانے کا
بہار آئی ہے موسم ہے یہی صحرا کے جانے کا
خدا جانے کھلے گا قفل کس دن قید خانے کا
چمک جائے نہ کیوں کر رنگ رُخِ گیسو بکھرنے سے
تحمّل کب سمندِ حسن کو ہے تازیانے کا
اندھیرا ہے کبھی شب کا کبھی ہے روشنی دن کی
دگرگوں دیکھتا ہوں رنگ آنکھوں سے زمانے کا
ترے تیرِ نگہ سے ہو گیا ہے دل مرا چھلنی
نہیں ممکن کفِ انداز سے بچنا نشانے کا
نہیں معلوم کیا صیاد کو ہم سے عداوت تھی
نہ چھوڑا ایک تنکا بھی ہمارے آشیانے کا
بیاباں مرگ ہوں میں بے کسی چھائی ہے تُربت پر
نہ میں محتاج چادر کا نہ خواہاں شامیانے کا

ہنسی موقوف ہوتی ہے میں جب تک رو نہیں لیتا
مزا ہے یہ طبیعت کو مری آنسو بہانے کا
دکھایا خانۂ صیّاد آخر آج قسمت نے
تقاضا مدّتوں سے خیؔر تھا یہ آب و دانے کا

(۲۰)

بہار آئی ہے دیوانے ہیں اور سبزہ ہے جنگل کا
بچھا ہے فرش کوسوں تک زمیں پر سبز مخمل کا
شراب ایسی پلا دے تُند اے ساقی ترے صدقے
کہ ہم کو ہوش پھر باقی رہے ساغر نہ بوتل کا
ہمارے قتل کو پہلے پہل تلوار اٹھائی ہے
بہک جائے نہ ہاتھ اُن کا کہیں ہے وار اوّل کا
لبِ شیریں سے ہم کو گالیاں دیں یار نے اکثر
مزہ قندِ مکرر میں ملا قسمت سے حنظل کا
وہاں اقرار میں دیدار کے امروز فردا ہے
یہاں ہم آج ہیں لیکن بھروسا کچھ نہیں کل کا
میں تنگ آیا ہوں مر جاؤں گلے میں ڈال کر پھانسی
اگر ڈورا کوئی مل جائے مجھ کو اس کے ہیکل کا
پسینہ اس کو آ جاتا ہے شبنم کے ڈوپٹے سے
گراں ہے اُس حسیں کے ہاتھ میں رومال ململ کا

سماں برسات کا دکھلاؤ ایسا چشمِ گریاں سے
کہ بھولے سے نہ کوئی نام لے ساون کے بادل کا
ملا کیا زندگی کا لُطف صدقے دستِ قاتل کے
دہانِ زخم سے پوچھو مزا تلوار کے پھل کا
عدم کی راہ میں کافی ہیں یہ داغِ جگر اپنے
نہیں ہے چاندنی میں راہ رَو محتاج مشعل کا
ابھی بچپن ہے وہ واقف نہیں ہیں دل ربائی سے
نہ مِسّی سے ہیں لب واقف، نہ شوق آنکھوں کو کاجل کا
سوا تیرے تصّور میں سمائے دوسرا کیوں کر
یہ دل ہے خیّر کا حلقہ نہیں ہے چشمِ احول کا

(۲۱)

نوکِ مژگانِ یار کیا کہنا | ہے اپنے دل کے پار کیا کہنا
اے دلِ داغ دار کیا کہنا | پھٹ پڑی ہے بہار کیا کہنا
تنگیٔ دہنِ یار کیا کہنا | غنچے ہیں شرمسار کیا کہنا
شومئی بخت آفریں تجھ کو | گردشِ روزگار کیا کہنا
برق و پارے کی ہے حقیقت کیا | اے دلِ بے قرار کیا کہنا
پھول جھڑتے ہیں تیری باتوں سے | اے مرے گلعذار کیا کہنا
موسم برشگال دکھلایا | دیدۂ اشکبار کیا کہنا
کون دل سوز اب ہے، تیرے سوا | میری شمعِ مزار کیا کہنا

تشنۂ قتل کو کیا سیراب | خنجرِ آب دار کیا کہنا
خیّر کی خاک خوب کی برباد
اے مرے شہہ سوار کیا کہنا

(۲۲)

اُڑا لے جائے گی صرصر چمن سے آشیاں اپنا
نہ لے تو خار و خس کو چُھو کے صحرائے باغباں اپنا
میں جاؤں کس طرح بیٹھے ہوئے ہیں وہ رقیبوں میں
نہ کوئی دوست ہے اپنا نہ کوئی مہرباں اپنا
تہی قالب کو کر کے روح جنت کو ہوئی راہی
یوں ہی چھوڑیں گے رفتہ رفتہ سب اک دن مکاں اپنا
بہارِ چند روزہ پر مٹے ہیں باغباں ہم بھی
کبھی یہ گل ترے ہوں گے نہ ہوگا گلستاں اپنا
اکیلے کس طرح تُربت میں گذرے گی خُدا جانے
شفیقِ حال ہے کوئی نہ کوئی مہرباں اپنا
بتاؤ رُبع مسکوں سے رہیں اب ہم کہاں چل کر
نہ اک چپّہ زمیں اپنی نہ ہے یہ آسماں اپنا
نہیں پرہیز کچھ مے سے ہمیں، ہم رند مشرب ہیں
پیالہ دے کے کر لے معتقد پیرِ مغاں اپنا

تعجب کیا رخ خورشید الجھ جائے جو سیلی میں
کمر توڑے گا چرخِ پیر کی وہ نوجواں اپنا
دھواں بے طور سینے سے نکلتا ہے اب آہوں کا
کہیں افشائے عالم ہو نہ یہ رازِ نہاں اپنا
کمر کے بال پر اے خیرؔ ناحق موشگافی کی
کہیں ایسا نہ ہو یہ پیچ ہو جائے گماں اپنا

(۲۳)

لے ترے تختۂ گلزار کو میں رن سمجھا
شاخِ گل کو روشِ خنجرِ آہن سمجھا
کوئی اب تک نہ تجھے اے بُتِ پُرفن سمجھا
کچھ اگر شیخ تو تھوڑا سا برہمن سمجھا
کوئے جاناں کو نہ کیا کیا دلِ روشن سمجھا
کبھی فردوس کبھی وادیِ ایمن سمجھا
واہ اے دستِ جنوں خوب اڑائے پُرزے
جیب دیکھا نہ گریبان نہ دامن سمجھا
مرکے بھی وادئ غُربت میں تعلّی نہ گئی
گنبدِ چرخ کو میں گنبدِ مدفن سمجھا
وادئ عشق میں ایسا میں رہا خود رفتہ
دوست کو دوست نہ دشمن کو میں دشمن سمجھا

اشتباہات تری زلف پہ کیا کیا نہ رہے
شاخِ سنبل کوئی سمجھا کوئی ناگن سمجھا
سختیاں جھیلیں ہیں وہ عشقِ بتاں میں اے خیرؔ
موم بھی ہاتھ میں آیا تو میں آہن سمجھا

(۲۴)

نظر آئے جو تیرا، خواب میں عالم جوانی کا
خیال آئے زلیخا کو نہ یوسفؑ کی کہانی کا
یہ عالم اب تو پہنچا ہے ہماری ناتوانی کا
کہ نقشہ کھینچنے میں کانپتا ہے ہاتھ مانؔی کا
لبِ جاں بخش نازک ہیں، تو ہیں باریک دنداں بھی
مناسب چاہیے الفاظ سے ہونا معانی کا
تری سرکار میں شاہ وگدا کا حال یکساں ہے
ملی خاتَم سلیماں کو، ہمیں چھلاّ نشانی کا
کفن تیار ہوتا ہے لحد تیار ہوتی ہے
عدم کی راہ میں ہے خوب ساماں میہمانی کا
جلے جاتے ہیں حاسد حُسن کے میری گرم غزلوں کو
جہاں میں آج کل غُل ہے مری آتش زبانی کا
خدا کے واسطے تکرار جانے دو نقاب اُلٹو
پرانا ہو چکا ہے اب یہ قصّہ لن ترانی کا

نہ چھوڑوں گا ترا دستِ حنائی، چور پکڑا ہے
بہت جاگا کیا ہوں لے کے عہدہ پاسبانی کا
خُدا جانے طبیعت کیوں ہے مائل بُت پرستی پر
اثر شاید ہمیں بھی ہوگیا گنگا کے پانی کا
بندھا کرتے ہیں لاکھوں چشم کے مضمون شعروں میں
طبیعت کو ہمارے شوق ہے جادو بیانی کا
عبث اِس بے وفا کے عشق میں اے خیؔر مرتے ہو
بھروسا کچھ نہیں اے یار اس دنیائے فانی کا

(۲۵)

بہار آئی ہوئے گل ہائے نسرین وسمن پیدا
ہزاروں ہوگئے شاخوں پہ مُرغانِ چمن پیدا
تکلّف کیا اگر گل نے کیا اک پیرہن پیدا
ہزاروں رنگ کرتا ہے مرا غنچہ دہن پیدا
تمہاری ٹھوکروں سے جان ہیں کبکِ دری پاتے
نگاہوں سے تمہاری ہوتے ہیں لاکھوں ہرن پیدا
مزا ملتا نہیں جب تک نہ زخموں پر نمک چھڑکوں
نہیں تسکین جب تک ہو نہ داغوں میں جلن پیدا
تہہ و بالا تری رفتار کرتی ہے دو عالم کو
نرالا ایک عالم سے کیا تم نے چلن پیدا

غنیمت جان اے دل، صحبتِ احباب ہستی میں
عدم میں ہوں گے یہ جلسے نہ ایسی انجمن پیدا
دوبارہ پھر ہوا پیری میں عشق اُس تیغِ ابرو کا
الٰہی خیر کرنا، پھر ہوا زخمِ کہن پیدا
سیاہی اب تو زائل کر الٰہی شامِ غُربت کی
تمنا ہے کہیں جلدی سے ہو صبحِ وطن پیدا
غم و درد و الم پیدا ہوئے ہیں واسطے میرے
ہوا ہوں میں زمانے میں، پئے رنج ومحن پیدا
کہاں تک دوش پر لے کر پھروں میں بارِ گردن کو
الٰہی دیکھئے کب تک ہو کوئی تیغ زن پیدا
لڑاتا ہے اگر صحرا میں آنکھیں میرے وحشی سے
کرے گا لال ڈورے کس طرح ایسے ہرن پیدا
نہیں صحرا نوردی میں کچھ اندیشہ حوادث کا
یہاں کوسوں نہیں ہوتا نشانِ راہ زن پیدا
عجب عبرت سرا ہے یہ خراب آبادِ عالم بھی
مرا کوئی تو فوراً ہوگیا دُزدِ کفن پیدا
مقابل کس طرح ہوگا لبِ رنگینِ جاناں سے
نزاکت تو کرے اس رنگ کی لعلِ یمن پیدا
خیالِ زلف میں جس سرزمیں پر جم کے روؤں میں
تو سبزہ کی جگہ ہوں نافۂ مشکِ ختن پیدا

حسینانِ جہاں درپے ہیں میری جان لینے کے
متاعِ دل نے لاکھوں کر دیے ہیں راہزن پیدا
سمجھ کر مارنا تیشہ نہ کھونا جانِ شیریں کو
نہ پھر یہ سر ترا ہوگا کبھی اے کوہ کن پیدا
کیا ہے بے نشاں اس طرح کھا کر مجھ کو مٹی نے
اگر ڈھونڈھو تو تربت میں نہ ہو تارِ کفن پیدا
ہماری ذات سے اے خیرؔ چمکی ہے غزل گوئی
گئی ظلمت ، ہوئی جس وقت شمعِ انجمن پیدا

(۲۶)

اگر تم کو نہیں آتا یقیں قاصد کے کہنے کا
خود آ کر دیکھ لو موقع نہیں اب دور رہنے کا
عبث ہر اک کو دل دے کے اپنی جان کھوتے ہو
غضب یہ پڑ گیا لپکا ہمیں بھی رنج سہنے کا
اگر اقرار آنے کا کرے تو اے گلِ خوبی
یہاں سامان کچھ ہم بھی کریں پھولوں کے گہنے کا
بہا دیں ندیاں نالے مری چشموں نے رو رو کر
ذرا تم بھی تو دیکھو لُطف اس دریا کے بہنے کا
کسی کے عشق میں باقی نہیں اب پاسِ رسوائی
اثر ہوتا نہیں اے خیرؔ کچھ ناصح کے کہنے کا

(۲۷)

کیا زور تیرا دیدۂ گریاں نکل گیا
اب دل سے خوف جوششِ طوفاں نکل گیا
آتے ہی فصلِ گل کے ہوا خود بخود یہ حال
دامن کہیں ، کہیں سے گریباں نکل گیا
بچپن تک کیسی دیتے تھے تم گالیاں مجھے
ہاں سچ ہے اب وہ وقت مری جاں نکل گیا
اللہ رے زور دستِ کماں دار، آفریں
سینے کو میرے توڑ کے پیکاں نکل گیا
پاتے نہیں ہیں بوٗ جو کسی گل میں اے نسیم
گلشن سے کون سا گلِ خنداں نکل گیا
دشتِ جنوں میں کٹ گئیں کیا کیا مصیبتیں
ہر آبلہ سے خارِ مغیلاں نکل گیا
رونا نہیں تو خاک کرے سوزِ دل اثر
بجلی کا خوف کیا ہو کہ باراں نکل گیا
ٹکڑے ہمارے دل کے اڑائے سپر کی طرح
تیغِ نگاہِ یار کا ارماں نکل گیا
کب تیلیاں قفس کی میں گنتا نہیں رہا
کب دل سے میرے شوقِ گلستاں نکل گیا
بوسے کی آرزو میں رہا یاں لبوں پہ دم
اُن کے نہ مُنہ سے خیرؔ کبھی ہاں نکل گیا

(۲۸)

جوابِ خط نہ آیا ، نامہ بر آیا ، تو کیا آیا
دوائے دل نہیں ، تو چارہ گر آیا ، تو کیا آیا
لحد پر فاتحہ کو بے خبر آیا تو کیا آیا
اسے اب رحم میرے حال پر آیا ، تو کیا آیا
دمِ آخر جو وہ رشکِ قمر آیا تو کیا آیا
جو بھولا شام کا وقتِ سحر آیا ، تو کیا آیا
محبت میں نہیں اے خیرؔ کچھ ڈر جان جانے کا
نہیں پروا مجھے مُنہ تک جگر آیا، تو کیا آیا

(۲۹)

اللہ کیا اثر ہے کسی کے فراق کا — پُتلا بنا دیا ہے مجھے اشتیاق کا
کرتا نہیں ہے کوئی بھی گم گشتگاں کی یاد — نسیاں کا طاق نام ہے کسریٰ کے طاق کا
اٹھتا نہیں اُس سے بارِ نبوت کسی طرح — عیسیٰ کے خر پہ بار پڑا تھا براق کا
کیا کیا مزے اٹھاتا ہے دل تجھ سے اے پری — انساں ملا نہ ہم کو کوئی اس مذاق کا
سوزش ہمارے قلب کی جاتی نہیں کبھی — کیا ہم کو ہوگیا ہے مَرض احتراق کا
روتا ہوں ایک کعبۂ ابرو کے عشق میں — آنکھوں پر اب گمان ہے مسجد کے طاق کا
ہے خیؔر انقلابِ جہاں سے عجب مجھے
بدلا نہ رنگ گنبد نیلی رواق کا

(۳۰)

وہ مرا مہہ جبیں نہیں ملتا — نہیں ملتا کہیں نہیں ملتا
صبح تک چھوڑتا نہ میں اس کو — گر کسی شب وہ مہہ جبیں ملتا
دہنِ یار میں کروں کیا فکر — قافیہ تنگ ہے نہیں ملتا
عشقِ گیسو میں فال کھلواتے — کوئی ہم کو جو شانہ بیں ملتا
کچھ تو کہہ لیتے حالِ دل اے خیؔر
وہ اکیلا اگر کہیں ملتا

(۳۱)

مری آہ کا تم اثر دیکھ لینا — پکڑ لوگے اِک دن جگر دیکھ لینا
نہ ٹھہروں گا جنت میں بھی اک دم میں — جو یاد آگیا اُن کا در دیکھ لینا
ترے دیکھنے کی فقط لَو لگی ہے — میں ہوں مثلِ شمعِ سحر دیکھ لینا
وہ کھایا کریں جھوٹی قسمیں برابر — مری یاد آئے گی سر دیکھ لینا
ندامت تمہیں ہوگی اچھا نہ ہوگا — یہ درد اے مرے چارہ گر دیکھ لینا
نہ پوچھو مرا مدعا مجھ سے اے جاں — کہ کر لوگے نیچی نظر دیکھ لینا
کبھی سیرِ گلزار کی ہو جو خواہش — مرا آکے داغِ جگر دیکھ لینا
کھنچی آئے گی آپ زنجیرِ آہن — مرے پاؤں کا یہ اثر دیکھ لینا
قیامت کی یہ شوخیاں ہیں کسی کی — اِدھر دیکھ لینا ، اُدھر دیکھ لینا
نہیں غم اگر جسم خاکی قفس ہے — مرا عرش پر ہے گزر دیکھ لینا
یہ دھمکی ہے ان کی، کہ اچھا نہ ہوگا — نہ دل دوگے مجھ کو اگر دیکھ لینا
نہ دھوکے میں اغیار کے خط کو لینا — لفافہ پہ مہر اے قمر دیکھ لینا
جو تھا ناز چڑھتی جوانی پہ تم کو — ڈھلی حُسن کی دوپہر دیکھ لینا
کمال آپ کو حضرتِ خیؔر ہولے
تو گھر بیٹھے آئے گا زر دیکھ لینا

(۳۲)

اس طرح بے حس ہو، جیسے نقش ہو، دیوار کا
مٹ چلے ہو اب بھی چونکو، کام ہے ہُشیار کا
رنگ ہی بدلا ہوا ہے اب در و دیوار کا
نرخ بھی کچھ اور ہے اس دہر کے بازار کا
اس طرح ہو خوابِ غفلت میں کہ سُنتے ہی نہیں
خود ہی سوچو دل میں تم، یہ کام ہے، ہُشیار کا
ہائے دولت تو گئی غیرت بھی ساتھ اس کے چلی
اب تو طعنہ سن رہے ہو غیرِ ناہنجار کا
قوم جائے بھاڑ میں اپنی تن آسانی سے کام
ہو رہا ہے حال یہ اب قوم کے زردار کا
کچھ تجارت کا سلیقہ، کچھ نہ کھیتی کا شعور
بے لیاقت کام ہو سکتا نہیں دربار کا
یوں گری ہے قوم اپنی اب سنبھلنا ہے محال
چارپائی سے ہو اٹھنا جس طرح بیمار کا
ناز پروردہ تھے تم اے خیرؔ پر اب کچھ نہیں
تار تک باقی نہیں اب جبّہ و دستار کا

(۳۳)

جب سے ذکرِ شعر خوانی اٹھ گیا   ہائے لطفِ زندگانی اُٹھ گیا
خط میں لکھا ہے خود جاتے ہیں ہم   آج پیغامِ زبانی اُٹھ گیا
لاکھ سمجھاتے رہے اُس شوخ کو   ایک بھی اُس نے نہ مانی اُٹھ گیا
کون آیا تھا تمہارے گھر میں آج   کی جو تم نے مہربانی اُٹھ گیا
کوہ و صحرا کی اڑاتا تھا جو خاک   آج وہ مجنونِ ثانی اُٹھ گیا
میں ترے کوچہ سے جب باہر ہوا   دشتِ غم کی خاک چھانی اُٹھ گیا
داستاں بیٹھا ہوا سُنتا تھا وہ   جب کہی اپنی کہانی اُٹھ گیا
یار کی تصویر کیا وہ کھینچتا   پہلے ہی دنیا سے مانی اُٹھ گیا
داستانِ ہجر کی لایا نہ تاب   بزم سے وہ حور ثانی اُٹھ گیا
آکے جنٹلمین بیٹھا ہال میں   دیکھو وہ ہندوستانی اُٹھ گیا

کیوں نہ نکلے خیرؔ دل سے آہِ سرد
ہائے دُنیا سے فغانی اُٹھ گیا

(۳۴)

عنقا بھی اپنے نام کا عنقا نہ ہوسکا   اس سے ثبوتِ دعویٰ کا اصلا نہ ہو سکا
دل بستگی ہے کیوں دہنِ یار سے مجھے   اب تک کسی سے حل یہ معمّا نہ ہو سکا
جا کر مسیح بیٹھ رہے آسمان پر   بیمارِ ہجر اُن سے جب اچّھا نہ ہو سکا
مانی نے اپنے مُنہ کو کفن سے چھپا لیا   اُس سے درست جب ترا نقشا نہ ہو سکا

قاصد کہیں نہ بیٹھ رہے تھک کے راہ میں ناطاقتی کا حال کچھ املا نہ ہو سکا
فضلِ خدا سے دل کی مُرادیں بر آئیں سب
ارماں وہ کیا تھا خیؔر جو پورا نہ ہو سکا

(۳۵)

گھر کا جھگڑا ہائے مشہورِ زمانہ ہو گیا
اپنی خانہ جنگیوں کا اِک فسانہ ہو گیا
اپنا دل معمور رہتا تھا جو فرحت سے مدام
ہائے اب وہ رنج و کُلفت کا خزانہ ہو گیا
چھوڑ دے صیاد اسے اتنا نہ تو اس کو ستا
ہائے یہ مرغِ چمن بے آشیانہ ہو گیا
کون سمجھاتا اُنہیں برہم تھا پہلے سے مزاج
اونگھتے کو ٹھیلتے کا اِک بہانہ ہو گیا
عیش سے مسرور رہتا تھا جو دل اپنا مدام
اب تو وہ تیرِ حوادث کا نشانہ ہو گیا
بھائی کا بھائی ہے دشمن یار سب اغیار ہیں
کیا ہَوا بدلی ہے کیا رنگ زمانہ ہو گیا
مصرعہ اول نہیں ہے
بڑھ کے اک طومار اب تو یہ فسانہ ہو گیا

ہائے او خانہ براندازو ! تمہارے ظلم سے
اب دلِ صد چاک میرا مثلِ شانہ ہو گیا
تیرہ سو اور آٹھ ہجری میں ہوا گھر گھر نفاق
زہر اس بستی کا بالکل آب دانہ ہو گیا
یا علیؑ مشکل کشائی کیجیے بہرِ خدا
خیؔر اب تیرِ ملامت کا نشانہ ہوگیا

(۳۶)

نظرِ غیر کھا گئی ہے کیا رُخ پہ زردی یہ چھا گئی ہے کیا
کیوں یہ اٹکھیلیاں ہیں بادِ صبا سچ بتا کچھ تو پا گئی ہے کیا
کروٹیں لے کے کہتا ہوں شبِ ہجر نیند کو موت آگئی ہے کیا
کیوں نہیں بیٹھتے ہو پہلو میں کیوں! حیا کچھ سکھا گئی ہے کیا
بے سبب چپ سی لگ گئی ہے کیوں یاد پھر اُن کی آگئی ہے کیا
کیوں انہیں کا ہے تذکرہ ہر دم ہاں طبیعت کچھ آگئی ہے کیا
کیوں یہ آنکھیں جُھکی ہیں حضرتِ خیؔر
کوئی صورت سما گئی ہے کیا

مجھ سے نفرت اور غیروں سے محبت دیکھنا
میری چاہت دیکھنا اُن کی عداوت دیکھنا

جامِ کوثر ہم پئیں گے، یہ تلاشِ حور میں
حضرتِ واعظ کی محشر میں حماقت دیکھنا

کاتبِ قدرت نے زحمت کے عوض رحمت لکھی
ایک نقطہ سے ہوئی کیسی عنایت دیکھنا

سنتے ہی آتے ہو کانوں سے مگر اے واعظو!
شوخیٔ رفتار بھی ہے اِک قیامت دیکھنا

پڑگئی رندوں کے پالے خیر اب اس کی نہیں
شیخ صاحب اپنی دستارِ فضیلت دیکھنا

غیر کو خط لکھ کے مجھ سے کہہ رہے ہیں چھیڑ سے
اس کا مضموں دیکھنا اس کی عبارت دیکھنا

سُنتے ہیں وہ بام پر اب جلوہ گر ہونے کو ہیں
آؤ مشتاقو ! جو ہو صانع کی قُدرت دیکھنا

میں تو جَور و ظلم کا شکوہ کبھی کرتا نہیں
اُلٹے کرتے ہیں وہی میری شکایت دیکھنا

ہاتھ اٹھایا قتل کو اُس نے اِدھر گردن جُھکی
اس طرح ہوتی ہے بس صاحب سلامت دیکھنا

ناز کیا زاہد کو ہے اے خیرؔ دُنیا چھوڑکر
چھوڑ کر بیٹھا ہوں عقبیٰ میری ہمّت دیکھنا

ہمارا سا کوئی شیدا نہ ہوگا
تمہارا سا حسیں پیدا نہ ہوگا

ہنسا جائے گا یا رُسوا نہ ہوگا
اگر یہ عشق ہے تو کیا نہ ہوگا

تمہیں ہم دیکھ لیں گے اِک نہ اِک دن
قیامت میں تو یہ پردا نہ ہوگا

چھٹے گا قید سے یہ دل ہمارا
کسی کی زُلف میں جب شانہ ہوگا

علاج دردِ دل کی فکر بے سود
ترا بیمار اب اچّھا نہ ہوگا

کہا کرتے ہیں وہ ناز و ادا سے
جو دل مانگو گے تو اچّھا نہ ہوگا

زکوٰۃِ حُسن دینا مجھ گدا کو
کہ نامِ ہمّت مردانہ ہوگا

مری سُن کر صدا جھنجھلا کے بولے
وہی وحشی وہی دیوانہ ہوگا

پریشانی کبھی دل کو نہ ہوگی
جو زلفوں کا تری سودا نہ ہوگا

سوالِ بوسہ پر بولے بگڑ کر
سمجھ رکھو کبھی ایسا نہ ہوگا

کریں گے یاد تم کو خیرؔ احباب
تمہارا حال اِک افسانہ ہوگا

(۳۹)

اس میں رہتا ہے خیالِ رخِ روشن اُن کا
دل کہوں میں اُسے یا وادیٔ ایمن اُن کا

وہ بھی دن ہوگا الٰہی کیا قیامت کا دن
ہم گنہ گاروں کے ہاتھوں میں ہو دامن اُن کا

بہرِ گل گشت وہ آتے ہیں کیوں دل میں میرے
تازہ داغوں سے بہاروں پہ ہے گلشن اُن کا

حضرتِ خضر ادھر آؤ پریشاں ہے دل
راہ بھولا ہوں بتا دو مجھے مسکن اُن کا

آگے آگے میرے آقا چلے جاتے ہوں گے
پیچھے پیچھے یہ گنہ گار ہمہ تن اُن کا

پُشت پر مہرِ نبوّت ہے تو رُخ پر انوار
آئینہ دیکھ کہ رو پشت ہے روشن اُن کا

یہ وسیلہ مری بخشش کا نہیں ہے کچھ کم
حشر میں ہاتھ سے چھوٹے جو نہ دامن ان کا

خَیر کیا غم ہے جو در تک تو نہیں جا سکتا
خود بلا لیں گے اگر تو ہے ہمہ تن اُن کا

(۴۰)

تو نہ کیا کچھ نہ ستم ہم پہ ستم گر توڑا
بارہا عہد کیا پھر اسے اکثر توڑا

کیا ستم تو نے ارے او بُتِ کافر توڑا
دل کو توڑا، مرے اللہ کا یا گھر توڑا

تیرے مستوں کا ہے کچھ حال عجب اے ساقی
کہیں شیشہ کہیں بوتل کہیں کنٹر توڑا

باتوں باتوں میں کیا رام بُتِ کافر کو
کیا ہی اس کفر کو اللہ نے اکبر توڑا

شیشۂ دل کے لئے ٹھیس ذرا سی ہے پہاڑ
بال آجائے گا گر بال برابر توڑا

سخت جانی کا بُرا ہو کہ ہیں اب تک زندہ
ورنہ کیا کیا نہ ستم آپ نے ہم پر توڑا

حلقۂ پیرِ مغاں میں جو کل آیا واعظ
وجد میں اُس نے سبو، شیشہ و ساغر توڑا

ہم سے چھِن جائے گی اے ساقی گل فام ابھی
تو نے بھولے سے کہیں جام کا نمبر توڑا

دم ہی دیتے رہے اب آئے مسیحائی کو
ان کے بیمار نے جب دم تہہِ چادر توڑا

لعل و گوہر سے نہیں ہوگی تلافی اس کی
میرا دل توڑا ہے یا آپ نے گوہر توڑا

آتشیں رُخ کا کوئی مدِّ مقابل دیکھا
اس لیے آپ نے آئینہ کو جل کر توڑا

کس ڈھٹائی سے بیاں کرتے ہیں یہ عہد شکن
عہد ہم نے نہ کبھی داورِ محشر توڑا

اس زمیں میں گُلِ مضمون کھِلانا تھا ابھی
آپ نے خَیر ابھی سلسلہ کیوں کر توڑا

(۴۱)

نخل پامال کیا پھول بھی اکثر توڑا
دستِ گل چیں نے تو گلزار ہی یکسر توڑا

نخلِ امید پہ تھی شاخِ تمنا باقی
اس کو ظالم ترے جھونکوں نے نہ صرصر توڑا

لکھنؤ ! تیری بھی اِک شان نرالی ہوگی
ہائے محلوں کو ترے چرخ نے کیوں کر توڑا

لکھنؤ ! ہوگا کبھی عِلم و ہُنر کا مرکز
جہل نے ہائے خُمار مئے احمر توڑا

لکھنؤ کی جو تباہی کبھی سُن لیتے تھے
کہتے تھے شاہ کہ ہے ہے دلِ اختر توڑا

چترِ منزل تھا کبھی بارگہہ جانِ عالم
اس کا گردوں نے کہیں چتر کہیں در توڑا

تیری رونق بھی بڑی ہوگی کبھی قیصر باغ
دستِ گل چیں نے تجھے پھول سمجھ کر توڑا

اب کہاں شامِ اَودھ ہائے وہ تیری رونق
جہل و ظلمت نے وہ اب سلسلہ مل کر توڑا

لکھنؤ کی گلی کوچے میں برستا تھا ہُن
اے فلک تو ہی نے زُور اس کا سراسر توڑا

پہلے ہر گھر میں تھے یاں اشرفیوں کے توڑے
اب تو افسوس ! ہے پیسوں ہی کا گھر گھر توڑا

توپ چلتی تھی کہیں غدر میں ہنگامہ تھا
فایر کرنے کو لیے تھا کہیں لشکر توڑا

زیورِ حُسن اودھ تھے جو اسیؔر اور امیؔر
دستِ قزّاقِ اجل نے وہی زیور توڑا

اور کچھ ذکر کرو خَیر یہ نوحہ کب تک
کیا ملے گا غم دُنیا میں اگر سر توڑا

(۴۲)

ہے سلام اُن پر کہ جس نے درِ خیبر توڑا
جس نے اس کُفر کو اَللہ اَکبر توڑا

کیا عجب آلِ نبی نے جو اٹھائے صدمے
جب کہ کفّار نے دندانِ پیمبر توڑا

فوجِ اعدا میں شہہِ دیں کے یدِ اقدس نے
کہیں شانہ کہیں بڑھ کر سرِ افسر توڑا

نہ رہا دشت میں جب کوئی بھی خُم خواروں سے　　اُس گھڑی آپ نے دم ساقیِ کوثر توڑا
خیمۂ شاہ میں اعدا نے کیا ہنگامہ　　جانمازیں کہیں پھاڑیں کہیں منبر توڑا
آگ دوزخ کی گوارا کیا خود اعدا نے　　رشتۂ الفتِ آلِ شہِ محشر توڑا
ہم تو نومشق ہیں پر اُس کی سند ہے حضرت　　اس سے بہتر کوئی اب کہہ دے سخنور توڑا
نہ نکلنا تھا کوئی شعر نہ نکلا آخر
تم نے ہر چند میاں خیؔر بہت سر توڑا

(۴۳)

کیا اسی طرح کا صدمہ مجھے حاصل ہوتا　　اپنے قابو میں جو اے جان مرا دل ہوتا
دہنِ یار کا نقشہ میں بناتا اس سے　　پرِ عنقا کا قلم مجھ کو جو حاصل ہوتا
چومتا مصحفِ رُخ کو میں تلاوت کے قبل　　وہ کبھی میرے گلے میں جو حمائل ہوتا
عشق بازی میں نصیحت تو نہ کرتا واعظ　　یہ اگر تیرِ نظر کا کبھی بسمل ہوتا
سر جُھکائے ہوئے رہتا مرے آگے شیشہ　　مے پرستی سے یہ رُتبہ مجھے حاصل ہوتا
خیؔر کیوں سنگ دلوں کے میں اٹھاتا صدمے
میرے قابو میں جو کم بخت مرا دل ہوتا

(۴۴)

جو محوِ سیرِ گلستاں وہ غیرتِ گل تھا　　تو کچھ نہ پوچھئے کیا حالِ شورِ بلبل تھا
یہ عارفانہ تجاہُل کہ نالہ سُن کے مرا　　وہ پوچھتے ہیں کہ کیسا یہ شور اورغُل تھا

گرا ہوا رُخِ انور پہ جب کہ کاکل تھا　　عیاں تھا صاف کہ مہتاب ابر میں ہے چھپا
ہوا یہ چہرۂ گل سُرخ خیؔر صاحب کیوں
چمن کو جس سے ہے سینچا وہ خونِ بلبل تھا

(۴۵)

پہلے آساں تھا اے جان بٹانا دل کا
اب تو مُشکل ہے کسی ڈھب سے دبانا دل کا
نہ محبت سے کرو بات نہ پاس آؤ کبھی
تم کو آتا ہے فقط ایک جلانا دل کا
ہم سے ملنے میں تمہیں عار ہے، بدنامی ہے
اور غیروں سے مُناسب ہے لگانا دل کا
صاف کہہ دو کہ نہ تم رحم کروگے ہم پر
ہاں فقط تم کو ہے منظور ستانا دل کا
موتیوں سے جو ترے دانت ہنسی میں دیکھے
لے گئے لوٹ کے وہ ہائے خزانا دل کا
جب تمہیں نے مری جان دل کی مرے قدر نہ کی
اب کہاں ہوگا بتاؤ تو ٹھکانہ دل کا
لے کے دل خیؔر کا اتنا نہ ستاؤ صاحب
دیکھو اچھا نہیں ہر وقت کڑھانا دل کا

(۴۶)

تمہاری آنکھوں کا کوئی شکار کیا ہوگا
سوا ہمارے کوئی جاں نثار کیا ہوگا

نہ پاس آتے ہومیرے نہ بات کرتے ہو
تسلّیوں سے مری جاں، قرار کیا ہوگا

کبھی گلے سے لگایا نہ جب محبت سے
تو میری جان یہ پھولوں کا ہار کیا ہوگا

ابھی تو ساتھ ہے وہ دل کو میرے ہے تسکین
جُدائی ہوگی تو اے کردگار کیا ہوگا

یہ روز روز کی رسوائیوں سے ظاہر ہے
جناب خیؔر سے صبر و قرار کیاہوگا

(۴۷)

مری جاں اپنی صورت تم دکھا دو گے تو کیا ہوگا
اگر چہرے سے گھونگھٹ کو ہٹا دو گے تو کیا ہوگا

ہمیشہ کھنچے رہتے ہو ہمیشہ روٹھے رہتے ہو
کبھی سینے سے سینہ بھی ملا دوگے تو کیا ہوگا

محبت کرکے تم سے کچھ نہ پھل پایا محبت کا
کسی دن دوستی کا پھل چکھا دوگے تو کیا ہوگا

ہمیشہ ساتھ غیروں کے جو کھاتے اور پیتے ہو
ہمیں بھی پان کا بیڑا کھلا دوگے تو کیا ہوگا

جناب خیؔر کی بوجھل ہوئی ہے لاش رستے میں
جنازے کو جو ہاتھ آکر لگا دوگے تو کیا ہوگا

(۴۸)

دلِ بے تاب کیوں نالا نہ کرتا
مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا

جو قابومیں مرے ہوتا دلِ زار
بتوں کی میں کبھی پروا نہ کرتا

اسے ہوتی اگر میری محبت
رقیبوں میں مجھے رُسوا نہ کرتا

محبت میں جو ہوتا خیؔر کامل
تمہارے ظلم کا شکوا نہ کرتا

جو لطفِ مئے کشی کچھ جانتا شیخ
مذمت مئے کی پھر اصلا نہ کرتا

اسے منظور ہوتا مجھ سے ملنا
تو پھر وہ وعدۂ فردا نہ کرتا

سناتا تھا مجھے افسانۂ دل
ترحّم کچھ وہ کرتا یا نہ کرتا

اگر دیتا زمانہ خیؔر فرصت
تو میں اس کے لیے کیا کیا نہ کرتا

(۴۹)

ستائے ہوؤں کو ستانا تھا کیا
تجھے دل جلوں کو جلانا تھا کیا

جو کی آتے ہی تم نے رُخصت طلب
جوفرصت نہ تھی پھر یہ آنا تھا کیا

اگر روشنی تک نہ تھی اے لحد
تو مہمان کو گھر بلانا تھا کیا

رقیبوں سے ملنا تھا تم کو اگر
تو پھر مجھ سے حیلہ بہانا تھا کیا

جو لکھتے نہ تھے کوئی خط بھی کبھی
مجھے اپنے دل سے بُھلانا تھا کیا

اٹا غسل کے بعد مٹی میں جسم
جب ایسا ہی تھا تو نہانا تھا کیا

عبث تم نے مخفی کئے رازِ دل
مری جان مُجھ سے چھپانا تھا کیا

لگاتا میں خیؔر جو تم کو آنکھ
تو پھر اُس کے گھر تم کو آنا تھا کیا

(۵۰)

تیرِ غم کا دل نشانہ ہو گیا   دشمنِ جاں! اِک زمانہ ہوگیا
چولی دامن کا تھا جن سے ساتھ آہ   ان کو دیکھے اِک زمانہ ہوگیا
پیارا پیارا، پیاری وہ میٹھی زباں   وہ مزا وہ دن فسانہ ہوگیا
تم تو پہلے ہی سے تھے بگڑے ہوئے   اب جُدائی کا بہانہ ہوگیا
مُنہ میں تم رکھ دو ذرا اپنی زباں   اس مزے کو اِک زمانہ ہوگیا
سچ بتانا یاد ہیں وہ صحبتیں   واقعاتِ دل فسانہ ہوگیا
خیؔر کیا حالِ گذشتہ اب کہوں
قصۂ ماضی فَسانہ ہو گیا

(۵۱)

حال قاصد سے بیاں کیا ہوگا   وہ بھلا میری زُباں کیا ہوگا
عشق میں ضبطِ فغاں کیا ہوگا   دردِ دل ہے یہ نہاں کیا ہوگا
مرنے والوں کی مٹا دو قبریں   رہ کے کم بخت نشاں کیا ہوگا
چارہ گر عشق کو کہتا ہے جنوں   اس سے بڑھ کر خُفقاں کیا ہوگا
بات یہ بھی ہے عدو کے مُنہ کی   وہ مرا دشمنِ جاں کیا ہوگا
پہلے میرا سا کلیجا ہولے   غیر سے ضبطِ فغاں کیا ہوگا
حشر میں شافعِ محشر ہوں گے   مجھ کو اندیشہ وہاں کیا ہوگا
گر کروں عشق جنابِ ناصح   آپ کا اس میں زیاں کیا ہوگا
تیرے مئے نوشوں سے واعظ ہے خلاف   آخر اے پیرِ مغاں کیا ہوگا

مجمعِ حشر کا وہ ہنگامہ !   نہیں معلوم وہاں کیا ہوگا
خیؔر جب ہوگا وہ بُت پہلو میں
ہائے اُس وقت سماں کیا ہوگا

(۵۲)

جھوم کر جس سمت سے اٹھی گھٹا   مے کدے پر ٹوٹ کر برسی گھٹا
کھول دو تم زُلف وہ اٹھی گھٹا   سامنا ہو تو بھرے پانی گھٹا
کھیلتے ہیں وہ بطِ مے کا شکار   چرخ پر ہے دھوکے کی ٹٹی گھٹا
آگئی جب یاد وہ زُلفِ سیاہ   چھا گئی دل پر مرے غم کی گھٹا
کھول دو جوڑے کو وقتِ مے کشی   خوب ایسے میں مزا دے گی گھٹا
کیا تری زلفوں کا سایہ پڑ گیا   آج پھرتی ہے جو دیوانی گھٹا
بزم میں رُکنے نہ پائے دورِ جام   مے چلے جب تک رہے ساقی گھٹا
خیر دیکھو بے پئے مستوں کی طرح
جھومتی پھرتی ہے مدھ ماتی گھٹا

(۵۳)

ہائے رمضان چلا مونس وغم خوار چلا   ہائے مہمان چلا یارِ وفادار چلا
اس کی دل داریاں ہم کر نہ سکے ہیہات   منھ پھرائے ہوئے جاتا ہے یہ دل دار چلا
تیس دن ساتھ رہا مل کے محبت سے تو   اب مجھے چھوڑ کے جاتا ہے کہاں یار چلا

تیری برکت سے منوّر تھے ہمارے سینے
ہائے اندھیر ہے جاتا ہے پُر انوار چلا

تیرے باعث سے بھری رہتی تھی اپنی مسجد
کر کے سنسان یہ مہمان تو گھر بار چلا

کیا ہی مغرب کی اذان کا مجھے رہتا تھا خیال
ہائے رمضان مرا یار طرح دار چلا

کیسی تھی شام سہانی تری اے ماہِ صیام
صبح جس سے تھی منوّر وہ اب انوار چلا

تیری ہی وجہ سے مشغول خدا تھے ہم آہ
ہائے دل دار مرا مونس و غم خوار چلا

تیرے باعث سے درِ نارِ جہنم تھے بند
وائے افسوس کہ درِ رحمتِ غفّار چلا

ہم گناہوں سے بچے رہتے تھے تیرے باعث
اب کہاں کر کے تو ہشیار و خبر دار چلا

عید کے دن بھی مجھے خیرؔ قلق ہوگا نصیب
چاند کے ہوتے ہوئے اک مہہِ غم خوار چلا

(۵۴)

تبسّم کا لبوں پر آ کے برقِ طور ہو جانا
کسی کا تلملا کر کھا کے غش مجبور ہو جانا
اگر وہ مسکرائیں پڑھتے پڑھتے خط تو اے قاصد
اشارہ ہے مری درخواست کا منظور ہو جانا
کسی کا ظرف ایسا ہے کہ غش آیا تو آنے دو
ہمارے گھر کو ہے معمول ہر شب طور ہو جانا
رگِ جاں سے قریں ہونا بھی، پھر آنکھوں میں پھرنا بھی
پھر اس پر مُنہ چھپانا اور اتنی دُور ہو جانا

تری بانکی اداؤں کے میں قرباں اے مرے بانکے
کہیں بھولے سے ہی اک رات بانکی پور ہو جانا
تبسم میں کسی کے ہائے جلوہ ہے خدائی کا
دکھا دے مُسکرا کر کوئی برق طور ہو جانا
وہ تیغِ ناز سے چُر کے پہ چرکے دیتے جائیں گے
مبارک ہو تجھے اے زخمِ دل ناسور ہو جانا
وطن کو بھول بیٹھے خیرؔ بانکی وضع والوں میں
مُقدر میں لکھا ہے خاکِ بانکی پور ہو جانا

(۵۵)

مجھ سے کیوں جان مری ربط بڑھانا چھوڑا
سچ کہو کس لیے گھر کا مرے آنا چھوڑا

بجلیاں باد تبسم میں گرا کرتی ہیں
کس نے ہنس کر مجھے دانتوں کا دکھانا چھوڑا

تم وفاؤں کو مری غور کرو بہر خدا
تم سے الفت جو ہوئی سارا زمانا چھوڑا

کام اب تیرے تصور سے رہا کرتا ہے
جب سے تو نے مجھے صورت کا دکھانا چھوڑا

رات دن خیرؔ ترا نام رٹا کرتا ہے
اک یہی ذکر ہے اور سارا فسانہ چھوڑا

(۵۶)

یہ لگن دل کو لگی ہے کہ ہو پیارا سہرا
گوندھ مالن گلِ اخلاص سے سارا سہرا

کیوں نہیں شوق قدم بوسیِ نوشہ میں جُھکے
یہ دکھانا ہے اسے میں ہوں سراپا سہرا

سر چڑھایا ہے جونوشہ نے تو اللہ رے دماغ
جھومتا وجد میں ہے دیکھئے کیا کیا سہرا

پھول پر پھول ہیں کلیوں پہ ہیں کلیاں باہم
تختۂ گل ہے کوئی یا چمن آرا سہرا

اس کے جھکتے ہی حنا نے لیے نوشہ کے قدم
رہ گیا کیسا ٹھٹھک جوں ہی نہارا سہرا

رُخِ نوشہ کے قریں ہو کے یہ اتراتا ہے
اپنے جامہ میں نہیں پھولا سماتا سہرا

پیارے انظار کی شادی کی خوشی ہے سب کو
حضرتِ خیؔر نہ کیوں لکھتے پیارا سہرا

(۵۷)

اگر اے جانِ من ! تم بے وفا ہوتے تو کیا ہوتا
اگر تم مائلِ ترکِ جفا ہوتے تو کیا ہوتا

یہ بُت ہیں اور اس پر بھی انہیں دعویٰ خدائی کا
خدا نا کردہ یہ کافر خدا ہوتے تو کیا ہوتا

لبِ جاں بخش کے بولے سُنا ہے زندہ کرتے ہیں
ہمارے بھی مرض کی تم دوا ہوتے تو کیا ہوتا

ابھی تو اس طرح اے مہرباں بے چین رہتے ہو
شبِ فُرقت مرے نالے رسا ہوتے تو کیا ہوتا

بنا کر تھا ہمیں برباد ہی کرنا تو اے قسمت!
اگر اُس مہہِ لقا کے نقشِ پا ہوتے تو کیا ہوتا

سُنا ہے پورے ہوتے ہیں سوال اب سائلوں کے آج
اگر ہم بھی اُسی در کے گدا ہوتے تو کیا ہوتا

مُصیبت عاشقوں کی دیکھ کر وہ آج بول اُٹھے
اگر ہم بھی کسی پر مُبتلا ہوتے تو کیا ہوتا

ہراساں خیؔر ہے بیچارگی پر اپنی اے مولا
اگر آپ اس کے بھی مُشکل کُشا ہوتے تو کیا ہوتا

(۵۸)

نہ ایسا یار ہو بدظن کسی کا
نہ تجھ سا دوست ہو دشمن کسی کا

الٰہی وہ بھی دن آنکھوں سے دیکھوں
ہمارا ہاتھ ہو دامن کسی کا

جو گذری ہے وہ کہنا اے لبِ گور
گذر ہو جب سرِ مدفن کسی کا

پھسلتی ہے نگاہِ نکتہ چیں بھی
غضب ہے عارضِ روشن کسی کا

عجب گلزار ہے داغوں سے یہ دل
پھلا پھولا ہے یہ گلشن کسی کا

خُوشی کے شادیانے بج رہے ہیں
سُنا ہے نالہ و شیون کسی کا

خبر کچھ بھی نہیں حسن و ادا کی
مزہ دیتا ہے بھولاپن کسی کا

دلِ برباد میں اڑتی ہے اب خاک
کبھی تھا خیؔر یہ مسکن کسی کا

(۵۹)

ہو کسی کی جو نگاہیں غلط انداز اِدھر
کوئی مُشکل نہیں مشکل کا بھی آساں ہونا

کام سب صبر وتحمّل سے سنور جاتے ہیں
آدمی کو نہیں لازم ہے ہراساں ہونا

کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا ہے پریشانی سے
عقل آئی ہوئی کھوتا ہے پریشاں ہونا

ناامیدی سے مبدّل ہوئی جاتی ہے امید   ہمہ تن یاس بنا دیتا ہے ارماں ہونا
ٹال دے رنج کو انسان ہر اک صورت سے   بلکہ رونے کے عوض چاہیے خنداں ہونا
ایک دھوکے کی یہ ٹٹی ہے طلسمِ دُنیا   دیکھ کر اس کی صناع کچھ نہیں حیراں ہونا
بھول کر خیّر کو پھر یاد کبھی کیجیے گا
ہو جو مرغوب نصیحت کا یہ عُنواں ہونا

(۶۰)

جو بھول کے لے نہ نام میرا   ایسوں کو تو ہے سلام میرا
اب اپنی کہوں تو کیا کہوں میں   یہ کام ہے صبح و شام میرا
باتیں ہیں خیال سے تمہارے   یہ بھی ہے خیالِ خام میرا
تم سے بھی سوا ہے کچھ وہ برہم   سنتا ہی نہیں کلام میرا
اے خیّر وہ آئیں یا نہ آئیں
قصّہ ہی ہے اب تمام میرا

(۶۱)

رقیبوں کو پہلو میں بٹھلایئے گا   مجھے در بدر آپ پھروایئے گا
نظر پڑتی ہے اب تو غیروں پہ اے جاں   ہمیں آپ اب کیوں نظر آیئے گا
جو شرمایئے چشمِ مردم سے صاحب   تو آنکھوں کے پردے میں چھپ جایئے گا
کیا گر سوال اُن سے بوسے کا میں نے   تو بولے کہ مُنھ اپنا بنوایئے گا

تمنائے دل آپ کیا پوچھتے ہیں   اگر کچھ کہیں گے تو شرمایئے گا
جو ہو آپ کے مصحفِ رُخ کا شیدا   الف لام میم اس کو پڑھوایئے گا
شکایت جو کی خیّر نے ، ہنس کے بولے
بُہت خوب ! کچھ اور فرمایئے گا

(۶۲)

غضب کر گیا مُنہ بنانا کسی کا   مزہ دے گیا مُسکرانا کسی کا
عیادت کو میری نہ آنا کسی کا   علالت کا کرنا بہانا کسی کا
ترے ظُلم کی کوئی حد بھی ہے ظالم   یہ اچھا نہیں دل دُکھانا کسی کا
وہ صبحِ شبِ وصل پہلو سے اٹھ کر   مچلتے ہوئے گھر کو جانا کسی کا
نہ بھولے گا اے خیّر تا مرگ دل سے
ہمیں گدگدا کر ہنسانا کسی کا

(۶۳)

کھا لیا ناصحِ غم خوار نے بھیجا میرا   چھد گیا طعنۂ دُشمن سے کلیجہ میرا
روح کو شوق ہو پھر جسم میں آ جانے کا   آئے مرقد پر جو وہ رشکِ مسیحا میرا
صدمے پر صدمے سہے آفتیں جھیلیں لاکھوں   واہ رے دل مرا اللہ رے کلیجا میرا
مار رکھنے کی یہ چالیں ہیں ، مجھے محفل میں   دیکھ کر غیر سے بولے یہ ہے شیدا میرا
کوئی تیرا نہیں ، اس دہر میں بیگانے ہیں
کس کو تو خیّر کہے جا تا ہے میرا میرا

(۶۴)

یوں مجھ سے ہوا نکار مری جاں بہت اچھا
اغیار سے ہو وصل کا پیماں بہت اچھا

دامن کو سمیٹے ہوئے بیٹھے ہو مکدر
بربادئ عاشق کا ہے ساماں بہت اچھا

کچھ فرق نہیں غمزہ، ادا، رنگِ جفا میں
دل لے کے ہواب جان کے خواہاں بہت اچھا

بہتر ہے توجہ نہ کرو داغ جگر پر
تم دیکھو بہارِ گل و ریحاں بہت اچھا

غزلوں کو مری سُن کے یہ فرماتے ہیں احباب
ہو گا اجی خیرؔ آپ کا دیوان بہت اچھا

(۶۵)

کہا عدو سے مجھے دیکھ کر ہٹا دینا
اُسی زبان سے کہتے ذرا بُلا دینا

جو بیٹھے دل میں تو اپنے جگر کو رشک آیا
فریبِ حسن نے سیکھا ہے یوں لڑا دینا

یہاں تو بات کے مُشتاق ہیں خموش ہو کیوں
بُری بھلی جو تمھیں یاد ہو سُنا دینا

(۶۶)

بعد مرنے کے لحد پر وہ نگار آیا تو کیا
خواب کی حالت میں دل کو کچھ قرار آیا تو کیا

شادماں آیا تو کیا اور اشک بار آیا تو کیا
بعد مرنے کے کوئی سوئے مزار آیا تو کیا

ان کی فرقت میں نہ آیا چین اک لحظہ مجھے
گردشوں سے آسمان تجھ کو قرار آیا تو کیا

(۶۷)

دب جائیں ہم کسی سے اپنی نہیں یہ فطرت
جز حق کسی کے آگے سر اپنا خم نہ ہوگا

کیوں ہوم رول چاہیں مُشتاقِ بادہ حق
یہ ہوم رول ہوگا کچھ جامِ جم نہ ہوگا

اسلام کے شعائر ہر گز نہ رُک سکیں گے
یہ کب رُکیں گے؟ مسلم میں جب کہ دم نہ ہوگا

قُربانیوں کا رکنا ہے اک خیالِ فاسد
رُکنا تو اک طرف ہے ہونا بھی کم نہ ہوگا

ہندوستاں سے کوئی قربانیاں اُٹھائے
تیری قسم نہ ہوگا تیری قسم نہ ہوگا

پاداش دشمنوں کی جب تک نہ خوب ہوگی
اسلام کا حقیقی یہ جوش کم نہ ہوگا

(۶۷)

شکایت اپنی سمجھتا ہے جو گلہ دل کا
اُسی کے ہاتھ ہے ہیہات فیصلہ دل کا

بنا ہے قبّۂ انوار جلوۂ محبوب
اُبھر کے خوب ہی چمکا ہے آبلہ دل کا

چلا ہے ڈھونڈھ میں اس کی پتا نہیں جس کا
بلند ہے مری ہمت سے حوصلہ دل کا

الٰہی خیر ہو اب مسکنِ تمنا کی
بنا ہے کرۂ نار اب یہ دل کا

نہ میری طرح زمین پر کوئی مکدر ہو
بنا ہوا ہے بگولہ یہ آبلہ دل کا

کسی سے باتیں ہوا کرتی ہیں تصور میں
زباں پہ لا نہیں سکتے معاملہ دل کا

ہٹاؤ اِک رخہ آئینہ اپنے آگے سے
یہ اُس کا مُنہ ہے کرے یہ مقابلہ دل کا

کسی کا اس میں ہے جلوہ تو عرش پر ہے، دماغ
مجال کس کی کرے جو مقابلہ دل کا

کلیم بہر تماشہ جو آئیں سیر ہو آج
کسی کے جلوے سے ہوگا مقابلہ دل کا

وہ امتحاں پہ تلے ہیں خُدا ہی خیر کرے
بڑے حریف سے اب ہے مقابلہ دل کا

یہ احتیاط کہیں رازِ عشق فاش نہ ہو
سوائے ضبط نہیں اور مشغلہ دل کا

نظر میں رکھ کہ نہ رکھ اب سدھار یا نہ سدھار
ترے ہی ہاتھ ہے اب تو معاملہ دل کا

جناب شیخ کی اے خیرؔ اک توجہ پر
ہزار مرتبہ ہوتا ہے فیصلہ دل کا

ردیف: ب

(۱)

حُسن پر تو سے ہے کیا روشن چراغِ آفتاب
کیوں نہ ہو چرخ چہارم پر دماغِ آفتاب

بادہ نوشی کا نہیں ہے چرخ پر چرچا اگر
دور میں پھر کیوں یہ رہتا ہے ایاغِ آفتاب

صبح ہوتے اٹھ گیا پہلو سے وہ خورشید رُو
شام تک دل سے نہیں مٹنے کا داغِ آفتاب

مے کشوں پر ساقی دوراں کا فیضِ عام ہے
دور میں ہر روز رہتا ہے ایاغِ آفتاب

ظلمتِ کاکل میں کچھ دل کا پتا ملتا نہیں
سچ ہے کیوں کر رات کو پائیں سراغِ آفتاب

تیرا ثانی ہو زمیں پر دوسرا، ممکن نہیں
آسماں ڈھونڈھا کرے لے کر چراغِ آفتاب

پھول کی بوتل سجی ہے ساقیِ گل فام سے
خیرؔ مے خانہ ہے یا ہے کوئی باغِ آفتاب

(۲)

بیمار عشق ہوں مجھے ہو کیا دوا نصیب
اب آرزوئے موت میں کہتا ہوں یا نصیب

پڑتی ہیں روز مجھ پہ ہزاروں مصیبتیں
دنیا میں کوئی ہوگا نہ مجھ سا بلا نصیب

سچ کہہ گئے ہیں عشق کی منزل کو سب کڑی
اس راستے میں ہوتی نہیں ہے سرا نصیب

گلیوں کی خاک چھاننا قسمت میں لکھا ہے
ہوگی نہ مجھ کو یار کی دولت سرا نصیب

دن رات اپنے غصہ سے پیسے ہزار دانت
دانہ نہ تجھ کو ہو گا مگر آسیا نصیب

غیروں کے ہاتھ سے تجھے فُرصت ملے گی کب
ہم کو نہ ہوگا جام کوئی ساقیا نصیب

بنتی نہیں ہے خیرؔ کوئی شکل وصل کی
ایسا نہ ہو کسی کا الٰہی بُرا نصیب

(۳)

ہو مبارک آپ کو لو مر گیا فُرقت نصیب
کیجئے گا یاد کہہ کر آج سے جنّت نصیب

کیوں لگائیں آنکھ ہم سے خانماں برباد کو
فضل سے اللہ کے ہے حُسن کی دولت نصیب

جب کہا میں نے زکوٰۃِ حسن اِک بوسہ ملے
بولے ہوتی ہے گدا کو یہ کہاں دولت نصیب

ہم وہ عاشق ہیں کہ تیرے در سے ٹل سکتے نہیں
وہ تو دیوانہ تھا مجنوں اس کو تھی وحشت نصیب

دن کو ہے کوچہ نوردی رات کو ہے انتظار
عاشقوں کو خیرؔ مرنے کی نہیں فُرصت نصیب

(۴)

آئیں گے گھر پر مرے سرکار کب — ہو گا مجھ کو آپ کا دیدار کب
حال دل میں نے کیا اظہار کب — تھا مخاطب وہ بُتِ عیّار کب
سرفروشی پر مری آؤ نہ مُنہ — تم نے لی ہے ہاتھ میں تلوار کب
چاہو جب آؤ تمہارا ہے یہ گھر — پوچھتے ہو کس لیے ہر بار کب
میرے مرنے پر تعجب ہے انہیں — کہتے ہیں ایسے تھے وہ بیمار کب
چال تیری تھی نہ ایسی فتنہ زا — تھی قیامت خیز یہ رفتار کب
سونگھ کر زلفِ معنبر کی مہک — ہے پسند اب نافۂ تاتار کب

خیرؔ اتنا بھی ہے یہ فیض ازیر
ورنہ ایسے تھے مرے اشعار کب

(۵)

یار سے ہو گیا روا مطلب — اب ہمیں مدعی سے کیا مطلب
ختم ہو کس طرح یہ نامۂ شوق — لکھ رہا ہوں نیا نیا مطلب
آرزو میری جانتا ہے تو — کوئی تجھ سے نہیں چُھپا مطلب
پڑھ سکے کیا کوئی کتاب جنوں — خبط ہے اس میں جابجا مطلب
آشنا ہے وہ اپنے مَطلب کا — ہم سمجھتے ہیں یار کا مطلب
آخرکار ہے خدا سے کام — ان بُتوں سے کہوں میں کیا مطلب

کیوں لکھیں خیرؔ کو وہ نامۂ شوق
کچھ غرض کام مدّعا مطلب

(۶)

باغ میں پھر ایک دن دورِ خزاں ہے عندلیب
پھر نہ تو ہے اور نہ تیرا آشیاں ہے عندلیب

گل کا نظارہ ہے، سیرِ بوستاں ہے، عندلیب
چشمِ بد دور آپ ہیں اب تو کہاں ہے عندلیب

زار ایسی ہے قفس میں تو نہ آئے گی نظر
ہاتھ سے صیّاد ڈھونڈے گا کہاں ہے عندلیب

اور ہی عالم دکھایا ہے قفس کی قید نے
اب زمیں وہ ہے نہ اب وہ آسماں ہے عندلیب

کھلِ کھلا کر باغ میں غُنچے نہ ہنستے کس لیے
زرد تیرے رُخ سے رنگِ زعفراں ہے عندلیب

سیرِ گلشن میں نہ ہو سینہ ترا کیوں کر ہدف
شاخِ گل حق میں ترے تیر وکماں ہے عندلیب
داغِ دل نے لالۂ صحرا کی بھڑکائی ہے آگ
موج بوئے گل کا گلشن میں دھواں ہے عندلیب
سختیِ کنجِ قفس نے کر دیا اس کا فشار
رحم کر صیاد مُشتِ استخواں ہے عندلیب
حضرت خیرؔ آتے ہیں گلشن میں با آہ و فغاں
ہاں خبردار آج تیرا امتحاں ہے عندلیب

ردیف: پ

(۱)

ہجر میں خشک ہوں کیا دیدۂ تر آپ سے آپ
پانی پانی ہے مرا قلب و جگر آپ سے آپ
وصل کی دیتا ہے کون اُس کو خبر آپ سے آپ
شام سے بولتا ہے مرغِ سحر آپ سے آپ
شوقِ دیدار ہے کس چہرۂ نورانی کا
رات دن پھرتے ہیں کیوں شمس وقمر آپ سے آپ
حضرتِ عشق نہیں عرض کی رُخصت دیتے
آرزو ہے کبھی آجاؤ ادھر آپ سے آپ
ہوگیا رسمِ محبت سے زمانہ خالی

جل گیا ہائے محبّت کا شجر آپ سے آپ
داغ سینے میں نمایاں ہیں ہجومِ غم سے
فصل پر نخل میں آتے ہیں ثمر آپ سے آپ
قلب کو عشقِ زنخداں نے جھکائے ہیں کنویں
چاہ میں گر نہیں پڑتا ہے بشر آپ سے آپ
کثرتِ عشق سے سر سبز ہے نخلِ ماتم
کون کہتا ہے یہ پھولا ہے شجر آپ سے آپ
کچھ سوا تیرے نہیں اور دکھائی دیتا
ہوگیا ہے ہمیں کچھ ضعفِ نظر آپ سے آپ
ساتھ سوتے ہو مگر بیچ میں تکیہ رکھ کر
دیکھو پھر تم نے نکالا ہے یہ شر آپ سے آپ
خود بہ خود خیرؔ مرا سیم بدن آئے گا
ہے مقدّر میں تو مل جائے گا زر آپ سے آپ

(۲)

سنولا گئی صورت جو سرِ بام پڑی دھوپ
کیا جانیں حسین وادیِ غربت کی کڑی دھوپ
غُربت ہی میں جل جاؤں گا ایسی ہے کڑی دھوپ
اللہ بچائے مجھے پڑتی ہے بڑی دھوپ
آہوں سے دھواں نکلے کبھی تو کبھی شعلہ
دوچار گھڑی ابر ہو دوچار گھڑی دھوپ

خورشید کو کب داغِ جگر پر نہ ہو رشک
کس روز مرے سایہ سے جل کر نہ لڑی دھوپ
دن ہجر کا کٹتا نہیں کاٹے سے کسی طرح
حیرت ہے کہ پہروں ہی سے یکجا ہے اڑی دھوپ
کیا وصل کی شب باتوں میں کٹ جاتی ہے جلدی
پچھلے ہی سے سر پہ مرے رہتی ہے کھڑی دھوپ
رونے میں ہے یہ حال مرے آتشِ دل کا
جس طرح کہ برسات میں ہوتی ہے کڑی دھوپ
امید نہیں خَیر کو شب وصل کی آئے
میرے درو دیوار میں گویا ہے جڑی دُھوپ

ردیف: ت

(۱)

جلوہ فرما ہیں یہاں شاہِ ہُدا آج کی رات
ہے شبِ قدر سے رُتبے میں سوا آج کی رات
کیسی خوشبو ہے الٰہی کہ معطّر ہے دماغ
شاید آتی ہے مدینے سے ہوا آج کی رات
اتنا کہنا کہ بُلا لیجیے اب خادم کو
تیرا جانا ہو مدینے میں صبا آج کی رات
رشک کیوں کر نہ ہو جنّت کو ہمارے گھر پر
ذکر میلاد ہے اے اہل ولا آج کی رات

لاکھ دن عید کے صدقے ہوں یہ رات ایسی ہے
بلکہ رُتبے میں ہے اس سے بھی سوا آج کی رات
بارک اللہ شبِ معراج ہے کیا حُسن و جمال
میرے ماں باپ بھی ہوں تجھ پہ فدا آج کی رات
شبِ معراج یہ کہتے تھے فلک خوش ہو کر
آئے ہیں عرش پہ محبوبِ خدا آج کی رات
مغفرت تیری بھی اے خَیر مقرر ہوگی
تو ہے مداحِ رسُولِ دوسرا آج کی رات

(۲)

رخصت اے ماہِ مُبین اے مہِ رمضاں رُخصت
رخصت اے راحتِ دل قوتِ ایماں رُخصت
دور میں تیرے مقید تھے شیاطین سارے
اے شہنشاہِ شہور اے مہِ سُلطاں رُخصت
آج اندھیر ہے جاتا ہے چلا ماہِ صیام
الوداع اے مہِ انوارِ مسلماں رُخصت
عہد میں تیرے تھے محفوظ گناہوں سے ہم
کس طرح تجھ کو کروں رحمتِ رحماں رخصت
سرد تھی آگ جہنم کی تری برکت سے
ہم مسلمانوں پہ کیا کیا نہیں احساں رخصت

نہ تردد نہ تفکر نہ غرض کھانے سے
اے مرے یار مرے درد کے درماں رخصت

دل بہلتا تھا تری یاد میں ہر شام و سحر
دل لگی کا تھا تو ہم لوگوں کے ساماں، رخصت

کیا مزہ دیتی تھی اللہ اکبر کی صدا
وہ تراویح وہ تسبیح وہ عرفاں رخصت

خیر مقدم سے کل آباد تھی مسجد جس کے
حضرت خیرؔ وہ خود آج ہے مہماں رُخصت

(۳)

بے آپ کے یوں بسر ہوئی رات
روتے روتے سحر ہوئی رات

کیا عُمر عزیز کٹ رہی ہے
دن آیا اِدھر، اُدھر ہوئی رات

دیکھوں تمہیں صبح خیریت سے
اے میرے دل وجگر ہوئی رات

دن چُھپ گیا اب تو گھر سے نکلو
لو اے رشکِ قمر ہوئی رات

مجھ کو نہیں تیرے غم میں معلوم
دن آیا کدھر، کدھر ہوئی رات

کیا جلد کٹی ہے ساعتِ وصل
باتیں ہی نہ کیں سحر ہوئی رات

کیوں طول ہوا یہ ہجر کا دن
کیوں وصل کی مختصر ہوئی رات

اک روز نہ آپ شب کو سوئے
اک دن نہ ہمارے گھر ہوئی رات

تاصُبح نہ خیرؔ آنکھ جھپکی
آنکھوں میں فقط بسر ہوئی رات

ردیف: ٹ

(۱)

جسمِ انساں میں پلا ہے پیٹ
ساری دُنیا تری غذا ہے پیٹ

ایک کو ایک کھائے جاتا ہے
یہ بھی کوئی تری ادا ہے پیٹ

پیٹ سے پیٹ نے نکالے پاؤں
دیکھنا اب کدھر چلا ہے پیٹ

الاماں الحفیظ پیٹ کی مار
سو قضا کی یہ اک قضا ہے پیٹ

چوری، رشوت، زنا، دغا وفریب
تیرے ہی واسطے روا ہے پیٹ

ساری دُنیا کو ہضم کرجائیں
اسی اُلجھن میں مُبتلا ہے پیٹ

خیرؔ سچ کہتے ہیں اُسے دُوزخ
یہ جہنّم کا سلسلا ہے پیٹ

ردیف: ث

عارضِ رنگینِ جاناں کر رہے ہیں گُل سے بحث
دل میں آتا ہے کہ کچھ ہم بھی کریں بُلبل سے بحث

ہے تعلق ساقیِ گُل فام سے اور گُل سے بحث
اور مینا سے نہ جھگڑا ہے نہ کچھ قُلقُل سے بحث

چومکھا لڑتے ہیں دونوں گیسو سے پیچانِ یار
مُشک سے اُلجھے کبھی اور کی کبھی سُنبل سے بحث

گونجتی ہے نُہ فلک پر ان کے ٹاپوں کی صدا
کیا خرِ عیسیٰ کرے گا آپ کے دُلدل سے بحث

گُل کا کیا منھ ہے جو آئے تیرے رُخ کے روبرو
مُشک میں کیا جان ہے جو کرسکے کاکُل سے بحث

میری قسمت میں لکھی تھی قیدِ اے جوشِ جنوں!
طوق کا جھوٹوں گلہ ہے کروں کیا غُل سے بحث
چُور پی کر ہے مرا ساقی مجھے مے ہے حلال
ناصحا بے جا ہے تیری ساغرِ پُرمُل سے بحث
پڑ گئی ہے تم کو کیا ہر ایک سے لڑنے کی خُو
ایک سے باتیں نہیں اخلاص کی ہے گُل سے بحث
سر کچلنے کی سزا اس واسطے ہے سانپ کی
اس نے کی تھی عالمِ ارواح میں کاکُل سے بحث
خیؔر جس گُل کا ہے جو یا وہ نہیں گلزار میں
پھر صبا سے کیوں وہ اُلجھے کیوں کرے بُلبل سے بحث

ردیف: ج

(۱)

اس بزم میں آتے ہیں رسولِ عربی آج   مکّی ، مدنی ، ہاشمی و مطلبی آج
نعلین سے جس کی ہے شرف عرشِ خدا کو   آتا ہے یہاں وہ دُرِ عالی نسبی آج
مجھ کو رُخِ زیبا کا کسی کے ہے تصوّر   ہے پیشِ نظر میرے بیاضِ عربی آج
تقسیم زمین پر ہی نوید آج نہیں کی   آتے ہیں فلک سے ہے ملک کی طلبی آج
اس وقت مرے پیشِ نظر ہیں رخ و گیسو   ہیں بزم میں شامل ختنی و حلبی آج
اس بزم کا رُتبہ ہے ہر اک بزم سے اعلیٰ   ہے عرشِ معلّیٰ سے ملک کی طلبی آج
اس رات پہ قُربان ہوں ماں باپ ہمارے   لو گھر ہے ہمارا مظہرِ عالی نسبی آج

اس بزم میں شامل جو ہوا اس کو ملا خُلد   آجاؤ اگر تم کو ہے جنّت طلبی آج
اے خیؔر سنبھالو دلِ بیتاب کو اپنے
آ بیٹھو قرینے سے نہ ہو بے ادبی آج

(۲)

وہ آنکھ کیا کرے گی دلِ زار کا علاج   بیمار سے ہوا نہیں بیمار کا علاج
دل ہے مرا فقط نگہِ یار کا علاج   غیر از سپر نہیں کوئی تلوار کا علاج
باغِ جہاں میں کس کی ہے کس پر نگاہِ لُطف   کرتا ہے کون نرگسِ بیمار کا علاج
دامانِ گل سے ان کی یہ اچھی نہیں خلش   لازم ہے باغبان کرے خار کا علاج
حاضر تمہارے در پہ ہیں لاکھوں مریضِ غم   اچھا کرو شروع تو دوچار کا علاج
رو رو کے صبح کرتا ہوں ہے اک یہی دوا   مجھ کو بھی آ گیا ہے شبِ تار کا علاج
درباں سے دشمنی ہے تو ہوائے کمندِ شوق   در کی نہیں دوا تو ہے دیوار کا علاج
مدِّ نظر ہے آنکھوں کا اب پھوڑنا ہمیں   ہم سے نہ ہوگا دیدۂ خوں بار کا علاج
ہاں اے طبیب شربتِ انگور لکھا نہیں   مُجھ مست سے یہ سیکھ لے مے خوار کا علاج
اے خیؔر میں رہوں گا کہاں تک اسیرِ غم
ہوگا کبھی تو مُرغِ گرفتار کا علاج

ردیف: ح

(۱)

آخر ہے رات وصل کی آئی ہوائے صُبح
دینے لگے ہیں مُرغِ سحر بھی صدائے صُبح

پیری میں ہر نفس نہ ہو کس طرح مغتنم
ہوتی ہے خوش گوار نہایت ہوائے صُبح

پہلو سے میرے اُٹھ گیا وہ میرا ماہ رُو
اے آسماں ! یہ دیکھ تو مجھ پر جفائے صُبح

طولِ شبِ فراق سے گھبرا گیا ہے دل
اللہ میرے ! اب تو کہیں جلد آئے صُبح

پیٹے بھی روئے بھی دلِ بیمار رات دن
تبرید ایک شام کی ہے اِک دوائے صُبح

تاریک رات ہجر کی کالا پہاڑ ہے
پروردگار جلد مجھے اب دکھائے صُبح

انگڑائی لے کے مانگنا رُخصت کسی کا ہائے
اے خیؔر یاد کر کے میں کہتا ہوں ہائے صبح

ردیف: خ

(۱)

کچھ پان کی حاجت نہیں، ہے اس کا دہن سرخ
پیدا کیا اللہ نے خود لعلِ یمن سُرخ

دیدار دکھائے گا پھر اللہ کسی دن
آنکھیں نہ کریں غم میں مرے اہلِ وطن سرخ

لالے کو بھی ہے میری طرح شوقِ شہادت
بے وجہ نہیں پہنے ہوئے ہے وہ کفن سُرخ

معلوم نہیں کس پہ غضبناک ہوئے ہو
غصہ سے ہے مُنہ آپ کا اے مشفقِ من سُرخ

اک رنگ پہ قائم نہیں رہتا ہے شفق سے
نیلا ہے کبھی اور کبھی چرخِ کُہن سرخ

آمد سے یہ کس گل کی گلستاں میں ہوئی عید
پہنے ہوئے ہیں رختِ جوانانِ چمن سُرخ

گدرایا ہوا اب وہ کہاں باقی ہے جو بن
ہے فصلِ خزاں کیوں نہ ہو اب سیبِ ذقن سُرخ

جوڑے میں نہیں خیؔر گل تازہ یہ اس کے
پیدا ہوا نافے میں مگر مُشکِ ختن سرخ

ردیف: د

(۱)

انبوہِ غم میں آہ ہو تا لامکاں بلند
لشکر بڑا ہے اس کے لیے ہو نشاں بلند

دل حاسدوں کے کٹتے ہیں سُن سُن کے میرے شعر
ہے معرکے میں میری بھی تیغِ زباں بلند

ذرّے ہیں اس گلی کے مہہ و مہر سے زیادہ
رُتبے میں چرخ سے ہے ترا آستاں بلند

نالے کروں میں ایسے کے تھرّائے آسماں
ہونے دو اُس صنم کا اگر ہے مکاں بلند

رکھتے ہیں ہاتھ کانوں پر سب حاملانِ عرش
ہوتی ہے جب ہماری صدائے فغاں بلند

شُعلوں سے دل کے آگ نہ لگ جائے چرخ میں
آہوں کا میری ہوتا چلا ہے دھواں بلند

صرصر کا خوف، برق کا کھٹکا نہ کیوں ہو خیؔر
یعنی ہے اس چمن میں ترا آشیاں بلند

(۲)

دل ہو جو شیفتۂ حُسن وہ ہے یار پسند
ہے پسند اُن کی بھی واللہ طرح دار پسند

یہ وہ نکتہ ہے کہ سمجھیں اسے اسرار پسند
اپنی آنکھوں کو ہو خالِ رُخِ دلدار پسند

عاشقوں ہی کے لیے مردمکِ چشم نہیں
ہے فرشتوں کو بھی خالِ رخِ دل دار پسند

سرِ شوریدہ کو چوکھٹ پہ مجھے رکھ دینا
اب کرے یا نہ کرے اس کو درِ یار پسند

ہے تری چشم خریدار میں گھر بیٹھے جگہ
حُسنِ یوسف یہ نہیں ہے جو ہو بازار پسند

عاصیوں کا تو ٹھکانہ ہی دو عالم میں نہ تھا
تیری رحمت بھی نہ ہوتی جو گنہگار پسند

دل میں جو رکھنے کی باتیں ہوں اُسے کیا کہئے
دوستو! اُس کی تمنا نہیں اظہار پسند

خاک پر گرنے سے آنسو کو نہ سمجھو بے قدر
ہے وہ موتی جو کرے چشم خریدار پسند

تیرے ابرو سے مرے دل کو نہ کیوں کر ہو لگاؤ
یعنی ہر مرد سپاہی کو ہے تلوار پسند

غم ہے کیا، ہے عدم آباد کی منزل جو کڑی
ہم لیے جاتے ہیں اپنا دلِ آزاد پسند

صحبتِ غیر میں اے خیؔر وہ گل رُو جو ہے خوش
کچھ عجب اس کا نہیں گل بھی تو ہیں خار پسند

(۳)

سفر کی عید تو خالی ہے نام ہی کی عید
بہار دیتی ہے اپنے مقام ہی کی عید

جدھر گذر ہوا احباب اٹھ کے ملنے لگے
وطن کی عید ہے واللہ کام ہی کی عید

خوشی مناتی ہے دُنیا چہل پہل ہے تمام
یہ عید واقعی ہے کچھ عوام ہی کی عید

بیاں ہے حسرت وافسوس عید ہو کیوں کر
فراقِ یار میں ہے صرف نام ہی کی عید

گلے تو مل نہ سکے خط پہ عید ملتے ہیں
یہ میری عید بھی ٹھہری پیام ہی کی عید

نہ ایسی عید کبھی کی خدا ہی شاید ہے
وگرنہ کہنے کو میں نے مدام ہی کی عید

جہاں خلیل ہوں گلزار ہے وہاں کی عید
وہاں کی عید تو ہے دھوم دھام ہی کی عید

ہم ایسے رند کو مسجد کی عید سے کیا کام
پسند ہم کو تو ہے زیرِ بام ہی کی عید

سنا ہے خیؔر کو کہتے ہوئے یہ عید کے دن
بغیر دوست جو کی تو حرام ہی کی عید

ردیف: ڈ

(۱)

لوگوں کو اپنی ہے نئی تحریر پر گھمنڈ
مجھ کو تو ہے فقط روشِ میؔر پر گھمنڈ

اچھا نہیں بشر کا ہے تدبیر پر گھمنڈ
بیجا ہے وہ کرتے ہیں جو تقدیر پر گھمنڈ

سُنتا ہوں آج وہ بھی تو کچھ مضطرب سے ہیں
ہو کیوں نہ ہم کو آہ کی تاثیر پر گھمنڈ

اُن کو تو اپنی سحر بیانی پر ناز ہے
مجھ کو ہے انتشار کی تقریر پر گھمنڈ

ہر چند خواب ہی میں ہو وہ آئے تو سہی
ہو کیوں نہ مجھ کو خوبیٔ تقدیر پر گھمنڈ

اہل قلم کو ناز ہے سیف قلم پہ یوں
جس طرح ہو سپاہی کو شمشیر پر گھمنڈ

ہم کو تو خیؔر ناز ہے اپنے کلام پر
لوگوں کو ہو بلا سے میاں میؔر پر گھمنڈ

ناز ہے ان کو کہ ساتھ ہے ناز وادا کی جھنڈ　　مجھ کو یہ فخر ساتھ ہے میرے وفا کی جھنڈ
اہل جہاں ہیں اور ہے حرص و ہوا کی جھنڈ　　ساتھ ان کے روز رہتی ہے گویا بلا کی جھنڈ
جھرمٹ میں ناز کے ہیں تو حلقے میں حسن کے　　چہرے پہ ان کے رہتی ہے ناز وادا کی جھنڈ
خلوت میں اُن کی ہم کو نہ تھا تخلیہ نصیب　　ناز وادا کی صف تھی تو شرم وحیا کی جھنڈ

ہاں تو ہجومِ حسرت و حرمان و یاس ہے
اے خیرؔ ساتھ رہتی ہے میرے بلا کی جھنڈ

ردیف: ذ

(۱)

کیا جانیے کہ عشق کی نعمت ہے کیا لذیذ　　دُنیا میں کوئی ہوگی نہ ایسی غذا لذیذ
ہر حال میں زبان کو لازم ہے شُکرِ حق　　بد ذائقہ طعام میسر ہو یا لذیذ
ہے جی میں سیر ہو کے کریں سیر خلد کی　　میوے ہیں ہر شجر میں وہاں جابجا لذیذ
کہہ دے کوئی یہ دل سے کہ کہ کھانا پڑے گا سب　　جو کچھ کہ خوانِ عشق میں ہے، بدمزا لذیذ
ہیں گالیاں بھی پیار بھی دونوں ہی ایک سے　　اتنا ہے فرق کم کوئی ، کوئی سوا لذیذ
کب امتیاز ہوتا ہے انساں کو بھوک میں　　یکساں ہے آئے روبرو جو کچھ بُرا لذیذ
مہمانِ عشق ہو کے غم و رنج کے سوا　　کھانا ہمیں ملا نہ کوئی دن ذرا لذیذ
مُنہ چاہئے نہ ہجر کی تلخی سے پھیرنا　　بیمار کو تو دیتے نہیں ہیں دوا لذیذ
دوزخ میں گُندے کھانے کو جائے میری بلا　　کوئی طعام ہم نے نہیں ہے سنا لذیذ

بیمار لب ہوں شربتِ عناب چاہئے　　میرے لیے طبیب ہو ایسی دوا لذیذ

اے خیرؔ تیری باتوں میں کچھ بھی مزا نہیں
کیوں کہ سخن کو کہتے ہیں سب آشنا لذیذ

(۲)

نہ چھپانا نامہ رساں میرے قلق پر کاغذ　　رکھ دے للہ میرے چہرۂ فق پر کاغذ
نامہ اُس گل کا جو پہنچا تو ہوا تازہ دماغ　　سبقت لے گیا ہے گل کے ورق پر کاغذ
تیرے لعلِ لبِ جاں بخش کی لکھی ہو صفت　　آج کس طرح نہ ہو چوتھے طبق پر کاغذ
میرا نامہ جو پڑا اس کے کفِ رنگیں میں　　طعنہ زن ہو گیا اُس وقت شفق پر کاغذ
کیسے لکھ بھیجیں کہ للہ نہ کر ظلم و ستم　　پھینک دیتا ہے وہ بت کلمۂ حق پر کاغذ
حالِ دل لکھ کے دوں کس طرح تجھے اے قاصد　　جلنے لگتا ہے مرے سوز وقلق پر کاغذ

خیرؔ تم اس کو سمجھ لو کہ یہ ہے فیضِ امیرؔ
ٹھوس ہوتا نہیں جو شعر ادق پر کاغذ

ردیف: ر

(۱)

مرے گھر آئے وہ دلدار کیوں کر　　بگاڑے اپنی وہ رفتار کیوں کر
اجی کل تک تو راضی وصل پر تھے　　تمہیں آج آ گیا انکار کیوں کر
کسی کی سخت جانی کا بُرا ہو　　رُکی پھر آپ کی تلوار کیوں کر
جہاں تھے رات کو میں جانتا ہوں　　کرو گے تم مگر اقرار کیوں کر
یہ اُترا چہرہ دیتا ہے گواہی　　کرو گے اب بھلا انکار کیوں کر

وہ سوئے یا کہ میرا بخت سویا — الٰہی اب کروں بیدار کیوں کر
کسی کی آہ کا بیشک اثر ہے — ہوا روزن پسِ دیوار کیوں کر
شکایت تھا نہ شکوہ نام میرا — ترے لب تک پھر آیا یار کیوں کر
میں مُشتاقِ شہادت تھا دمِ ذبح — لپٹ جاتی نہ پھر تلوار کیوں کر
ارے آفت زدوں پر جیسی گذری — نہ پوچھ اے بے وفا ہر بار کیوں کر
تقاضا ہے کہ کہہ دوں حالتِ دل — سنیں گیں پر وہ یہ طومار کیوں کر
انہیں کی تھی ثنا تو خط میں لکھی — ہوئے قاصدہ وہ بیزار کیوں کر
نہ دیکھے گا جو وہ رشکِ مسیحا — تو اچھّا ہوگا یہ بیمار کیوں کر
نہ سایہ جن کا دیکھا تھا کسی نے — وہ نکلے ہیں سرِ بازار کیوں کر
بُتِ کافر کا عاشق ہوں ازل سے — مزیّب ہو نہ پھر زنار کیوں کر
سُنا تھا تُم کو زاہد حضرتِ خیؔر
مگر کہتے ہیں سخت مئے خوار کیوں کر

(۲)

نوچیں گل چیں نے جو برگِ گلِ گلزار کے پر — رہ گئے مُرغِ قفس پیٹ کے سرمار کے پر
ہائے صّیاد سے اتنا بھی کسی نے نہ کہا — نہ کتر چھوڑ دے اس مُرغِ گرفتار کے پر
سایہ بھی بھاگتا ہے دیکھ کے صورت میری — ہو گئے دیکھئے اب تو در و دیوار کے پر
حالِ دل کیا لکھوں لکھتے ہی لگا اڑنے خط — شوقِ مضموں نے لگائے مرے اشعار کے پر
تو وہ خوش رُو ہے، ترا ہاتھ جو قبضے پر جائے — سامنے ڈال دیں پریاں تری تلوار کے پر
شعلہ اس طرح کا اے گل نہیں بھڑکاتے ہیں — کیوں جلاتا ہے عبث بلبلِ گلزار کے پر

بام تک اس کے نہیں خیؔر رسائی ممکن
کیوں کے جلتے ہیں وہاں طائرِ ہُشیار کے پر

(۳)

ہماری جان جاتی ہے کسی محبوب جانی پر
جئیں فرقت میں اُس کی خاک ایسی زندگانی پر
پئے تسخیرِ عالم حق نے بخشی ہے زباں تجھ کو
ہزاروں دل ہیں گرویدہ تری معجز بیانی پر
بنائے خاک گھر اِس دہرِ بے بُنیاد میں کوئی
حماقت سے نہیں خالی جو کھینچے نقش پانی پر
اُنہیں فی الفور یاد آجاتا ہے قصّہ غلامی کا
ہزاروں نام رکھتے ہیں وہ یوسفؑ کی کہانی پر
نقابِ یار آخر تنگ آ کر ہم اُلٹ دیں گے
بھلا خاموش بیٹھیں کب تک اُن کی لن ترانی پر
ارے قاصد کوئی پرچہ تو دے اُس ہاتھ کا لکھا
کہاں تک ہم کو ٹالے گا تو پیغام زبانی پر
یقیں ہے دیکھ کر بے حس مجھے، محروم پھر جائے
مگر دھوکا اجل کو ہو گا میری ناتوانی پر
جنابِ خیؔر کی نغمہ سرائی پہلے سُن تو لے
بہت پھولے نہ بلبل اپنی تھوڑی خوش بیانی پر

(۴)

باندھے ہوئے ہو یار کمر کیوں عناد پر
تیوری پر بل پڑے ہیں تُلے ہیں فساد پر

آہیں ہمارے دل کی ہیں بے طور شعلہ زن
دیکھیں یہ برق گرتی ہے کس کس بلا د پر

پھرتا ہوں یوں میں کوچۂ قاتل میں سر بکف
جس طرح جان دے کوئی مومن جہاد پر

اے دشمنوں مرے نفسِ سرد سے ڈرو
مخفی نہیں گذر گئی جو قوم عادؔ پر

انجام کس نے دیکھا ہے آغازِ عشق میں
ایسے وہ کم ہیں جن کی نظر ہے معاد پر

امید تجھ سے رحم کی جب بے وفا نہ ہو
پھر تُجھ سے دل لگائیں تو کس اعتماد پر

جوبن ٹپک رہا ہے یہ جوشِ بہار میں
گلزار کا ہر اک شجر ہے مراد پر

ہاں خیرؔ چھیڑنا نہ کہیں ذکرِ زُلف یار
مائل ہے آج اُن کی طبیعت فساد پر

(۵)

اِس قدر نور ہے اُن چاند سے رُخساروں پر
دیکھے خورشید تو لوٹا کرے انگاروں پر

موسم بادِ بہادری کی جو آمد ہے سُنی
بُلبلیں بیٹھی ہیں کیا باغ کے دیواروں پر

اِک ذرا ابروئے قاتل کا اشارہ جو ہوا
دوڑ کے سب نے گلے رکھ دیئے تلواروں پر

ریش قاضی کی ہو عمامۂ واعظ کے لئے
چاہیئے طُرّہ بھی اِن ایسوں کی دستاروں پر

جانِ من بہرِ خُدا ہو مری تقصیر معاف
رحم ، اللہ بھی کرتا ہے گُنہ گاروں پر

اے مسیحائے جہاں جلد خبر لے اِن کی
حالتِ مرگ ہے، طاری ترے بیماروں پر

طرفہ اِک مار نکالی ہے یہ عُشاقوں کی
سانپ چُھڑواتے ہیں زلفوں کے گرفتاروں پر

دیکھتے چشمِ سخن گو کی جو تعریف اے خیرؔ
صاد آنکھوں سے وہ کرتے مرے اشعاروں پر

(۶)

زُلف بل کھاتی ہے ناگن کی طرح شانے پر
جی مرا ڈرتا ہے اس سانپ کے لہرانے پر

ساقیا مری لحد ہو درِ مئے خانے پر
فاتحہ پھولوں کی جا چاہیئے پیمانے پر

خالِ عارض کو ترے دیکھ کے یوں دل دوڑا
جانور بھوک میں جس طرح گرے دانے پر

اب بہار آئی ہے میخانے کی پوچھو نہ بہار
بوتلیں روپ پر آتی ہیں گھٹا چھانے پر

کچھ تو اِن سچی نگاہوں نے کیا تھا بدظن
بدگماں اور ہوا دل ترے شرمانے پر

رُت پھری ، بدلی زمانے کی ہوا ، لیکن خیرؔ
شمع کو رحم نہ آیا ، کبھی پروانے پر

(۷)

صنم آنکھیں نہ دکھلا تو، خُدا سے ڈر خُدا سے ڈر
ذرا مردم سے شرما تو، خُدا سے ڈر خُدا سے ڈر
طریقے پر ترے چلنا ہے سیدھی راہ دوزخ کی
ہمیں زاہد نہ بہکا تو، خُدا سے ڈر خُدا سے ڈر
رہوں میں منتظر کب تک کہاں تک جھوٹ بولے گا
کبھی تو بے وفا آ تو، خُدا سے ڈر خدا سے ڈر
کیے ہیں کتنے وعدے ایک بھی پورا نہیں ہوتا
ذرا دل میں تو شرما تو، خُدا سے ڈر خُدا سے ڈر
تجھی کو دین و دُنیا خیؔر دیوانہ سمجھتا تھا
پھرا، اس سے بھی اب کیا تو خُدا سے ڈر خُدا سے ڈر

(۸)

مرا دم نکلتا ہے ہر گُل بدن پر — صبا میں تو عاشق ہوں سارے چمن پر
تمنا مری ایک مدّت سے یہ ہے — دہن اپنا رکھیے کسی کے دہن پر
کسی کی کوئی سادگی پر مٹا ہے — کوئی مر رہا ہے کسی کی پھبن پر
ادھر بھی ذرا اک نظر مُڑ کے ظالم — کہ مرتے ہیں ہم بھی ترے بانکپن پر
کہاں یہ سجاوٹ کہاں یہ بناوٹ — تصدق چمن ہے تری انجمن پر
جو وہ غیرتِ گل پئے سیر آئے — تو پھبتی ہے لاکھوں بہارِ چمن پر
کہاں مال بِکتی میں وہ جوہری کے — مرا دانت ہے اور لعلِ یمن پر
عجب بھولے پن سے وُہ یہ پوچھتے ہیں — محبت میں گذری ہے کیا نل دمن پر

شبِ وصل بگڑے بناوٹ سے جب وہ — دیئے میں نے بوسے جبیں کی شکن پر
بیانِ حشر کا آج واعظ سے سُن کر — کھڑے ہوگئے رونگٹے سب بدن پر
محبت میں اے خیؔر دل کی نہ سننا
بھروسہ نہ کرنا کبھی راہ زن پر

(۹)

ہے محبت تو محبت میں اثر پیدا کر — جذبۂ دل کی طرح جذبِ نظر پیدا کر
مثلِ سُرمہ کسی آنکھوں میں سما پس کے تو — اور مِٹ کر دلِ معشوق میں گھر پیدا کر
قدر دانوں سے نہیں اب بھی ہے دُنیا خالی — قدر خود ہوگی مگر پہلے ہُنر پیدا کر
پھول کھلتے ہیں تو کیا، دل بھی کھلے تو جانے — بات ایسی تو کوئی بادِ سحر پیدا کر
گل تو کیا خیؔر ہو بلبل کا جگر بھی پانی
اپنے نالوں میں تو وہ رنگِ اثر پیدا کر

(۱۰)

تصور لے بھی چل ہے وہ سراپا نور کتنی دُور
تری پرواز کے آگے ہے بامِ طور کتنی دُور
یہاں تو سینہ و پہلو ہے چھلنی، پوچھتے کیا ہو
کہ اک ناسور سے ہے دوسرا ناسور کتنی دُور
تمھیں تم ہو مسیحا اس کے دل میں اس کی آنکھوں میں
اگرچہ ہے پڑا تجھ سے ترا رنجور کتنی دُور
طریقِ عشق میں یہ پوچھنا بھی حرام ہے ناداں

ابھی ہے منزلِ مقصود دلّی دور، کتنی دُور
اگر سچی کشِش ہے یار کی بانکی اداؤں میں
مظفرپور سے ہے اُن کا بانکی پور کتنی دُور
نہ آئیں گے ہوا معلوم اے خیرؔ اُن کے تیور سے!
ابھی تک پوچھتے ہیں ، ہے مظفرپور کتنی دور؟

(۱۱)

تم گئے جس کو تڑپتا چھوڑ کر — ہاں کبھی تو اُس کی لینا تھی خبر
خود اگر آنے میں تُم کو عار تھی — تو بلالیتے مجھی کو اپنے گھر
یہ نہ تھا تو خیریت لکھ بھیجتے — کہ مزاج اچھا ہے' ہم خوش ہیں مگر
روٹھنا نازک مزاجوں کا ہے کام — سچ ہے یہ لیکن نہ اتنا اس قدر
چھوڑنا صاحب سلامت اس طرح — خیرؔ سے یوں پھیر لینا تھی نظر
اب یہ فرماؤ مزاج اچھا تو ہے — بھولے بھٹکے تو کبھی آؤ اِدھر
آپ کی ضِد بھی رہی ہٹ بھی رہی — رہ گئی تہذیب میری طاق پر
رُوٹھ جانا بھی تمہارا ہے بجا
ہم مناتے ہیں ملو المختصر

(۱۲)

دیدار پیمبرؐ کا ہوجائے اگر اِک بار
انوارِ خداوندی آجائے نظر اک بار
للہ عنایت کی ہو ہم پر نظر اک بار
شکل اپنی دکھا دو تم اے رشکِ قمر اک بار
بیمارِ محبت کو اکسیر کا نُسخہ ہے
پڑ جائے مسیحا کی میرے جو نظر اک بار
آنکھیں مری روشن ہوں دیدار کی حسرت ہے
صورت جو دکھا دے تو اے ماہ اگر اک بار
کیا آتش دوزخ کی آنچ آئے گی اُمت پر
حضرتؐ کی شفاعت تو خود ہوگی سپر اک بار
اے خیرؔ ٹھکانا کیا اِس عُمرِ دو روزہ کا
بطحا کی طرف کر لو سامانِ سفر اک بار

ردیف : ز

(۱)

خوب تھا قاتل کا میرے خنجرِ خوں خوار تیز
کیا مری گردن سے نکلی ہے لہو کی دھار تیز
ہے سب آزاروں سے بڑھ کر عشق کا آزار تیز
چاہئے اس کی دوا بھی اے دلِ بیمار تیز

بے طرح پڑنے لگی مجھ پر نگاہِ یار تیز
دیکھئے کرتی ہے کیا آخر کو یہ تلوار تیز

مدتیں گزریں نہیں پہونچا کوئی مجنوں کے بعد
میری خاطر خوب نوکیں کر رہے ہیں خار تیز

سنگ سے بڑھ کر سمجھتا ہے گلا نخچیر کا
کیوں نہ خنجر کو کرے وہ تُرک سوسو بار تیز

خاک میری دامنِ زیں تک پہنچنے کی نہیں
اس قدر کرتا ہے کیوں اے تُرک تو رہوار تیز

دیکھ اے صیّاد کا ٹوں گا قفس کی تیلیاں
ہے کہیں مقراض سے بڑھ کر مری منقار تیز

کیا' ملے تھے پر ہُما سے اے کماں کش تیر کو
استخواں بوسی کو ہر دم ہے لب سوفار تیز

بڑھ کے تجھ سے دو قدم بھی چل نہیں سکتا ہے کبک
اس نے پائی ہے کہاں ایسی بھلا رفتار تیز

خوب چل کر پھوڑیئے جنگل میں دل کے آبلے
ہیں ہمارے پاؤں کی خاطر سرِ ہر خار تیز

رفتہ رفتہ ہیں پہنچتے منزلِ مقصود تک
خیؔر انسان کو تھکاتی ہے بہت رفتار تیز

ردیف: س

(۱)

بے کسی پر مرے کرتا ہے ستمگر افسوس
اس کو آتا ہے مرے حال پر اکثر افسوس

نامۂ شوق اُسے بھیجئے کیوں کر افسوس
نامہ بر ہے نہ صبا ہے نہ کبوتر افسوس

مجھ سا عالم میں نہ ہوگا کوئی بے پر افسوس
خود بہ خود آتا ہے صیّاد کو مجھ پر افسوس

باغ برباد کیا ہائے خزاں نے ایسا
اب نہ گل ہیں نہ وہ شمشاد صنوبر افسوس

روتے ہیں دیکھ کے غُربت کو مری وحش وطیور
سب مرے حال پہ کرتے ہیں برابر افسوس

زندگی میں نہ گیا مرگ کا دھڑکا دل سے
چین دل کو نہ ملا زیست میں دم بھر افسوس

طے ہو کس طرح سے اب وادیِ وحشت دیکھیں
نہ نشاں میل کا ہے اور نہ رہبر افسوس

موسم گل بھی نہ تھا اُڑ کے کہاں جاتا میں
کاٹے صّیاد نے ناحق کو مرے پر افسوس

دیکھتا جلوۂ رخسار تو مُنہ بن جاتا
نہ ہوا ترے مقابل مہہِ انوار افسوس

بخت برگشتہ نے ہونے نہ دیئے ہونٹ بھی تر
گر پڑا ہاتھ سے چُھٹ کر مرے ساغر افسوس
خیرؔ آتا ہے نظر ناقۂ لیلیٰ تنہا
رہ گیا قیس کسی دشت میں تھک کر افسوس

ردیف: ش

(۱)

کیوں نہ ہو گردن کو میری تیغِ برّاں کی تلاش
اہلِ ہمّت کو رہا کرتی ہے مہماں کی تلاش
کرتے ہیں عُشاق یوں اُس شاہِ خوباں کی تلاش
جس طرح سے چیونٹوں کو ہو سلیمانؑ کی تلاش
گفتگو لب کی ہے اور مضمونِ دنداں کی تلاش
جستجو گوہر کی ہے لعلِ بدخشاں کی تلاش
کیوں نہ ہو دل کو مرے چاہِ زنخداں کی تلاش
تھی سکندر کو نہایت آبِ حیواں کی تلاش
اے جنوں جب سے ہوئی ہے مجھ کو عُریانی پسند
اُٹھ گئی ہے دل سے دامان و گریباں کی تلاش
خط نمایاں ہوگیا گردِ لبِ شیریں یار
چیونٹیاں کرتی ہیں اکثر شکرستاں کی تلاش
آبلوں سے چل نہیں سکتا ہوں میں اب دو قدم

دشت میں ہے اس لیے خارِ مغیلاں کی تلاش
پھل کوئی ملتا مجھے بھی تیرے باغِ حُسن سے
کیوں نہ ہو دل کو میرے سیبِ زنخداں کی تلاش
خیرؔ لازم جستجو ہے مصحفِ رُخسار کی
مردِ مومن کے لیے واجب ہے قرآں کی تلاش

ردیف: ص

(۱)

سانپ کا پیچ و تاب ہے ناقص   زُلف کا یہ جواب ہے ناقص
ترے رُخسار سے مُقابلہ کیا   چہرۂ آفتاب ہے ناقص
کیوں نہ نازاں ہو میرے دیدۂ تر   اُن کے آگے سحاب ہے ناقص
دل مرا پک کے خوب جل جائے   خام ہو تو کباب ہے ناقص
ہے دو روزہ بہار اے بلبل   ان گلوں کا شباب ہے ناقص
ہے مرا بھی شمار غیروں میں   آپ کا یہ حساب ہے ناقص
خوب ہے آنسوؤں کا بہہ جانا   چشمِ تر میں یہ آب ہے ناقص
گالیاں ہیں سوالِ بوسہ پر   آپ کا یہ جواب ہے ناقص
وہ ہے خوشبو ترے پسینے میں   جس کے آگے گلاب ہے ناقص
تجھ کو زاہد نصیب ہی نہ ہوئی   پھر نہ کہتا شراب ہے ناقص
رو بہ رو خیرؔ اُن کے چہرے کے
صاف یہ آفتاب ہے ناقص

ردیف: ض

(۱)

دل کو ہے تیری زُلفِ گرہ گیر سے غرض
مجنوں ہے وہ جو رکھتے ہیں زنجیر سے غرض

دل کو نہیں مرقعِ عالم کا اشتیاق
اس آئینہ کو ہے تیری تصویر سے غرض

اے تُرک میرے طائرِ دل کو شکار کر
صیاد کو ضرور ہے نخچیر سے غرض

جس روز یار آئے مبارک وہی ہے دن
جمعہ سے مجھ کو کام نہ ہے پیر سے غرض

عادت ہی کچھ ہماری طبیعت کو ہوگئی
اے آہ اب نہیں تری تاثیر سے غرض

مرتا ہوں تیرے ابرو و مژگاں کی یاد میں
دل کو کماں سے شوق ہے اور تیر سے غرض

اے شاہِ حسن جو ترے در کا ہوا فقیر
اُس کو نہیں ہے عزّت و توقیر سے غرض

دن رات تیرے غم میں یہی شغل ہے مجھے
رونے سے کام ، نالۂ شبگیر سے غرض

سمجھا کے نامہ بُرا سے لے آ کسی طرح
مطلب یہی ہے اور یہی تحریر سے غرض

اُس گل کے اشتیاق میں آئے ہیں باغ میں
بلبل ہمیں نہیں تری تقریر سے غرض

تلواریں خیؔر سینکڑوں ہیں مجھ کو کام کیا
میرے گلے کو ہے کسی شمشیر سے غرض

ردیف: ط

(۱)

نِکل آیا جوان رُخ پر خط
اور اِک ظلم کا ملا سر خط

مجھ کو بھیجے اگر وہ دلبر خط
چیر کے رکھ لوں دل کے اندر خط

بھیجتا ہوں میں اس کو پئے در پئے
نامے پر نامہ اور خط پر خط

نہ لکھوں ایک حرف شکوے کا
شکر سے ہو بھرا سراسر خط

ہیں مرے یار کے سوال و جواب
جاری ہیں آج کل برابر خط

واہ کیا شان تیرے خط کی ہے
کلک قدرت کا ہے مقرر خط

دیکھئے کب جواب لاتا ہے
لے گیا ہے مرا کبوتر خط

کر دے یُوسفؑ کے پیرہن کی طرح
میری آنکھوں کو بھی منور خط

کوئی خط کو مرے نہیں چھوتا
کر رہاہے جہاں میں چکّر خط

وقتِ تحریر خوب روئے ہم
ہوگیا آنسوؤں سے ابتر خط

ہو گیا خطِ استوا سے سوا
یار کی مانگ کا سراسر خط

میری ان کی ہوئی کتابت پھر
آتے جاتے ہیں پھر برابر خط

کیا پڑھنا تھا اور کہاں کا جواب
چاک کر ڈالا اُس نے لے کر خط

وائے ! قسمت نہ ایک بھی پہونچا
میں نے تو بھیجے اُن کو اکثر خط

نامہ بر کے قدم بھی لو اے خیؔر
چوم کر رکھ چکے نہ سر پر خط

(۲)

روز آتا ہے اُس نگار کا خط
عہد کا قول کا قرار کا خط

دل دُکھانے کی لاکھ باتیں لکھیں
اس نے لکھا کبھی نہ پیار کا خط

یہ تو امید ہی نہیں اے دل
آئے جو میرے نام یار کا خط

بھول بیٹھے ہیں ایسے اہلِ وطن
ایک آتا نہیں دیار کا خط

منتظر گھر میں خیؔر بیٹھے ہیں
آئے کب دیکھیں انتظار کا خط

ردیف: ظ

(۱)

یار اٹھ کر چلا، خُدا حافظ   اے دلِ مُبتلا ، خُدا حافظ
نہیں سُنتے ہو تم مری فریاد   اے بُتو ! اب مرا ، خُدا حافظ
پھر وہی دل کو یاد کاکل ہے   آئے گی پھر بلا ، خُدا حافظ
دل نہیں مانتا کسی صورت   پھر وہیں میں چلا ، خُدا حافظ
روز جاتے ہو چُھپ کے غیر کے گھر   پاس عصمت کجا ، خُدا حافظ
اُٹھ رہی ہے وفا زمانے سے   اب وفاداروں کا خُدا حافظ
خیؔر اب خیر جان کی بھی نہیں
دل ہوا مبتلا ، خُدا حافظ

(۲)

مکرِ ابلیس سے کس طرح رہیں ہم محفوظ
شر سے جس کے نہ رہے حضرتِ آدم محفوظ
دیکھ لیں گے جو کبھی ہاتھ ہمارا پہنچا
ہے جو اب دست درازی سے وہ محرم محفوظ
بے طرح شعلہ فشاں ہیں میری دل کی آہیں
یا الٰہی رہے اس کی آگ سے عالم محفوظ
پہلوانی نہیں چلتی ہے قضا کے آگے
ژال باقی رہا دُنیا میں نہ رُستم محفوظ

جسم بیجان ہے اگر قلب نہ ہو پہلو میں
بے نگینہ کے نہیں رہتی ہے خاتم محفوظ
نور آنکھوں کا بہا جاتا ہے اشکوں کے ساتھ
دیکھیں کس طرح رہیں دیدۂ پُرنم محفوظ
ساقیا ہم سے نہیں چھوٹنے کا جام بھرا
ساغر گل میں نہیں رہتی ہے شبنم محفوظ
گھیرے رہتی ہیں بلائیں مجھے اے گیسوئے یار
آفتوں سے نہیں رہتا میں کوئی دم محفوظ
نہ چلی خیؔر حکیموں کی ذرا بھی حکمت
جام کا حفظ کیا اور نہ رہا جم محفوظ

ردیف: ع

(۱)

جسم سے اس طرح کرتی ہے مری جاں الوادع
وقتِ رخصت جس طرح کہتے ہیں مہماں الوداع
غیر کی چشمک سے اب ٹکنا ہمارا ہے محال
الفراق اے سنگِ در اے کوئے جاناں الوداع
بلبلو ! صیاد آیا ہے تمہاری تاک میں
گل سے مل لو اور کہو اب اے گلستاں الوداع
گرم ہو کر کیا چمٹ کر یار سے سوتے تھے ہم
موسم سرما گیا فصلِ زمستاں الوداع

دل کے ٹکڑے بھی نکل آنے لگے اشکوں کے ساتھ
وقتِ آخر ہے ترا اب چشمِ گریاں الوداع

پیرہن اپنا بچے کیوں کر جنوں کے ہاتھ سے
موسم گل آ گیا اے جیب و داماں الوداع

تو ،تو رخصت ہو رہا ہے خیرؔ تجھ سے کیا کہے
الوداع اے ماہ رمضاں میرے مہماں الوداع

ردیف: غ

(۱)

اپنے دماغ میں بھی بسی ہے ہوائے باغ
بلبل کی طرح ہم بھی ہیں دل سے فدائے باغ

داغوں سے دل ہمارا ہے غیرت فزائے باغ
ہم رنگِ لالہ رشک سے اب داغ کھائے باغ

جاتے ہیں روز سوسن و نرگس کو گھورنے
رنگیں مزاج ہم بھی ہیں اک آشنائے باغ

پہنچے گا وہ کبھی نہ ترے رنگِ حسن کو
لاکھا اپنے ہاتھ پاؤں میں مہندی لگائے باغ

صیاد کب قفس سے کرے گا ہمیں رہا
تقدیر ہم کو دیکھئے کس دن دکھائے باغ

نرگس کی طرح ہم بھی ہیں گلزارِ دہر میں
کچھ سوجھتا نہیں ہے ہمیں بھی سوائے باغ

پتّے تلک اڑا دیئے صرصر نے، کیسے پھول
کیا ہی خزاں سے ہو گیا برباد ہائے باغ

آتا ہے دھوم دھام سے پھر لشکرِ بہار
کہہ دو کہ باغباں کہیں جلدی لگائے باغ

گاڑا ہے اپنے نام کا جھنڈا ہر ایک نے
شمشاد و سرو دونوں ہیں صاحب نوائے باغ

پُرساں نہیں ہے کوئی قفس میں ہزار حیف
کس کو سُنائیں قید میں ہم ماجرائے باغ

شمشاد و سرو و سوسن و نسرین و نسترن
پھولا رہے پھلا رہے ہر دل ربائے باغ

دربھنگے سے بہارِ سخن جا چکی تھی خیرؔ
پھر تو نے اس زمین پر تازہ لگائے باغ

ردیف: ف

(۱)

دردِ دل سے ہو میرے کیا واقف
جو محبت ہی سے ہو نا واقف

مجھ سے ہو کیا وہ کج ادا واقف
کیا وفا سے ہو بے وفا واقف

سُرمہ پہنچا کب اُن آنکھوں تک
کب ہوئی ہاتھ سے حِنا واقف

زندگی ہو جو موت آجائے
دیکھیں کب مجھ سے ہو قضا واقف

دل کو چاہِ ذقن میں غوطے دیں
آشنا سے ہو آشنا واقف

عشق نے مجھ کو کر دیا بدنام
ہوگئے لوگ جا بہ جا واقف

وہ صنم جانتا ہے میرا راز
حالِ بندہ سے ہے خُدا واقف

پہنچے اُس گل کو اس طرح نامہ
کوئی بھی ہو نہ اے صبا واقف

رُتبہ خاکِ کوئے جاناں سے
کیا نہیں چشم طوطیا واقف

مُجھ کو قاتل نے سرفراز کیا
ہوگیا تیغ سے گلا واقف

خیرؔ تیری دلی تمنا سے
ہیں شہنشاہِ کربلا واقف

(۲)

ابھی نہیں ہیں قدم اُن کے چال سے واقف
قیامت آئے جو ہوں اس خیال سے واقف

پڑا ہے چار عناصر میں اختلاف ایسا
مزاج اپنا نہیں اعتدال سے واقف

ہمیشہ اوج رہے تیرے روئے روشن کا
نہ ہو یہ مہر درخشاں زوال سے واقف

وہ کون ہے کہ نہیں جس نے کی ہوا خواہی — صبا ہے خوب مرے نونہال سے واقف
تمہارے زلف معنبر سے اس کو کیا نسبت — میں خوب نافے کے ہوں بال بال سے واقف
فلک پر پہنچی ہیں زُہرا و مُشتری کیوں کر — نہ سُر سے اُس کو خبر وہ نہ تال سے واقف
عجب ہے ، نا م خُدا خیؔر چہرۂ شفاف
نہیں ہے، یہ فرد کبھی خط و خال سے واقف

ردیف : ق

(۱)

یوں ہمارے دل کو ہے اُس انجمن کا اشتیاق — بلبلِ شیدا کو ہو جیسے چمن کا اشتیاق
کیوں نہ ہو ہر لحظہ کوئے تیغ زن کا اشتیاق — سرفروشوں کو رہا کرتا ہے ان کا اشتیاق
مو بہ مو ہے اس کی زلف پُرشکن کا اشتیاق — مُشک سے مطلب، نہ مجھ کو ہے ختن کا اشتیاق
یوں رہا کرتی ہے اب دل کو تمنا گور کی — جس طرح سے ہو مسافر کو وطن کا اشتیاق
ہے ہوس دل میں نظر آئے کبھی تیری کمر — بات کچھ کچی ہے اثبات دہن کا اشتیاق
موت آئے دشتِ غُربت میں تو یارب خوب ہے — گور کی حسرت نہ مجھ کو ہے کفن کا اشتیاق
تیشۂ غم سے ہوئے مجروح ہم بھی سر بہ سر — جان اِک دن لے گا اُس شیریں دہن کا اشتیاق
میری آنکھوں میں کبھی ہے دشت یثرب کی فضا
کس کو ہے اے خیؔر جنت کے چمن کا اشتیاق

ردیف : ک

(۱)

نام آوروں سے رکھتا ہے رشک آسمان تک — رکھا کسی کا اُس نے نہ باقی نشان تک
اے دل جفائے دوست کا لازم ہے تجھ کو شکر — شکوے کا حرف آنے نہ پائے زبان تک
گرگِ اجل سے پیری میں کیوں کر اماں ملے — بچتا نہیں ہے پنجے سے اُس کے جوان تک
بیکار کر دیا ہمیں ابرو کے عشق نے — پیوست ہو گئے مرے دل میں کمان تک
مر کر ملا عروج بگولوں کے فیض سے — پہنچی ہے اُڑ کے خاک مری آسمان تک
دیکھیں گے ہم بھی خیؔر کہاں تک ہیں اُن کے جَور
اس دیکھنے میں چاہے چلی جائے جان تک

(۲)

تقدیر دور رکھے گی ہم کو کہاں تلک
اک روز سر پہ پہنچے گا اُس آستاں تلک
مجنوں نے گو کہ وادئ وحشت کی راہ لی
جائے گا ہم سے بھاگ کے آگے کہاں تلک
الطاف کی نہیں ہے ترے حد مرے کریم !
کیجیے ادا شکر زباں سے کہاں تلک
واقف ہے یار خوب مرے دل کے حال سے
اُس سے چُھپا نہیں کوئی رازِ نہاں تلک

الله رے طولِ کاکلِ مشکین یار کا
تھوڑے سے سِن میں پہنچے کہاں سے کہاں تلک
حاجت نہیں ہے قند کی مداحِ خیرؔ کو
شیریں ہے ترے ذکر سے کام و دہاں تلک

ردیف: گ

(۱)

عشق کی گرمی نے بھڑکائی ہے میرے تن میں آگ
کیا تعجب ہے، اگر لگ جائیں پیراہن میں آگ
خون کی سوزش سے ہے قاتل رگِ گردن میں آگ
کیا تماشا ہو جو بھڑکے خنجر آہن میں آگ
پان کی لالی مسی آلودہ ہونٹوں پر نہیں
آتشِ گُل نے لگائی ہے گل سوسن میں آگ
خون کے قطرے جو پونچھوں دیدۂ خونبار سے
دیکھنے والے یہ سمجھیں گے کہ ہے دامن میں آگ
بعد مردن آگ یہ بھڑکی دل پر سوز سے
میرے نالوں نے لگادی تختۂ مدفن میں آگ
نالۂ سوزاں ہمارے برق سے کچھ کم نہیں
دیکھ اے دہقاں نہ لگ جائے ترے خرمن میں آگ
کوہ خاکستر ہو جل کر میں رہوں آتش قدم
خیرؔ آتش بار نالوں سے لگادوں بن میں آگ

ردیف: ل

(۱)

ترے در سے کب پھرا آ کر کوئی سائل ملول
تیرے فیضِ عام سے خرسند ہے ہر دل ملول
کیوں نہ ناصح ہو ہمارے پاس آ کر دل ملول
صحبتِ عارف سے اکثر ہوتا ہے جاہل ملول
میرے آتے ہی ہوئی اُس شوخ کی محفل ملول
کرتا ہے افسردہ ساری انجمن کو دل ملول
سینکڑوں خنجر کے رگڑوں سے نہ گردن کٹ سکی
سخت جانی سے ہماری ہے بہت قاتل ملول
وائے قسمت ہو گئی دیدار سے لیلیٰ کے پاس
دیکھ کر مجنوں ہوا ہے پردۂ محمل ملول
رحم اے سفّاک لازم ہے لگا اِک اور ہاتھ
اس تڑپنے سے نہایت ہے ترا بسمل ملول
اے مسیحا کس سے ہو تیرے سوا میرا علاج
درد دِل کس سے کرے اظہار تیرا دل ملول
بے اعانت چشم کی ہے بحرِ غم سے کب عبور
واسطے کشتی کے مردم ہیں لب ساحل ملول
جب کہ تاخیر اجابت ہو دُعائیں یا اللہ

دیر کی مطلب براری سے نہ ہو سائل ملول
یار آزردہ ہے میرے عشق کے اظہار سے
ہوگئے ہیں ہم بھی کر کے دعویٰ باطل ملول
آبِ حیواں تک پہنچ کر لب نہ ہوں خیرؔ اُس کے تر
تو نہ کیوں کر اب سکندر ہو لبِ ساحل ملول

(۲)

دوستو ! ماہ ولادت ہے ، ربیع الاوّل
باعث عزت و رحمت ہے ، ربیع الاوّل
کیوں نہ ہو سارے مہینوں پہ فضیلت تُجھ کو
تجھ میں حضرتؐ کی ولادت ہے ، ربیع الاوّل
تیرے آتے ہی ہرے ہو گئے نخلِ اُمید
باغ اسلام کا خلعت ہے ، ربیع الاوّل
دھوم ہر گھر میں ہے میلاد کی سامان کے ساتھ
صاحبِ حشمت و شوکت ہے ، ربیع الاوّل
قسمتیں جاگ اٹھیں تیرے قدم کے باعث
تیری ہی ساری عنایت ہے ، ربیع الاوّل
کیا فصل رات سے ہے آج معطر ہر گھر
بلکہ یوں کہئے کہ جنّت ہے ، ربیع الاوّل
ہے تو ہی صاحب لولاک لما کا مظہر
تو عجب صاحب عزّت ہے ، ربیع الاوّل

عاشقانِ شہہ دیں کو ہے تُجھی سے تسکین
تجھ سے آرام ہے راحت ہے ، ربیع الاوّل
جب سُنا نام ترا وجد میں آجاتے ہیں
عاشقوں کو یہ محبت ہے ، ربیع الاوّل
اک جھلک اپنی دکھا کر تو چلا جاتا ہے
اتنی ہی تُجھ سے شکایت ہے ، ربیع الاوّل
خیر لائق نہیں اس کے کہ ملے اس سے کوئی
تو جو ملتا ہے سعادت ہے ، ربیع الاوّل

(۳)

لیلۃ القدر کی ہے جان، رَبیعُ الاوّل — تجھ پہ سو سال ہوں قربان ، رَبیعُ الاوّل
تو اڑاتا ہوا آیا ہے ہلالی جھنڈا — تو مہینوں کا ہے سلطان، رَبیعُ الاوّل
اپنی تقدیر سے پایا تجھے ہم نے اے ماہ — دل کے سب نکلیں گے ارمان، رَبیعُ الاوّل
پیار کرتے تجھے لپٹا کے گلے سے ہم تو — کاش ہوتا جو تو انسان ، رَبیعُ الاوّل
دل ہے اور آنکھ ہے آ جس میں ہو رہنا تجھ کو — اور کیا ہو سکے سامان ، رَبیعُ الاوّل
تجھ میں پیدا ہوئے سرورِ شاہانِ جہاں — کس قدر تیرے ہیں احسان، رَبیعُ الاوّل
تیری دعوت کا کروں کون سا سامان یہاں — جان و دل تجھ پہ ہوں قربان، رَبیعُ الاوّل
خیرؔ دل کھول کے مل لو جو تمہیں ملنا ہو
پھر ملے گا نہ یہ مہمان ، رَبیعُ الاوّل

(۴)

نہیں قابو میں ہے میرے مرا دل — مرا بے درد میرا بے وفا دل
نہیں پہلو میں میرے کیوں مرا دل — ابھی تھا اور ابھی کیا ہوگیا دل
وہی بیٹھے تھے کل پہلو میں میرے — مکرر لے گئے ہیں وہ مرا دل
مجھے اک دفعہ لے چل ان کے در تک — ارے کیا ہوگیا مجھ سے خفا دل
اشارے پر چلا پہلو سے میرے — خبر کیا تھی کہ ہوگا بے وفا دل
بتوں کی یاد اس کو ہر گھڑی ہے — ارے کیا ہوگیا کافر مرا دل
نصیحت خیؔر کی تو یاد رکھ لے
ارے تو ان کی باتوں پر نہ آ دل

ردیف : م

(۱)

حالتِ دل اگر سُنائیں ہم — پہروں بے درد کو رُلائیں ہم
ہاتھ میں کیوں لیے ہو تم خنجر — لاؤ اس کو گلے لگائیں ہم
طوق منت کے واں بڑھائیں آپ — اور کڑیاں یہاں اٹھائیں ہم
آسماں پہ چلے حباب کی شکل — ہجر میں اشک اگر بہائیں ہم
خلوت دل میں آپ رہتے ہیں — کیوں سُوئے دیر و کعبہ جائیں ہم
دم میں منہ آفتاب کا پھر جائے — داغ اپنا اگر دکھائیں ہم
تم کہاں بن سنور کے آج چلے — آؤ لے لیں اجی بَلائیں ہم

آتش غم سے اشک سوکھ گئے — خاک دل کی لگی بُجھائیں ہم
وہ بھی دن آئے گا اے خیؔر
روٹھ جائے کوئی منائیں ہم

(۲)

جام اے ساقی چڑھا لیں اور بھی دوچار ہم
محتسب پر پھر تو چڑھ بیٹھیں سرِ بازار ہم
نشۂ بادبہادری سے ہیں پھر سرشار ہم
تنکے پھر چننے لگے ہیں برسر بازار ہم
اے پری رُو بھول کر ہم تیرے مُنہ چڑھتے نہیں
ہاں کریں گے ایک بو سے پر فقط تکرار ہم
ہے ازل سے نام اپنا دفترِ عُشاق میں
جیتے جی چھوڑیں بھلا کیوں کر تری سرکار ہم
عاشق و معشوق میں لازم ہے آخر اتفاق
تم خفا ہم سے ہو، اور ہیں جان سے بیزار ہم
گاہ پلکوں کا تصور ہے کبھی ابرو کی یاد
دل پہ کھاتے ہیں کبھی ناوک کبھی تلوار ہم
سارے عالم کو ڈبو دے پل میں یہ طوفانِ اشک
جوش پر آجائیں گر اے ابر دریا بار ہم

کچھ نہیں دیتا دکھائی اب ہمیں تیرے سوا
بند آنکھیں کیوں نہ ہوں، ہیں طالب دیدار ہم
خاک ہونے پر ترے کوچے سے اٹھنے کی نہیں
ضُعف سے اب بن گئے ہیں نقش بر دیوار ہم
ہے چھپا کس چاہ میں تو اے عزیز مصر دل
روز تیری جستجو کو جاتے ہیں بازار ہم
اس قدر کھنچتا ہے کیوں رندوں سے اے مینائے مئے
تنگ ہو کر آخرش لیں گے تری دستار ہم
رات دن رہتا ہے فُرقت میں تری رونے سے کام
دوستو! کوئی نہ یہ سمجھے کہ ہیں بیکار ہم
روتے روتے اب مری آنکھوں نے طوفاں کر دیا
دیکھئے اس بحرِ غم سے کس طرح ہوں پار ہم
خیؔر مسجد میں کریں اُس بُت کے ملنے کی دُعا
ہاتھ میں تسبیح رکھیں دوش پر زنّار ہم

(۳)

دوری سے جاں بہ لب ہیں بس اب اے حبیب ہم
دُنیا سے اب کریں گے سفر عنقریب ہم
عالم میں ہر گھڑی ہے نیا ایک شعبدہ
ہر روز دیکھتے ہیں تماشے عجیب ہم
یہ وہ مرض نہیں ہے کہ جس کا علاج ہو
کیا دل کا درد تجھ سے کہیں اے طبیب ہم
اپنا بھی نام دفترِ عالم میں فرد ہے
لکھے گئے ہیں روزِ ازل بدنصیب ہم

مہماں نواز کون ہے منزل میں گور کی
کس سے کہیں کہ آئے ہیں تنہا غریب ہم
اندوہ و یاس و حسرت و حرماں و بے کسی
رکھتے ہیں اپنے سینے میں ساماں عجیب ہم
اپنے دماغ میں بھی بھری ہے ہوائے گل
ہمدرد ایک تیرے ہیں اے عندلیب ہم
ہم سا نہ ہو گا کوئی دبستانِ عشق میں
خود طفلِ مکتب اور کبھی ہیں ادیب ہم
تشویش و فکر و رنج و غم و نالہ و بُکا
دوری سے تیری رکھتے ہیں ان کو قریب ہم
کیوں دل کو جانے دیں ترے پاس اور ہم جلیں
کاہے کو اور پیدا کریں اِک رقیب ہم
دیکھی نہیں ہے خواب میں بھی شکل آرزو
کوئی نہ ہو گا جیسے ہیں حسرت نصیب ہم
اے خیؔر ہم کو پند و نصائح سے کام کیا
منبر سے کیا غرض کہ نہیں ہیں خطیب ہم

(۴)

بند کرتے ہیں دہانِ زخم کو سی سی کے ہم
پر وہ کہتا ہے ہنسیں گے خونِ دل پی پی کے ہم
کھا کے غم تیری جُدائی میں ہوئی آسودگی
دل کی تسکیں کرتے ہیں خونِ جگر پی پی کے ہم
اے پپیہا پوچھتے ہیں ہم بھی اکثر ''پی'' کہاں؟
دیکھ ہم آواز ہیں تیری اس ''پی' پی'' کے ہم
قتل ابرو نے کیا تو لب نے زندہ کر دیا
کاٹتے ہیں اپنے دن مر مر کے اور جی جی کے ہم
ہم کو ترسا کر دیا غیروں کو ساغر آپ نے
جوشِ غم سے اشک خونیں رہ گئے پی پی کے ہم

دستِ رنگیں سے پلایا آپ نے غیروں کو جام
رہ گئے اے دل رہا خونِ جگر پی پی کے ہم
تیغ ابرو و لب جاں بخش کو ہے اختیار
جیتے ہیں مرمر کے اور مرتے ہیں پھر جی جی کے ہم
میں نے مانگا بوسہ دو رُخسار کا بھی، لب کا بھی
بولے وہ اس پر نہیں راضی تری 'بھی بھی' کے ہم
نام سُن کر خیؔر کا تجھ کو نہ گھن کرنا تھا یوں
ہو گئے قتل اور اے ظالم تری چھی چھی کے ہم

(۵)

چین کب دیتی ہے فکرِ بیش و کم   حال کا جنجال ماضی کا الم
کس کے دو دن ہیں کٹے اِک حال پر   کس خوشی کے بعد پھر آیا نہ غم
کر گئی پامال انہیں بادِ سموم   جو چمن تھے رشکِ گلزار اِرم
گھات میں ہے گردشِ لیل و نہار   اُٹھتے ہیں فتنے پہ فتنے دم بہ دم
آب زیرِ کاہ ہے مینا سے چرخ   اس صُراحی میں بھرا ہے سم ہی سم
یاد رکھو ہے زمانہ پُر دغا   لُطف کے بدلے یہ کرتا ہے ستم
کل یہی تھے سروِ بستانِ شباب   جو ہوئے ہیں آج پیرِ پشتِ خم
چند روزہ ہے بہارِ باغِ عیش   بزم جمشیدی وہ باقی ہے نہ جم
خندۂ گل سے عنادل نالہ کش   گریۂ شبنم سے نرگس چشمِ نم

طنطنے تھے عیش کے جس جا بلند   اُن گھروں میں آہیں ہوتی ہیں علم
خیؔر کل تک یاروں کا ماتم رہا
آج اپنی جان کو روتے ہیں ہم

(۶)

کس طرح آقا کا در چھوڑے غُلام   کس طرح مولا سے مُنہہ موڑے غُلام
تیرے در کو چھوڑ کر جائے کہاں   کس کے در پر جا کے سر پھوڑے غلام
کوئی چاکر ہو تو چھوڑے نوکری   کس طرح آقا سے مُنہہ موڑے غلام
اے مرے مولا لگا دے اپنی لو   رشتے ناطے سب ہی سے توڑے غلام
یوں تو کہنے کو ہیں لاکھوں ہی مگر   کام کے دراصل ہیں تھوڑے غلام
جانتا ہے تو حقیقت خیؔر کی !
اب کہاں تک ہاتھوں کو جوڑے غلام

ردیف: ن

(۱)

لڑاتے ہیں زبان غیروں سے وہ تقریر کرتے ہیں
یہ بات اچھی نہیں ناحق مجھے دل گیر کرتے ہیں
خُدا کے واسطے جلدی جواب اے نامہ بر لانا
ضروری چند مطلب اُن کو ہم تحریر کرتے ہیں
ہوا ہے اِک پری پیکر کا مجھ کو پھانسنا مشکل
وہ کیسے آدمی ہیں، جن کو جو تسخیر کرتے ہیں

ہمارے اُن کے پہروں رہتی ہے تکرار بوسے پر
اُلجھ پڑتے ہیں گھڑیوں ہم سے وہ تقریر کرتے ہیں
نظر آتی نہیں کوئی وصالِ یار کی صورت
نہیں کچھ بات بنتی لاکھ ہم تدبیر کرتے ہیں
لگا لیتے گلے سے دوڑ کر جوشِ شہادت میں
برہنہ کب وہ میرے سامنے شمشیر کرتے ہیں
قصیدوں میں اگر اے خیؔر پیرو ذوقؔ کے ہیں ہم
تو غزلوں میں ہمیشہ پیرویِ میؔر کرتے ہیں

(۲)

جورِ عشاق پہ ناحق یہ صنم کرتے ہیں — بے گناہوں کو ستاتے ہیں ستم کرتے ہیں
انتہا آپ کے الطاف و عنایت کی نہیں — فرق باقی نہیں رہتا جو کرم کرتے ہیں
نہیں معلوم ہے کیا اُن کی نظر میں تاثیر — بندہ ہر ایک کو بے دام و درم کرتے ہیں
یاد آجاتی ہے گلشن میں کسی کی خوشبو — گُل مرا اور بھی کچھ ناک میں دم کرتے ہیں
لے گیا خیؔر نہ کچھ بھی کوئی سامانِ جہاں
لوگ یہ کس لیے اسباب بہم کرتے ہیں

(۳)

بہارِ گُل کرے گی قتل اک دن ہم کو گلشن میں
نہیں ہے فرق شاخِ گُل میں کچھ اور تیغِ آہن میں
عجب بادِ بہاری سے ہے بھڑکی آگ گلشن میں
نہیں ہیں پھول، انگارے بھرے ہیں گُل نے دامن میں
کبھی نسبت جو دی میں نے مسّی آلودہ ہونٹوں سے
ہزاروں یار نے شاخیں نکالیں برگِ سوسن میں
کیا ہے خوب دیوانہ مجھے شوقِ شہادت نے
بجائے طوق، تلواریں پڑیں گی تیری گردن میں
ہوا ہے بندۂ بے دام خیؔر اک سروقامت کا
پڑا طوقِ محبت مثلِ قمری اس کی گردن میں

(۴)

دل مرا جلتا ہے، لے کس طرح دلبر ہاتھ میں
سچ تو یہ ہے آگ لے انسان کیوں کر ہاتھ میں
فصلِ گُل آئی ہے اے بادہ کشو، جب ہو بہار
سامنے بوتل دھری ہو اور ساغر ہاتھ میں
پھٹ کے انگیا رہ گئی، بھاگا چُھڑا کر وہ صنم
اُڑ گئی سونے کی چڑیا رہ گئے پر ہاتھ میں
باغِ عالم میں بخیلوں! چاہئے کچھ بُوئے فیض
کیا ہوا ہمرنگِ گُل رکھا اگر زر ہاتھ میں

ہے لہو میرا بہا کر کس قدر قاتل کو عید
آج مہندی بھی لگائے گا مکرر ہاتھ میں
دولت و ثروت ہیں مرنے پر نصیبِ دشمناں
لے گیا کب مال دُنیا سے سکندر ہاتھ میں
زیست بھر اپنا چلا جائے گا یہ فیض و کرم
ہم کریں کیا ہم نے بھی پائے ہیں چکر ہاتھ میں
مجلسِ قاضی میں بھی جاتا ہوں یوں میں بادہ نوش
ہے بغل میں شیشۂ مئے اور ساغر ہاتھ میں
خیرؔ نے جب دامنِ آلِ نبی پکڑا تو پھر
تشنگیٔ حشر کیا ، ہے حوضِ کوثر ہاتھ میں

(۵)

اگر آئے خیال اپنے مزاج لا اُبالی میں
لگا دوں ٹکّریں سر کی میں پائے عرش عالی میں
بہت گیسو نہ بکھراؤ اُلجھ جائیں گے بالی میں
پریشانی نہ دوں اتنی انہیں آشفتہ حالی میں
نہیں معلوم کیا صیّاد نے ترکیب رکھی ہے
ہزاروں مرغِ دل پھنستے ہیں اِک کُرتی کی جالی میں
یقیں ہے آج کی شب سُرخ رُو فرمائے وہ مجھ کو
نہیں بے وجہ پان اُس نے دیا سونے کی تھالی میں

مزہ قندِ مکرر سے زیادہ مجھ کو ملتا ہے
حلاوت کوٹ کر ظالم بھری ہے تیری گالی میں
نہ گُل کو توڑ اے گلچیں نہ لے خون اپنی گردن پر
ہزاروں بلبلوں کی جان ہے ہر گُل کی ڈالی میں
کبھی ہوتی نہیں ہے اصل سے کچھ نقل کو نسبت
کہ ہوسکتی نہیں خوشبو کبھی گلہائے قالیں میں
چلی جاتی ہے میرے ساتھ ہر دم چھیڑ ساقی کی
مئے گل رنگ دیتا ہے مجھے جامِ سفالی میں
تمہارے کان نازک ہیں نہ دم بھر تاب لائیں گے
سنو صاحب! پرو کر تم پھرو نہ پھول بالی میں
مٹا دی شکل مجنوں کی مرے اندام لاغر نے
ہیں ایسا کوئی ہے زار و لاغر اس حوالی میں
مرا بے ساختہ جی چاہتا ہے مُنہ ترا چوموں
عجب باتیں مزے کی ہیں تری، اس خوردسالی میں
ترے دانتوں نے کم کردی جہاں میں قدر گوہر کی
نہیں ہمرنگ ہے لعلِ یمن ہونٹوں کی لالی میں
زیادہ پھول کی ڈالی سے ہر اک مصرع تر ہے
ترا ثانی نہیں اے خیرؔ اس رنگیں خیالی میں

(٦)

فکرِ مضمون زلف یار کریں / قبضے میں کِشور تتار کریں
بے رُخی تجھ سے گر ہزار کریں / پر خلش بلبلوں نہ خار کریں
پھانس رکھا ہے نیچی نظروں نے / آپ آنکھیں ذرا تو چار کریں
دل تو مدت سے کر چکے صدقے / جان بھی تم پہ ہم نثار کریں
بھاگے بھاگے پھرو نہ ہم سے تم / آؤ آغوش میں تو پیار کریں
غم گیسو نے کھا لیا دل کو / تا کجا رنج زہر مار کریں
ظلم پر ہیں بہت وہ آمادہ / ہم بھی اب صبر اختیار کریں
ہجر میں ہے بہار رونے کی / چشمِ گریاں کو آبشار کریں
پان کھا کر اوگال ہم کو دو / مرہم سینۂ فگار کریں
ساقیا اب تو پاس آنے دے / دور ہم بھی ذرا خمار کریں
آیئے باغ میں چلیں باہم / سیر گلہائے نَو بہار کریں
تنگ دست تو جنوں نے ہم کو کیا / اب گریباں بھی تار تار کریں
رات بھی ہو چلی ہے اب آخر / ہائے کب تک ہم انتظار کریں
رہ گئی ہے رگِ گل باقی / اور لللہ ایک وار کریں

پھر جو وہ خیرؔ میرے گھر آئیں
خوب لپٹا کے اُن کو پیار کریں

(۷)

اُن سے کہہ دو کوئی توسن کو نہ چالاک کریں
ہائے برباد نہ اس طرح مری خاک کریں
عالم آب نظر آتی ہے ساری دُنیا
نگہہ لطف بس اب دیدۂ نمناک کریں
ماجرا دہر میں پوشیدہ نہیں قاروں کا
اہلِ دولت سے کہو اتنا نہ امساک کریں
کارواں باد بہاری کا قریب آپہنچا
باغباں دور چمن سے خس و خاشاک کریں
شب فُرقت کی سیاہی نہیں زائل ہوتی
پنجۂ غم ہی گریبانِ سحر چاک کریں
ایک دن ملنا ہے آخر کو ہمیں مٹی میں
خاک ہم لے کے یہ سب دولت و املاک کریں
مہہ و خورشید جو پا جائیں تری خاکِ قدم
سرمۂ روشنیٔ دیدۂ افلاک کریں
دیکھیں کب ہوتے ہیں ہم اُن کے شکاروں میں شمار
دیکھئے کب وہ ہمیں لائق فتراک کریں
ایک دن ہونا ہے آخر کو فشار مرقد
خوب مضبوط مرے جسم کو دلاک کریں
قسمت بد سے زیادہ ہے خرابی کا یقین
سانپ کا زہر ہو گر رغبت تریاک کریں
قتل کے شوق میں بیتاب رہا کرتا ہوں

کبھی احساں مری گردن پر بھی سفاک کریں

وحشت آباد عدم نے ہمیں مجبور کیا
طے یہ کس طرح سے صحرائے خطرناک کریں

تھاہ دریائے محبت کی کسی کو نہ ملی
اتنی محنت نہ بہت عشق کے پیراک کریں

ایسی برعکس زمانے میں ہوا چلتی ہے
خوفِ جریان ہو جو ہم خواہشِ امساک کریں

گرمیٔ شوق سے بے ساختہ بوسے لے کر
چہرۂ یار کو غصہ سے غضب ناک کریں

فصلِ گُل نے ہمیں اے خَیر کیا ہے پھر مست
دُختِ رز کی کسی مئے خانہ میں پھر تاک کریں

(۸)

اک دن وہ تھا کہ لطف تھا کچھ واہ واہ میں
آتا ہے اب تو دل کو مزا آہ آہ میں

اکسیر وہ ہوا جو مٹا تیری راہ میں
یوسُف عزیزِ مصر ہوئے گر کے چاہ میں

بالوں میں یوں ہے چہرہ پُر نور کی چمک
جس طرح آفتاب ہو اَبر سیاہ میں

مژگاں کی یاد میں ہے مزہ دشتِ نجد کا
میرے لیے تو بس یہی کانٹے ہیں راہ میں

رخ سے ہٹا دیئے کبھی گیسو کبھی نقاب
اللہ رے اختیار سفید و سیاہ میں

مژگاں کی صف سے نکلی نگہہ توڑنے جگر
ایسا جری ہے کوئی حبش کی سپاہ میں

ایمان اور کفر میں یوں ہی ہے دو دلی
جیسا ہے صاف فرق سفید و سیاہ میں

اے خَیر کون آنکھ سے اوجھل یہ ہوگیا ہے
دُنیا جو ہے سیاہ تمہاری نگاہ میں

(۹)

آؤ آؤ اگر آنا ہو تُمھیں
یا بلا لو جو بُلانا ہو تُمھیں

دم آخر ہے ستالو جی بھر
جلد آؤ جو ستانا ہو تمھیں

ذکر بربادیٔ عُشاق سنو
ہاں مبارک یہ فسانہ ہو تمھیں

مدتوں ساتھ رہے ہیں ہم تُم
یاد شاید وہ زمانا ہو تمھیں

ہائے وہ پیار و محبت کے مزے
گو وہ اب قصہ فسانا ہو تمھیں

خَیر دشنام کا عادی نکلا
اب سُناؤ جو سُنانا ہو تمھیں

(۱۰)

فصلِ گل آئی ہے اب چھوڑ دے صیاد ہمیں
اپنے صدقے ہی میں کر دے کہیں آزاد

ذبح کر ڈالے نہ اک دن کہیں صیاد ہمیں
کیا بلا دیکھیں دکھاتی ہیں یہ فریاد ہمیں

خاک بھی کوچۂ جاناں کی نہ چھانی دو دن
وائے تقدیر کہاں کرتی ہے برباد ہمیں

خار کی طرح ہے پہلو میں کھٹکتا ہر دم
چین لیتے نہیں دیتا دل ناشاد ہمیں

کوہ و صحرا میں بہت خاک اڑائی ہم نے
عشق بازی میں ملا کوئی نہ اُستاد ہمیں

خوب ہم کھینچتے ہیں اب تو خیالی تصویر
اس تصور نے کیا غیرت بہزاد ہمیں

کیا کریں سیر چمن یاد قدِ دل جُو میں
سروخوش آتا ہے گلشن میں نہ شمشاد ہمیں

آرزو پوری ہو ، آخر تو گلا کٹتا ہے
بوسہ خنجر کا تو لے لینے دے جلاد ہمیں

مثلِ مُردے کے پڑے رہتے ہیں پہروں بے دم
عشق بازی میں بہت آتے ہیں ایجاد ہمیں

اپنے دل میں تو ہے خَیر اس کی ہر اک ساعت یاد
اور بھولے سے بھی کرتے نہیں وہ یاد ہمیں

(۱۱)

غم و اندوہ کیا کیا ہم کو آ کر شاد کرتے ہیں
پڑا تھا مُلکِ دل ویراں اسے آباد کرتے ہیں

اسیروں پر تو اتنا رحم یہ صیاد کرتے ہیں
کہ ان کے طائران روح کو آزاد کرتے ہیں

بجھا کر زہر میں خنجر نہایت شاد کرتے ہیں
تکلّف میری دعوت میں بہت جلاد کرتے ہیں

ہوائیں بندھ گئی ہیں ترک تازی شہسواروں کی
ہماری خاک کو کس کس طرح برباد کرتے ہیں

ہوا مد نظر سُرمہ انہیں ، اب دیکھئے کیا ہو
اٹھایا ہے قلم فتنہ کے اوپر صاد کرتے ہیں

بنایا کرتے ہیں دن رات ہم دیوانوں کے زیور
خُدا اجر ان کو دے محنت بڑی حداد کرتے ہیں

دل پُردرد نالاں ہو نہ کیوں کر یادِ گیسو میں
مریض اکثر سُنا ہے رات کو فریاد کرتے ہیں

تحمل کس قدر پایا ہے ہم عاشق مزاجوں نے
زباں چلتی نہیں ، جب شکوہ بے داد کرتے ہیں

یہ ہے ذوقِ اسیری اب کہ آ کر خود پھنسیں گے ہم
ہمارے واسطے گھاتیں عبث صیاد کرتے ہیں

مُبارک اے دلِ بیمار آئی موت کی ہچکی
پیام وصل پہونچا ہے وہ ہم کو یاد کرتے ہیں

نکلنے ہی نہیں دیتے ہیں مُرغانِ مضامیں کو
غضب کی بندشیں اشعار میں اُستاد کرتے ہیں

سرورِ خوش دلی آسائش و آرام و آب و خور
بھلا بیٹھے ہیں سب کو اور ان کو یاد کرتے ہیں

بہارِ گل میں ان کے واسطے بھی کچھ تغیر ہے
یوں ہی کیا خون دیوانوں کے یہ فصاد کرتے ہیں

سوجھاتے ہیں کبھی کچھ قیس کو ہم، وہ کبھی ہم کو
کبھی شاگرد اس کو ہم کبھی اُستاد کرتے ہیں

نرالا حُسن پایا ہے عجب عالم فریبی ہے
پری زادوں کو دیوانہ یہ آدم زاد کرتے ہیں

اِدھر ہے رُعب اُدھر ہے شرم چُپ چاپ دونوں بیٹھے ہیں
نہ ہم کچھ عرض کرتے ہیں نہ وہ ارشاد کرتے ہیں

چُھڑا لایا ہے ہمیں گلشن کے تو خار کشاکش سے
دعا کنجِ قفس میں تجھ کو ہم صیاد کرتے ہیں

بنایا کرتے ہیں عاشق ہزاروں وصل کی شکلیں
تصور میں یہ کار مانی و بہزاد کرتے ہیں

ذرا دکھلا تو دے آ کر چمن میں قدِ بالا کو
بہت استادگی ایک پاؤں سے شمشاد کرتے ہیں

خُدا جانے یہ باتیں ان کی لیں گی جان کس کس کی
جفائیں سینکڑوں لاکھوں ستم ایجاد کرتے ہیں

ہمیں اے خیرؔ کیوں دھڑکا ہو تنہائی سے تربت کی
سُنا ہے آ کے خود عاشق کی وہ امداد کرتے ہیں

(۱۲)

خیال زُلف پیچاں یوں ہے عُشاقوں کے سینوں میں
کوئی جس طرح پالے سانپ اپنی آستینوں میں

صباحت سے شرف یوں ہے تجھے سارے حسینوں میں
گراں قیمت ہو ہیرا جس طرح سارے نگینوں میں

نقاب اُٹھی تو پردہ کھل گیا اسرارِ قُدرت کا
خدا جانے کہاں کا نور ہے اِن مہہ جبینوں میں

فلک کی سیر ہوتی ہے ہمیشہ فکرِ عالی سے
قدم مارے ہیں ہم نے بھی بہت مشکل زمینوں میں

تمہارے عارضِ رنگیں پہ کیا کیا خار کھاتے ہیں
نہیں شبنم، یہ گل غیرت سے ڈوبے ہیں پسینوں میں

کیا ہے کشورِ دیوانگی تسخیر ہم نے بھی
ہمارا نام بھی اب درج ہو مسند نشینوں میں

وبالِ جاں ہوا ہے عشق اس کے زُلفِ پیچاں کا
یہ ہم نے آپ پالے سانپ اپنی آستینوں میں

ترے عاشق ہیں ہم کیا کام ہم کو خال اور خط سے
ہمیں کچھ نام لکھوانا نہیں ہے نُکتہ چینوں میں

ادب ہو خیؔر کیوں کر تُربت فرہاد و مجنوں کا
خُدا جانے ہے خاک ان کی ملی کس کس زمینوں میں

(۱۳)

وہ گھر میں چین سے بیٹھے ہوئے بنتے سنورتے ہیں
یہاں اُلجھن میں کٹتی ہے نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

کرے بدنام کوئی ہم کو کُچھ پروا نہیں اس کی
کہیں گے ہم تو لاکھوں میں کہ ہاں ہاں تم پہ مرتے ہیں

میری ایسی محبت ہو کسی کو تم سے کیا ممکن
ذرا تم آزما دیکھو کہ جھوٹے کب ٹھہرتے ہیں

محبت میں تری کیا کیا نہ رُسوائی ہوئی لیکن
یہ سچّا عشق تھا اپنا کہا تھا جو وہ کرتے ہیں

ہوئے بدنام و رُسوا در بہ در کی ٹھوکریں کھائیں
مگر تیری محبت کا جو دم بھرتے تھے، بھرتے ہیں

اگر جلتے ہیں دشمن دیکھ کے اے خیؔر جلنے دو
یہاں تو عیش میں فضلِ خُدا سے دن گزرتے ہیں

(۱۴)

دیر ہے کیا حرم ہے کیا کوئی کہیں پہ جائے کیوں
ڈھونڈے تو اپنے ہی میں پائے غیر سے لَو لگائے کیوں

جلوہ ہے تیرا ہر جگہ ڈھونڈنے کوئی جائے کیوں
آنکھوں میں جس کی نور ہو ٹھوکریں پھر وہ کھائے کیوں

آج نہ آئے شیخ جی چھیڑ میں اُن کی لطف تھا
روٹھے ہیں اپنے گھر رہیں کوئی اُنہیں منائے کیوں

قبر میں منکر و نکیر آئے ہیں چھیڑ چھاڑ کو
سوئے ہیں چین سے یہاں کوئی ہمیں جگائے کیوں
پیشِ نظر ہے آئینہ بھولے ہیں اپنی شکل پر
ایسے ہی خودپسند ہیں پھر کوئی دل لگائے کیوں
رند ہیں زندہ دل ہیں ہم شغل ہمیں ضرور ہے
غیروں کی چھیڑ کے لیے ذکر نہ اُن کا آئے کیوں
حضرت خیؔر کیا اثر جذبۂ عشق کا ہوا
خیر تو ہے جنابِ من جاتے ہو بے بُلائے کیوں

(۱۵)

اُدھر تیغ جفا ہے اور میں ہوں اِدھر اپنا گلا ہے اور میں ہوں
گلی میں ان کی جا پہونچی مری خاک عنایاتِ صبا ہے اور میں ہوں
سرہانے سے ہٹو بھی اب طبیبو کوئی دم میں قضا ہے اور میں ہوں
خُدا کی راہ پر دو ایک بوسہ فقیرانہ صدا ہے اور میں ہوں
یہی فرقت میں ہے ہمدرد میرا یہ دردِ لا دوا ہے اور میں ہوں
رُلاتی ہے ہمیں آٹھوں پہر خوں تری یاد حنا ہے اور میں ہوں
کسی کی ٹھوکریں ہیں اور مرا سر کسی کا نقشِ پا ہے اور میں ہوں
تصور میں ادائیں ہیں کسی کی قضا کا سامنا ہے اور میں ہوں
بہت کی خیؔر میں نے بُت پرستی
بس اب یادِ خُدا ہے اور میں ہوں

(۱۶)

ہم سے چھٹے وہ نہیں بوس و کنار میں
شرماتے ہیں بناتے ہیں مُنہ عین پیار میں
گذرے گی خوب مُرغِ جنوں کے شکار میں
اب کے مزے اڑائیں گے ہم بھی بہار میں
شب کو رہا یہ حال ترے انتظار میں
بیمار جس طرح ہو کوئی اِحتضار میں
کیوں کر نہ جائے کوچۂ جاناں میں بار بار
ہم کیا کریں کہ دل ہی نہیں اختیار میں
سوزش سے یوں ہے قلب کو میرے مناسبت
جس طرح ربط ہوتا ہے سنگ و شرار میں
کس کس جگہ میں شوق میں تیرے نہیں پھرا
جنگل میں کوہ و دشت میں شہر و دیار میں
عشق شمیم زلف میں مجھ کو ہوا جنون
سرگشتہ اب پھروں گا میں دشتِ تتار میں
ساقی اگر ہو بے ادبی تو خطا معاف
رہتے نہیں حواس ہمارے خمار میں
کس گل بدن کے عشق میں، میں خاک ہوگیا
خوشبو ہے صاف پھولوں کی میرے غُبار میں
گل کی مناسبت نہیں عارض سے اس کے خیؔر
ایک عندلیب کیا میں کہوں یہ ہزار میں

(۱۷)

مدنظر ہے، وصل کی شب یوں بسر کریں
سینے سے اپنے اُن کو لگا کر سحر کریں

کیوں تجھ سے منتیں بہت اے سیم بر کریں
وہ خام طبع ہیں جو بُہت طمعِ زر کریں

قاتل سے کہہ دو لُطف کی مُجھ پر نظر کریں
گردن کو کاٹیں دُور مرا دردِ سر کریں

تیغ نگاہِ یار سے مُنہ موڑنا ہے کیا
تلواریں کھائیں شوق سے سینہ سپر کریں

پہونچی ہے عرش تک ترے رُخسار کی ضیا
کیا تجھ کو ہم مُقابل شمس و قمر کریں

ناصح خُدا کے واسطے خالی نہ کر دماغ
میں وہ نہیں کہ باتیں یہ تیری اثر کریں

تدبیر بہرِ آتشِ دوزخ ضرور ہے
واعظ بھی اب شراب سے دامن کو تر کریں

اے خیؔر حالِ دل نہ وہ پوچھیں نہیں سہی
اتنا تو ہو کہ چشمِ عنایت ادھر کریں

(۱۸)

تم سے حالِ دل مضطر نہ کریں
بات کہنے کی ہے کیوں کر نہ کہیں

دل مُجھے پھر لیے جاتا ہے وہیں
کہیئے ہم کیوں اسے رہبر نہ کہیں

روز ہوتی ہیں جفائیں ایجاد
کہیں لوگ اُن کو ستم گر نہ کہیں

تم سے اچھی ہے تمہاری تصویر
بات انصاف کی کیوں کر نہ کہیں

جس سے ہو شیشۂ دل چکنا و چور
کیا کہیں جو اسے پتھر نہ کہیں

دل ہے یہ خضرِ رہِ راز و نیاز
کس طرح پھر اسے رہبر نہ کہیں

رات دن در سے لگی ہیں آنکھیں
ہائے کیوں کر انہیں ششدر نہ کہیں

دل کے ٹکرے ہوئے جن باتوں سے
بولیے اُن کو بھی خنجر نہ کہیں

ڈاکیہ لاتا ہے دل دار کا خط
کس طرح اس کو پیمبر نہ کہیں

رُونمائی میں شب وصل اے خیؔر
دل ہی ہم ان پہ نچھاور نہ کریں

آپ کا رنگ اچُھت ہو اے خیؔر
ایسا کہیئے جو سخن ور نہ کہیں

(۱۹)

وہ سلطنت کو جہاں کی مٹائے بیٹھے ہیں
تمہارے در پہ جو دھونی رمائے بیٹھے ہیں

سُنا ہے آج وہ پردہ اُٹھائے بیٹھے ہیں
نکھر کے آج لبِ بام آئے بیٹھے ہیں

الٰہی شوق شہادت کا باغ ہو سر سبز
وہ آبِ زر سے خنجر بجھائے بیٹھے ہیں

وہ نکلیں یا کہ نہ نکلیں بُلائیں یا نہ بُلائیں
غریب آس تو در پر لگائے بیٹھے ہیں

اٹھے تو درد اٹھے ہم تو اُٹھ نہیں سکتے
وہ میرے دامنِ دل کو دبائے بیٹھے ہیں

میں سخت جاں ہوں دمِ ذبح دیکھیئے کیا ہو
وہ دستِ ناز سے خنجر اُٹھائے بیٹھے ہیں

وہ آئیں بھی تو کہیں قتل ہی کو میرے سہی
یہاں تو شوق سے گردن جھکائے بیٹھے ہیں

ذرا سا چلیئے تو واعظ دکھا دیں قُدرتِ حق
نقاب رُخ سے وہ اپنے اٹھائے بیٹھے ہیں

کسی نے خیؔر کا چرچا کیا ہے مجلس میں
یہی سبب ہے کہ وہ منہ بنائے بیٹھے ہیں

(۲۰)

میری جان بیشک بجا باندھتے ہیں
جو زلفوں کو تیری رسا باندھتے ہیں

کہے اُن کے عارض کو خورشید کوئی
مگر ہم تو نورِ خدا باندھتے ہیں

وہ خط پڑھ کے قاصد سے کہتے ہیں میرے
وہ گھر بیٹھے بیٹھے ہوا باندھتے ہیں

کسی کا ہو دل چاک شانے سے تیرے
مگر ہم تو عُقدہ کشا باندھتے ہیں

سنبھالو تمہیں خیرؔ جوبن کو اُن کے
وہ کَس کَس کے بندِ قبا باندھتے ہیں

(۲۱)

کھچنا آہِ آتشیں نہ کہیں
آگ لگ جائے گی کہیں نہ کہیں

تُم سا پایا کوئی حسیں نہ کہیں
تُم سا دیکھا بھی نازنیں نہ کہیں

دیکھنا چین آستیں نہ کہیں
یاد آجائے وہ جبیں نہ کہیں

اے دل اتنا مچل نہ پہلو میں
رُوٹھ جائے کوئی حسیں نہ کہیں

دل تری یاد سے نہیں خالی
درد رہتا ہے کہیں نہ کہیں

دور رہنا خیالِ گیسو سے
پالنا مارِ آستیں نہ کہیں

دل کے آئینہ میں ہے جس کی شکل
وہ بھی تُم سا ہی ہو حسیں نہ کہیں

میرا شکوہ کیا رقیب نے جُھوٹ
اُن کے ہو جائے دل نشیں نہ کہیں

طالبِ وصل آج ہوتے ہیں
صاف کہہ دے وہ بُت نہیں نہ کہیں

اپنی زُلفوں کو سر چڑھا یا ہے
ہو یہی مارِ آستیں نہ کہیں

اب زمانہ ہے برسرِ بے داد
ایسا کوئی ہے اہل کیں نہ کہیں

خواب میں بھی تمہیں حجاب رہا
ہوگا ایسا بھی شرمگیں نہ کہیں

تُم کو اُلفت بُتوں سے ہے اے خیرؔ
یار کھو دو تم اپنا دیں نہ کہیں

(۲۲)

ہم اُن سے آج سوالِ وصال کرتے ہیں
اب عُذر دیکھئے کیا خوش مقال کرتے ہیں
حنا لگانے کا وہ پھر خیال کرتے ہیں
ہماری حسرتِ دل کو حلال کرتے ہیں
ہم ان سے اور کسی بات کے نہیں سائل
زکوٰۃ حُسن ملے یہ سوال کرتے ہیں
زبان سے کچھ نہیں کہتا کہ بدگماں نہ ہوں وہ
دُعائیں یوں تو مرے بال بال کرتے ہیں
یہ زلفیں بنتی ہیں کیوں آج کیا ارادہ ہے
جواب دیجئے کچھ ہم سوال کرتے ہیں
جو پوچھا پھر یہی ہم نے تو ہنس کے کہنے لگے
ترے پھنسانے کو تیار جال کرتے ہیں
کبھی جو چومتے ہیں ان کے ہم لبِ لعلیں
تو آنکھیں غصّہ سے وہ لال لال کرتے ہیں
لگاتے ہیں شبِ وعدہ جو پاؤں میں مہندی
نئی نئی وہ آنے کی چال کرتے ہیں
ہمارے شعر سے آتا ہے وجد رندوں کو
ہماری نظم پہ صوفی بھی حال کرتے ہیں
ہیں لاکھوں آپ کے خواہاں ابھی زمانے میں
ہمارے مرنے پہ ناحق ملال کرتے ہیں

میں جام پیتا ہوں لیکن ہے جام وحدت کا
یہ شیخ مُجھ سے عبث قیل و قال کرتے ہیں
جو ناشناس نہ دیں داد خیؔر کیا غم ہے
تمہاری قدر تو اہل کمال کرتے ہیں

(۲۳)

وہ صبحِ وصل رہ رہ کر پریشاں ہوتے جاتے ہیں
ہے کچھ اُترا ہوا چہرہ پشیمان ہوتے جاتے ہیں
خطِ سبز آئے عارض پر بہار آئی ہے جوبن پر
پھلے پھولے یہ رُخسار گلستاں ہوتے جاتے ہیں
مُبارک عید کے تم چاند ہو اب بام پر آؤ
ہیں کتنے تم پہ صدقے کتنے قُرباں ہوتے جاتے ہیں
یہ دامِ زُلف وہ ہے جس کا قیدی ایک عالم ہے
اُجڑتے شہر میں آباد زنداں ہوتے جاتے ہیں
ستم کرنے کی آئے دن نئی تجویز ہوتی ہے
جزاک اللہ ہم پر کتنے احساں ہوتے جاتے ہیں
رقیب اب مجھ پہ غراتے ہیں ایسا منہ لگایا ہے
جو گربہ تھے وہ اب شہرِ نیستاں ہوتے جاتے ہیں
بڑے دربار میں اے خیؔر تم کو لے کے چلتے ہیں
کہ جس در کے گدا رشکِ سلیماں ہوتے جاتے ہیں

(۲۴)

عبث دیوانے یہ ہندو مسلماں ہوتے جاتے ہیں
ذرا سمجھاؤ کیوں دست و گریباں ہوتے جاتے ہیں
یہ خانہ جنگیوں کا کیا نتیجہ ہے بہ جز اس کے
اُجڑتے شہر ہیں آباد زنداں ہوتے جاتے ہیں
کسی کا جاکے گھر لوٹا کسی کا جاکے سر پھوڑا
ہنسی کی بات ہے انسان حیواں ہوتے جاتے ہیں
کہیں قربانی پر جھگڑا کہیں ناقوس پر رگڑا
خُلوص و اتفاق آپس کے پنہاں ہوتے جاتے ہیں
یہ دونوں بھائی تو تھے ایک کیوں اس طرح لڑ بیٹھے
مگر ہے شکر اُس کا اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں
الٰہی اگلا سا برتاؤ پھر ہوجائے دونوں میں
ہم اس تکرار کو سنکر پریشاں ہوتے جاتے ہیں
خُدا کا شکر ہے اے خیؔر اب ہے، صلح کی صورت
سُنا ہے ایک اب ہندو مُسلماں ہوتے جاتے ہیں

(۲۵)

مشقِ دشنام ہو رہا ہوں میں   اپنی توقیر کھو رہا ہوں میں
اُن کے آگے جو رو رہا ہوں میں   آبرو اپنی کھو رہا ہوں میں
ہاتھ آئیں گے کب وہ دستِ حسین   ملنے سے ہاتھ دھو رہا ہوں میں

بختِ خُفتہ کی کیا شکایت ہو   موت کی نیند سو رہاہوں میں

بھولتی ہی نہیں مژہ اس کی   دل میں نشتر چبھو رہاہوں میں

ایک شب خواب میں وہ آئے تھے   جب سے بیدار ہو رہا ہوں میں

آج ہر چند دور ہوں اُن سے   اُن کی الفت میں رو رہا ہوں میں

اب نکیرین کیوں جگاتے ہیں   ہوں تھکا ماندہ سو رہا ہوں میں

خیؔر رونے کی کیا کہوں حالت

نام اپنا ڈبو رہا ہوں میں

(۲۶)

تری فرقت میں ہے اب بار گردن   جُدا کر قاتل خوں خوار گردن

غضب ہیں آبروئے خم کے خنجر   جدھر اٹھے کٹی دوچار گردن

جُدائی میں تری ہوں ایسا لاغر   کہ تن پر ہوگئی ہے بار گردن

گذرتا ہوں جب اُس قاتل کے در سے   تو کرتا ہے طلب ہر بار گردن

جلائیں وہ اگر اعجازِ لب سے

کٹائیں خیؔر ہم سو بار گردن

(۲۷)

حُور کو یہ دلبری آتی نہیں   زاہدو! افسوں گری آتی نہیں

لاکھ آنکھوں سے بہے دریائے اشک   قلب سوزاں تک تری آتی نہیں

کیوں پڑے ہیں لوگ فرشِ خاک پر   شہر میں کیا اب دری آتی نہیں

شیخ کا تقویٰ جو ٹوٹے تو سہی   تم کو کیا غارت گری آتی نہیں

توڑ کر دل کو مرے پچھتاؤ گے   تم کو تو شیشہ گری آتی نہیں

اُن کا دامن ہو مسلم اے جنوں   سچ تجھے جامہ دری آتی نہیں

خیؔر پوچھو تو ذرا ساقی سے تم

جام میں کیوں مے بھری آتی نہیں

(۲۸)

اپنے گھر آج انہیں بُلاتے ہیں   اپنی قسمت کو آزماتے ہیں

زلف کیا یہ حسیں بناتے ہیں   سچ ہے یہ سانپ کو کھلاتے ہیں

ذکرِ اغیار لب پہ لاتے ہیں   دل جلوں کو عبث جلاتے ہیں

مدعا دل کا کیا کہوں اُن سے   شوق و ارماں مجھے دباتے ہیں

کل وہ کرتے تھے وعدۂ فردا   دیکھئے آج کیا بناتے ہیں

آنکھ میں کیوں خمار ہے صاحب   تاڑنے والے تاڑ جاتے ہیں

حضرتِ خضر خود بھٹکتے ہیں   راہ لوگوں کو کیا بتاتے ہیں

کوئی فتنہ نیا جو اُٹھتا ہے   میری تُربت کو وہ بتاتے ہیں

ہم اُنہیں پر یہ جان دیتے ہیں   مُردے ٹھوکر سے جو جلاتے ہیں

دیکھئے کِس کا خون ہوتا ہے   ہاتھ میں وہ حِنا لگاتے ہیں

خیؔر تیرا کلام ہے مرغوب

دیکھ تیری غزل وہ گاتے ہیں

(۲۹)

تمہارے مصحفِ رُخ کا کوئی جواب نہیں　　سمجھ لے اُس کو ہر اک ایسی یہ کتاب نہیں
پڑا ہے جام صراحی میں اب شراب نہیں　　وہ مجلسیں نہیں اگلی وہ آب و تاب نہیں
جو دہر میں تجھے ڈھونڈھوں تو ناصواب نہیں　　تلاش کعبہ میں کیجئے تو کچھ خراب نہیں
مٹے سیاہیِ دل، لے جو بوسہ پتھر کا　　جو خالِ یار کو چوموں تو کیا ثواب نہیں
وطن کی یاد بھی اے خیرؔ تم کو آتی ہے
جہاں میں تم سا کوئی خانماں خراب نہیں

(۳۰)

رام ہو جائے وہ بُت جس کو جپا کرتے ہیں　　التجا اتنی ہی ہم تجھ سے خُدا کرتے ہیں
تو ہی لادے ہمیں اُس گل کی خبر، بہرِ خدا　　التجا اتنی یہ ہم تجھ سے صبا کرتے ہیں
حضرت خیرؔ کی اصنام پرستی چھوٹی
بیٹھے مسجد میں وہ اب یادِ خُدا کرتے ہیں

ردیف: و

(۱)

حیران اس ادا پہ تری کیوں جہاں نہ ہو　　کیا بات ہے کہ بات میں ظاہر دہاں نہ ہو
اے ہم صفیر و خانہ بدوشی میں ہے مزہ　　نکہت کی طرح پھریئے کہیں آشیاں نہ ہو
غنچو نہ پھولو بادِ بہاری پر اس قدر　　گوشے سے تاکتی کہیں فصلِ خزاں نہ ہو
مرجاؤں میں تڑپ کے پسیجے نہ ان کا دل　　رونے بھی آئیں مجھ کو تو آنسو رواں نہ ہو
اندھیر کر رہی ہے بہت نازکی تری　　سُرمہ بھی اب سے چشم سیہ کو گراں نہ ہو
کچھ تو جواب دیجئے میرے سوال کا　　اچھا نہیں سہی، مری قسمت سے ہاں نہ ہو

وہ کیا پھرے کہ چشم مروت بھی پھر گئی　　روئیں جو مرے حال پر آنسو رواں نہ ہو
صورت بدل گئی مرے بختِ سیاہ کی　　سُرمہ بھی اُن آنکھوں میں اب کچھ گراں نہ ہو
مُشتاق کے سوال کا کچھ تو جواب دے　　اس طرح بُت خُدا کے لیے مری جاں نہ ہو
اے خیرؔ لب پہ آہ نہ آئے کبھی ترے
ہے لُطف کچھ اسی میں جلے دل دھواں نہ ہو

(۲)

فصل گل آتے ہی وحشت ہوئی مستانے کو
غُل ہے زنجیر کا پکڑے کوئی دیوانے کو
لاکھ باتیں ابھی باقی ہیں ترے عاشق کی
ابھی اِک سوز فقط آتا ہے پروانے کو
مُصحفِ رُخ کو ہی اٹھوایئے بہتر ہوگا
کیوں کہ باقی نہ رہی کوئی قسم کھانے کو
ہائے وہ صبح شبِ وصل کسی کا کہنا
کیوں جی کس مُنہ سے مجھے کہتے ہو پھر آنے کو
آج سے اپنا تخلّص کرے جامی ساقی
دور میں رکھتا ہے ہر وقت جو پیمانے کو
سُن کے آوازِ گجر کی یہ کسی کا کہنا
ساعت اب باقی رہی تھوڑی مرجانے کو
سر جُھکائے ہوئے رہتا ترے آگے شیشہ
خیرؔ پی جاتا اگر شوق سے پیمانے کو

(۳)

یہ گرانی ہے کہ کچھ بھی نہیں اب کھانے کو — تھی جو چیز آنہ کی اب ملتی ہے چار آنے کو
غیر کرتے ہیں ترقی تجھے اب تک ہے خواب — شرم کیا آتی نہیں دیکھ کے بیگانے کو
قوم تجھ سا بھی ہے برباد کوئی دُنیا میں — آب پینے کو نہ گھر میں ہے غذا کھانے کو
غیر ہیں اہلِ حکومت تجھے کچھ شرم نہیں — جانتے بھی نہیں تو ہائے کما کھانے کو
کس طرح نیند تجھے آتی ہے کچھ کہہ تو سہی — بچے محتاج ترے گھر میں ہیں اِک دانے کو

خؔیر پر لاکھ بلا آئی نہ چونکی تو قوم
اور افسوس ابھی سینکڑوں ہیں آنے کو

(۴)

ممکن نہیں کہ آہ میں پیدا اثر نہ ہو — کہنے کی بات ہے کہ انہیں کچھ خبر نہ ہو
سوزِ دروں کا حال مرے کچھ نہ پوچھئے — جل جائے آسماں جو مری چشم تر نہ ہو
جب پا چکا ہے داغ غلامی کا افتخار — حاضر ہر اک مہینے میں کیوں کر قمر نہ ہو
یارب یہی دُعا ہے مری تجھ سے وصل میں — جب تک نہ چاہوں میں کبھی پیدا سحر نہ ہو

لکھتے ہو خط میں خؔیر جو پیچیدگئ دل
گم راستے میں دیکھو کہیں نامہ بر نہ ہو

(۵)

حال ہے آج مرا نوعِ دِگر دیکھیں تو — آخری وقت ہے اب ایک نظر دیکھیں تو
بام پر آپ ذرا جلوہ نما ہوں تو سہی — کس طرح آنکھ ملاتا ہے قمر دیکھیں تو
ہنس کے اُس شوخ نے پیغام طلب پر یہ کہا — بیٹھے وہ راہ ابھی شام و سحر دیکھیں تو

ردیف: ہ

(۱)

بھر بھر کے چھلکتا دے ساقی مجھے پیمانہ — کام آئے گا آخر یہ کس دن ترا یارانہ
رہتا ہے مرے دل میں اب وہ بُت فرزانہ — معمور ہے یہ کعبہ، آباد ہے ویرانہ
جلوہ ہے جہاں اُس کا سر اپنا وہاں خم ہے — کعبہ ہو کلیسا ہو مسجد ہو کہ میخانہ
حد ہو چکی غفلت کی ہُشیار ہو اے غافل — ہاں اب ہے چھلکنے کو عُمر کا پیمانہ

دُنیا سے الگ رہنا دُنیا ہی میں پھر رہنا
اے خؔیر ہے تو بھی تو اِک طرح کا دیوانہ

(۲)

رات دن ہے خیالِ دربھنگہ — ہوں میں محوِ جمالِ دربھنگہ
مجھ غریب الوطن کی ہے یہ دُعا — کہ نہ چھوٹے خیالِ دربھنگہ
جوش اسلام میں ہے فی الواقع — قدرتِ حق کمالِ دربھنگہ
اے فلک رات دن کی گردش میں — کہیں دیکھی مثالِ در بھنگہ
سبز پوشانِ سروقد کی طرح — ہے ہر اک نو نہال دربھنگہ
دہلی و لکھنو سے کیا کم ہے — اوج پر ہے مقالِ دربھنگہ
کاملؔ و بسملؔ و ذبیحؔ کہاں — ہائے نازک خیالِ دربھنگہ
وہ سخاوت علی و فضلِ کریم — طوطیٔ بے مثالِ دربھنگہ
دونوں پر ناز تھا وکالت کو — تھے وہ شیریں مقالِ دربھنگہ
عالموں صالحوں کا وہ مجمع — ہائے وہ خوش خصالِ دربھنگہ

وہ خوانیں ذی حشم صد حیف — وہ عروج کمالِ دربھنگہ
وہ سماں پھر رہا ہے آنکھوں میں — ہائے جاہ و جلالِ دربھنگہ
خواب کی طرح ہیں وہ باتیں یاد — صد تاسّف مجالِ دربھنگہ
تھا کسی وقت میں عُروج اس کو — اب ہے گویا خیالِ دربھنگہ
اب بھی مٹنے پر شان ہے باقی — شیر ہے ہر شغالِ دربھنگہ
وہ گراں قدر قلعہ کی مسجد — ہے ظہور جلالِ دربھنگہ
جامِ جم کی نہیں حقیقت کچھ — دیکھ لو گر سفالِ دربھنگہ
راج کی وہ فلک نما کوٹھی — ہے یہ شان و جلالِ دربھنگہ
وہ کچہری کے قصر عالی شان — ہیں سبھی حسبِ حالِ دربھنگہ
بابھنیوں کا حُسن عالم سوز — اللہ اللہ جمالِ دربھنگہ
بھویں تانے ہوئے وہ ماہ وشاں — جن کو کہئے ہلالِ دربھنگہ
گوری صورت وہ چاند سا چہرہ — ہیں وہ بدر کمالِ دربھنگہ
یہ ملاحت بھلا کہاں ہے نصیب — ہے عجب خط و خالِ دربھنگہ
تیر لگتا ہے ہائے غُربت میں — نہ کرو پھر سوالِ دربھنگہ
دیکھ لو جا کے اپنی نظروں سے — پوچھتے کیا ہو حالِ دربھنگہ

خیؔر کے دم سے اب چہکتا ہے
بُلبُلِ خوش مقالِ دربھنگہ

(۳)

رکھا نہ کہیں کا بھی مجھے تو نے ارے آنکھ — دو بھر ہو جسے جینا ترا دم وہ بھرے آنکھ
ہم دیدۂ باطن سے تجھے دیکھ رہے ہیں — کیا غم ہے اگر رہتی ہے تجھ سے یہ پرے آنکھ
لابد ہے چراگاہِ غزالانِ چمن کو — پھر سبزۂ رخسار پر کیوں کر نہ چرے آنکھ
ایسا بھی ہوا ہے کسی عاشق کو میسّر — ہم نے تو نہ دیکھا کسی گالوں پہ دھرے آنکھ
گرمائے کلیجے کو کرے جان کو بسمل — قادر ہے ہر اِک بات پر جو چاہے کرے آنکھ
جھپکی جو نہ ہوا بروئے خمدار کے آگے — قاتل تری تلوار سے کیوں کر وہ ڈرے آنکھ
مدت سے نظر ہم پہ نہیں سرورِ عالم — دیدار کو حضرت کی ترستی نہ مرے آنکھ

حاصل ہو مدینے کی مجھے خیؔر زیارت
دل تو وہیں حاضر ہے اگرچہ ہو پرے آنکھ

ردیف : ی

(۱)

غیروں سے وہ نہ بگڑے تو پھر بات کیا ہوئی — افسوس ہے ہنسی تری آہِ رسا ہوئی
چل کر گلے لگائیں دُلہن کی طرح اسے — مَقتل میں تیغ یار کی جلوہ نما ہوئی
آخر کو رو دیئے وہ جنازے کو دیکھ کر — مرنے کے بعد ہائے محبت سوا ہوئی
کیا کام کر گیا ہے کسی کا غمِ فراق — تاثیر بھی ہماری دعا سے جُدا ہوئی
جب یار ہی کو اے کششِ دل نہ لا سکی — کم بخت اور کون سے دُکھ کی دُعا ہوئی
کس کی نگاہِ ناز نے کی کیمیا گری — رنگت جو مُجھ غریب کی مثلِ طلا ہوئی

کس ناز نیں کے ناز نے تعلیم دی اسے   اظہارِ غم پہ دل سے تمنا خفا ہوئی

چکرا رہا ہوں یا مری قسمت کا پھیر ہے   تو آشنا نہ تیری نگہہ آشنا ہوئی

درخواست قتل کی تھی کہ شکوہ تھا جور کا

وہ کیوں خفا ہیں خیؔر کہو بات کیا ہوئی

(۲)

دل ہے تو اُس کے ہوں گے خریدار اور بھی

ہم ڈھونڈھ لیں گے کوئی طرح دار اور بھی

ہم کو بھی دیکھنا ہے کہاں تک ہیں تیرے جور

ہاں اے جفا شعار ستم گار اور بھی

جھگڑا بھی طے ہو اور بنوں میں نہ سخت جاں

قاتل خُدا کے واسطے اِک وار اور بھی

قامت بھی اُس حسین کی قیامت سے کم نہیں

ڈھاتی ہے حشر شوخیِ رفتار اور بھی

مانع اگر ہجوم علایق نہ ہوتا خیؔر

کہتا میں اس زمین میں اشعار اور بھی

(۳)

غضب کرتی ہے خوش بیانی تُمہاری   قیامت ہے گفتار جانی تمہاری

ہمیں ایک بوسہ ملے بندہ پرور   یہی ہے بڑی مہربانی تمہاری

بیانِ شبِ ہجر پر ہنس کے بولے   سُنے کون لمبی کہانی تمہاری

نہیں کچھ مرے پاس اے جان لیکن   ہے اِک داغِ فرقت نشانی تمہاری

قیامت بپا کرتے ہو کم سنی میں   ابھی دیکھنا ہے جوانی تمہاری

بلا کی طبیعت ہے اے خیؔر و اللہ

غضب کرتی ہے خوش بیانی تمہاری

(۴)

مسجد و کعبہ کی برسوں سیر کی   وقتِ آخر اب ہے سوجھی دَیر کی

واعظوں کا آج کل یہ حال ہے   آپ درماندہ شفاعت غیر کی

جستجو میں اُس بُتِ کافر کی آہ   چھان ڈالی خاک میں نے دَیر کی

بے بس و بے کس پڑا ہے نزع میں

کچھ خبر ہے اے ستم گر خیؔر کی

(۵)

مری آہ کیا بے اثر جائے گی   کہ یہ کُچھ نہ کچھ کام کر جائے گی

وطن کیا سفر کیا مصیبت جو ہے   گذر جانے والی گذر جائے گی

تمہاری محبت ہے میری قضا   یہ لے جائے گی جاں اگر جائے گی

جدھر ہو کے گذرو گے تم، اس طرف   خبر دو قدم پیشتر جائے گی

نظر پر چڑھی ہے وہ صورت ابھی   اُترتے اُترتے اُتر جائے گی

وُہی ولولے ہیں وہی حسرتیں   طبیعت ہے نیت جو بھر جائے گی

کہو ہم صفیروں کو اے خیؔر کچھ

چمن میں نسیمِ سحر جائے گی

(٦)

تیری تاثیر یہ اے جذبِ محبت دیکھی
جلوہ گر آئینۂ دل میں وہ صُورت دیکھی

دشمن جاں نہ کوئی ایسی مصیبت دیکھی
موت آئی جو بلا نے شب فرقت دیکھی

ایک بوسے کا سوال آپ سے پورا نہ ہوا
جایئے جایئے بس آپ کی ہمّت دیکھی

حشر کے نام سے مُجھ کو نہ ڈرا اے واعظ
یار کی چال جو دیکھی تو قیامت دیکھی

مال و زر ہم نے نہ دیکھا تو نہیں غم اس کا
اے شہِ حُسن ترے حُسن کی دولت دیکھی

جب نہ تب حُور ہی کا ذکر جنابِ واعظ
دیکھی اے حضرتِ من آپ کی نیت دیکھی

خاک اڑتی ہو جہاں ہے وہ مزارِ عاشق
بے گل و شمع انہیں لوگوں کی تربت دیکھی

لاکھ تدبیر کرو پر یہ نکلنے کی نہیں
بے حیا ایسی تو ہم نے نہیں حسرت دیکھی

اپنا مطلب بھی تم اُس شوخ سے کچھ کہہ نہ سکے
جایئے حضرتِ خیرؔ آپ کی ہمّت دیکھی

(٧)

ابھی دل دیا اور ابھی آہ کی
پشیماں ہوں ہائے کیوں چاہ کی

تڑپ میرے دل کی بھی کوئی سُنے
صدا ہے اِک اللہ اللہ کی

نہ مُنہ پھیر زاہد خُدا کے لیے
بتوں سے بتا وجہ اکراہ کی

محبت میں فرقِ مراتب کہاں
جو صورت گدا کی وہی شاہ کی

وہ بُت اور میری عیادت کو آئے
یہ مجھ پر عنایت ہے اللہ کی

فقط درہم داغ ملتے رہے
مقرر یہی میری تنخواہ کی

ذرا ہم سے آنکھیں ملا کر تو کہہ
ترے دل میں غیروں نے کیوں راہ کی

نہ ہو کیوں فلک پر ہمارا دماغ
محبت ہے اک غیرتِ ماہ کی

گدائی ہے اے خیرؔ شاہی ہمیں
فقیروں کو پرواہ نہیں جاہ کی

(٨)

عشق کیا ہے فنا ہے یہی
مر مٹے عشق میں بقا ہے یہی

خوب ہی تم نے کی دل آزاری
دل لگانے کی ہاں سزا ہے یہی

لے کے دل تم نے کر دیا واپس
کیا محبت کا اقتضا ہے یہی

دل کسی کا کُڑھے بلا سے کُڑھے
اُن کے مذہب میں تو روا ہے یہی

جانبِ خیرؔ دیکھئے تو سہی
آپ کا کُشتۂ ادا ہے یہی

آج تک وہ نہ ہم سے کھل کے ملے
ہو چکا وصل اگر حیا ہے یہی

نہ ہوئی میری آرزو پوری
بولیے بولیے وفا ہے یہی

مر مٹے جن کٹیلی آنکھوں پر
ہائے وہ چشمِ فتنہ زا ہے یہی

نہ سنیں عاشقوں کے مطلب کو
حُسن والوں کی کیا ادا ہے یہی

کہنے سننے سے ترک اُلفت ہو
میرے مذہب میں تو برا ہے یہی

مجھ کو ہرگز کوئی ملال نہیں
تم سلامت رہو دُعا ہے یہی

بارور شاخ آرزو نہ ہوئی
اے فلک ہم کو اِک گلا ہے یہی

تم سمجھ کر بھی آرزو میری
صاف کہہ دو اب التجا ہے یہی

وصل ممکن ہے یا نہیں ، کہئے
آپ سے میری التجا ہے یہی

ہوگی کب میری آرزو پوری
صاف کہہ دو اب التجا ہے یہی

یا تو انکار ہی کہیں کر دو	یا کہو شیوۂ وفا ہے یہی
حسن والے سدا رہیں آباد
حضرت خیؔر کی دُعا ہے یہی

(۹)

دل جو لیتا ہے تو لے لے جان بھی	آن والے رکھ لے میری آن بھی
ہو لگاوٹ کی ادا بھی آن بھی	مل کے کھنچنے میں رہے کچھ شان بھی
اُن پہ صدقے جان بھی ایمان بھی	ہو حسینوں میں خُدا کی شان بھی
ہائے دل کی خانہ بربادی نہ پوچھ	تھا اسی گھر میں کوئی مہمان بھی
کس طرح باور کروں آئیں گے وہ	اُن کے جھوٹے عہد بھی پیمان بھی
شیخ سچ کہہ تجھ کو حوروں کی قسم	ایسے دیکھے ہیں کہیں انسان بھی
کس مزے کی ہوتی ہے جی میں کھٹک	اُن کے پیارے تیر بھی پیکان بھی
بن سنور کر گھر سے وہ نکلے ہیں آج	کاش نکلیں کچھ مرے ارمان بھی
بُت کی غیبت ہی کیا کرتا ہے شیخ	پھر سلامت اُس کا ہے ایمان بھی
یوں تو نہ پامال کر دل کو مرے	اس میں ہیں ظالم بھرے ارمان بھی
ہے پہونچنا تیرے چوکھٹ تک محال	ایک ظالم ہے ترا دربان بھی
شیخ کو کہنے دو حوروں کو حسین	اُس کو ہے کچھ حُسن کی پہچان بھی
خیؔر کیوں کہتے ہو حالِ دردِ دل
ہے کہیں اس درد کا درمان بھی

(۱۰)

خزاں کا دور مخالف ہوا زمانے کی	چمن کی خیر مناؤں کہ آشیانے کی
کچھ اِن دنوں ہے مخالف ہوا زمانے کی	قرار لیتی نہیں شاخ آشیانے کی
فراقِ یار میں یہ ہو گیا ہے حال اپنا	کہ بات مُنہ سے نکلتی نہیں ٹھکانے کی
خدا کے واسطے اب بھی ستم سے باز آؤ	تم ہی بتاؤ تو کچھ حد بھی ہے ستانے کی
بہار میں نہ جُدا کر ہمیں تو اے صیّاد	یہ فصل پھر نہیں گلشن میں لوٹ آنے کی
جُنوں کے عشق کی لذت نہ پوچھ اے واعظ	بتاؤں کیا کہ نہیں بات ہے بتانے کی
بنا بنا کے گھروندے بگاڑے جاتے ہیں	ابھی سے فکر پڑی ہے مرے مٹانے کی
جہاں سے کوچ ہوا خیؔر بادہ کش کا ضرور
کہ آج وہ نہیں رونق شراب خانے کی

(۱۱)

حلِ اشکالِ مضامین گراں ہے یعنی
خوش بیانوں کے لیے حُسنِ بیاں ہے یعنی
رُک نہیں سکتی کہ مہمیز زباں ہے یعنی
دم تقریر عجب گرم فغاں ہے یعنی
یعنی جب آپڑے الجھاؤ کہیں باتوں میں
کوئی مشکل نہیں رہتی ہے جہاں ہے یعنی
پوچھتے حال ہو کیا عشق کے بیماروں کا
اب تو ہر وقت ہی سرگرم فغاں ہے ، یعنی

کب چلے ہیں وہ مریضوں کی عیادت کے لیے
اب تو روح اس کی ہے اور سیرِ جناں ہے یعنی
جستجوئے دل گم گشتہ پہ وہ کہتے ہیں
خؔیر ہے حضرت من ہم پہ گماں ہے یعنی

(۱۲)

نہ سمجھے گا کوئی بھی حالت ہماری — معمّا ہے گویا حقیقت ہماری
بہانہ ہے کیا وہ جو پوچھیں گے ہم سے — بتاؤ ہوئی کیا امانت ہماری
محبت کے ہم ہیں گنہ گار واعظ — جُدا سب سے ہو گی قیامت ہماری
کبھی فخر تھا قُرب کا ہم کو حاصل — کبھی ذات تھی یہ غنیمت ہماری
کہیں نحنُ اَقرب کا مژدہ سُنایا — کہیں شرط کردی عبارت ہماری
سُنا ہے وہ بُت اپنے دل میں مکیں تھا — نصیبا ہمارا یہ حشمت ہماری
اُسی بُت کا جلوہ ہے دیر و حرم میں — اُسی کی پرستش ہے ملت ہماری
حقیقت سے اپنی ہوا کون واقف — وہی کچھ سمجھتا ہے نسبت ہماری
تصور نے اب تو یہ نقشہ جمایا — جو صورت ہے اس کی وہ صورت ہماری
ذرا دیکھ لے وہ ستم گر ادھر بھی — کہ دل سے نکل جائے حسرت ہماری
غزل نعت کی خؔیر اب کوئی پڑھیے
بڑے جوش پر ہے طبیعت ہماری

(۱۳)

قیامت میں پہنچے جو نوبت ہماری — تو کرنا خدارا شفاعت ہماری
خدارا سنبھالو ، حقیقت ہماری — شریعت ہماری طریقت ہماری
ہے صحرانوردی میں راحت ہماری — گلی آپ کی اب ہے جنّت ہماری
دکھائیں گیں مُشتاقوں کو اپنی صورت — مگر ہے کہاں ایسی قسمت ہماری
پہونچ کر درِ پاک پر موت آئے — مدینے میں یارب ہو تُربت ہماری
اشارہ ذرا کیجئے ابرووَں کا — اسی میں ہے گویا شہادت ہماری
ہمارے بھی گھر آیئے آپ اِک دن — کبھی تو ہو منظور دعوت ہماری
اسی میں نجات اپنی ہم جانتے ہیں — پڑی ہو مدینے میں میّت ہماری
سوائے نعت کے خؔیر اب کچھ نہ کہیے
رہے یاد اتنی نصیحت ہماری

(۱۴)

رخصت جو اُمنگیں دل سے ہوئیں ، یاری سے طبیعت چھوٹ گئی
سر میں پہلا سودا نہ رہا اور آس بتوں سے ٹوٹ گئی
مستی میں ہاتھ سے ساقی کے جب مئے کی صُراحی چھوٹ گئی
اب دور کب آئے گا ہم تک قسمت ہی اپنی پھوٹ گئی
وہ دن نہ رہا وہ رات گئی وہ وقت گیا وہ بات گئی
بھائی اب وہ بھائی نہ رہے یاروں سے یاری چھوٹ گئی
پیری میں تھکے ہیں پاؤں تو کیا سر میں اب تک ہے وہی چکّر
دل میں باقی ہے وہی گرمی ہمت کی کمر اب ٹوٹ گئی

عاشق کے تھا دل میں رہنا تو نے نہ وفا مانا کہنا
ان ماہ وشوں میں قدر کہاں توان کے یہاں تو جھوٹ گئی
پہلا سا چین آرام نہیں آنکھوں میں نیند کا نام نہیں
وہ خواب میں آکر ملتے تھے یہ بھی امید اب ٹوٹ گئی
ساقی نہ مُلبّب جام بڑھا ہر دور میں میری جانب تو
مدّت پہ حرم سے آیا ہوں وہ پہلی عادت چھوٹ گئی
اگلا وہ زمانہ ہائے کہاں ہر شخص کے پہلو میں تھے حسین
معشوق کا ہے اب کال پڑا یارو وہ لوٹا لوٹ گئی
بوسہ بے مانگے دیتے تھے جب تک تھے طور لڑکپن کے
جب نامِ خُدا وہ جوان ہوئے تو بخشش کی وہ خو چھوٹ گئی
اللہ رے تیز روی اس کی کب آئی جوانی اور گئی
آئی ایسی کہ خبر نہ ہوئی اور بھاگی تو بگ ٹوٹ گئی
مرتا تھا جو تم پر مَر وہ گیا، ناکام جہاں سے گذر وہ گیا
حیرت ہے کہ تم نے کچھ نہ سُنا اور اس کی خبر چوکھوٹ گئی
شبنم کے سوا رونے والا اے خیؔر یہاں کون آئے گا
جب آئی صبا تربت پہ مری تو پہروں چھاتی کوٹ گئی

بڑا تھا شور مگر آہ تا فلک نہ گئی / فلک تو دور ہے یہ کوئے یار تک نہ گئی
شراب پی کہ اگرچہ ہزار کُلّی کی / جناب شیخ کے مُنہ سے مگر بھبھک نہ گئی
نکالے جاتے ہیں بکواس کے سبب واعظ / مگر غضب یہ ہے اب تک وہ ان کی بک نہ گئی
ستارے ساتھ میری ٹکٹکی کا کیا دیتے / وہ آنکھ ان کی دمِ صبح لو جھپک نہ گئی
کبھی ہوا تھا تیرے تیر سے جگر زخمی / مگر خلش نہ گئی آج تک، تپک نہ گئی
نہ چوں کا سبزۂ خوابیدہ شورِ بلبل سے / اسے صبا تو کہیں پیار سے تھپک نہ گئی
بیان حرمتِ مئے کا ہے یہ اثر واعظ / وہ دیکھ مُنہ سے ترے رال پھر ٹپک نہ گئی
تمہاری یاد میں وہ دل کا ساتھ کیا دیتی / تمہارا نام زبان رٹتے رٹتے تھک نہ گئی
ہوا جو دی تھی مجھے بے خودی میں آنچل سے / مرے دماغ سے وہ آج تک مہک نہ گئی
نہ عرضِ حال پہ بگڑو کہ یہ زباں کب تک / کرے گی عرض تمنا وہ دیکھو تھک نہ گئی
ہوئے جوان تم اب ہف نظر مگر اب تک / وہ بچپنے کی مری جاں لپک جھپک نہ گئی
نگاہ کی تھی جو تو نے ہمارے دل کی طرف / تو دل سے کیوں تری ترچھی نظر چپک نہ گئی
خلش تو رہتی، اگر تم نے تیر کھینچ لیا / ہمارے دل میں انی اُس کی کیوں اٹک نہ گئی
سُنا ہے شیخ کی یادوں نے کی مرمت خوب / مگر دماغ سے اس کے تو وہ سنک نہ گئی
چلی تو تھی مری حسرت کہ جاکے عرض کریں / وہ دیکھو جاتے ہی جاتے وہاں ٹھٹھک نہ گئی
زمانہ گذرا حسینوں سے واسطہ نہ رہا / مگر ان آنکھوں سے وہ دید کی لپک نہ گئی
حریم ناز تک ان کے نہ پہنچی آہِ رسا / اِدھر اُدھر تو کہیں راہ سے بھٹک نہ گئی
مہہ تمام کو کب تک چھپائے گی یہ گھٹا / وہ خود سرک نہ گئی، چاندنی چھٹک نہ گئی
اگرچہ خاک ہوئے تو بھی ہے یہ پاسِ ادب / کہ اپنی گرد بھی گرد ان کے تو پھٹک نہ گئی

صبا بسی ہوئی آتی ہے اُن کے کوچہ سے / ہمارے مُنہ پہ تو دامن کبھی جھٹک نہ گئی
گئی بہار مگر شاخِ گل ہے مست اب تک / وہ جھومنا وہ لچک وہ لٹک مٹک نہ گئی
شباب آتے ہی ساری ادائیں بھی آئیں / وہ بچپنے کی تمہارے مگر جھجک نہ گئی
گئے بہار کے دن اب خزاں کی آمد ہے / مگر عنادلِ غافل کی وہ چہک نہ گئی
ہزار بادِ خزاں کے چلا کئے جھونکے / وہ شاخ گُل کی مگر دیکھنا لچک نہ گئی
وہ آزماتے ہیں کھوٹے کھرے کو یاروں میں / وفاؤں پر انہیں یہ حاجتِ محک نہ گئی
اگرچہ لاکھ ہو سامان آب و دانے کا / قفس میں مُرغِ چمن کی مگر پھڑک نہ گئی
سدھایا ہم نے بہت کچھ غزال چشموں کو / وہ جاں نثاروں سے اُن کی مگر بھڑک نہ گئی
ہر ایک راہ پہ غیروں کا ایک مجمع ہے / حریمِ ناز کو خالی کوئی سڑک نہ گئی
اگرچہ پیری نے مجھ کو بنا دیا لب گور / وہ تمکنت وہ اکڑ اور وہ مڑک نہ گئی
عدو کو جام دیا دل مرا کباب ہوا / مجھے جلانے پہ بھی لذتِ گزک نہ گئی
بہار آئی تو کلیاں خوشی سے پھول گئیں / قبائے گل بھی مسرّت سے کیا مسک نہ گئی
رُلا چکے مجھے زُلفِ سیہ کی یاد میں ابر / مگر گرج نہ گئی اس کی وہ کڑک نہ گئی
ہمیں ہیں ایک فقط خوانِ حُسن سے محروم / وگرنہ غیروں کے حصّہ میں کب چشک نہ گئی
تو پوچھ زخمی تیر نظر کی حالتِ زار / کہ جاں بہ لب ہے مگر آج تک کسک نہ گئی
نظر پڑا تھا لب بام مُجھ کو جلوۂ طُور / مری نگاہ سے وہ آج تک جھلک نہ گئی
ذرا خیال رہے ظرف کا بھی اے ساقی / عدو کے جام سے مئے آخرش چھلک نہ گئی
تمام رات تمہارا ہی انتظار رہا / تمہاری یاد مرے دل سے اک پلک نہ گئی
وہ بچپنے کا سا جوبن نہیں جوانی میں / مگر ترے رُخ زیبا کی وہ ڈلک نہ گئی
حریمِ دل میں کبھی تم جو آ کے ٹھہرے تھے / تو آج تک وہ ضیا اور وہ چمک نہ گئی
کبھی چُھپا نہیں رہتا کسی کا جوہرِ علم / کہیں پڑا رہے موتی، چمک دمک نہ گئی

گذر گیا بھی فدائی تمہارا دُنیا سے / تمہارے کان تک اس کی مگر بھنک نہ گئی
وہ اُٹھ کے جا چکے، اب تک نہ میری موت آئی / اِدھر اُدھر تو کہیں راہ میں بہک نہ گئی
کہاں ہے خیرؔ وہ ساقی وہ دورِ مینائی
اس ایک جام کی مستی تو آج تک نہ گئی

(۱۶)

کھیل تم کو ہے دل لگی دل کی / کیا بُجھاؤ گے تم لگی دل کی
کششِ دل بھی اُن کو لا نہ سکی / ہائے کیسے ہوئی ہنسی دل کی
اب کہاں چین اپنی قسمت میں / پوچھتے کیا ہو کھلبلی دل کی
پھر وہیں لے چلا ہے یہ کم بخت / اب نہ مانوں گا میں کبھی دل کی
نِت نئی داستاں سناتا ہے / ہاں کبھی آپ نے سنی دل کی
خواب میں بھی وہ اب نہیں آتے / کیا کہوں وائے بے کسی دل کی
مشکلوں کا ہے سامنا اس کو / لو خبر جلد یا علیؑ دل کی
گل کِھلائے ہزار تو نے صبا / نہ کھلی تجھ سے اک کلی دل کی
اے شبِ ہجر کچھ سمجھ کے جلا / پھر سنے گی جلی کٹی دل کی
دوستوں سے بھی خیرؔ یہ اغماض
بات کہتے نہیں کبھی دل کی

(۱۷)

حسیں بھی مہرباں بھی نیک خو بھی — خُدا کی شان ہے اے یار تو بھی
فقط تیری جگہ خالی ہے ساقی — مہیا ہے مئے و ساغر سبو بھی
وہ عطر آگیں پسینہ کی بساوٹ — خوش اب آتی نہیں ہے مشکبو بھی
ذرا سچ سچ بتا دے مجھ کو قاصد — کچھ آئی تھی ہماری گفتگو بھی
نہ ملنے کا گلہ کیوں ان کے اے دل — کبھی کی تو نے کافر جستجو بھی
تواضع اپنے قاتل کی کروں کیا — اُسی کا دل بھی ہے سر بھی گلو بھی
نبٹ لیں گے حضورِ داورِ محشر — کہیں آجائیں اس کے رو برو بھی
نہیں رُکتے نہیں رُکتے یہ آنسو — خدا ہی ہے بچے جو آبرو بھی
بلایا ہے جلانے کو میں سمجھا — وہاں بیٹھا ہوا ہو گا عدو بھی
حِنا سے بڑھ کے ہوگا خون میں رنگ — بہت کُچھ رنگ لائے گا لہو بھی
دلِ صد چاک کو دامن نہ سمجھو — سنا اس کو کبھی ہوتے رفو بھی
نہ آکر تم نے رکھا ہاتھ دل پر — یہاں تو جان پہنچی تا گلو بھی

امین آباد ہے گلزارِ جنّت
غنیمت خیؔر ہے اب لکھنؤ ، بھی

(۱۸)

کیا کہیں اس سے اب لگی دل کی — جو سُنائے کٹی جلی دل کی
جذبِ دل تو نے کچھ اثر نہ کیا — کیا ہوئی ہے وہاں ہنسی دل کی
دل لگانے کا پڑ گیا چسکا — کیا بُری ہے یہ دل لگی دل کی
دل لگانے کا ہے مزا اس سے — بات مانے ہنسی خوشی دل کی

وہ شبِ تار ہجر کا عالم — کس سے کہئے وہ بے کسی دل کی
حُکم ہے اُن کا انتظار کرو — دیکھنا ہائے بے بسی دل کی
کششِ دل کا امتحاں ہے آج — دیکھنا پھر نہ ہو ہنسی دل کی
دل کے کہنے پہ جان دیتے ہیں — آپ نے ایک ہی کہی دل کی
کوئے دلدار تک چلے جانا — ہے یہی ایک دل لگی دل کی
وقتِ رُخصت نہ اُن کو دیکھ سکا — ہائے دل ہی میں رہ گئی دل کی

اُن کے آنے کی ہے خبر اے خیؔر
بڑھتی جاتی ہے بے کلی دل کی

(۱۹)

سُنانے کو سُنا تو دے گا قاصد داستاں میری
کہاں سے لائے گا یہ جوشِ دل پھر یہ زباں میری
چلا ہے اُن سے کہنے آج قاصد داستاں میری
الٰہی تو دہن میں اس کے دیدے یہ زباں میری
یہاں مُشکل سے ہوگی تُجھ سے ساری داستاں میری
ترے قربان قاصد ساتھ لیتا جا زباں میری
لگا سکتا نہیں ہوں ہاتھ آئیں تو کیا حاصل
نزاکت پر ہو قُرباں اُن کی جانِ ناتواں میری
اثر ہو یا نہ ہو اپنی کہانی میں کہے جاؤں
کبھی تو پہنچے گی کانوں تک اُن کے داستاں میری

سُنائے جائیں گے ہم روز اپنا درد وغم اُن کو
یہی دیکھنا ہے کب تک نہیں سُنتے فُغاں میری
سُنا تا کوئی ذکرِ غیر کے بدلے مرا قصّہ
کسی صورت سے سُن لیتا وہ ظالم داستاں میری
رسائی اپنی بامِ طُور تک ہے جانتے ہو تُم
تو پھر سمجھو کہ پہنچے گی کہاں تک اب فغاں میری
دمِ آخر زباں پر نام تیرا آہی جائے گا
ابھی سے جب کہ تالی سے نہیں لگتی زباں میری
مزا اثبات کا بے نفی کے ملتا نہیں ہرگز
زباں پر تیری چڑھ جائے نہیں کے بدلے ہاں میری
وہ بول اٹھے چلا آتا ہے پھر وہ خیرؔ دیوانہ
سُنی آواز کوچہ میں جو اس نے ناگہاں میری

(۲۰)

چمن میں بادِ بہار آئی اور آکے چلی
نسیمِ روح فزا لائی اور لا کے چلی
یہ سچ کہا ہے کہ گنتی کے ہیں بہار کے دن
چلی بہار تو بُلبل بھی کچھ سُنا کے چلی
وہ شکل جس سے اُجالی ہماری صحبت تھی
وہ برق طور کا جلوہ ہمیں دکھا کے چلی
دلوں میں چٹکیاں لے گی تمہاری یادشعیب
تمہاری گرمیٔ صحبت ہمیں جلا کے چلی

(۲۱)

ادھر جرّار فوجیں اتحادی اور برٹش کی
اُدھر قلعہ شکن اور صف شکن پلٹن ہے ٹرکش کی
نتیجہ جنگ کا کیا ہو گا کوئی خاک بتلائے
خرد حیران ہے دنیا کے سارے اہل دانش کی
خُدا جانے ہے کابل کون سی افکار میں غلطاں
خبر ملتی نہیں ہے آج کل بادام وکش مش کی
کہے دیتے ہیں ہم ہرگز نہ کوئی شیر کو ٹوکے
ہڑپ کرلے گا اس کو جس نے کچھ بھی اس سے غرش کی
چلا جرمن غضب کی چال ترکوں کو ملانے میں
ہوئے ترک اس کے حامی دیکھئے یہ حد ہے سازش کی
مچا رکھی ہے ایک ہڑبونگ اس ظالم نے عالم میں
کچل ڈالا اگرچہ ان سبھوں نے لاکھ نالش کی
کوئی سمجھائے کیا اس کو کسی کی کب وہ سنتا ہے
نہیں ہے ذہن میں اس کے کوئی وقعت سفارش کی

(۲۲)

ارے ٹرکی ! نہ لے 'ٹر' کی

یہ جرمن راہ زن ہیں شکل میں ہیں گرچہ رہبر کی
نہ آ تو اُن کے دھوکے میں نہ سُن اُن کی تو اے ٹرکی
وہ ٹرکی، اِک ہوا جن کی بندھی تھی سارے یوروپ میں
ہوا میں آ کے جرمن کی اڑاتے اب ہیں بے پر کی
وہ ٹرکی، دیوتا مانا تھا جس کو سارے یوروپ نے
مگر اب جبرِ جرمن سے مثال اُن کی ہے پتھر کی
وہ ٹرکی، جس کو لوہا مانتا تھا آج تک یوروپ
وہ ٹرکی، کاٹ تھی مشہور جن کی تیغ و خنجر کی
وہ ٹرکی ، یعنی مُسلم جن سے یوروپ تھر تھراتا تھا
وہ کٹھ پتلی بنے پھرتے ہیں اب جرمن کے افسر کی
وہ ٹرکی، یعنی مُسلم جو اُلٹ دیتے تھے صف کی صف
وہ ٹرکی تھی کبھی جس کو نہ حاجت کوئی یاور کی
وہ ٹرکی ، جو ہلا دیتے تھے اک تکبیر سے دُنیا
صدا گونجی ہوئی تھی نعرۂ اللہ اکبر کی
وہ ٹرکی، جن سے زُہرہ آب تھا دنیائے یوروپ کا
وہ ٹرکی جن کی ہیبت سے فنا تھی رُوح میجر کی
وہ ٹرکی ،جس کی سطوت کا گڑا جھنڈا تھا یوروپ میں
چمک دُنیا میں پھیلی تھی ہلال اور اس کے اختر کی

وہ ٹرکی، ترک تازی جن کی ہے مشہور دُنیا میں
تمام اُس کی نہ ہو ٹُرکی کہیں چالوں سے رہبر کی
بہادُر صف شکن جاں باز ہیں لاکھوں پہ بھاری ہیں
مگر ترکوں پہ پھبتی اب تو ہے بیمار و لاغر کی
وہی بیمار ٹرکی ، شیر سے پنجہ ملاتا ہے
ارے ٹرکی ! نہ لے ' ٹر' کی ارے ٹرکی نہ لے ٹرکی

(۲۳)

الٰہی فتح ہو انگلینڈ کی اور جارج خامس کی
رہے قائم زمانے میں یہ رونق اپنے مجلس کی
بڑا ہی جوش پھیلایا ہے موجودہ لڑائی نے
سُنا ہے جارہی ہے جنگ میں کچھ فوج اب مِس کی
اب عشرت خانۂ یورپ پر اِک سناٹا چھایا ہے
بُھلایا جنگ نے لذت ہی آخر پارٹنگ کس کی
لڑائی کھینچا جاتا ہے اطرافِ عالم سے
بہت ہی مانگ ہے اب جنگ میں نقرہ اور مِس کی
اِدھر ہے شیر انگلستاں اُدھر ٹرکی و جرمن ہیں
خُدا جانے یہ بیٹھے اونٹ کس کل ، فتح ہو کس کی
بڑھا ہے ڈنک جرمن کا کہیں اب نیشِ عقرب سے
نہیں اس کا کوئی منتر نہیں کوئی دوا اس کی

بلا کی سعی کرتا ہے یہ ترکوں کے ملانے میں
غضب کی چال چلتا ہے یہ موذی گانٹھ ہے بس کی
شجاعت ختم تھی کس پر ، اسی بیمار ترکی پر
تمھیں کہہ دو زمانے میں دلبری عام تھی کس کی
مگر قیصر کی دمبازی میں اس نے اپنی پت کھوئی
وہ یوں مرہون منت ہو شُجاعت عام ہو جس کی
کہیں برطانیہ پہلے ہی ترکوں کو ملا لیتا
تو کیوں اس طرح کھلتی آنکھ اس بیمار نرگس کی
مگر اب جرمنوں کے داؤں پر ہے آج کل ترکی
کوئی دیکھے جبھی مونچھوں پر بل سلطان خامس کی
کہے دیتے ہیں ہم ٹرکی خیالِ خام سے باز آ
سنے گا جرمنی کب تک ارے تجھ ایسے بے حس کی

(۲۴)

پُرانی باتیں ہیں مجنوں کی، اس زمانے کی
عجیب دھوم ہے اب تو مرے فسانے کی
تمہارے خنجرِ ابرو سے کوئی بچ نہ سکا
جگر بھی داد نہ کیوں دے ترے نشانے کی
فلک پہ لاکھ گھٹا آئے بجلیاں چمکیں
ادائیں یاد ہیں اُن کی وہ مُسکرانے کی
نہ بام پر کبھی آؤ نہ خواب میں آؤ
یہی ہے رسم محبت کی، اس زمانے کی
وہ پوچھتے ہیں مگر دل کیا کروں اپنے
زباں پر بات اب آتی نہیں ٹھکانے کی
کسی کی یاد میں سُدھ بُدھ بھی اپنی بھول گئے
نہ آنے کی ہمیں ہمت کہیں نہ جانے کی
خراش دل انہیں کیوں کر دکھایئے اے خیؔر
نہیں سُنانے کی صورت نہیں دکھانے کی

(۲۵)

لگی ہے آس کسی مہ جبیں کے آنے کی
نکل چکی کہیں حسرت یہ اک زمانے کی
یہاں ہے شام سے اِک انتظار کی اُلجھن
وہاں ہے ڈھونڈھ ابھی آئینے کی شانے کی
ملو گے یا نہ ملو گے یہ صاف ہی کہہ دو
کبھی تو بات کرو جانِ من ٹھکانے کی
وہ دن بھی ہوگا کہ آئیں گے وہ بغل میں میری
کبھی پھرے گی اِدھر بھی ہوا زمانے کی
کیا ہے ترچھی نگاہوں سے میرے دل کو فگار
یہ ابتدا ہے ابھی دیکھئے نشانے کی
ہمیں ہے یاد دبے پاؤں چھم سے آ جانا
ہمیں ہے یاد ادا اُن کے مسکرانے کی
نہ کیوں ہو رشک کہ ہم کو ہے صرف انہیں کا خیال
اور اس حسین کو ہے فکر اِک زمانے کی
نہ پوچھو دل میں ہمارے بسا ہوا ہے کون
نہیں یہ بات کسی سے اور سے بتانے کی
جھلک دکھاکے بنایا ہے خیؔر کو بے خود
مگر یہ ایک ہی ترکیب ہے پھنسانے کی

(۲۶)

بُتوں کے عشق میں کیا کچھ نہ کی توقیر پتھّر کی
جہاں دیکھی لگالی آنکھ سے تصویر پتھّر کی

کھلے دستِ نمازی ، گر پڑی تصویر پتھّر کی
کہاں اسلام میں باقی رہی توقیر پتھّر کی

عدم سے آئے ہستی میں بتوں کے جذبِ اُلفت سے
اسے کہتے ہیں دیکھو واہ رے تسخیر پتھّر کی

ترے کوچہ میں اے بُت دیکھ کر مجمع خدائی کا
فلک پر شور ہے اللہ رے توقیر پتھّر کی

تصور میں کسی کے اِن بتوں کو دیکھ لیتے ہیں
محبت ہوگئی آخر کو دامن گیر پتھّر کی

بتوں کے سنگ در پر کرتے ہیں ہردم جبیں سائی
خوشا عشاق کی قسمت زہے تقدیر پتھّر کی

ملے جب خاک ہی میں ہم تو پھر نام ونشان کیسا
عبث کرتے ہوتم اے غافلو! تعمیر پتھّر کی

کیا کرتا ہوں کندہ حالِ دل اپنا نگینوں پر
کہ تا اس بُت کے پہنچے ہاتھ میں تحریر پتھّر کی

نکلتا ہوں میں زنجیریں تڑا کر آج زنداں سے
خبر کر اے جنوں لڑکے کریں تدبیر پتھّر کی

ہماری آہ سوزاں سے بھی پتھّر موم ہوتا ہے
ہمیں کیا غم بُتوں کے دل میں ہو تاثیر پتھّر کی

کیا پڑتی ہے دل پر چوٹ تیری سخت باتوں سے
تو بول اٹھا وہ بُت کیا ہے مری تقریر پتھّر کی

کیا جب وار قاتل نے تو میری سخت جانی سے
گلے تک آتے آتے ہوگئی شمشیر پتھّر کی

بتوں کو دَیر میں، کہتے ہیں چوما سنگِ اسود کو
پرستش کی بہر صورت بہر تقدیر پتھّر کی

ہوا ہوں اس بُتِ لیلیٰ ادا کے عشق میں مجنوں
بنا کر مُجھ کو پہنا دے کوئی زنجیر پتھّر کی

ازل سے اس کی قسمت میں پرستش اس کی لکھی تھی
خطا اس میں برہمن کی نہ ہے تقصیر پتھّر کی

ہماری وضع سے اے خَیرؔ خوش شیخ و برہمن ہیں
گلے میں سبحہ ہے اور ہاتھ میں تصویر پتھّر کی

(۲۷)

میں کچھ کلیم نہیں ہوں کہ بے خُودی ہوگی — کسی سے طور پہ مجھ سے جلی کٹی ہوگی
کبھی نا یار کو حاجت بناؤ کی ہوگی — ہزار رنگ پہ بالا یہ سادگی ہو گی
خدائی بھی بُت کافر اگر تری ہو گی — خطا معاف ، نہ بندے سے بندگی ہوگی
کبھی جو اس کی گلی سے گذر گئی ہوگی — دُلہن کی طرح صبا عطر میں بسی ہو گی
مری لحد پہ نہ حاجت چراغ کی ہوگی — زیادہ ماہ سے زاغوں کی روشنی ہوگی
نہ اور بھی دلِ بے تاب کا ملے گا مزاج — نگاہِ لُطف اگر اس پر آپ کی ہوگی
دکھائی دیں گے ہزاروں حسین بے پردہ — ہجومِ حشر میں اچھی یہ دل لگی ہو گی

بتاؤں میکدہ میں حالِ توبہ کیا زاہد   وہ ٹوٹی پھوٹی کہیں اک طرف پڑی ہوگی
جسے کا رنگ قیامت کا اُن کے ہاتھوں میں   ہمارے خون میں مہندی اگر پسی ہوگی
بناؤ کیجئے گیسو سنواریئے ہمیں کیا   کہ شاد آئینہ ہوگا خوش آرسی ہو گی
اُٹھاتی ہوگی یہ پردے میں لُطف جوبن سے   بڑے مزے تری محرم بھی لوٹتی ہوگی
ہے آرسی بھی غضب آپ کی نظر ہائے   اسی کی آپ کو اکثر نظر لگی ہو گی
مزا نہ آئے گا پھر لوٹنے تڑپنے کا   جو میرے درد میں اے دل ذرا کمی ہوگی
خیال ہوگا تری چشمِ شُوخ کا دل میں   اس آئینہ کے جلو میں یہ آرسی ہو گی
تم اور مُجھ سے کرو شوقِ وصل کا اظہار   اجی یہ لطف کے پردے میں دُشمنی ہوگی
وہ شوخ لال بھبھو کا غضب ہوا ہو گا   ہمارے سوگ میں مہندی غضب رچی ہوگی
چڑھائے چادرِ سبز اس نے میری تُربت پر   عدو کی شاخِ تمنا نہ اب ہری ہوگی
رموزِ عشق و محبت سے خیؔر واقف ہیں
وہ کون بات ہے، جو آپ سے چُھپی ہو گی

(۲۸)

للّٰہ آکے دیکھو یہ سیر جاں گدازی   کب تک یہ لا اُبالی کب تک یہ بے نیازی
اسلام کی ترقی ہے نصبِ عین اپنا   ہو جس سے یہ ترقی نجدی ہو یا حجازی
اسلام کا پھر اگلا اِک بار دَور آئے   ہم بھی تو دیکھ لیتے کچھ تیری کارسازی
اللہ کملی والے شیدائیوں کو اپنے   اک بار پھر سُنا دے وہ نغمۂ حجازی
جاگ اُٹھے اب عرب بھی تکبیر ہے زباں پر   کانوں میں آرہا ہے پھر نغمۂ حجازی
کرنا جو کچھ ہو کر لو اب آگیا بُڑھاپا
اے خیؔر ہو رہی ہے اب ختم ترک تازی

(۲۹)

آتے ہی مرے یار نے تکرار نکالی   تیور کبھی بدلے کبھی تلوار نکالی
موسیٰ کی طرح آ گیا غش اہل نظر کو   آنکھ اس نے سرِ بزم جو اک بار نکالی
اب دشت نوردی میں نہ کانٹے ہیں نہ جھاڑی   اس عشق نے دل سے خلش خار نکالی
ہم کہتے نہ تھے شیخ کہ اچھی یہ نہیں چھیڑ   لو رِند نے وہ پاؤں سے پیزار نکالی
پھر تم نے وہی قصّۂ اغیار نکالا   پھر تم نے پُرانی وہی گُفتار نکالی
اے خیؔر نہ تم مل سکے اُس شوخ سے آخر
تُم نے نہ کوئی صورت دیدار نکالی

(۳۰)

کسی نے پھر ادھر ترچھی نظر کی   الٰہی خیر ہو دل کی جگر کی
بیاباں اپنا لے مجنوں، چلے ہم   کہ ہو گی اب یہی شکل اپنے گھر کی
یہ نذرِ تیر ہے یہ وقفِ مژگاں   یہی تقسیم ہے دل کی جگر کی
گلہ اب لن ترانی کا نہیں ہے   نقابِ یار آخر کچھ تو سر کی
نہ ٹوٹے آبلہ اے تیرِ قاتل   نشانی اِک یہی ہے اب جگر کی
نہ رکھ بندِ قفس میں ہم کو صیاد   بڑی توہین ہے اس بال و پر کی
سلامت یہ مری خوں بار آنکھیں   کمی کیا ہے یہاں لعل و گہر کی
مری تر دامنی پر ان کو شک ہے   گئی اب آبرو اس چشم تر کی
مٹا یوں داغ حسرت کو نہ اے اشک   کمائی اک یہی ہے عمر بھر کی
فلک پر بھی ہے دورِ ساغرِ مئے   یہ گردش کہتی ہے شمس و قمر کی
حقیقت میں وہی سر ہے سرفراز   بلا لے اپنا سر، غیروں کے سر کی

بنا مٹی سے مٹی میں ملے گا — حقیقت ہے فقط اتنی بشر کی
خبر کچھ دے رہی ہیں یہ نگاہیں — عجب ایک بات ہے، تارِ نظر کی
رحیل کارواں ہے خیرؔ اُٹھو — صدائیں آرہی ہیں اب گجر کی

ردیف : ے

(۱)

کوچۂ گیسوئے جاناں سے یہ کیا آتی ہے
ناز کرتی ہوئی جو بادِ صبا آتی ہے
آنکھوں سے دل میں کبھی آؤ ٹہلنے کے لیے
ادھر آتے ہوئے کیا تم حیا آتی ہے
کچھ سمجھتے ہو کہ یہ حد سے بڑھی جاتی ہے
بہر پابوس ابھی زلفِ رسا آتی ہے
مر گیا کوئی سرگشتۂ صحرائے جنوں
خاک اُڑاتی ہوئی کیوں آج صبا آتی ہے
دیکھنا ہے ہمیں اے حضرتِ دل دعویٰ ضبط
شام ہوتی ہے شبِ غم کی بلا آتی ہے
گدگداتی ہے طبیعت کہ ڈھلے جامِ شراب
جھوم کر باغ میں جب کالی گھٹا آتی ہے
تیرگیٔ شبِ فرقت سے الٰہی توبہ
عشق گیسو میں عجب کالی بلا آتی ہے
مر گیا کیا دلِ بے تاب مرے پہلو میں
آج نالا ہے نہ رونے کی صدا آتی ہے

حضرتِ خیرؔ جو کوچے میں کبھی اُن کے گئے
یوں سُنا کہتے یہاں بوئے وفا آتی ہے

(۲)

بچے رہنا رقیبِ ہم نشیں سے — حذر لازم ہے مارِ آستیں سے
پڑے ہو میرے پیچھے واعظو کیوں — غرض کیا تم کو آتا ہوں کہیں سے
کیا کرتے ہو جو انکار اس طرح — مزا ملتا ہے کیا تم کو ''نہیں'' سے
کہا تھا کچھ کہ جھنجھلا کے وہ بولے — ہماری ہی شکایت ہے ہمیں سے
یہ دم بازی یہ فقرے یہ بہانے — ہمیں سے اُو بُتِ کافر ہمیں سے
سُنے احکام سب شیخِ حرم کے — سلام اُن کو مرا پہونچے یہیں سے
جو کچھ کرنا ہو کرلو خیرؔ صاحب
اجل ہے جھانکتی ہردم کمیں سے

(۳)

انہیں کے دم سے چرچے ہیں وفا کے — جو پچھتاتے نہیں ہیں دل لگا کے
ہمارے حال پر بھی اک نظر ہو — بُتو ہم بھی تو ہیں بندے خُدا کے
مرے آگے رقیبوں سے لگاوٹ — ارے کیا مل گیا مُجھ کو جلا کے
لحد پر فاتحہ پڑھنے جو آئے — عنایت اُن کی احساں ہیں قضا کے
لگائی عشق نے وہ آگ دل میں — کیا خاکِ سیہ آخر جلا کے
کہاں تک خیرؔ آخر بُت پرستی
خُدا کی یاد کر بندے خُدا کے

(۴)

جاں لب تک میری پہنچی ہے نکلنے کے لیے
اب بھی تدبیر کرو کوئی سنبھلنے کے لیے
ایک دن بھی تو مری جان رہو ساتھ میرے
دل میں ارمان ترستے ہیں نکلنے کے لیے
یاد اک دستِ حنائی کی نیا لائی رنگ
چٹکیوں سے ہے کلیجا کوئی ملنے کے لیے
ہو چکا جوش زمانہ کا زمانہ آخر
دو پہر حُسن کی اب آئی ہے ڈھلنے کے لیے
کچھ تو اے خیؔر تمنا ہوئی دل کی پوری
رہ گئے اور کچھ ارمان نکلنے کے لیے

(۵)

کچھ میرے حال کی بھی تم کو خبر ہوتی ہے
کیا بتاؤں شبِ غم کیسے بسر ہوتی ہے
خاک میں ہم کو ملا کر یہ تغیر کیسا
آج غیروں پر عنایت کی نظر ہوتی ہے
اپنی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے صورت اُن کی
اسی صورت سے غرض اب تو بسر ہوتی ہے
بھول بیٹھا ہوں ترے عشق میں سب کچھ ظالم
صرف اِک یاد تری آٹھ پہر ہوتی ہے
آنکھ والوں سے ملو خیؔر تو کچھ حاصل ہو
کیمیا اہلِ بصیرت کی نظر ہوتی ہے

(۶)

دل کو زخمی کرے وہ تیرِ نظر کس کا ہے
تیرے تیروں کے لیے سینہ سپر کس کا ہے
چال سے کس کی ہے دُنیا میں قیامت برپا
فتنہ کس کا ہے غضب کس کا ہے شر کس کا ہے
میری آنکھ میں رہو دل میں مرے آؤ ٹھہرو
یہ مکان کس کا ہے اے دوست یہ گھر کس کا ہے
تیرا ہر ناز اٹھائے تری ہر بات سہے
تو ہی انصاف سے کہہ دے یہ جگر کس کا ہے
دل کو قربان کروں ، سر ترے سر پر واروں
دل یہ کس کا ہے مری جان یہ سر کس کا ہے
پیار و اُلفت کی جو باتوں پہ بگڑ جاتے ہو
دل میں سوچو تو ذرا اس میں ضرر کس کا ہے
اتنی مدت ہوئی اے خیؔر وطن کو چھوڑے
اپنے گھر کو بھی میں کہتا ہوں یہ گھر کس کا ہے

(۷)

گزر رہا ہے زمانہ تو پیش و پس میں ہے
رواروی میں ہے عالم تو کس ہوس میں ہے
تری قسم نہیں غافل ہوں تجھ سے کوئی دم
ترا ہی دھیان تری یاد ہر نفس میں ہے

خیالِ سُنبل و ریحاں سے تُجھ کو کیا حاصل
عبث پھنسا ہوا اے دل تو خار وخس میں ہے
نہ آئیں گے وہ ترے گھر نہ آئیں گے ہرگز
جہاں سے کھینچ بھی اب ہاتھ کس ہوس میں ہے
جوان ہونے پہ وہ شوخ جانے کیا ہوگا
یہ طرزِ مشق ستم بارھویں برس میں ہے
نگاہ چاہئے جلوہ کہاں نہیں ہے تیرا
چمن میں دشت میں جنگل میں خاروخس میں ہے
ہوا جو وصل کا خواہاں تو ہنس کے اس نے کہا
محال ہے ارے ناداں تو کس ہوس میں ہے
شباب آنے دو اس وقت دیکھنا جوبن
ابھی وہ نامِ خُدا بارھویں برس میں ہے
وہاں حجاب ہے ، مانع یہاں عتاب کا ڈر
ملوں تو کیسے ملوں دونوں کا دل قفس میں ہے
کدھر ہے منزلِ مقصود ، جارہا ہوں کہاں
بہ ہوش باش کی پیہم صدا جرس میں ہے
بلا سے ہم نہیں رکھتے ہیں آپ پر قابو
مگر یہ دل تو ہمارا ہمارے بس میں ہے
ملیں وہ خیؔر تو آنکھوں سے لوں قدم اُن کے
مگر کہاں یہ مقدر کے دسترس میں ہے

(۸)

محبت میں سینہ سپر کر چلے   چلے تیر دل پر کہ خنجر چلے
حرم سے جو میرے پیمبرؐ چلے   رفیقوں کا دل ساتھ لے کر چلے
جو معراج میں مرے سرورؐ چلے   جلو میں تمامی پیمبر چلے
اٹھا، لیجئے پھر میرے دل میں درد   کہاں آپ پہلو سے اُٹھ کر چلے
پکارے گا خون آستیں کا ضرور   کہاں آپ دامن بچاکر چلے
نہ ہو کس طرح ہائے دل پائمال   جہاں رنج و حسرت کا لشکر چلے
نہ ہو قطع کیوں منزلِ زندگی   چلے رات بھر سانس دن بھر چلے
بچھائے سرِ راہ آنکھوں کو خیؔر
جو وہ اپنے گھر سے نکل کر چلے

(۹)

بہار آئی ہے نظارے ہیں پھر سیرِ گلستاں کے
مزے ہیں پھول چنتے پھرتے ہیں ہم ہر خیاباں کے
جنوں ہے زور پر پُرزے اُڑائیں جیب وداماں کے
بہت مدت سے ہم مشتاق تھے سیر بیاباں کے
جگر کو میرے کیا توڑا ہے کیا دل کو اُڑایا ہے
خدنگ یار کے صدقے تصدق نوکِ پیکاں کے
نرالی شان ہے گیسو کی اُس روئے کتابی پر
یدِ قدرت سے یہ لکھے ہوئے آیہ ہیں قُرآں کے

نہیں معلوم اے صیّاد کیا دل پہ گذرتی ہے
قفس میں بھی وہی ہیں ولولے ہم کو گلستاں کے

نہ جاؤ بام پر اے جانِ من یہ چودھویں شب ہے
نہ دو اب داغ تازہ اور دل پر ماہِ تاباں کے

جنابِ خیرؔ کی رنگیں بیانی کا ہے کیا کہنا !
کسی گلچیں کا دامن ہے کہ ہیں اوراق دیواں کے

(۱۰)

ہر صبح یہ کہتا ہوں نسیمِ چمنی سے
کہنا مرے مولا مرنے مکّی مدنی سے

اک ھند میں دیکھا ہے غلام آپ کا میں نے
بدتر ہے وطن جس کو غریب الوطنی سے

بے حد ہے اسے حج و زیارت کی تمنّا
مجبور ہے پر گردشِ گردونِ دنی سے

حضرتؐ سے کریں گے مری حسرت کی سفارش
امید قوی ہے مجھے خُلق حسنی سے

جاتی ہے لپٹ نکہت گیسو کی کہاں تک
ہاں پوچھئے چل کر یہ اویس قرنیؓ سے

کیا پوچھنا گلزار مدینہ کی فضا کا
خوش قد ہیں جواں سینکڑوں سروچمنی سے

سودا ہے مجھے کاکلِ مشکینِ نبیؐ کا
بڑھتا ہے جنوں نکہت مشک ختنی سے

لب بند کیے ہیں تری تقریر نے و اللہ
خاموش عدو بھی ہوئے شیریں سخنی سے

ہو خیرؔ بھی دوری سے حضوری میں سرفراز
اتنا کوئی کہہ دے مرے مکّیؐ مدنیؐ سے

(۱۱)

باز آؤ کہیں طعنہ زنی خندہ زنی سے
اب ہاتھ اٹھاؤ مری خاطر شکنی سے

ابرو کے اشارے ہیں سوا تیغ زنی سے
کاری ہیں نگاہیں تری برچھی کی انی سے

ہر شاہ یہ کہہ دے اگر انجام کو سوچے
بہتر کوئی ملبوس نہیں ہے کفنی سے

ہستی ہی میں آنے سے ہوئی قدر عدم کی
جائیں گے سبق لے کے غریبُ الوطنی سے

اللہ کرے موسمِ گل خیر سے گذرے
تنگ آگئی توبہ مری توبہ شکنی سے

بے آنکھ ملے آہ چھنی جاتی ہے چھاتی
ہر نوکِ مژہ کم نہیں برچھی کی انی سے

کٹتیں نہیں کاٹے سے شب ہجر کی گھڑیاں
یہ سخت مصیبت ہے کہیں کوہ کنی سے

ساقی کے نہ ہونے سے ہوئی بزم بھی مقتل
ساون کی جھڑی کم نہیں ناوک فگنی سے

وعدہ پہ مُکرتے ہیں ڈھٹائی کوئی دیکھے
شرمائے نہ دل میں کبھی پیماں شکنی سے

پر کی ہوئی ہے صبر و خرد لوٹ کے میرا
وہ آنکھ نہ چوکے گی کبھی راہ زنی سے

اے خیرؔ کبھی ہاتھ اٹھا بہرِ دُعا بھی
ہر کام نکلنے کا نہیں سینہ زنی سے

(۱۲)

بشر علی کی نہ کیوں کر ثنا پسند کرے — یہ ذکر وہ ہے کہ جس کو خُدا پسند کرے
ہوا ہے فقر کی دولت سے دل غنی اپنا — نگاہ خاک مری کیمیا پسند کرے
میں کچھ تو ہوں کہ مٹاتا ہے پیکر گردوں — وہ دانہ کیا نہ جسے آسیا پسند کرے
دل و جگر تو لیے تیری بانکی چتون نے — رہا ہے سر، اسے تیغ ادا پسند کرے
جو تیرے سایۂ دیوار کا ہو خواہش مند — وہ خاک سایۂ بال ہما پسند کرے
جو تیرے در کی گدائی کا مرتبہ کھل جائے — نہ تاج و تخت کوئی بادشاہ پسند کرے

وہ کام خوب ہے، اے خیؔر جس کو خاطر خواہ
ہرایک دوست ہر ایک آشنا پسند کرے

(۱۳)

خیال ناوکِ قاتل مجھے یوں گُد گُداتا ہے
کوئی رُوٹھے ہوئے معشوق کو جیسے مناتا ہے
اگر وہ حال پوچھے نامہ بر تجھ سے تو کہہ دینا
سنبھالا لے رہاہے اب ترے بیمار میں کیا ہے
ابھی پڑھتاہوں خط باتیں بھی سنتاہوں تری قاصد
مگر پہلے بتادے یہ مزاج اس کا تو اچھا ہے
خدائی بھر کے منصوبے ذرا میں ہوتے ہیں ابتر
بگڑ جانا مقدر کا بُتوں کا روٹھ جانا ہے

غُرور اُن کو نہ کیوں ہو خیر اس حسن و جوانی کا
خوشامد کوئی کرتا ہے کوئی پہروں مناتا ہے
غضب ہے خیؔر الٹے جذبِ دل کی دھمکیاں دینا
کوئی روٹھے ہوئے معشوق کو یوں ہی مناتا ہے

(۱۴)

دل سے جب ہر گھڑی دُعا نکلے — کیا زبان سے ترا گِلا نکلے
میرا قاتل اِدھر جو آ نکلے — کاش کہ دل کا مُدّعا نکلے
پیار کے نام سے بگڑتے ہو — ہائے تم ایسے بے وفا نکلے
دل سے اس کا ادا شناس ہوں میں — جس کی ہر بات میں ادا نکلے
میرے دلبر کی بھی خبر لانا — اُس گلی سے جو اے صبا نکلے
بات کہتے زباں کٹتی ہے — کس طرح حرف مُدّعا نکلے
دیکھ پائے جو شیخ بُت کو مرے ! — مُنہ سے اُس کے خُدا خُدا نکلے

وار ایسا تو ہو مرے قاتل !
زخم کے مُنہ سے مرحبا نکلے

(۱۵)

وفا کا خزانہ ہے ان کی گلی میں — ہیں مدفون کتنے وفا کرنے والے
ترے نور رُخ سے منوّر ہے عالم — مہہ و خور کسبِ ضیا کرنے والے
بُتوں پر فدا جان کرتے تھے اِک دن — ہیں لب یا خدا یا خدا کرنے والے
چُھپاتا ہے حسرت زدہ مُنہ کفن میں — ذرا دیکھ لے او حیا کرنے والے
جفاؤں کا وہ خاتمہ کیوں نہ کر دیں — دُعا ہی کریں گے دعا کرنے والے
سُنا ہے لبِ بام آتے ہیں اے دل — عنایت ہیں نام خدا کرنے والے

بتوں میں نہیں خیؔر پاسِ محبت
ستم ہیں یہ نا آشنا کرنے والے

(۱۶)

کوئی ماما سے بھی کرتا ہے محبت پیارے
نوج اس طرح کی اورتم سے حماقت پیارے
باندھنو باندھتی ہیں پہلے یہ سمجھی تھی میں
لونڈیوں کی میں سمجھتی تھی شرارت پیارے
بھنڈا پھوٹا تری کرتوت کا جب آئی خبر
موئے درگور کی جب سن لی ولادت پیارے
تیرے واری گئی اب چھوڑ دے پاسِ سے ملاپ
تیرے قربان نہ خیلا سے کر اُلفت پیارے
اہلے گہلے وہ پھرا کرتی ہے گھر میں میرے

تیری لائی ہوئی سر پر ہے یہ آفت پیارے
موئی درگور کو نہ جہاں میں ہوگی
اور اب کیا کروں میں اس کی شکایت پیارے
پھول رکھتی ہے تری پگڑی میں شفتل پاسِن اب
ہر اک بوند پہونچتی ہے ولایت پیارے
لگ گیا آل مری جان کو اُس پاسِن سے
اپنا سن دیکھو ذرا اور یہ حرکت پیارے
پرتے سب کُھل گئے اب کون سی ہے بات چھپی
اب تو اخبار بھی کرتا ہے ملامت پیارے
اوئی ! ماما کو بنایا کسی نے بیگم
نہ ہوئی تم کو ذرا اس کی ندامت پیارے
مجھ نگوڑی کو کُڑھلنا ہو تو جی بھر کے کُڑھاؤ
خود بھگت لو گے جو کرتے ہو قیامت پیارے
اب تو اخترؔ نہ یہ روگ سہا جائے گا
کل ہی الپنچ سے کر دوں گی شکایت پیارے

(۱۷)

لیا تھا تو نے تو اے ستم گر ہمارے دل کو ہنسا ہنسا کے
ارے یہ کیا ہے کہ دو ہی دن میں گھلا دیا ہے، رُلا رُلا کے
جو مجھ سے کرنا ہے تم کو پردہ نقاب میں مُنہ چھپا چھپا کے
تو کیوں بڑھاتے ہو شوق میرا تم اپنا جلوہ دکھا دکھا کے

تری جفا سے نہ سانپ لوٹے ہمارے سینہ پہ کس طرح پھر
رقیب گیسو کو چومتا ہے غضب ہے ہم کو دکھا دکھا کے

ہمارے وعدے تو ٹالے جائیں یہ کیا قیامت یہ کیا ستم ہے
عدو سے وعدہ وصال کا ہو غضب ہے ہم کو سُنا سُنا کے

جو میں بلاؤں کبھی مرے جاں حنا لگانے کے ہوں بہانے
عدو کے گھر جاؤ بے بُلائے نظر ہر اک کی بچا بچا کے

میرے ہی بربادیوں کے سارے یہ مشورے ہو رہے ہیں شاید
زمیں سے سرگوشیاں ہے کرتا فلک جو سر کو جُھکا جُھکا کے

عبث ہو مغرور حُسن پر تم فلک نہیں قدرداں کچھ ایسا
بگاڑ ڈالے ہیں ایسے اس نے ہزاروں نقشے بنا بنا کے

اگر دلِ غیر حکم رکھتا ہے نقشِ تسخیر کا تو اے جاں
کریں گے اب مہربان اپنا تجھے ہم اس کو جلا جلا کے

نہیں فقط شکل کے ہیں شیدا سنو تم اے خیؔر جو کہیں ہم
خدا ہے شاہد کہ جان و دل سے فریفتہ ہیں ادا ادا کے

(۱۸)

شاہِ دیں اپنے غُلاموں سے یہ پردا کیا ہے
جُز زیارت ترے شیدا کی تمنّا کیا ہے

شبِ معراج ہوا عرش بریں زیرِ قدم
اس سے بڑھ کر کوئی بتلاؤ کہ رُتبا کیا ہے

میں تو کہہ دوں کہ مدینے کی طرف لے چلیئے
خواب میں کاش وہ پوچھیں کہ تمنّا کیا ہے

آ کے اِک شب تو جمال اپنا دکھا دو مولیٰ
آخر اس بندۂ ناچیز سے پردا کیا ہے

ہجرِ احمد میں جو بیمار پڑا رہتا ہوں
پوچھتے ہیں رفقا آج یہ نقشا کیا ہے

حشر کے ہول سے گھبرائے گی اُمّت جو تری
کہتی آئے گی شفاعت کہ یہ دھڑکا کیا ہے

احد احمد میں ہے اک میم محبت کی نقاب
دونوں کو ایک ہی میں کہہ دوں تو بیجا کیا ہے

حشر کے دن سے ڈراتا ہے مجھے کیوں واعظ
اُمّت فخرِ رسل ہوں مجھے کھٹکا کیا ہے

ناوکِ عشق نبی جب سے لگا ہے دل پر
باعث راحت جاں ہے مجھے صدما کیا ہے

میں بھلا ہوں کہ بُرا آپ کا کہلاتا ہوں
آپ کے در کا گدا ہوں مجھے پروا کیا ہے

رات دن نام محمدؐ کا رٹا کرتا ہوں
یہی کافی ہے مجھے اور وظیفا کیا ہے

گیسوئے احمدؐ مُرسل کا ہوا خیؔر اسیر
پھر جہنّم کے سلاسل کا بھی کھٹکا کیا ہے

(۱۹)

میرے خط کا جواب آتا ہے
یوں جو قاصد شتاب آتا ہے

کیوں جھکی پڑتی ہیں مری آنکھیں
کون عصمت مآب آتا ہے

اُن کو لکّھا ہے حالِ دل اپنا
دیکھیئے کیا جواب آتا ہے

کیا فرشتے گناہ گنتے ہیں
کیا اُنہیں بھی حساب آتا ہے

آؤ بیٹھو ہمارے پہلو میں
وصل میں کیوں حجاب آتا ہے

ہوئے الھڑ پنے کے دن رُخصت
دیکھیئے اب شباب آتا ہے

یاد آتا ہے دل کا جل جانا
جب کہ ذکر کباب آتا ہے

بل کی لیتی ہیں دل سے زلفیں کیا
اس کو بھی پیچ و تاب آتا ہے

خیؔر کو دیکھ کر وہ کہنے لگے
وہی خانہ خراب آتا ہے

(۲۰)

عزّت رکھ لی مری خُدا نے — اب ہوش ہوئے ذرا ٹھکانے
ہیرا پکھراج لعل و نیلم — عزّت کے ہیں آگے کے دانے
ہاں جیت گئے ہمارے راجہ — خوش ہوکے خبر یہ دی صبا نے
اے فرحت و شادمانیٔ دل — آؤ مرے گھر کھلے خزانے
کیا کیا نہ سرِ نیاز رَگڑا — آخر سُن لی مرے خُدا نے
قادر ہے تو اے خدائے قیوم — تیرے ہیں عجیب کارخانے
تو پل میں بنائے اور بگاڑے — قدرت کے کھیل کود کون جانے
کچھ بات نہ تھی مگر عدو نے — کیا کیا نہ نکالے شاخسانے
پہلے تھے مخالفت کے جھونکے — بدلا رُخ آخرش ہوا نے
مال اپنا کسی کا اس میں کیا ڈر — دل اس کو دیا کھلے خزانے
روباہ کی دیکھئے تو ہمّت — شیروں کو چلی تھی وہ دبانے
پرجا راجہ کے ہو مقابل — اندھیرا کیا تھا متھرا نے
آخر کو عدو نے خون تھوکا — لالی رکھ لی مرے خُدا نے
تو ساتھ جو ہے تو پھر ہے کیا غم — ہیں فضل و کرم کے سو بہانے
بولے گا نہ اب کبھی بڑا بول — مُنہ کی وہ کھائی ہے بچانے
ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہوں — مانے کوئی اس کو یا نہ مانے
کہہ دو کہ عدو نہ بھاگ نکلے — باقی ہیں ابھی مرے نشانے

مطرب سے کہو کہ اس خوشی میں
گائے اس دم غزل ، ترانے

(۲۱)

کیا کام کیا مری وفا نے — آتے ہیں وہ لگی بُجھانے
حالِ دل کہہ دیا کسی سے — رکھا نہ کہیں کا مدّعا نے
کیا میٹھی نیند سو رہے ہیں — مرنے والے کفن کو تانے
ٹھکرا کے مری لحد کو بولے — اب تو مٹّی لگے ٹھکانے
اللہ ترے کرم کے صدقے — آج آتے ہیں وہ مجھے ستانے
کہنا اُن کا مری لحد پر — ہے کون کھڑا ترے سرہانے
حسرت تربت کی کہہ رہی ہے — کون آئے گا اب یہاں ستانے
دن دور ہوئے تردّدوں کے — پھر آگئے عیش کے زمانے

جھگڑے اے خَیر مٹ گئے سب
رہ جائیں گے یاد یہ فسانے

(۲۲)

ہم اپنے شیخ لاثانی کے صدقے — ہم اپنے قُطب ربّانی کے صدقے
نثار پائے اقدس ہر دو عالم — ترے ہم شکل نورانی کے صدقے
چلی آتی خلقت در تک امڈی — ہم اُن کی اس جہاں بانی کے صدقے
نہیں محروم جاتا کوئی در سے — ترے ہم فیض ارزانی کے صدقے
ترے خُلق و مروت کے ہیں قربان — ترے اخلاق انسانی کے صدقے
کوئی سمجھے گا کیا علمی تبحر — تمہارے علم روحانی کے صدقے

نثار ہم آسمانی فیصلے کے   ترے ارشادِ رحمانی کے صدقے
خُدا جانے ہیں تصنیفات کتنی   تمہاری طبعِ جولانی کے صدقے
کیا مرزائیوں کا ناطقہ بند   تمہاری اس زبان دانی کے صدقے
مدارج پر تمہارے ہم ہوں قُربان   ملک معراج انسانی کے صدقے
طریقت کی نکالی راہ سیدھی   دل و جاں ایسی آسانی کے صدقے
توجہ سے ادھر جو دیکھ لیں آپ   تو دل ہو فیضِ رحمانی کے صدقے
کھنچا جاتا ہے دل اپنا اسی سمت   ہم اپنے دلبرِ جانی کے صدقے
تصور ہے کسی کا ہم کو دن رات   ہم اپنے کیفِ وجدانی کے صدقے
نہیں کونین کی باقی ہوس کچھ   ہم اپنے فضلِ رحمانی کے صدقے
اِدھر آ خَیر تیرا چُوم لیں مُنہ
تری پیاری غزل خوانی کے صدقے

(۲۳)

رُخِ صبیح پر اک خال عارضی بھی نہیں
یہ اجتناب ہے ، ہندو کو اب مُسلماں سے
مطیع رُخ ہیں خط و خال وکاکل و گیسو
کسی کو عہدہ برائی نہیں مسلماں سے
ادھر وہ کش مکش شرم سے ہیں گھبرائے
ادھر ہے جان ہماری غضب میں ارماں سے
عدو کی کیجیے سر سبز آپ کشتِ مراد
یہاں تو خون برستا ہے ابرِ مژگاں سے

ہوا ہے زندۂ جاوید مر کے اے قاتل
بجھائی تیغ مگر تو نے آبِ حیواں سے
کسی کی صورتِ زیبا جو یاد آتی ہے
دل و دماغ منوّر ہے ورد قرآں سے

(۲۴)

جلوہ دکھا کے ہوش اڑا کے کہاں چلے   موسیٰ کو آپ جلوہ دکھا کے کہاں چلے
یہ آستیں کے داغ تو دھبّے لگائیں گے   دامن مرے لہو سے بچا کر کہاں چلے
ہم دل جلوں کے دل کی لگی بھی بُجھایئے
اِک کوہِ طور ہی کو جلا کے کہاں چلے

(۲۵)

اُٹھئے اُٹھئے میرے آقا ! اُٹھئے   اُٹھئے اُٹھئے میرے مولا ! اُٹھئے
ردّی حالت ہے اب اسلام کی آج   اٹھئے اے خسروِ بطحا ! اُٹھئے
آبرو مٹتی ہے اسلام کی آہ   فاطمہ زہرا کے ابا ! اُٹھئے
آہ نرغے میں گھرا ہے اسلام   پیارے حسنین کے نانا ! اُٹھئے
رُخ سے سر کایئے اب چادر کو   دن بہت چڑھ گیا شاہا اُٹھئے
خواب کب تک نہیں اب خواب کا وقت   بہر امداد خدا را ، اُٹھئے
آپ کو خالقِ اکبر کی قسم   اب نہیں ضبط کا یارا ، اُٹھئے
بھیجئے حضرت فاروقؓ کو اب   دیجئے ہم کو دلاسا ، اُٹھئے

ورنہ اسلام چلا دُنیا سے   ہائے تاریک ہے دنیا اُٹھیے
بھیجئے حیدر کرار کو اب   کیجئے خود ہی مداوا ، اُٹھئے
بھیجئے خالدِ سیفُ اللہ کو   وقت اب آگیا اس کا اُٹھئے
التجا خیؔر کی ہے دل سے یہی
میرے مولا ! میرے داتا اٹھئے

(۲۶)

مجھے اِک حسیں مہہِ لقا چاہیے   مگر دلبر و دلربا چاہیے
مٹاؤ نہ یوں نامِ اہل وفا   تمھیں کچھ تو پاس وفا چاہیے
رُخ و زُلف کی یاد دل میں رہے   یہی شغل صبح و مسا چاہیے
اثر ہو نہ ہو اے بیانِ فراق   اُنہیں دردِ دل اب کہا چاہئے
محفل حسن صورت ہی دل کش نہیں   حسینوں میں ناز و ادا چاہیے
صبا اور شبنم سے کیا دل کھلے   اسے اور آب و ہوا چاہیے
کٹی عُمر عشقِ بتاں میں تمام   کچھ اب بھی تو یادِ خُدا چاہیے
مزا دے ہی جائے گا جورِ بُتاں   کچھ اپنے بھی دل میں مزا چاہیے
سُنا کرتے ہو روز تم داستاں   کبھی قصۂ غم سُنا چاہیے
مُبارک تمھیں خیؔر جور و ستم
مگر اس کی بھی انتہا چاہیے

(۲۷)

وہ دے یا نہ دے اِلتجا چاہیے   ہمیں اس سے کرنی دُعا چاہیے
مُجھے تُجھ سے کرنا دُعا چاہیے   تو کر جو تجھے یا خُدا چاہیے
اِدھر بھی عنایت ذرا چاہیے   کرم ہم پہ یا مُصطفا چاہیے
ملا آنکھ ساقی خُدا کے لیے   ہمیں بے خودی کا مزا چاہیے
بڑی سیر ہو گی چلیں سوئے طُور   ذرا لن ترانی سُنا چاہیے
اِن آنکھوں سے کیا کوئی دیکھے تُجھے   یہاں دیدۂ حق نُما چاہیے
نہ ہو اختیار اپنا دل پر مُجھے   نہ اتنا بھی جبر اب دیا چاہیے
اگر دل میں ہو کچھ ولائے نبیؐ   تو پھر وردِ یا مُصطفا چاہیے
شفاعت کے سرکار ہیں ذمہ دار   کہو اس سے اب بڑھ کے کیا چاہیے
سہارا ہے سرکار ہی کا مُجھے   مرا دھیان روزِ جزا چاہیے
رہو پانچ رنگوں کے پردے میں تُم   اِدھر بھی جھلک اک ذرا چاہیے
تمہارا بھی تھا کل وہاں ذکرِ خیر
تمھیں خیؔر اب اور کیا چاہیے

(۲۸)

جو تڑپ اُن کی قدم بوسی کی اپنے دل میں ہے
بے قراری ، اضطراری یہ کہاں بسمل میں ہے
ہے زبان پر اپنی وہ باتیں جو میرے دل میں ہے
جس کا اِک ساں ظاہر و باطن ہو وہ کامل میں ہے

عشق طوفاں خیز ہے یا بحرِ ناپیدا کنار
بیچ کی کس کو خبر، تھاہ اس کی کب ساحل میں ہے
تیر مژگاں ، خنجر ابرو کا میں قائل نہیں
بانکپن اور وُہ ادائیں جو مرے قاتل میں ہے
دیکھنا ہے، دل تڑپ اُٹھے گا دیکھو گے اگر
دیدنی ہے یہ تماشا جو تنِ بسمل میں ہے
مل چکا ہو پاؤں میں چکر جسے روزِ ازل
چین اس کو کب وطن میں اور کب منزل میں ہے

(۲۹)

نہیں پہچانتے تم کو یہ محفل دیکھنے والے
رُخِ لیلیٰ کو کیا دیکھیں گے محمل دیکھنے والے
وہ دریائے محبت میں قدم کب ڈال سکتے ہیں
جو کانپ اُٹھتے ہیں پہلے ہی سے ساحل دیکھنے والے
جو دل میں ہے زباں پر بھی وہی الفاظ جاری ہیں
سمجھتے ہیں اسے اِک مردِ کامل دیکھنے والے
تعجب ہے، تڑپ اُٹھتا نہیں کیوں اُن کا دل آخر
وہ زیرِ بام اپنے مجھ کو بسمل دیکھنے والے
بہت دُشوار ہے تیرا پتا پانا زمانے کو
وہ طالب ہی نہیں، اس کو جو مشکل دیکھنے والے

(۳۰)

دل کی لگی بُجھا دے اُو دل جلانے والے
آنا ادھر بھی اک دن جلوہ دکھانے والے
مٹھی میں کیا لیے ہو آنکھیں ذرا ملا تو
دکھلا دے چاند سا مُنہ اُو دل چُرانے والے
یہ صحبتیں یہاں کی وہ بیٹھنا بغل میں
گھر جا کے بھول جانا اُو دل ستانے والے
راتوں کو روز آنا پیاری ادا سے گانا
ہر بات پر ادا سے اُو مُسکرانے والے
جھڑتے ہیں پھول مُنہ سے باتوں میں کیا مزہ ہے
میٹھی ہیں تری باتیں ، باتیں بنانے والے
جاتے ہو خیر جاؤ لیکن یہ یاد رکھنا
ہے کوئی تم پہ شیدا اُو دل دکھانے والے
واقف نہ خیرؔ سے ہو لیکن یہ تم سمجھ لو
وہ تم پہ مٹ رہا ہے اُو دل دکھانے والے

(۳۱)

نظران قاتل آنکھوں پر پڑی ہے	قضا سے آج آنکھ اپنی لڑی ہے
خبر دیتی ہے چل بسنے کی مجھ کو	مری عمر رواں کی جو گھڑی ہے
نہ کاٹے کوہ تو کیوں کر کٹے عُمر	یہ آفت کوہ کن کے سر پڑی ہے
دھواں ہے چشمۂ حیواں پہ چھایا	کہ تیرے لب پہ مسّی کی دھڑی ہے
عصا مژگاں کا ٹیکے چشم بیمار	بڑے تیہے سے لڑنے کو کھڑی ہے
لگا لے اپنی باتوں میں نہ واعظ	کہ دُختِ رز ابھی الّھر بڑی ہے
کسی بے تاب کی آنکھوں میں ہے جان	کسی کو سرمے مسّی کی پڑی ہے
دھڑکتا ہے جو رہ رہ کر شبِ وصل	ترا ننّھا سا دل ''جیبی گھڑی'' ہے

جناب خیرؔ یہ شوخی سخن میں
طبیعت آپ کی چنچل بڑی ہے

(۳۲)

ملا دیتا ہے جو تُجھ سے وہ فیضانِ تصّوف ہے
یہ ہے ایمان کی ، ایمان ہی جانِ تصّوف ہے
لباس فقر میں کچھ ہیں بُرے بھی مانتا ہوں میں
مگر ہادی ہیں اوروں کے یہ احسانِ تصّوف ہے
تُجھے چاہے تُجھے ڈھونڈھے تجھے جانے تُجھے دیکھے
یہ معراج تصّوف ہے یہ ایمان تصّوف ہے

تجلّیاتِ انوارِ لطائف کو نہ کچھ پوچھو
منور جس سے عالم ہو چراغانِ تصّوف ہے
اسی کا ہو رہے آئے نہ ذکر غیر بھی لب پر
یہی حکمِ تصوف ہے یہ فرمانِ تصّوف ہے
سمجھ جاتا ہے تلبیس عدو کو صوفی صافی بھی
یہ فیضان تصوف ہے یہ وجدانِ تصوف ہے
خُدا کی راہ میں جو جان و مال اپنا لُٹاتا ہے
مجاہد ہی اکیلا مرد میدانِ تصّوف ہے
ہمیشہ غیر سے ترکِ موالات، اُس سے الفت ہو
یہی شانِ تصّوف ہے یہ فرمان تصّوف ہے
جُنید و شبلی و عطار جس منزل میں رہتے ہیں
حقیقت میں وہی اے خیرؔ ایوانِ تصّوف ہے

(۳۳)

تیری صورت تو وہ صورت ہے کہ حق شیدا ہے
تیری ہی ذات سے یہ کون و مکاں پیدا ہے
نور اول ہے ہمہ نور سراپا ہے نور
تجھ کو خالق ہی سمجھتا ہے کہ تو کیسا ہے
زُلف مشکیں ہے کہ ہے سایۂ رحمت ہم پر
یا یہی آیۂ واللیل اذا یغشیٰ ہے

سر ہے سرتاجِ نبوت سرِمو فرق نہیں
اس کو سرداری کا دعویٰ ہے بہت زیبا ہے
مانگ دونوں شب معراج کی حدِ فاصل
بات سیدھی سی یہ ہے راہِ شبِ اِسرا ہے
دیکھ پائے جو کوئی اُن کی منور وہ جبیں
اس کی تقدیر چمک اٹھے یہی لکھا ہے
دونوں ابروؤں کو دو مصرعۂ موزوں سمجھو
بیت نبوی کے یہ محراب ہیں کیا زیبا ہے
دونوں آنکھیں ہیں کہ دو صاد ہیں ان مصرعوں پر
ہے یہی آنکھ جو ، آنکھوں کا مری تارا ہے
رُخِ پُر نور کے لائق نہیں تشبیہ کوئی
مختصر یہ ہے کہ اک نور یہ اللہ کا ہے
حوضِ کوثر کی صُراحی ہے بیاضِ گردن
یا کوئی کوثر و تسنیم پہ پُل باندھا ہے
سینہ گنجینۂ اسرارِ خداوندی ہے
یا بڑے جوش پہ عرفان کا اِک دریا ہے
آپ کا جسم ہے اے خیرؔ کہ ہے نور ہی نور
یا قیامت ہے کھڑی یا کہ قدِ رعنا ہے

(۳۴)

گھبرا اٹھی ہے خلق تری مشقِ ناز سے — اب بھی تو کام لے تو ذرا امتیاز سے
ہم پر ستم ہو شوق سے لیکن نہیں پسند — تم کو جو واسطہ ہو کسی سازباز سے
کس کی بنی رہی ہے زمانے میں ایک طرح — ہُشیار زندگی کے نشیب و فراز سے
سُلطان ہو، مَلکِ ہو، شہہِ کج کلاہ ہو — خالی نہیں ہے کوئی بشر حرص و آز سے
ترکوں کی طرح کیجیے حکومت عرب پہ آپ — اتنی ہی عرض ہے مری شاہِ حجاز سے
کچھ ہو گیا ہے اس پہ حقیقت کا انکشاف — رکھتا ہے ربط ضبط وہ اپنے مجاز سے
معراجِ زندگی ہے یہی کوئی کُچھ کہے — دل کو جو صرف کام ہے سوز و گداز سے
اسلام کو عرب کو فتن سے بچایئے — یہ روز و شب دُعا ہے مری بے نیاز سے
بن جائیں سارے کام بہ حُکم خُدائے پاک
اے خیرؔ تم کو ہو جو محبت نماز سے

(۳۵)

میں نے تو دیکھی ہیں ساقی کی گلابی آنکھیں — مئے گلفام نگاہوں میں کہاں جچتی ہے
پیٹ کے ہلکے عدو سے نہ کہو راز اپنا — پیٹ میں اس کے کوئی بات کہاں پچتی ہے
مست ہو جاتا ہے خود ساقی مہہ وش سنکر — دھوم مئے خانہ میں ہاں لاؤ کی جب مچتی ہے
آئے اب لال پری عیش محل کی، ساقی — ایسی ویسی کہاں آنکھوں میں مری جچتی ہے
ان کی آں میں ستھرائی سے ستھراؤ کیا — ریف کی تیغ سے کیا فوج عدو بچتی ہے
تین تیرہ ہوئے تثلیث کے ہر حملہ میں — دُھوم ایک نعرۂ توحید کی یوں مچتی ہے
خون روتا ہے وہاں اپنی شکستوں پہ فرانس — ریف کی تیغ میں ہاں خوب حنا رچتی ہے
خیرؔ مئے خانہ کا آج صفایا تو سند
مُجھ بلانوش سے اک بوند بھی کب بچتی ہے

(۳۶)

ساقیا دے جام عِرفانی مُجھے
آج ہے کچھ کیف وجدانی مُجھے

شُکر ہے، ہوں اس کی راہِ راست پر
جس نے بخشا نورِ ایمانی مُجھے

شش جہت سے کوئی نکلے کس طرح
سب نظر آتے ہیں زندانی مُجھے

کیوں کسی کے عیش وعشرت پر ہو رشک
یاں بھی ہے غم کی فراوانی مُجھے

یاد پھر آتی ہے وہ زُلفِ سیاہ
پھر ستاتی ہے پریشانی مُجھے

قوم ہی اپنی نہیں قابو میں ہے
اس پہ ہے شوقِ جہانبانی مُجھے

جب نہیں انساں میں کچھ انسانیت
کیوں ملی یہ شکل انسانی مُجھے

بات کل کی بھی نہیں رہتی ہے یاد
ہے ضعیفی میں یہ نِسیانی مُجھے

وہ نہ صحبت ہے نہ وہ احباب ہیں
اب نہیں بھاتی غزل خوانی مُجھے

خیؔر مجھ کو کچھ نہیں درکار ہے
چاہئے بس فضلِ رحمانی مجھے

(۳۷)

مُسلم ہو جہاں بس وہ دیارِ رَمضاں ہے
مُسلم بھی دل وجاں سے نثارِ رَمضاں ہے

حُرمت رَمضاں کی ہے کہ دن بھر نہیں کھاتے
دیکھیے کوئی کیا شان وقارِ رَمضاں ہے

کیا شام سُہانی ہے کہ ہے صبح کو بھی رشک
و اللہ عجب لیل و نہارِ رمضاں ہے

افطار کے سامان، اذان پر وہ لگے کان
کیا تم سے کہیں کیسی بہارِ رمضاں ہے

(۳۸)

مرے صاحبِ ھل اتیٰ کملی والے
مرے مُصطفےٰ مُجتبیٰ کملی والے

دکھا دو ہمیں چاند سا اپنا مُکھڑا
مرے صاحب وَالضُّحیٰ کملی والے

کہوں شاہِ لولاک کیا حال اپنا
ہے روشن مرا مُدّعا کملی والے

کہاں تک میں تڑپوں کہاں تک میں ترسوں
مجھے اپنا جلوہ دکھا کملی والے

کسی طرح کٹ جائے یہ روزِ ہجراں
مرے شاہِ بدرالدُّجیٰ کملی والے

تمہیں پیشوا ہو تمہیں رہنما ہو
ہمارے رسولِ خُدا کملی والے

خُدا کے لیے خیؔر کی بھی سُنو کچھ
ہماری یہ ہے التجا کملی والے

(۳۹)

طلب اس کی اگر ہو، پہلے ترکِ آرزو کر لے
خیالِ غیر سے اول تو دل کی شست وشو کر لے

وصالِ یار ہے اِک نقطۂ موہوم اقلیدس
پھر اس کی آرزو کیا؟ اس سے قطع آرزو کر لے

وہ تیری لَن' ترانی سُننے والے دوسرے ہوں گے
ذرا اُو طُور والے ہم سے بھی تو گفتگو کر لے

عبث کیوں چھانتا ہے خاک مجنوں کوہ وصحرا کی
ذرا اپنے ہی گھر میں اس کی پہلے جستجو کر لے

حُصولِ حُریّت بھی اِک عبادت ہی ہے، بے شبہہ
جو ہوں جاں باز پہلے آبِ خنجر سے وضو کر لے

دل صد چاک ہی مجھ کو ہے منظور اگر رہنا
تو اپنے سوزنِ مژگاں سے تو اس کو رفو کر لے
پسِ دیوار ہو کوئی ، نہ آئے رازِ دل لب تک
زباں تک آنے سے پہلے نظر تو چار سُو کر لے

(۴۰)

فلسفی سچ سچ بتا دے مُجھے ایمان سے
ہے تعلق جان کو یا جسم کو ہے جان سے
تم فقیروں کی بھی ہوتی ہے بس اک شان سے
ہے گدا ہی سے نہ کچھ مطلب نہ کچھ سُلطان سے
چل رہا ہے دور کیا شمس و قمر کا رات دن
آسماں پر ہو رہی ہے میکشی کس شان سے
حُسن والوں کی یونہی ہو جائے ارزانی یہاں
مال سستا آرہا ہے جس طرح جاپان سے
یہ شرف اتنا شرف تا عرش جا پہنچے قدم
حق تو یہ ہے، جو نہ ہو تھوڑا ہے وہ انسان سے
سر جُھکاتا ہے ہر نقش قدم پر یار کے
حد پرستاری کی بڑھتی جاتی ہے ایمان سے
دل ہے کیا شئے جان تک حاضر ہے اے جان جہاں
مُنصفی سے تم ہی کہہ دو بڑھ کے ہے کیا جان سے

زندگی کا راز تو سیلان دم میں ہے نہاں
زندگی کی ہے یہ لالی خون کے دوران سے

(۴۱)

کسی کو ڈھونڈھ رہا دل ہے اِک زمانے سے
وہ آبھی جاتے الٰہی کسی بہانے سے
نہ کیوں ہو شوق مجھے عشق کے فسانے سے
کہ جوش آتا ہے دل میں اسی بہانے سے
جلایا طُور کو ، ایمن کو ، جس بہانے سے
وہی تھا فائدہ میرا بھی دل جلانے سے
قفس کی تیلیاں کانٹوں سے کم نہیں صیّاد
وہ سیر کیا ہوئی پھولوں کی، آشیانے سے
لگاتے آگ کچھ ایسی کہ حشر تک جلتی
جو طُور جل کے بُجھا ، کیا ہوا جلانے سے
وہ نکلیں خواہ نہ نکلیں بُلائیں یا نہ بُلائیں
غریب آس لگائے ہیں اِک زمانے سے
کبھی نہ تم سے چراغ شب فراق جلا
تو بات کیا ہوئی اِک طور کے جلانے سے
بُرا سمجھتی ہے ان کی نگاہ غارت گر
وہ چوکتی ہے کہیں پھر بھی دل چُرانے سے

بنایا خارِ چمن ہی کی تیلیوں سے قفس
یہاں بھی لطف نہیں کم ہے آشیانے سے
رہینِ منتِ صیاد میں قفس میں نہیں
کہ دامن اپنا بھرا اشک کے ہے دانے سے
لگی ہے لَو مرے جی کو یہ کیسی ، کیا جانے
سمجھ میں بات کچھ آتی نہیں ٹھکانے سے
ہمیں کو اپنے یہاں تم کبھی بُلا لیتے
ہمارے گھر تو تمھیں آن ہی ہے آنے سے
لگائے بیٹھے ہیں آس ایک ٹکٹکی ہے لگی
نہ توڑو آس مری اِک جھلک دکھانے سے
جلا جو دل تو ہوا رات کو اجالا گھر
کرم تمہارا ہوا میرا جی جلانے سے
حریمِ ناز کا اُن کے سُراغ تک نہ ملا
اگرچہ ڈھونڈھ رہا ہے دل اِک زمانے سے
تمہارے تیرِ نظر کے دل و جگر قرباں
یہ دو شکار ہوئے ایک ہی نشانے سے
زمانہ ساتھ تمہارا نہ دے بلا سے نہ دے
نہ خیؔر پھیریئے مُنہ آپ بھی زمانے سے

(۴۲)

میں باز آیا ترے خُلد کے فسانے سے
بہل سکے گا مرا دل نہ اس بہانے سے
عدو کے سامنے یوں ہم پہ مُسکرانے سے
غرض ہے دل پہ مرے بجلیاں گرانے سے
تڑپتے ہی تری گذرے گی زندگی اے برق
جلا اگر کوئی تنکا اس آشیانے سے
خزاں کا دور ہے صیاد تیری تاک میں ہے
نکل کے دیکھ فضا اپنے آشیانے سے
نہ پوچھ مُجھ سے مرے داغِ دل کی کیفیت
نہ مٹ سکے نہ مٹے گا کبھی مٹانے سے
یہ انقلاب بھی نیرنگئِ زمانہ ہے
خُدا پناہ میں رکھے نئے زمانے سے
سُنا تھا تم نے جو سازِ الست روزِ ازل
جگاؤ قوم کو اپنی اُسی ترانے سے
مجاز ہی میں ہیں اسرارِ عشق کے پنہاں
ملے گی تُجھ کو حقیقت اسی فسانے سے
جو کوہ طُور جلایا تو کیا ہوا حاصل
ملے گا کچھ تمہیں کیا میرا دل جلانے سے
جُھکی رہے گی ترے در پہ یہ جبینِ نیاز
نہ سر اٹھے گا کبھی تیرے آستانے سے
تم آزماؤ ہمیں کو عدو کو جانچ چکے
اب اس کو فائدہ کیا ہے پھر آزمانے سے
قفس میں تیلیاں شاید ہیں خارِ گلشن کی
جو یوں ہے اُنس مجھے اپنے قید خانے سے
نہیں ہے کوئی ٹھکانا گنہہ گاروں کا
اب اُٹھ کے جائیں کہاں تیرے آستانے سے
اُلجھ رہا ہے یہاں اپنا انتظار میں دم
انہیں ہے شغل وہاں آئینے سے شانے سے
یہ ہم نے مان لیا ہے خطا ہماری ہے
خُدا کو مانیئے مَن جایئے منانے سے
سُنا ہے تم نے تو بلبل ہزار داستاں کو
ملا لو اس کے فسانے کو اس فسانے سے

دیوانِ دوّم

لمعاتِ خیر

۱۳۵۱ھ

ردیف: الف

نظم میلاد شریف

(۱)

وجد میں ناچو کہ اپنا شاہِ دیں پیدا ہوا   ہاں مناؤ عید کہ ماہِ مُبیں پیدا ہوا
جگمگا اٹھی ہے دُنیا جس کی اِک جلوے سے آج   وہ سراپا نور وہ شاہِ حسین پیدا ہوا
اپنے آقا پر پڑھو اب سو درود و سو سلام
خیرؔ اپنا وہ شفیعِ مذنبیں پیدا ہوا

(۲)

اپنے سرکار پر دُرُود و سلام   اپنے سردار پر دُرُود و سلام
عاشقو ! دم نہ لو خُدا کے لئے   بھیجو اس یار پر دُرُود و سلام
گُلِ صلوٰۃ ہو نثاران پر   اُن کے رُخسار پر دُرُود و سلام
سرِ اقدس پہ لاکھ بار دُرُود   اُن کے دستار پر دُرُود و سلام
ہے وسیلہ نجات کا یہ خیرؔ
بھیجو سرکار پر دُرُود و سلام

(۳)

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا نبی العالمین   یا شفیع المُذنبین
یا امام المتقین   یا رسول المصلحین

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
اے گنہہ گاروں کے والی   اے سیہ کاروں کے ہادی
اے مریضِ غم کے شافی   اے مئے اطہر کے ساقی
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
اے سراپا مہر و الفت   عاصیوں پر رحم و رحمت
بے کسوں پر ظلِ شفقت   ناکسوں پر صد عنایت
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
آپ ہیں ہم سب کے مولا   آپ ہیں ہم سب کے داتا
آپ ہیں فیاض آقا   بے نواؤں کے سہارا
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
ہے لگی یہ آس ہم کو   اب بُلا لیں پاس ہم کو
ہے یہی وسواس ہم کو   کیوں ملی بَن باس ہم کو
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
دیکھئے امّت کی حالت   ہو رہی ہے اب یہ غارت
حد کو پہنچی ہے شقاوت   کیجیے اس پر عنایت
یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک

مُناجات

(۴)

یا خُدا واسطہ خدائی کا   واسطہ اپنی کبریائی کا
اپنی رحمت کا واسطہ تُجھ کو   اپنی شفقت کا واسطہ تُجھ کو
واسطہ مرقدِ جناب رسُول   واسطہ عصمتِ جناب بتول
رحم کر مسلموں کی حالت پر   اُن کے افلاس ان کی نکبت پر
دور رنج و ملال کر اُن کا   اب تو مولیٰ خیال کر اُن کا
حد کو پہونچی ہے ذلّت و خواری   رحم کر ہم پہ خالق باری
خؔیر ہنستے ہیں میری حالت پر
طعنہ زن ہیں مری جہالت پر

(۵)

کھول دو جوڑے کو وقتِ مے کشی   خوب ایسے میں مزا دے گی گھٹا
کیا تری زلفوں کا سایہ پڑ گیا   آج پھرتی ہے جو دیوانی گھٹا
بزم میں رُکنے نہ پائے دورِ جام   مئے چلے جب تک رہے ساقی گھٹا
ہوگیا بارش سے دربھنگہ تباہ   نوح کے طوفاں کی ہے نانی گھٹا
کھیتیاں ڈوبیں، رہی اِک آرزو   پھیر دے تو اس پہ بھی پانی گھٹا
ساری دُنیا کو ڈبو دے ایک بار   ہے اسی میں تجھ کو آسانی گھٹا
تار بارش کا بندھا ہے رات دن   برسے ہی جاتی ہے من مانی گھٹا
خؔیر دیکھو بے پیئے مستوں کی طرح
جھومتی پھرتی ہے مدھ ماتی گھٹا

(۶)

آرہی ہے شمیم کیا کہنا   پھر چلی ہے نسیم کیا کہنا
کر دیا ناک میں فرانس کا دم   واہ عبدالکریم کیا کہنا
کملی والوں کے کوئی دیکھو جوش   تیرے صدقے کلیم کیا کہنا
ریف کے فَیر کا جواب نہیں   ہوئے اعداد و نیم کیا کہنا
کوہ ہیں ہر محاذ پر ریفی   ہیں یہ دینی حریم کیا کہنا
ریفی لاکھوں سے بھی نہیں ڈرتے   کِس کا ڈر کس کا بیم کیا کہنا
خؔیر ہے عکس ریفِ جان لو تم
واہ ریفی زعیم کیا کہنا

(۷)

ارے جرمن اب اس سے بڑھ کے اچھا کام کیا ہوگا
بتاؤ صلح سے بہتر کوئی پیغام کیا ہوگا
کروڑوں آدمی کے خون کا انجام کیا ہوگا
ارے ظالم سمجھ تو اس میں تیرا نام کیا ہوگا
بُہت ہی بڑھ گئی ہیں اب ضدیں جرمن کے قیصر کی
بھلا یہ مست ہاتھی اب کسی سے رام کیا ہوگا
نہ لڑ بہرِ خُدا تو اتّحادی فوج سے ہرگز
ارے نادان تو آخر میں اب ناکام کیا ہوگا
بہت سر مستیاں کیں دیکھ ہے ساغر چھلکنے کو
ہمیں ڈر ہے کہ خالی ہاتھ میں اب جام کیا ہوگا
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے نیرنگی زمانے کی
ذرا تو ہی بتا اے چرخ نیلی فام کیا ہو گا

(۸)

اب لیگ کے بھی دستِ مُبارک میں ہے ڈنڈا   اُڑتا ہے کدھر آپ کی نخوت کا وہ جھنڈا
تھے کانگرسی چند کرائے کے جو مُسلم   اُن کا بھی وہ بازار نظر آتا ہے ٹھنڈا
امید نہیں ہے کوئی بچّا بھی نکالے   اب کانگرس بیٹھی کھٹکتی رہے انڈا
یہ کانگرس ہے کہ ہے پھوٹا ہوا اک ڈھول   ثابت ہوا نا قابل ترمیم یہ کھنڈا
جو اہلِ نظر ہیں وہ اسے دیکھ ہی لیں گے
اب پھوٹ ہی جاتا ہے کوئی دن میں یہ بھنڈا

ردیف: ت

(۱)

اب کی واللہ ہے برساتوں کی نانی برسات   بلکہ ہے نُوح کے طوفان کی ثانی برسات
بوڑھے کہتے ہیں ادھر ہوتی تھی کانی برسات   اب کی برسات ہے البتہ پُرانی برسات
دن کو رہتا ہی ہے اِک شورِ قیامت برپا   رات کو بھی کہے جاتی ہے کہانی برسات
کیچڑوں سے تو گھن آتی ہے جدھر رُخ کیجے   کون کہتا ہے کہ ہوتی ہے سُہانی برسات
نہ وہ بجلی کی کڑک ہے نہ وہ بادل کی گرج   ایک زنّاٹے سے برساتی ہے پانی برسات
اڑا اڑا کے گرے جاتے ہیں غریبوں کے مکان   ہاں رہے گی یہ تیری یادنشانی برسات
ہر نچھتّر ترا راجہ ہے برسنے میں آج   اب کے تو خوب بنی بیٹھی ہے رانی برسات
کھیتیاں غرق ہوئیں کوئی سہارا نہ رہا   اپنی امیدوں پر اب پھر گیا پانی برسات

گھر گرے مال گئے، جان گئی کچھ نہ بچا   سارے آفات کی ہے اک تو ہی بانی برسات
لاکھ ہو زور ترا ہو تہہ و بالا عالم   میرے ہی گھر میں ترا مرتا ہے پانی برسات
موسلا دھار برستے ہوئے دیکھا اب کے   سر سے اونچا ہوا اب اپنے یہ پانی برسات
پٹنہ میں اس نے مچا رکھی ہے چھیچھا لیدر   وہ کچا ہند کہ ہر کس ہے فغانی برسات
خیر کے دیدۂ ترسے تو نہیں بڑھ سکتی
آ مقابل میں، یہی ہم نے ہے ٹھانی برسات

(۲)

اندھڑا ہے کہ طوفاں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ   چھت اڑانے کا امکاں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
لاحول کا دشمن ہو یا کوئی مُخالف ہو   وہ ایک ہی طوفاں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
جو مُنہ کو تھوتھائے ہو زاہد کی طرح ہر دم   وہ بھی کوئی انساں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
لیڈر ہی جو لڑتے ہوں پبلک کا کیا کہنا   سوراج کیا آساں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
اخلاص و محبت ہے اِک لفظ کتابوں میں   اس کا یہاں فقداں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
ہم دوست کو دشمن کو اب تک نہیں پہچانا   اپنا یہی عرفاں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
سُنّی کی وہابی کی ہے جنگ یہاں جاری   یہ دہن کا ساماں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ
کیوں خیر پہ دھرتے ہو الزامِ ریاکاری
اس پر تو یہ بہتاں ہے لاحولَ وَلاَ قُوۃ

(۳)

دن اگر ہے زندگی تو شام موت — ہے ہر اک ذی روح کا انجام موت
آج کے سوئے اٹھیں گے حشر میں — ایک گہری نیند کا ہے نام موت
کیا بگڑتا تھا تیرا حیدؔر بغیر — ہائے او سفاک او خود کام موت
تم تو ہنستے ہوگے اے حیدر وہاں — ہے یہاں رونا تمھیں انعام موت
کچھ تو اے بیداد اپنے دل میں سوچ — کیوں تجھے کرتے ہیں سب بدنام موت
بچّے بوڑھے کی نہیں اس کو تمیز — آئے دن ہوتی ہے بے ہنگام موت

(۴)

ہے اب اس سال کی بالکل ہی دِوانی برسات — کہیں خشکی، کہیں برساتی ہے پانی برسات
کہیں بارش کہیں پانی ہے کہیں اندھا دھند — ہے عجب طرح کی اس سال کی کانی برسات
ہاں مکئی کے لیے ہوتا ہے مُوافق پانی — یا یہ کہئے کہ یہ ہے بُھٹّوں کی نانی برسات
میرے تُرہت میں ہے پانی کی مچی واویلا — ہے یہ برسات کوئی یا ہے فغانی برسات
بادل آتے ہیں کسانوں کو تسلّی دینے — کہتی بادل کے گرج سے ہے کہانی برسات
موسلا دھار وہ بارش وہ کئی دن کی جھڑی — یاد آتی ہے مجھے آج پُرانی برسات
وہ نہ بجلی کی چمک ہے نہ وہ بادل کی گرج — دُھوپ سے کرتی ہے کیا نور فشانی برسات
فُرقتِ یار میں آنکھوں سے ہے سیلاب رواں — سامنے اس کے بھرا کرتی ہے پانی برسات

(۵)

کھولیے آنکھ ذرا دیکھئے شانِ فطرت — کیسا معمور ہے' اللہ! جہانِ فطرت
ذرّہ ذرّہ سے عیاں ہوتی ہے شانِ فطرت — ہر رگِ گُل سے نمایاں ہے نشانِ فطرت
ہے یہ فطرت کا تقاضا کہ ہر اِک اہلِ نظر — دیکھے ہر شان کو اور سمجھے لسانِ فطرت

اس کی مٹھی میں ہے یہ سارا نظامِ عالم — اللہ اللہ ہے کیا تاب و توانِ فطرت
دن ہوا رات ہوئی، صبح ہوئی شام ہوئی — ہیں لگے کام میں سب کارکنانِ فطرت
بہرہ اندوز ہو غافل یہ غنیمت ہے وقت — خوانِ یغما ہے، بچھا ہے خوانِ فطرت
سُن ذرا غور سے سُن دیکھ ذرا غور سے دیکھ — پتّا پتّا ہے درختوں کا زبانِ فطرت
جس نے سمجھا ہے اُسے اور جو سمجھے گا اُسے — اس کے قبضے میں ہے اور ہوگی عنانِ فطرت
آنکھ والا ہو تو دیکھے، جسے دل ہو سمجھے — ذرّہ ذرّہ ہے اس عالم کا بیانِ فطرت
جو کہ فطرت کے قوانین کی حد سمجھے ہیں — خود ہیں دھوکے میں، نہیں حدو کرانِ فطرت
نُطقِ انساں سے نہیں بڑھ کے کوئی چیز عزیز — اس کو اعجاز کہیں یا کہیں جانِ فطرت

وقت اب آگیا ہوشیار ہو غافل ہُشیار
سُن ہر اِک سمت سے آتی ہے اذانِ فطرت

ردیف : ٹ

(۱)

آپ کا تھا اس دلِ ویران میں گھر، سچ ہے کہ جُھوٹ
تھی کبھی ہم پر بھی اُلفت کی نظر، سچ ہے کہ جُھوٹ
دل سے پہونچا کرتی تھی دل کو خبر، سچ ہے کہ جُھوٹ
سُنتے ہیں نالوں میں ہوتا ہے اثر سچ ہے کہ جُھوٹ
دن کو تھی کوچہ نوردی مُجھ کو، تو سنتے یہ تھے
چونک چونک اٹھتے تھے تم بھی رات بھر سچ ہے کہ جُھوٹ
جھوٹے وعدوں سے بھی ہوتی تھی کبھی تسکینِ دل
تھم بھی جاتا تھا کبھی دردِ جگر، سچ ہے کہ جُھوٹ

اُو دلِ سرکش تو ہے بھُولا ہوا کس بات پر
تھا ازل میں کوئی وعدہ یادکر سچ ہے کہ جُھوٹ
پوچھنا بھی چاہتا ہوں پوچھتے ڈرتا بھی ہوں
تھے کسی کے بام پر تم مُنتظر سچ ہے کہ جُھوٹ
اب تو آنکھیں بند ہیں ہاں اک زمانہ وہ بھی تھا
تھی کسی کی خاکِ درکحل البصر سچ ہے کہ جُھوٹ
لے کے خود بارِ امانت اور پھر دل ہارنا
تارِ برقی ہے ترا تارِ نظر سچ ہے کہ جُھوٹ
آنکھوں کی گردش سے کیا کہہ جاتے ہومطلب کی بات
تم سے تو بہتر کہیں ہے جانور سچ ہے کہ جُھوٹ
دل یہ کس کا ذکر کرتا ہے جو تم دل میں نہیں
ہم تو کہتے ہیں تمھیں ہو جلوہ گر سچ ہے کہ جُھوٹ
اپنے مُنہ سے پھر بھی ہاں کہہ دوتمھیں میری قسم
خط میں ہاں وعدہ تو لکھا ہے مگر سچ ہے کہ جُھوٹ
لن ترانی جو سناتے ہو کوئی ہے اس میں راز
ہم تو دیکھ آئے تھے بام عرش پر سچ ہے کہ جُھوٹ
تم کو سب معلوم ہے کیا پوچھتے ہو حالِ دل
دیکھتے ہیں دل ہی کو اہلِ نظر سچ ہے کہ جُھوٹ
خیؔر نے سُنتے ہیں کر لی بیعتِ پیرِ مغاں
اُن کی مئے خواری میں ہوتی ہے بسر سچ ہے کہ جُھوٹ
خیؔر کو اب کوئی دیکھے وہ نہیں اب ان کا رنگ
ان کی تنہائی میں ہوتی ہے بسر سچ ہے کہ جھوٹ

ردیف :ج

(۱)

ہر کام ہر سخن کو کرنا ہے مدام خارج
وردِ زباں ہے ان کو تو صبح و شام خارج
میری وفا کو ناحق تم کیوں مٹا رہے ہو
اچھا یہی ہے کر دیں میرا وہ نام خارج
اپنے اصول سے میں ٹلتا نہیں ہوں ہرگز
امکان ہی نہیں ہے پڑ جائے گام خارج
آنکھیں نہیں ملاتے باتیں نہیں وہ کرتے
کرتے ہیں مُنہ تھوتھائے سب کا سلام خارج
دل کا معاملہ میں کرتا ہوں اِک نگہہ پر
اس لین دین میں ہے اب دام کام خارج
زاہد کے سر پہ گہری سی پڑ گئی ہے شاید
دیکھو وہ ہو رہا ہے اس کا زکام خارج
میں کیا ہوں خیؔر اس کو کیا خاک کوئی سمجھے
فکر و گماں سے ہے میرا مقام خارج

ردیف:خ

(۱)

ہمارے یاروں نے دیکھا مہا سبھا کا رُخ
پھراس کے مشوروں اوراس کی ہر کتھا کا رُخ
غضب کا ہے جو یہ تیور تو ہے بلا کا رُخ
ہمیں سمجھتے ہیں ظالم تری جفا کا رُخ
وہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کے پیدا کریں جفا کا رُخ
وفا کے بندے ہیں ہم، ہے ادھر وفا کا رُخ
مزے کا اور بڑے ہی مزے کا تھا وہ سندیس
وہ ڈاکٹر کا منجھا ہاتھ وہ بلا کا رُخ
سنائی ایکٹروں نے سب اپنی من مانی
ہر ایک لَے میں تھا مضمر مری فنا کا رُخ
ہمیں ملا وہاں اندر سبھا کا لطف کہ تھا
پری کا دیوی کا اسٹیج پر بلا کا رُخ
تم اتحاد کو چاٹا کرو مسلمانو!
تمھیں قسم ہے جو دیکھو ذرا ہوا کا رُخ

برس پڑیں گے کوئی دم میں یہ سیہ باطن   ابھی سے دیکھ رہے ہیں ہم اس گھٹا کا رُخ
مٹاؤ ہم کو کہ ہم مٹنے ہی کے قابل ہیں   مگر فنا میں ہے مضمر مری بقا کا رُخ
تمام رات وہ رو رو کے التجائیں کیں   نہ جن میں نام کو بھی تھا کہیں ریا کا رُخ
مگر اثر کسے کہتے ہیں یہ نہیں معلوم
جناب خیرؔ بدل ڈالئے دعا کا رُخ

ردیف: د

(۱)

چونک اُٹھیں گے مری تکبیر سے خانِ سرحد   یہ بیان مرا نہیں ہے یہ اذانِ سرحد
دل کی تخئیل سے ڈرتا ہوں لکھوں کیا اس کو   جوش میں آ نہ کہیں جائے جوانِ سرحد
مردِ میداں جسے کہتے ہیں وہ سرحد کے ہیں مرد   اُن کی جراُت ہی بتاتی ہے نشانِ سرحد
قلعہ کہیئے اسے یا حصنِ حصینِ اسلام   شان رکھتا ہے عجب شان مکانِ سرحد
سرحدی دوست کو چھیڑے نہ کوئی یاد رہے   کس کا جگرا ہے سُنے گا جو فغانِ سرحد
کس میں دم خم ہے کہ ان سرحدیوں کو ٹوکے   مُنتقم اس کا ہے ہر تیر و کمانِ سرحد
بات کے ہیں یہ دھنی دل کے غنی کیا کہنا
تیرے قربان نہ کیوں ہم ہوں زبانِ سرحد

(۲)

کہہ دیتے ہیں کہ اچھی نہیں بے کار کی ضِد   بُری ہوتی ہے مری جان یہ ہر بار کی ضِد
بات اچھی ہو تو ہر شخص کہے گا اچھا   بُری ہوتی ہے ہر اک بات پہ بیکار کی ضِد
ناقص الرائے کی ہٹ تو نہیں مانی جاتی   پُوری ہوتے ہوئے دیکھی کبھی بیمار کی ضِد
دوستی کے نہیں قابل ہے وہ انسان کبھی   جس کو ہوتی ہے کسی راز کے اظہار کی ضِد
بچپنے میں ہی رہے بچّوں کے اصلاح کا دھیان   آگے چل کر بُری ہو جاتی ہے یہ پیار کی ضِد
ضِد بہر حال بُری ہے وہ کسی کی بھی ہو
ہاں مگر خیرؔ مرے یار وفادار کی ضِد

(۳)

ہر دم ہے خیالِ صفِ مژگانِ محمدؐ   دل ہے وہی جس میں چُھبے پیکانِ محمدؐ
زاہد ہمیں کیوں ناز نہ ہو اپنی بدی پر   الطّالح لِی یاد ہے فرمانِ محمدؐ
پوچھ اُٹھے گا خود داورِ محشر کہ ہیں یہ کون   اس شان سے پہونچیں گے غلامانِ محمدؐ
اِک نور سا چھا جاتا ہے عُشّاق کے دل پر   کُھلتے ہیں تبسُّم میں جو دندانِ محمدؐ
کیا مرتبۂ پاک کا اِدراک ہو ہم کو   اللہ کو معلوم ہے کچھ شانِ محمدؐ
اس شاہ کا تھا تخت کھجوروں کی چٹائی   کاشانہ تھا پھر تھا وہی ایوانِ محمدؐ
محشر میں تمہیں خیرؔ بس اتنا ہی رہے دھیان
چھوٹے نہ کبھی ہاتھ سے دامانِ محمدؐ

(۴)

مالک ہو مرے دل کے مری جان محمدؐ — ایمان کی یہ ہے کہ ہو ایمان محمدؐ
شرمیلی نگاہوں نے مرا موہ لیا دِل — دل لینے کو تم رکھتے ہو سامان محمدؐ
ہر چال سے پتا ہے تمہاری دلِ شیدا — تم میں ہے عجب شان عجب آن محمدؐ
تم بادشہہ حسن ہو ، اخلاق مجسّم — پھر کیوں نہ کہیں تُم ہو مری جان محمدؐ
ہم ایسے غریبوں سے جو ملتے ہو کرم ہے — ہم پر ہیں تمہارے بہت احسان محمدؐ
سنتے ہیں حسینوں میں نہیں ہوتی مروّت — تم میں تو ہے اخلاق کی ہر شان محمدؐ
وعدہ ہے شفاعت کا یہ اخلاص کی حد ہے — ہم دب گئے اتنے ہوئے احسان محمدؐ
ہاں اپنے گرفتار کی بھی یاد کبھی ہو
ہاں خیؔر کی جانب بھی ہو فرمانِ محمدؐ

(۵)

جہاں ہیں حضرت صادقؔ وہیں ہے سچّی عید — وہاں کی عید تو ہے دھوم دھام ہی کی عید
کلیدِ مے کدہ جن کے لئے ہے عید کا چاند — ہے اُن کے واسطے گویا یہ جام ہی کی عید
چلے ہیں بن کے سنور کے وہ گھر سے مسجد کو — ہے آج باقر و اصغر سلام ہی کی عید
منائی لاڈلے صاحب نے عید گھر اپنے — پسند اُن کو تو ہے سہسرام ہی کی عید

اگست ۱۹۴۷ کو جب ہندوستان اور پاکستان کو آزادی ملی اور عید کا پہلا موقع آیا تو میں نے اپنے بچّوں کو یہ عید کارڈ لکھا۔ وَھُوَ ھٰذا:

(۶)

خوشی ہے عام کہ ہے عوام ہی کی عید — ہمارے واسطے گویا ہے نام ہی کی عید
خوشی نہ کیوں ہو کہ ہے یہ صیام ہی کی عید — ہماری عید ہے بیت الحرام ہی کی عید
خوشی ہے اپنی خطابت پر اُن خطیبوں کو — مُبارک آپ کو ہوگی امام ہی کی عید
کسی طرح تو فریضہ ادا ہوا آخر — یہی تھی اپنی قعود و قیام ہی کی عید
بہار کو تو میسّر کہاں ہے پاکستان — بہاریوں کو ہے گویا غلام ہی کی عید
جو بال بچّے نہ ہوں پاس تو خوشی کیسی — ہیں دونوں ایک بعید و مقام ہی کی عید
خطوں سے ملتے ہیں ہم عید اپنے بچّوں سے — یہ کوئی عید ہے یا ہے پیام ہی کی عید
نہ میرے پاس حَسن ہیں نہیں حُسین یہاں — بغیر اُن کے ہے گویا حرام ہی کی عید
حسن حسین تو سُندر نگر میں بیٹھے ہیں — وہاں کی عید ہے اک دھوم دھام ہی کی عید
حسن تو چلتے ہیں سندر نگر میں اٹھلا کر — تمہیں ہے خیؔر یہ رشکِ خرام ہی کی عید
ہیں دور احمد و ناظم محمد و اعلیٰ — گلے تو مل نہ سکے ہے سلام ہی کی عید
حسن حسین سلامت رہیں دُعا یہ ہے
منائیں اسّی (۸۰) برس تک قیام ہی کی عید

(۱)

کوثر ہے یہ تسنیم ہے یہ زمزم ہے کیتھاہی پوکھر
ہے خُلد سے ملتی نہر اس کی اعظم ہے کیتھاہی پوکھر
اِک شان نرالی رکھتی ہے ، اعظم ہیکیتھاہی پوکھر
سب پوکھر سے یہ افضل ہے اکرم ہے کیتھاہی پوکھر
پانی میں ڈالوں پاؤں اگر، آئے گی دُلہن کی ایک صدا
پازیب کی آواز اس میں ہے چھم چھم ہے کیتھاہی پوکھر
اک دن بھی نہالو اس میں اگر سب پاپ ہرن ہو جائیں گے
گنگا جمنا سے پاک ہے یہ جہلم ہے کیتھاہی پوکھر
پانی کی تہہ کی چیز نظر آتی ہے ایسی صفائی ہے
پانی ہے اس کا آبِ رواں جامِ جم ہے کیتھاہی پوکھر
بھنڈ اس کی جوارِ رحمت ہے آسودہ ہیں کتنے غوث و قطب
زندوں کا بھی مُردوں کا بھی مدغم ہے کیتھاہی پوکھر
پانی پر اس کے جب تیرو اک سیل رِواں کا لُطف ملے
بکّھی ہے کبھی یکّہ بھی کبھی ٹمٹم ہے کیتھاہی پوکھر
مُنہ دھونا اور وضو کرنا جب چاہا غُسل بھی کر لینا
ہر حالت میں ہر صورت میں ہمدم ہیکیتھاہی پوکھر
دو دو سو برس کے کیتھے تھے، تھی یہی وجہ کیتھا ہی کی
باقی نہیں نام کو ایک بھی اب ، پُرنم ہے کیتھاہی پوکھر
اے خیؔر جو میری موت آئے تو دفن اسی کی بھنڈ پہ ہوں
کیوں ہم کو نہ اس سے اُلفت ہو بالم ہے کیتھاہی پوکھر

(۲)

کر سکیں گے اگر ہم کچھ تو مُسلماں ہو کر
پائیں گے کچھ تو فقط صاحب ایماں ہو کر
زندگی قوم کی کہتے ہیں کہ بیداری ہے
اب بھی جاگ اُٹھیں کہیں قوم کی ہم جاں ہو کر
میری غرّش سے دہل جاتا تھا یورپ سارا
جب دھاڑا ہوں کبھی شیر نیستاں ہو کر
وہ بھی دن آتا ہے ہم لے کے ہلالی جھنڈا
اب پہنچتے ہیں قریطاش میں یوناں ہو کر
میرے ہر نعرۂ تکبیر میں فتح کا راز
میں نے پایا ہے اسے قوم پہ قرباں ہو کر
غیر ممکن ہے مرے جوش کے آگے مُمکن
میں نے کیا کیا نہ کیا عاجز انساں ہو کر
کون ہے جو نہیں واقف ہے مری قوت سے
خیؔر کیا نام کیا ہم نے مُسلماں ہو کر

(۳)

کیا خاک کیا جلا جلا کر
ٹھنڈے ہوئے تُم سے دل لگا کر
کہتے ہیں بہ طنز مُسکرا کر
آتے ہوں کہاں سے چوٹ کھا کر
گرتا ہوں سنبھال لے وہ آ کر
سنبھلا ہو ٹھوکریں جو کھا کر
اچھی یہ لگی حیات کی قید
ہستی میں پھنسے عدم میں آ کر
دوبارہ حسابِ زندگی ہائے
مارا مُجھے شر میں جِلا کر
گنتی نہیں میکشوں میں اپنی
پی لیتے ہیں ہاں چُرا چُھپا کر
منزل ہے مجاز کی حقیقت
رُستہ یہ ملا ہے پھیر کھا کر
رعشہ ہے ہوائے صبح پیری
بُجھتا ہے چراغ جھلملا کر

مسجد میں بتوں کی غیبت اے شیخ   اللہ سے ڈر خُدا خُدا کر
رُسوائی کی انتہا ہے دیکھو   جاتے ہیں کفن سے مُنہ چھپا کر
پہونچایا کہاں تھا بے خودی نے   کھو گئے آپ میں ہم آ کر
اوروں میں کہاں یہ سیر چشمی   پیتے ہیں یہ رندی ہی پلا کر
پوچھو نہ مریض غم کی حالت   کہتے ہیں طبیب بھی دُعا کر
عالم ہے یہ خیرؔ بے کسی کا
روئے گی اجل بھی بلبلا کر

(۴)

ہمارے آقا ہمارے داتا درود تم پر سلام تم پر
ہمارے مالک ہمارے مَولا دُرودتم پر سلام تم پر
ہمارے ہادی ہمارے آقا دُرود تم پر سلام تم پر
جہاں کے سر تاج شاہ والا دُرودتم پر سلام تم پر
ہمارے مالک خُدا کے پیارے دُرودتم پر سلام تم پر
ہمارے دل میں ہے گھر تمہارا دُرودتم پر سلام تم پر
زمین سے تا آسماں منّور ضیا ہے پھیلی ہوئی سراسر
تمہارے آنے سے جگ اُجالا دُرودتم پر سلام تم پر
زباں پہ تھا ذکر امّتی کا زمیں پہ جس وقت پاؤں رکھا
ہے ایسا امّت پہ کون شیدا دُرود تم پر سلام تم پر
خُدائی کے واسطے ہو رحمت سراپا بخشش سراپا شفقت

یتیم و بے کس کے تم ہو مولا دُرودتم پر سلام تم پر
تمہارے دیکھے جو کارنامے، عدو بھی دینے لگے شہادت
پکار اُٹھے وہ بے تحاشا دُرود تم پر سلام تم پر
سیاست و مذہب و تمدّن معاشرت اور فلسفہ کا
بنایا قانون تم نے اچّھا دُرود تم پر سلام تُم پر
قلیل عرصے میں تم سے اُمّی نے وہ کیا جو نہ ہو کسی سے
ہوا نہ دُنیا میں کوئی ایسا دُرود تم پر سلام تُم پر
ہوا یہ کس سے کہ ایک اُمّی نے کی ہو پر جوش قوم پیدا
فقط تمہیں نے یہ کر دکھایا دُرود تم پر سلام تم پر
بِنا بڑے سلطنت کی ڈالی اصول بھی اس کے خود نکالے
میں تم پہ قُربان میرے مولا دُرودتم پر سلام تم پر
ترقی قوم وسلطنت کی بتائے ساماں ہائے کیا کیا
بتایا پیرو کو سیدھا رستا دُرود تم پر سلام تم پر
غُلام یہ خیرؔ ہے تمہارا تم اس کا مجرا قبول کرنا
یہ بھیجتا ہے بصد تمنا دُرود پر سلام تم پر

انجمن ''ہلالِ اتّحاد، خسروپور کی طرف سے حضرت قُطب الاقطاب شاہ یحیٰ علی قُدس سرہ' کے مزار پر چادر چڑھائی گئی تو میں نے چار غزلیں لکھیں۔ دو 'ر' کی ردیف میں ہے اور دو 'یا' کی ردیف میں درج ہے۔

منقبت

(۵)

مشامِ عالمِ ملکوت بھی معطّر ہے
بہار دیتی ہے تربت پہ صندلی چادر

وقار و عظمتِ چادر نہ پوچھئے ہم سے
بجائے خود ہے یہ کوہِ اراولی چادر

ہر ایک تار میں اس کے ہو راز کثرت کا
لیے ہے گود میں سرّ خفی جلی چادر

تجلیات کی انوار کی ہے یہ بارش
جو آنکھ والے ہیں دیکھیں جھلاجھلی چادر

جو اوڑھ لے اسے کیا خوف اس کو آتش کا
بچا ہے اس کو جو کہئے سمند لی چادر

غریب انجمن اک نذر پیش کرتی ہے
قبول اس کی ہو اے حضرت ولی چادر

منقبت

(۶)

یہ ہے بُزرگ کی اہلِ کمال کی چادر
ہے میرے صاحبِ جاہ وجلال کی چادر

ردائے صوفی و صافیٔ بادۂ وحدت
چلی ہے جھومتی یہ حال وقال کی چادر

بہت حسین ہے اُن کو پسند بھی ہو گی
اسی لئے ہے، یُحِبُّ الجُمال کی چادر

ہیں اس کے تہہ میں چھپے رازہائے وصل ونیاز
یہ پردہ دار ہے وصلِ وصال کی چادر

نثار اس پہ ستارے ہیں اور ماہِ فلک
یہ انجمن کی ہے یعنی ہلال کی چادر

ردیف: ط

(۱)

یار سے وصل کا سوال غلط
کچھ غرض ہو تو یہ خیال غلط

ہے یہ ممکن ہو یہ خیال غلط
یار کا ہے مگر ملال غلط

طور بے طور ہے زمانے کا
اس کی تو ہے ہر ایک چال غلط

طُور کی گفتگو ہے یاد مجھے
تمہیں کہہ دو وہ تھا سوال غلط؟

طعنہ ہم پر ہے بے وفائی کا
یہ غلط آپ کا خیال غلط

ابروؤں کا ترے جواب کہاں
ماہ نو سے تو ہے مثال غلط

خیّر کو خوب جانتے ہیں ہم
ماننا اس میں کچھ کمال غلط

(۲)

ساتھ نادر کے کام کرنا تھا
کیسی خونریزی ؟ تھا خیال غلط

سلطنت چھوڑدیں کریں کھیتی
وہ غلط اور یہ خیال غلط

یہ غلط ہے نہ تھا کوئی ہمدرد
کیا وفاداروں کا تھا کال؟ غلط!

خوفِ خونریزی سے وطن چھوڑا
بندہ پرور یہ اعتدال غلط

بیڑا اصلاح کا اٹھایا تھا
چھوڑنا اس کو بے مآل غلط

ہاں شجاعت کی داد دینا تھا
چُپکے چل دنیا ہے کمال؟ غلط

(۳)

یار کو کچھ نہیں کسی کا لحاظ　　دوستی کا نہ دشمنی کا لحاظ
یادآتی ہے بار بار ان کی　　ان کو ہے میری بے کسی کا لحاظ
ہاتھ ڈر سے لگا نہیں سکتے　　ہم کو ہے ان کی نازکی کا لحاظ
یاد اُن کی تو آئے جاتی ہے　　ہے فقط اس کی دوستی کا لحاظ
ظاہری چال پر نہ جاؤ تم　　اہل دل کو ہے باطنی کا لحاظ
ایک دن بھی تو آؤ خیؔر کے گھر
جان من کچھ تو دوستی کا لحاظ

ردیف: ف

(۱)

سچ ہے یا جھوٹ مکّہ کا شریف　　سُنتے ہیں خوب اڑاتا ہے بیف
کہتے ہیں ہاشمی الاصل اسے　　ہے مگر اصل میں برتانی چیف
آج کل ناک میں دم ہے اس کا　　بخدیوں نے ہے کیا اس کو ضعیف
کا سہ لیسی سے ہوا شاہ حجاز　　ناز ہے اس کو کہ برٹش ہے حلیف
نجدیوں نے جو دبوچا اس کو
رہ گیا اینٹھ کے یہ مرد کثیف

(۲)

ہزار بار کہا جرمنی کے قیصر سے　　مآلِ جنگ نہیں خوب، مجھ سے سن لے صاف
لڑے گا کتنوں سے تنہا ذرا بتا تو سہی　　نہ کام آئے گا ہرگز ترا یہ لاف و گزاف
پڑا تجھے نہیں پالا ابھی تو شیروں سے　　بُری چھنے گی نہ اس کو سمجھ ذرا بھی خلاف
بھلا تو رُوس کو نیچا دکھائے گا ناداں　　تو خود ہی دل میں ذرا سوچ خود ہی کر انصاف
تجھی میں دیکھتے ہیں یہ جُنوں کے آثار　　نہ ایسے خبط میں ہرگز پڑے ترے اسلاف
بس اب بھی صُلح پہ آمادہ ہو کہ بات رہے　　مٹا نہ بہر خُدا دیکھ اپنے تو اوصاف
نہ غالب آئے گا تو اتحادیوں پہ کبھی　　مقابلہ میں تو اُن کے ابھی نہیں ہے ہاف
نوالہ مُنہ کا سمجھتا ہے کیا تو رشیا کو　　پکا پلاؤ خیالی نہ یوں خرد کے خلاف
توان بخلق فرو بردن استخوان دُرشت
ولے شکم بدرد چوں بگیرد اندر ناف

ردیف: ک

(۱)

سلام اے شہہ ہر دوسرا، سلامُ علیک　　سلام باد شہہ ھل اتی سلامُ علیک
مرے حبیبؐ مرے پیشوا، سلامُ علیک　　مرے کریم مرے رہنما سلامُ علیک
اگر تو جائے مدینہ تو میری جانب سے　　بصد نیاز ادا کر صبا سلامُ علیک
اِدھر بھی دیکھئے اِک روسیا حاضر ہے　　قبول کیجیے اس کا شہا سلامُ علیک
کہاں ہے ایسا مقدر کہ آستانے پر　　پہنچ کے عرض کرے یہ گدا سلامُ علیک
ہزاروں بار درُود و ہزاروں بار سلام　　ہزار بار بصد التجا سلامُ علیک

مرے سلام کی وقعت ہی کیا حضور میں ہو   حضور کو تو ہے کہتا خُدا سلامُ علیک
خُدا نہیں مگر اے ناخُدائے کشتیِ دین   نبیِ حق و رسولِ خُدا سلامُ علیک
گناہ گار ہوں لیکن ہوں آپ کا بندہ   قبول ہو مرے آقا مرا سلامُ علیک
طبیبِ امتِ بیمار و چارہ سازِ جہاں   تمہیں دوا ہو تمہیں ہو شفا سلامُ علیک
مرے کریم ادھر بھی ہو اِک نگاہِ کرم   کہ عرض کرتا ہے اِک بےنوا سلامُ علیک
ہزاروں لاکھوں صلوٰۃ و سلام ہو تم پر   کروڑوں بار کہوں مرحبا سلامُ علیک
خُدا کا لاکھوں درود و سلام ہو تم پر   قبول میرا بھی کیجئے شہا سلامُ علیک
سواری آتی ہے وہ آئی نکہتِ گیسو   زباں پہ جاری ہو صلِ علےٰ سلامُ علیک
جوخواب میں بھی حُضوری ہو خَیر کو حاصل   قدم پہ گر کے کرے گا ادا سلامُ علیک

غلام خَیر کا مجرا قبول ہو آقا
غریب کہتا ہے کب سے کھڑا سلامُ علیک

ردیف: گ

(۱)

ہر کسی سے کر رہا ہے جرمنی اقرار جنگ
ہو گیا ہے اس لڑاکو کو کوئی آزار جنگ
دیکھئے رہتا ہے کب تک گرم یہ بازار جنگ
بے طرح اب بڑھ رہی ہے آج کل رفتار جنگ
خود بدولت ژارِ روس آتے ہیں اب میدان میں
جرمنی ہُشیار اب اچھے نہیں آثارِ جنگ

کیوں نہیں ہوتی ہے اب تک اس کی وجہ کیا
لاکھ سر مارو مگر کُھلتے نہیں اسرار جنگ
جرمنی کے دم دلاسے میں کٹے مرتے ہیں ترک
ہو گیا بیمار تُرکی بھی تو اب بیمار جنگ
ہو رہی ہے گرچہ یورپ میں لڑائی آج کل
ڈر لگا ہے نہ جائے ہند پر اب بارِ جنگ

(۲)

نہ کر بہر خُدا اے جرمنی جنگ   کہ اِک مدت سے ہے ظالم چھنی جنگ
ہوئے لاکھوں ہی گھر کے گل چراغ آہ   یہی ہے تیرے دم کی روشنی جنگ
ہیں لاکھوں لاکھ پلٹن رزم گہہ میں   کبھی ایسی نہیں دیکھی گھنی جنگ
خُدائی قہر ہے یورپ پہ نازل   یہ پیدا کرنے والی سنسنی جنگ
ڈٹے ہیں رزمگہ میں جرمن و روس   غضب رشیا سے ہے گاڑھی چھنی جنگ
گھرا ہے ضیق میں رومانیہ بھی   کہ ہے اب جان پر اس کی بنی جنگ
لٹک کر رہ گئے سب رزم گہ میں   کوئی پھانسی ہے یا ہے الگنی جنگ
وہ پچھلی شب کو توپوں کی دنادن   سُناتی ہے مزے میں سوہنی جنگ
بڑھے وہ اتّحادی کے خُدائی   غضب ہے جاں نثار و موہنی جنگ
کئی سنکھ آدمی چٹ کر گئی ہے   بلا ہے یا کوئی ہے سنکھنی جنگ
ہوا میں بحر و بر میں مُنہ کو پھاڑے   نگلتی پھرتی ہے یہ دیونی جنگ
نہیں بچتا ہے اس کا کوئی کاٹا   کوئی ناگن ہے یا ہے ڈنکنی جنگ

نہیں ہے خَیر اب صورت مفر کی
جما بیٹھی ہے اب تو آسنی جنگ

(۳)

کس مُنہ سے ہم کہیں کہ خُدا سے دُعا نہ مانگ   ہاں دل سے مانگ، مُنہ سے فقط برملا نہ مانگ
آزاد کی وہ مانگ بھری نظم واہ واہ   اُردوُ کی ہے یہ مانگ، یہ ہے عالمانہ مانگ
اُردوُ کی ایسی مانگ جو آزاد نے بھری   ٹھنڈی رہے یہ مانگ سے اس کے سوا نہ مانگ
اُردوُ ہے تُو تو مانگ چلی، اپنے واسطے   آزاد ہی کو مانگ کچھ اس کے سوا نہ مانگ
دُنیا سخن کی داد بھی ہے خدمتِ سخن
آزاد سے تو خیر نہ کچھ محنتانہ مانگ

ردیف: م

(۱)

بحث کرنا چاہتے ہیں دیکھئے پھر ہم سے ہم
لُطف جب ہو کام لیں تصریح کا مُبہم سے ہم
خُود بخود اپنی حقیقت سے ہیں کچھ برہم سے ہم
کون ہم بولا ذرا پوچھیں تو اب اُس ہم سے ہم
ہم کو فکرِ کشف سے ہے دل میں اِک ناسور آہ
اس کو اب اچھا کریں کہئے تو کس مرہم سے ہم
وہ بھی ہم اور تو بھی ہم اور ہم بھی ہم کہتے ہیں کیوں
ہاں کیا اب سمجھیں گے ہم کے نعرۂ پیہم سے ہم
وہ انا من نور تو بھی کہتا ہے انی انا

یہ انانیت ہے کیسی سمجھیں کیا مبہم سے ہم
احسن تقویم ہیں ہم اور کبھی ہیں سافلین
ہیں پریشاں یا خُدا اس درہم و برہم سے ہم
تو دکھا ہم کو، تو بولے ہم ہیں، جلوہ دیکھ لے
کیا نکالیں اب مآل اس گفتۂ باہم سے ہم
فکر سے ہم کی پڑے ہیں داغ سینے میں مگر
خوش نہیں اے یار اس دنیار اور درہم سے ہم
خیر ہم اپنی حقیقت سے نہیں واقف ہیں کچھ
لیکن اتنا جانتے ہیں، ہیں مکرر ہم سے ہم

(۲)

ہیں حقیقت کبھی مجاز ہیں ہم   میرے اللہ ایک راز ہیں ہم
ہیں کبھی سوز گاہ ساز ہیں ہم   سوز میں ہم کبھی گداز ہیں ہم
اپنی ہستی کے خود ہیں شیدائی   خود ہی محمود خود ایاز ہیں ہم
ناز ہے فخر ہے غلامی پر   خاک پائے شہہ حجاز ہیں ہم
فاتحہ خواں ہے بے کسی اپنی   دوسروں سے تو بے نیاز ہیں ہم
حسرت و یاس کس کے گھر جائیں   بس فقط ایک غم نواز ہیں ہم
سوز پروانہ ہی سے سیکھا ہے   جس میں نغمہ نہ ہو وہ ساز ہیں ہم
خیر مرتے ہو تم حسینوں پر
پھر یہ کہتے ہو پاک باز ہیں ہم

(۳)

اُن کے وعدے پہ فقط شاد ہیں ہم
ورنہ اب کیا رہا برباد ہیں ہم

ہے بسی دل میں تمہاری تصویر
دل یہ کہتا ہے کہ آباد ہیں ہم

شش جہت سے تو نکلنا ہے محال
اور پھر دیکھو تو آزاد ہیں ہم

تھی کبھی ہم کو حضُوری حاصل
سچ تو فرمایئے اب یاد ہیں ہم

خُودکشی نفس کشی کرتے ہیں
واقعی ایک ہی جلاد ہیں ہم

دل میں تصویر تیری کھینچتے ہیں
اس نئے دور میں بہزاد ہیں ہم

آپ کی بات پرکھ لیتے ہیں
جانتے ہی ہو کہ نقاد ہیں ہم

ضُعف سے گر کے اب اٹھنا ہے محال
یوں سمجھ لیجیے افتاد ہیں ہم

کرتے ہیں وجہِ ستم خود پیدا
دیکھیئے عالم ایجاد ہیں ہم

خیرؔ اب شعر میں آیا ہے مزہ
کیوں نہ ہو، پیرِو اُستاد ہیں ہم

(۴)

کبھی محبوب تھی دُنیا میں ادائے مُسلم
عالم نور تھا عالم میں ضیائے مُسلم

گونج اٹھی نعرۂ تکبیر سے دُنیا ساری
آئی کانوں میں یکایک جو صدائے مُسلم

آج بدعہدی و پیماں شکنی شیوہ ہے
کبھی مشہور تھی دنیا میں وفائے مُسلم

ہم قدم رکھتے تھے جس جا وہیں آتی تھی بہار
نکہتِ گُل سے بھی بہتر تھی ہوائے مُسلم

موت کو اپنی سمجھتے تھے حیاتِ ابدی
ایسا اسلام تھا ایسی تھی فضائے مُسلم

(۵)

دل میں بسی ہے آنِ مُحمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم
اور چھپے پیکانِ مُحمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

دل میں بسا ہے چاند سا ٹکڑا قلب ہے اپنا خوب اُجالا
سینہ ہے ایوانِ محمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

طور دکھا مُجھ کو نہ تجلّی دل کو ہے اپنے خاص تسلّی
یاد ہیں وہ دندانِ محمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

کلمۂ طیّب پڑھ لیا جس نے خُلد بریں کو پالیا اس نے
صاف ہے یہ اعلانِ محمد صَلّی اللہ علیہ وسلم

طالبِ مولا جاتے ہو کہاں شاہِ ھدیٰ کا جلوہ دیکھو
حق ہے یہی عرفانِ محمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

طور پہ ننگے پاؤں تھے موسیٰؑ کفش تھا پہنے سیّدِ بطحا
عرش پہ تھی یہ شانِ محمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

صَلِّ علیٰ کا شور ہے ہر سُو جب سے اُڑی ہو نکہتِ گیسو
جوش میں ہیں مستانِ محمدؐ صَلّی اللہ علیہ وسلم

خیرؔ اگر ہو پار اترنا روز قیامت دھیان یہ رکھنا
ہاتھ میں ہو دامانِ مُحمّد صَلّی اللہ علیہ وسلّم

(۶)

اے مرے مولا اے مرے آقا صلّے اللہ علیک وسلّم
آپ ہی کا ہے مجھ کو سہارا صلّے اللہ علیک وسلّم
نور کی صورت اپنی دکھا دو طور کا جلوہ میرے گھر ہو
پھول سے عارض چاند سا ماتھا صلّے اللہ علیک وسلّم
اے مرے یثرب والے کنہیا اپنے یہاں مجھ کو بھی بلانا
درد کا میرے کرنا مداوا صلّے اللہ علیک وسلّم
دل میں ہے اپنے اتنی تمنّا اپنا پڑا یثرب میں ہو لاشہ
دیکھتے کاش یہ آپ تماشا صلّے اللہ علیک وسلّم
جب ہو روز قیامت برپا ناز کسی کو زہد پہ ہو گا
ہم کو ہے رحمت کا سہارا صلّے اللہ علیک وسلّم
اے مرے ہادی اے مرے مولا اے مرے داتا جود سراپا جوش پہ
آئے کرم کا دریا صلّے اللہ علیک وسلّم
دین کی اپنے جلد خبر لو قوم کو اپنی جلد سنبھالو
تنگ ہے اب اسلام پہ دنیا صلّے اللہ علیک وسلّم
دشمنِ دیں ہیں دانت نکالے تیغ ہیں سب ہاتھوں میں سنبھالے
آپ کے ہے اسلام پہ نرغا صلّے اللہ علیک وسلّم
اٹھئے اے اسلام کے بانی سر سے بھی اونچا ہو گیا پانی ہے اسلام
کی جان پہ ایذا صلّے اللہ علیک وسلّم

دشمن ہیں اسلام کو گھیرے اس کی خبر لیں آپ سویرے
اے پیارے حسنین کے نانا صلّے اللہ علیک وسلّم
خیر کی اتنی عرض ہے مولا دیکھے وہ آنکھوں سے تماشا
ہو اسلام کا مرتبہ بالا صلّے اللہ علیک وسلّم

(۷)

ہر سمت آسماں پہ ہے چھایا سحاب گرم — ایسے میں آج ڈھال دے ساقی شراب گرم
گھر ہے تنور آگ ہے دیوار و در تمام — گرمی سے اپنا جسم بنا ہے کباب گرم
خطبوں کی فصل جلسوں کا موسم اب آ گیا — اسپیکروں کے سنئے گا لمبے خطاب گرم
آسنِ کا یہ مہینہ ہے اس پر ہے یہ تپش — تھا جیٹھ میں بھی ایسا نہ یہ آفتاب گرم
شبنم زمیں پہ گرنے بھی پاتی نہیں ہے اب — اوپر ہی چاٹ لیتا ہے یہ ماہتاب گرم
اک بحث ہے چھڑی ہوئی ارضِ حجاز پر — اخبار میں نکلتے ہیں کیا کیا جواب گرم
ہم پیر فانیوں کا تو گرمی سے ہے فشار — کیا حال ہوگا جن کا ابھی ہے شباب گرم

خود جل رہا ہوں میں تپِ فُرقت سے رات دن
آنکھیں دکھایئے نہ مجھے اب اے جناب گرم

ردیف: ن

(۱)

کیا غضب ہے، مری آنکھوں پہ نہ رکھیں وہ قدم
اور لیں دیدۂ نقشِ کفِ پا آنکھ میں پاؤں

پائے رنگیں کا تصور جو رہا آنکھوں کو
رات بھر چشم تصور کی پھرا آنکھ میں پاؤں

مردم دیدہ کو ہے شوق قدم بوسی کا
آ کے تو ناز سے رکھ بھر خدا آنکھ میں پاؤں

سُرمگیں چشم میں تِل بھر نہیں شوخی کی جگہ
وصل کی شب میں ہے پھیلائے حیا آنکھ میں پاؤں

اس میں صورت ہے تری پاؤں سے ٹھکرا نہ اسے
رکھ نہ آئینے کی او شوخ ادا آنکھ میں پاؤں

نظر اس مست سے ملتے ہی یہ آنکھیں بہکیں
نہ جما پائے نگہ کا نہ جما آنکھ میں پاؤں

خیرؔ نے آنکھیں جو تلووں سے ملیں تھیں شب وصل
اس لیے پھرتے ہیں وحشت میں سدا آنکھ میں پاؤں

(۲)

جنابِ خوشدلؔ خوش خو سے خیرؔ نے پوچھا
کہ وصف کہیے تو کیا کیا رئیس رکھتے ہیں

کہا کہ حال نہ اہلِ دول کا کُچھ پوچھو
یہ ہے کمال کہ شان پولیس رکھتے ہیں

پھر اِک کمال یہ ہے منہ تھوتھائے رہتے ہیں
دہن میں اپنے وہ شاید کیس رکھتے ہیں

کمال اس میں بھی ہے کرتے ہیں جو کج خلقی
سمجھتے ہیں کہ طبیعت نفیس رکھتے ہیں

کمال یہ بھی ہے صحبت میں ہیں وضیع ورذیل
یہ ایسے ہی تو رفیق وجلیس رکھتے ہیں

نہیں یگانوں کی عزّت نہ اہلِ علم کی قدر
اسی سے اہلِ خرد دل میں ٹیس رکھتے ہیں

جو ایک بار ملا اِن سے پھر نہیں ملتا
طبیعت اپنی یہ ایسی خسیس رکھتے ہیں

بڑوں کی ریس کریں یہ کہاں دماغ ان کا
زباں سے یاد مگر ان کی ریس رکھتے ہیں

کرم نہ خُلق تو پھر شان کیا ریاست کی
اگر وہ بھرتی کے نوکر پچیس رکھتے ہیں

(۳)

سنّاٹے کا وہ عالم تنہائی کی وہ راتیں
کچھ یاد ہیں سچ کہئے وہ خُفیہ ملاقاتیں

اب یاس کا عالم ہے کیوں لُطف کی ہیں باتیں
فرمایئے باقی ہیں کیا اور مداراتیں

فردائے قیامت پر ٹھہری ہیں مُلاقاتیں
کٹتی ہی نہیں ظالم تنہائی کی یہ راتیں

اللہ رے لگی دل کی سجدے پہ سجدے تھے
وہ جوش کے عالم میں رو رو کے منا جاتیں
وعدہ تو بہت کچھ ہیں آ جائیں تو ہم جانیں
وہ آئیں مرے گھر میں کہنے کی ہیں یہ باتیں
ہو شام نہیں جس کی وہ دن ہیں جدائی کے
ہو صُبح نہیں جس کی وہ ہجر کی ہیں راتیں
حد ہو چکی فُرقت کی اچھی یہ نہیں رنجش
اب آؤ گلے مل لیں یہ کام کی ہیں باتیں
ہم تو وہی خادم ہیں اور یاد ہیں وہ دن بھی
کیا کچھ نہ تھی دل جوئی کیا کچھ نہ مداراتیں
اب آپ ہیں کچھ بدلے، بدلی ہے نظر بھی کچھ
پہلی نہ عنایت ہے ، پہلی سی نہ وہ باتیں
وہ دل سے مرے جائیں تو ان کو قوی جانوں
کمزور میں ہیں کتنی اللہ کراماتیں
کب شاہدِ حرّیت سے وصل میّسر ہو
دن رات یہی اُلجھن دن رات یہی باتیں
قُل ہو گیا اعدا کا قلیا ہے تمام اس کی
ہم پر ہیں الم نشرح اغیار کی سب گھاتیں
لاسین میں کرزن کی کیا کیا ہے گیڈر بھپکی
ترکوں کو سُناتے ہیں جل جل کے صلواتیں

ہے ساز جس سے تم کو ہم خوب جانتے ہیں
استاد سے یہ چالیں استاد سے یہ گھاتیں
عاصی سے توقّع کیا اے داورِ محشر ہو
عصیان و خطا کی ہاں حاضر ہیں یہ سوغاتیں
اے خیؔر تمنا ہے میخواروں کو بارش کی
کہہ دو مری آنکھوں کی وہ دیکھ لیں برساتیں

(۴)

ہائے کتنے گھر ہوئے ہیں بے نشاں سیلاب میں
سینکڑوں ہی ہو گئے بے خانماں سیلاب میں
ایک تو سیلاب ظالم اس پہ یہ بارش کا روز
اَڑ اَڑا کر بیٹھے ہیں لاکھوں مکاں سیلاب میں
سب گھروں میں ہو رہا ہے آج کل پانی کا دخل
بھاگ کر جائے بھلا کوئی کہاں سیلاب میں
ہاں اگر آئے تو اب پانی بھرے طوفانِ نوحؑ
پانی پانی ہو خجالت سے یہاں سیلاب میں
اب تو سڑکیں بھی نہیں پایاب جل تھل ہے تمام
کیا کہوں کتنے ہیں پانی میں کنواں سیلاب میں
خوب پانی میں لگائی آگ ہے سیلاب نے
سرد دل سے بھی نکلتا ہے دھواں سیلاب میں

بہہ رہے تھے ٹھاٹھ پر دریا میں بے تاب وتواں
ایک حالت میں تھے سب پیر و جواں سیلاب میں
بہتے پھرتے تھے مواشی اور اثاث البیت بھی
قافلہ چیزوں کا تھا گویا رواں سیلاب میں
پھر گیا پانی کسانوں کی ہر اک امید پر
ہر طرف سے آتی ہے بانگِ فغاں سیلاب میں
مُختصر یہ ہے کہ پانی سے تہہ و بالا تھی خلق
غرق کتنے ہو گئے بانکے جواں سیلاب میں
موتیہاری کی یہ افواہاً خبر سُنتا ہوں میں
شہر کا باقی نہیں کوئی مکاں سیلاب میں
کشتیاں چلتی تھی دربھنگہ میں گھر گھر الحفیظ
تھی کچہری یا جزیرہ الاماں سیلاب میں
فصل بَھدوی کی جو کل کٹنی ہوئی وہ غرق آج
کون سنتا ہے کسانوں کی فغاں سیلاب میں
خوب سمجھا ہم نے اب تو معنیِ نقش برآب
بُلبلا تھی زندگانی بے گماں سیلاب میں
سر سے بھی پانی گذر جاتا ہے جب انسان کے
پھر خیالِ نیک و بد باقی کہاں سیلاب میں
تھا مظفر پور میں دریائے گنڈک کا وہ زور
کہہ رہے تھے شہر والے الاماں سیلاب میں

لاشوں کا بہتے نظر آنا قیامت کا تھا وقت
دل خراش آیا نظر ہم کو سماں سیلاب میں
زُور تھا پانی کا چندوارہ میں اور تھانے کے پاس
اور کلیانی میں بھی ہم تھے جہاں سیلاب میں
تھی خرابی کوٹ کی پتلون کی اور گون کی
دیدنی تھا وہ کچہری کا سماں سیلاب میں
خیؔر تم کو کچھ خبر ہے گھر کی اپنے یا نہیں
گر گیا افسوس اپنا بھی مکاں سیلاب میں

قطعہ

(۵)

مُرید پیر مُغاں کو کچھ احتیاج نہیں
بجُز شراب اسے حرص تخت و تاج نہیں
جو تم ملے تو مجھے کوئی احتیاج نہیں
یہ سچ کہا ہے کہ ملتا مرا مزاج نہیں
کہاں وہ اگلا زمانہ کہاں وہ بات اب تو
وفا کا نام ہے باقی مگر رواج نہیں
مریضِ غم کی عیادت کو آ گئے جو کبھی
تو دیکھتے ہی کہا بچنے کا یہ آج نہیں
اسے نہ دردِ جگر ہے نہ تپ نہ سودا ہے
جنون اس کو نہیں اور اختلاج نہیں
کہا یہ میں نے تو پھر کیجئے دوا اس کی
بگڑ کے بولے کہ اس کا کوئی علاج نہیں
جو دم خفا ہے منا لے گا خیؔر خود اس کو
کچھ آپ کا تو یہ بگڑا ہوا مزاج نہیں

(۶)

کبھی غنی بھی ہیں اور محتاج بھی ہم ہیں
ہمیں گلیم گدا بھی ہیں تاج بھی ہم ہیں

ہیں عاشقوں میں، طبیعت مگر ہے ناز پسند
کہے یہ دیتے ہیں نازک مزاج بھی ہم ہیں

ہمیں ہیں اپنے ہی اس جسم زار کے آزار
ہمیں مرض بھی ہیں آخر علاج بھی ہم ہیں

ہمیں حسینوں سے لیتے ہیں بوسے پر بوسے
انہیں جو دیتے ہیں دل تو خراج بھی ہم ہیں

ہیں نیک ایسے کہ بد کہہ دے کوئی ہم سُن لیں
اور اس کے ساتھ ہی پھر بدمزاج بھی ہم ہیں

کرو جو قدر تو بندہ نواز ہیں بندے
جو جاں نثار تھے پہلے وہ آج بھی ہم ہیں

ہمیں ذلیل رعایا غریب پرجا ہیں
ہمیں کو جان لو راجہ بھی راج بھی ہم ہیں

ہمیں ہیں رسم زمانہ سے جو مبّرا ہیں
بغور دیکھئے تو پھر رواج بھی ہم ہیں

سُکون قلب کا باعث بھی ہیں ہمیں اے خیؔر
پھر اضطراب بھی ہیں اختلاج بھی ہم ہیں

(۷)

بس میں آتا وقت کا توسن نہیں
اس پہ تو جمتا کبھی آسن نہیں

پھر وہابی اور حنفی میں چلی
اب چلے گا ہند میں ڈاسن نہیں

دُکھ ہی دُکھ قسمت میں ہے، اب سُکھ کہاں
میرے نسخے میں بھی سکھ درسن نہیں

کیا مزا پینے پلانے کا ملے
پاس والی وہ مری پاسن نہیں

چوٹ کھائے دل کو کیا ہو دیکھئے
نیلگوں دل ہے گل سوسن نہیں

خم کے خم ساقی لٹاتا ہے شراب
پاس اپنے آج ہیں پاسن نہیں

گڈوِن کا چاہئے صابُن انہیں
اب پسند آتا انہیں بیسن نہیں

آئی پیری ضعف سے دل بُجھ گیا
اب تو یہ کرتا کبھی سَن سَن نہیں

قطعہ

(۸)

بوسۂ اغیار کے یہ نیل ہیں
یار کے رُخسار پر لہسن نہیں

بوالہوس عاشق سے کیڑوں نے کہا
عشق ہے یہ پیارا اور لسّن نہیں

کہہ گئی بیگم سے ماما نو بہار
میں سہوں گی روز کی گھِن گھِن نہیں

(۹)

کرم کرتے تو ہیں جو اپنے گھر مجھ کو بلاتے ہیں
یہ احسان اور ہے ان کا کہ غیروں سے ملاتے ہیں

یہی کیا کم تواضع ہے یہ کیا کم میزبانی ہے
کہ مہمانوں کو اپنے آپ رنج وغم کھلاتے ہیں

وہ باہیں ڈالتے ہیں غیر کی گردن میں الفت سے
گلے پر میرے گویا رشک کی چھریاں چلاتے ہیں

کباب اب اپنے دل کا ہے غذا اپنی بحمداللہ
یہ حکمت اب سمجھ میں آگئی کیوں دل جلاتے ہیں

خبر لے کون بیمار محبت کی، کسے فرصت
وہ اپنے چاہنے والوں سے کب فُرصت ہی پاتے ہیں

ہمارے سامنے ہی غیر کے پہلو میں جا بیٹھے
جلانے کا ادا کرتے ہیں حق، یوں دل جلاتے ہیں
ہوا دو دن ہی میں دوبھر مری دیکھو گراں جانی
جو اُن پر بار ہو کوئی تو کیوں مجھ کو بلاتے ہیں
جب الزام اُن پہ ہو رو دیتے ہیں، ہیں نرم دل ایسے
مگر ہم اپنے حق میں سخت پتھر ان کو پاتے ہیں
جناب خیرؔ اُٹھ بیٹھے کہا قاصد نے کیا آ کر
یہی باتیں وہ ہیں جس سے کہ مُردوں کو جلاتے ہیں

(۱۰)

تُجھ سے بڑھ کر کوئی واللہ مری جان نہیں
اس میں شک ہو تو خُدا کی قسم ایمان نہیں
حد کو پہنچی ہے تری دلبری و زیبائی
ان حسینوں میں تری آن نہیں شان نہیں
سرفروشوں کی بھی کچھ یاد وفاداری ہے
مٹ رہی ہے وہ وفا آہ تمہیں آن نہیں
ہم ہر اک بات میں غیروں سے دبے جاتے ہیں
ہم میں اسلام کی وہ آن نہیں شان نہیں
تیری ہی یاد میں یہ عُمر بسر ہو جائے
بخُدا اس کے سوا اور کچھ ارمان نہیں

روح پھونکی تھی ہر اک شئے میں تمہیں نے کل تک
آج وہ روح ہمیں میں نہیں وہ جان نہیں
اب تو اسلام کا بکھرا ہوا شیزارہ ہے
اس سے بڑھ کر کہیں اجزائے پریشان نہیں
کون ہے جو نہیں اسلام کا دشمن اس وقت
شیر انگلیس نہیں گربۂ یونان نہیں

(۱۱)

یونین کا ہوگا اب دربار خسرو پور میں
ہونے والا ہے یہ اک آزار خُسرو پور میں
یونین کو جان لو تم پیش خیمہ پھوٹ کا
ہوگی اِک دن جنگ اور پیکار خُسرو پور میں
مُسلم و ہندو میں اب تک دیکھتے ہیں میل جول
یونین سے ہوگی اِک تکرار خُسرو پور میں
ہے ترقی پر تجارت خوب غلّہ کی یہاں
ہے سبھی غلّہ کا اِک انبار خُسرو پور میں
ایک چھوٹی سی جگہ میں ہیں معالج سات آٹھ
پھر کوئی کیوں کر ہو اب بیمار خُسرو پور میں
مدرسہ بھی پاٹھ شالہ بھی ہے یہاں اسکول بھی
ریل بھی اور ڈاک بھی اور تار خُسرو پور میں
کچھ بُرے بھی ہوں گے لیکن بیشتر اچھے بھی ہیں
متقی و فاضل و ابرار خُسرو پور میں
کچھ نہیں ہم کو خبر کیا' کیا مشاغل ہیں یہاں
یوں تو ہم آئے گئے سو بار خُسرو پور میں
خیرؔ اس سے کیا غرض ہے کیا یہاں ہیں کیا نہیں
مُجھ کو کافی ہے مری سرکار خُسرو پور میں

(۱۲)

اک جگہ بیٹھے تھے اہلِ علم و فن   اور یوں باہم دگر تھے حرف زن
تنگ ہیں عُسرت سے کل اہلِ کمال   خستہ حال و خستہ جان و خستہ تن
ہے یہی دورِ زوال ہر کمال   ہے یہ عہدِ انحطاط علم و فن
ہے زمانہ دشمنِ علم و ہُنر   برسر بیداد ہے چرخِ کُہن
ساتھ کیوں دیتا نہیں ہے روزگار   کیا خفا ہے ہم سے ربّ ذوالمنن
خیؔر رحمانی نے دی اُن کو صلاح
چھوڑیئے ہندوستاں، چلیئے دکن

(۱۳)

بال کھولے ہوئے نہ بام پر آؤ   کوئی دیوانہ ہو نہ جائے کہیں
تو نے پھر چھیڑ دی داستانِ وفا   وہ جفاکیش سو نہ جائے کہیں
دل میں پھر یاد آگئی کافر کی   کعبہ بت خانہ ہو نہ جائے کہیں
اس دُرِ اشک کا ہے کیا کہنا   آئے دامن میں تو نہ جائے کہیں
کس طرح یاد اس کی آتی ہے   ہے تعجب کہ جو نہ جائے کہیں
خیؔر کے آگے اُن کاذکر نہ چھیڑ
پھر یہ کم بخت رو نہ جائے کہیں

ردیف: و

(۱)

اپنی نیکی سے جہاں میں ایک افسانہ بنو   دل میں گھر کرنے کوتم انداز جانانہ بنو
دین و دنیا کی ہے نعمت اتحاد و اتفاق   نوعِ انساں سے نہ ہرگز یار بیگانہ بنو
دل سے تم اپنے نکالو غیر کا وہم و خیال   شمعِ توحید خُدا کے خاص پروانہ بنو
تم حریفوں کو دکھا دو شانِ اسلامی ذرا   آ گیا ہے وقت، دیکھو اب بھی مردانہ بنو
تم کو پِسنا اور گھِسنا ہے مقرر دہر میں   دانۂ غلّہ ہو یا تسبیح کے دانہ بنو
قوم کی تُم گُتّھیاں سلجھاؤ پھر بگڑی بناؤ   تم ہر اک الجھن کی خاطر یار کا شانہ بنو
ہاتھ سے جانے نہ دوتم دین کا اپنے وقار   آ پڑے جب وقت اس دم شانِ شاہانہ بنو
خیؔر کس کی یاد میں شوریدگی وارفتگی
ہوش کی لو، اس طرح دیکھو نہ دیوانہ بنو

(۲)

کس طرح اس شُوخ سے ہوگا بناؤ   اس کو تو ہے ایک عالم سے لگاؤ
پھر نکالا قصّۂ حُسنِ بُتاں   جاؤ بھی ! اس تذکرہ ہی کو ہٹاؤ
خیؔر سے مل لو غنیمت وقت ہے   اب تو دُنیا سے ہے اِن کا چل چلاؤ
حد ہے کچھ، کتنا جئیں کب تک جئیں   اُف کہاں تک رکھیں دنیا سے لگاؤ
زندگی میری تو گذری رائیگاں   دوستو! اب اپنی تم بتاؤ
بھول جاؤ صُحبتِ احباب کو   اب نہ اِن کی یاد سے دل کو کُڑھاؤ
یہ زن و فرزند کیا کام آئیں گے
اب خُدا سے خیؔر اپنا دل لگاؤ

(۳)

نگہہ بے پناہ مت پوچھو
آہ مت پوچھو آہ مت پوچھو

اُس کی زُلفِ سیاہ مت پوچھو
ہے خُدا کی پناہ مت پوچھو

اب کہاں میری چاہ مت پُوچھو
تھی کبھی رسم و راہ مت پُوچھو

کس طرح دل میں چھبتی جاتی ہے
وہ کٹیلی نگاہ مت پوچھو

ایک مقتل ہے جاں نثاروں کا
اُن کے کوچہ کی راہ مت پُوچھو

کس طرح کٹتی ہے شبِ فُرقت
پھر یہ روز سیاہ مت پوچھو

ڈوب کر کوئی بھی نہیں اُبھرا
عشق کی خیر تھاہ مت پُوچھو

(۴)

اُن سے میرا سوال مت پُوچھو
اُن کا وہ انفعال مت پُوچھو

دل میں کیا ہے خیالِ مت پُوچھو
آہ اب میرا حال مت پُوچھو

آرزوئے وصال مت پُوچھو
ہے یہ امر محال مت پُوچھو

کیا ہے اب دل کا حال مت پُوچھو
ہے یہ مشکل سوال مت پُوچھو

اُن کے جلوے سے بیخودی میری
ہائے وہ وجد و حال مت پُوچھو

تا نہ در آئی درنمی یا بی
کیا ہے یہ حال وقال مت پُوچھو

کیا لبِ بام میں نے دیکھا ہے
عرشِ اعظم کا حال مت پُوچھو

کون اس نکتہ کو سمجھتا ہے
رُخِ زیبا پہ حال مت پُوچھو

ہے ہر اک پائمال مت پُوچھو
اُن کی وہ چال ڈھال مت پُوچھو

آئے دن زلزلہ ہے پھر سیلاب
کیا بُرا ہے یہ سال مت پُوچھو

کیا ترقی کی ہو کوئی اُمید
ہر طرف ہے زوال مت پُوچھو

فکرِ اُردوٗ کے ہے مٹانے کی
ہائے یہ بول چال مت پُوچھو

پارٹیوں سے پارٹ پارٹ ہے قوم
ہے عجب اس کا حال مت پُوچھو

جلی مسجد بھی گولیاں بھی چلیں
اُف کلانواں کا حال مت پوچھو

ہے یہ اپنے وطن کا نیک سُلوک
اُن کا یہ اشتعال مت پُوچھو

(۵)

مرے گھر جلوہ فرماؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ
مجھے اتنا نہ تڑپاؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

ادھر مڑ کر تو دیکھو اپنے مشتاقوں کے مجمع کو
ذرا تشریف تو لاؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

تمہاری مجلسِ ذکرِ ولادت ہے، مرے مَولا
یہاں دم بھر کو بھی آؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

خُدا را جلوہ فرما کر بڑھاؤ بزم کی رونق
مجھے اتنا نہ ترساؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

نہ آؤ میرے گھر اور جاؤ نہ غیروں کے گھر شب کو
مُجھے تو اب نہ شرماؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

سُنا ہے چُھپ کے تم آتے ہو اپنے ذکرِ مَولد میں
خُدا را اب نہ للچاؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

نگاہِ لُطف ہے غیروں پہ ہم محروم قسمت ہیں
ادھر بھی تیر برساؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

نہیں اب ضبط کا یارا کہاں تک یادِ مژگاں ہو
مرا دل یوں نہ برماؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

خُدا را نا خدائے کشتی امّت مدد کرنا
بچانے سب کو اب آؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

بُلانے سے نہیں آتے ہو کیا تم ہو خفا مُجھ سے
میں ہوں قُربان مَن جاؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

اُلجھتا ہے مرا دم سوزِ فُرقت سے مرے مَولا
اب اس گتّھی کو سُلجھاؤ مُحمّد مصطفےٰ آؤ

تمہارے خیر کو اب رٹ لگی ہے رات دن اس کی
مُحمّد مصطفےٰ آؤ ، مُحمّد مصطفےٰ آؤ

(٦)

اپنے عاشق کو مری جان ستاتے کیوں ہو   آتشِ ہجر سے تم ہم کو جلاتے کیوں ہو
میں تو واللہ تمہارا ہوں اِک ادنیٰ ساغُلام   خدمتوں کو مری اے یار مٹاتے کیوں ہو
ملنے کا کرتے ہو تم روز ہی جھوٹا وعدہ   بختِ خُفتہ کو مرے جھوٹ جگاتے کیوں ہو
سچ کہو میری وفا کا بھی کچھ آتا ہے خیال   گر خیال آتا ہے تو ہم کو ستاتے کیوں ہو
جس کے دل میں ہو بسی تیری رسیلی آنکھیں
اس سے تم اے مری جاں آنکھ چُراتے کیوں ہو

ردیف: ہ

(۱)

آہ حالِ دل خراب نہ پُوچھ   ہے وہ اِک دفترِ عذاب نہ پُوچھ
کم ہیں تیرے کرم سے میرے گناہ   اس سے اب زیادہ کچھ حساب نہ پُوچھ
کہاں جاتا ہے، ہے کہاں منزل   اس کو اب میرے ہم رکاب نہ پُوچھ

(۲)

یارو کرنا سچّا وعدہ   سچّا وعدہ پکّا وعدہ
تم سے پُورا ہو نہ سکے جو   عیب ہے، کرنا ایسا وعدہ
ڈینگ میں آ کر کر دیتے ہیں   لمبا وعدہ چوڑا وعدہ
حشر کے دن ہو شاید پورا   وہ کرتے ہیں ایسا وعدہ

یارو بات کے اپنی دھنی ہو   وعدہ ہو تو پکّا وعدہ
وعدہ خلافی بدخصلت ہے   کیوں کرے کوئی جھوٹا وعدہ
اب جو وفا کا وقت آ پہونچا   کہتے ہیں کس کا کیسا وعدہ
وعدہ کر کے کہہ دیتے ہیں   کیسا وعدہ کس کا وعدہ
جو وعدہ پورا نہیں ہوتا   کہتے ہیں اس کو جُھوٹا وعدہ
وقت پہ جو ایفا ہوتا ہے   کہئے اسی کو سچّا وعدہ
خَیر تو پورا کر کے رہیں گے
یہ نہیں ایسا ویسا وعدہ

(۳)

دِل کُشا لا اِلٰہ اِلّا اللہ   حق نُما لا اِلٰہ اِلّا اللہ
ہے جلا لا اِلٰہ اِلّا اللہ   کیمیا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
اس کا ذاکر فنا نہیں ہوتا   ہے بقا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
کیا حلاوت ہے، ذکر میں اس کے   دل رُبا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
جب نکیرین نے سوال کیا   کہہ دیا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
نورِ عرفان اسی سے ملتا ہے   حق نُما لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
ہیچ ہے اپنی ان نگاہوں میں   ما سوا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
یہ تجاہل کہ نام سُن کے مِرا   کہہ دیا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ
دمِ آخر زباں پہ ہو جاری   یا خُدا لَا اِلٰہ اِلّا اللہ

قلبِ مؤمن پہ نور کے خط سے ہے لکھا لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ
جوشِ مستی میں ہاں زباں پہ مری ہو ادا لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہ
خیرؔ کے دردِ دل کی یا اللہ
ہُو ادا لا الٰہ اِلاَّ اللہ

(۴)

تو اَحد ہے فرد ہے اے خُدا تری شان جَلّ جَلالہٗ
نہیں کوئی تُجھ سا ہے دوسرا تری شان جَلّ جَلالہٗ
جیسے چاہے پل میں بگاڑ دے جسے چاہے پل میں سنوار دے
تو پلک نواز ہو اے خُدا تری شان جَلّ جَلالہٗ
تو اُگائے بیج تو اُگتے ہیں تو کھلائے پھول تو کھلتے ہیں
یہ چمن ہے تُجھ سے ہرا بھرا تری شان جَلّ جَلالہٗ
جو بھلوں پہ تیرا پیار ہے تو بُروں پہ تیری سنوار ہے
ترے رحم کی نہیں انتہا تری شان جَلّ جَلالہٗ
مُجھے علم دے تو عمل بھی دے میرے علم کا مجھے پھل بھی دے
یہی رات دن ہے مری دُعا تری شان جَلّ جَلالہٗ
ترا خیرؔ عاصیِ بے نوا ہے گناہ گارو پُر ازخطا
اسے بخش دے تو مرے خُدا تری شان جَلّ جَلالہٗ

ردیف: ی

(۱)

عدو مرعوب ہو جس سے وہ صورت ہے مُحمّد کی
جو ہو محبوب عالم میں وہ صورت ہے مُحمّد کی
نہیں محروم جاتا ہے درِ اقدس سے کوئی بھی
یہ بخشش یہ عطا، جود و سخاوت ہے مُحمّد کی
خیالِ انتقامِ غیر بھی دل میں نہیں آتا
عدو ہے سامنے اس پر عنایت ہے مُحمّد کی
یہ حدِ محبوبیّت کی ہے کہ خود خالق ہی شیدا ہے
وہ صورت ہے مُحمّد کی وہ صورت ہے مُحمّد کی
تُلے اہلِ وطن ہیں اتنے ہم کو وہ مٹا ڈالیں
مدد کر اے خُدا مظلوم اُمّت ہے مُحمّد کی
کبھی خُدا بھی جھڑکے نہیں جاتے خطاؤں پر
یہ رحمت ہے مُحمّد کی یہ رحمت ہے مُحمّد کی
یہ مجمع سربلندوں کا حضورِ دوارِ محشر
مُنادی خیرؔ کہتا ہے یہ اُمّت ہے مُحمّد کی

(۲)

لیڈروں میں تو لڑائی ہو چکی   ان کی بھی زور آزمائی ہو چکی

خود غرض سے تو بھلائی ہو چکی   ہم سے اُن سے اب صفائی ہو چکی

میری جانب سے طبیعت پر ہے مَیل   تب تو پھر مُجھ سے صفائی ہو چکی

مُسلم و ہندو کا سمجھوتا محال   اس کی اب مُشکل کشائی ہو چکی

بَٹ چکی اب جوتیوں میں دال بھی   خوب اپنی جگ ہنسائی ہو چکی

کونسل کا بھی تو جھگڑا چُک چکا   ممبری کی ہاتھا پائی ہو چکی

اب ہے کیا کرنا بتاؤ دوستو   یا جو ہونا تھا بھلائی ہو چُکی

ہو گیا اپنا مرض اب لا علاج   لیڈروں سے اب دوائی ہو چکی

خیر اب تو کام آؤ قوم کے

مدح خوانی خودستائی ہو چکی

(۳)

جو پہنے سایۂ گلنار بیوی   عیاں ہو غیرتِ گلزار بیوی

جو ہو ہم پہلوئے اغیار بیوی   نہ کہئے یہ کہ ہے بدکار بیوی

فقط فیشن میں رہتی کچھ کسر ہے   نہیں رکھتے ہو ساتھ اے یار بیوی

مزا جب تو نئی تعلیم کا ہے   بغل میں ہو سرِ دربار بیوی

فٹن پر جایئے گر بہر تفریح   ہو ہم پہلو پری رُخسار بیوی

نہیں کچھ عیب بہر ایوننگ واک   جو جائے ہمرہِ اغیار بیوی

عوض بوسے کے مستعمل کرو کِس   یہی بولو کہ ہے اِک یار بیوی

کروشادی سے پہلے کورٹ شِپ تم   کہ اس سے ملتی ہے غم خوار بیوی

پسند آتا ہے تم کو طرز یورپ

میاں آزاد خودمختار بیوی

(۴)

سر پہ وہ اپنے رکھتا ہے خناس کی ٹوپی   اسٹاف کو پہناتا ہے وسواس کی ٹوپی

پہنے ہوئے پھرتا ہے وہ قرطاس کی ٹوپی   اسکول میں پہنی تھی کبھی آس کی ٹوپی

کیا رنگ بدلتا ہے وہ عیار فسوں ساز   ترکی کبھی مغلی تو کبھی داس کی ٹوپی

کیوں گندہ مضامین سے پراگندہ ہوئے ہیں   لکھتا ہے وہ پہنے ہوئے کناس کی ٹوپی

گُھیل ہیں مضامین تو بُرے ان کے خیالات   کیا اس نے اُچھالی ہے یہ سنڈاس کی ٹوپی

جس کھونٹے کے بل خوب اُچھلتا ہے وہ احمق   رکھتا ہے وہ سر پہ اُسی بُھتّاس کی ٹوپی

بندر کی طرح پھبکی دکھاتا ہے ہر اِک کو

وہ شوخ پہن کر کبھی نسناس کی ٹوپی

(۵)

جھبّو بابو نے ازرہِ لُطف   لا کر مجھے دی چھڑی پیاری

میلہ چھڑیوں کا ہے مرے گھر   کوئی ہے چھری کوئی کٹاری

یوں تو چھڑیاں ہیں ایک سے ایک   قدرت کی مگر یہ ہے سنواری

گرہیں اس کی ہیں عُقدۂ زلف   یا شاخ میں ہے شگوفہ کاری

ہے آج چھڑی عصائے پیری

چلنا ہے کل کھڑی سواری

قطعہ

(۶)

گؤ ماتا کے رکشا کی فضا دیکھ کے ہر وقت — کیا خوب بڑے لاٹ کو ہے سانڈ کی سُوجھی
کیوں فیکٹریاں کھلتی جاتی ہیں شکر کی — کیا اس میں حلاوت ہے جو یہ کھانڈ کی سُوجھی
ہندو میں بھی پرچار ہے بدھوا کی لگن کا — اب اتنی خرابی پہ انہیں رانڈ کی سُوجھی
کومک کا بھی ایک پارٹ ہے ہر ناچ میں لازم — محفل میں بھی یاروں کو جبھی بھانڈ کی سُوجھی

(۷)

آتے ہی مرے یار نے تکرار نکالی — تیور کبھی بدلے کبھی تلوار نکالی
موسیٰ کی طرح آ گیا غش اہلِ نظر کو — آنکھ اس نے سرِ بزم جو ایک بار نکالی
اب دشت نوردی میں نہ کانٹے ہیں نہ جھاڑی — اس عشق نے دل سے خلشِ خار نکالی
ہم کہتے نہ تھے شیخ کہ اچھی یہ نہیں چھیڑ — لو رند ملتے وہ پاؤں سے پیزار نکالی
پھر تم نے وہی قصّۂ اغیار نکالا — پھر تم نے پُرانی وہی گفتار نکالی
تم کو جو نہ آنا ہو نہ آؤ یہ ہے کیا چال — اب تو یہ نئی تم نے ہے رفتار نکالی
اے خیرؔ نہ تم مل سکے اُس شوخ سے آخر
تُم نے نہ کوئی صورتِ دیدار نکالی

ردیف: ے

(۱)

میرے اسلام کے بالکل مُخالف ساردھا بل ہے
سراسر زہر ہے پھر زہر بھی زہر ہلاہل ہے
یہ دست اندازیٔ مذہب نہیں سُننے کے قابل ہے
مسلمان مُردہ ہیں پہلو میں اُن کے زندہ اِک دل ہے
نکاح اب شاستر اور شرع کے رُو سے نہیں ہوگا
ہر اِک جانشیں یہ ننھی منھی ساردھا بل ہے
مُسلماں میں اگر کچھ عزّتِ اسلام باقی ہے
مٹا چھوڑیں گے اس بل کو مٹانے ہی کے قابل ہے
اب اس بل کو کسی چوہے کے بل میں ڈالئے صاحب
نہ یہ ہندو کے قابل ہے نہ یہ مسلم کے قابل ہے
نہیں جن کو خبر اسلام کے حرفِ الف سے بھی
غضب ہے ان کو حق گتھی کے سلجھانے کا حاصل ہے
نہیں حاجت ہے مسلم کے لئے جاہل کی بکواسیں
سندیں اس کی کافی ہے شریعت کا جو حامل ہے
خُدا سمجھے جو یوں مذہب کا اپنے خُون کرتا ہے
بڑا جاہل بڑا غدّار ہے مذہب کا قاتل ہے

(۲)

جب کام خُدا کا کرتا ہے — اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
ہر مُشکل کو آسان سمجھ — اسلام کا دم جب بھرتا ہے
تکبیر کہو تکبیر کہو — اس سے ہر کام سنورتا ہے

ہر خدمت کو اخلاص سے کر　　کیوں نام پہ اپنے مرتا ہے
حد ہو گئی اب اُو عہد شکن　　اس طرح بھی کوئی مُکرتا ہے
یارانِ وطن دھوکا تو نہ دیں　　کُچھ شبہ دل میں گذرتا ہے
اب پھوٹ پڑی ہے آپس میں　　شیرازہ ہائے بکھرتا ہے
یہ کیسی عدو سے سرگوشی　　کیوں دل میں تو گھر کرتا ہے
دل میں کُچھ اور زباں پر کُچھ
کیوں پھول ایسے کترتا ہے

منقبت

(۳)

ہمارے حضرت یحیٰی علی کی چادر ہے　　یہ ایک صاحبِ نسبت ولی کی چادر ہے
رموز وحدت وکثرت ہیں اس کے آنچل میں　　یہ ایک سرّ خفی و جلی کی چادر ہے
لگائیں گے اسے آنکھوں سے سر پہ رکھیں گے　　یہ میرے ہادی و رہبر ولی کی چادر ہے
ہر ایک تار سے لپٹے ہیں اس کے سو انوار　　تجلّیات سے سرّ جلی کی چادر ہے
قبول کیجیے حضرت یہ انجمن کی نذر
بڑے خُلوص کی یہ منڈلی کی چادر ہے

منقبت

(۴)

مرے شاہ یحیٰی کی چادر چلی ہے　　ہماری تمنّا کی چادر چلی ہے
چلو ڈھل رہی ہے شرابِ محبت　　چلو شاہ صہبا کی چادر چلی ہے
چمک اس پُر انوار کی مثلِ انجم　　کہ گویا ثریا کی چادر چلی ہے
قدم بڑھتا جاتا ہے مستی میں آگے　　اُمنڈتی یہ دریا کی چادر چلی ہے
یہ نذرانجمن کی طرف سے ہے شاہا
رعایا پرایا کی چادر چلی ہے

گلنار نظمیں

۱۳۵۱ھ

(۱)

حمد ہے خالقِ جہاں کے لیے　　نعت ہے شاہ مُرسلاں کے لیے
اُن کے اصحاب و آل پر ہو تمام　　بے حد و انتہا درود و سلام
بعد از حمد بندۂ آثم　　آپ کا یہ علی حسن خادم
بحُضورِ جمیعِ اہلِ صفا　　ہے بہ صد آرزو یہ عرض رسا
ہے بھتیجا مرا جو عالمگیر　　خوبرو نیک خود خوش تدبیر
ہے یہ ارمان وہ بنے دولہا　　سر چڑھے اس کے بیاہ کا سہرا
بھانجی سے مری وہ ہے منسوب　　گھر ہی میں ہے بیاہ خوش اسلوب
ہے بھتیجی کی بھی مری شادی　　فرض سے اس کے ہے سبک دوشی
ہے سریّا قریب ہی میں دہات　　ہیں وہاں ایک شریف خوش اوقات
نام روشن بھی ہے سراجُ الدین　　ذی شرف ذی کمال و با تمکین
اُن کا نور نظر ہے اِک لڑکا　　نام عبداللّطیف ہے پیارا
میرے گھر آئے گی برات اس کی　　پندرہویں کو ماہ شعبان کی
دونوں تقریب ساتھ ہی ہوگی　　جلوہ گر صورتِ خوشی ہوگی
دوسرے روز رُخصتی ہوگی　　یعنی سولہ کو ماہ شعبان کی
اس لیے عرض ہے بصد آداب　　ہیں جو میرے یگانہ و احباب

نوید شادی برخوردار صغیرالدین خلف مولوی رضی الدین صاحب ساکن قاضی بہیڑہ

(۲)

قلم وہ گوہر معنی پر ولا   عروس حمد کا جس سے ہو سہرا
مضامیں میں ہوں ایسے آب و جوہر   بنے وہ حمد کی دلہن کے زیور
خیال نعتِ شاہِ دیں جب آیا   بنا لولاک کا زر کار سہرا
مبارک باد ہر سو صدا ہے   جہاں میں دھوم ہے اک چہچہا ہے
بہار آئی ہے گھر میں بن کے دُلہن   در و دیوار پر ہے آج جوبن
بہار جاں فزا نے گد گدایا   دلی ارماں یکا یک لب تک آیا
رضیُ الدین خاک پائے احباب   گزارش کرتا ہے سب سے بہ آداب
مرا ہے لختِ دل اور میرا فرزند   صغیرالدین نور چشم و دل بند
یہ ارماں ہے بناؤں اس کو دولہا   میں دیکھوں اس کی اب شادی کا سہرا
صلاحِ دوستاں سے ہے یہ ٹھہری   مہہ آخر جمادی میں ہو شادی
روانہ ہو برات انیسویں کو   جلو میں فرحت و فرخندگی ہو
جو دھمواڑہ ہے بستی ایک مشہور   وہاں ہیں اِک رئیس اہلِ مقدور
ہیں وہ افضل حسین اور افضل اُلذات   انہیں کے گھر پہ جائے گی یہ بَارات
اسی شب ہو نکاح نیک فرجام   پھر اس کے بعد رُخصت کا ہو انجام

تمنا ہے مرے احباب آئیں
اور اس بارات کی زینت بڑھائیں

نوید

(۳)

خُدا کی حمد ہے اپنی زباں پر   دماغ اپنا ہے گویا آسماں پر
کیا گلشن میں جس نے گل کو پیدا کیا   بنایا اس پہ پھر بُلبل کو شیدا
مضامیں کا بنا ہر چند سہرا   عُروسِ نعت کے قابل نہ ٹھہرا
اب اس کے بعد اپنا مُدَّعا ہے   نظیر الدین کی یہ التجا ہے
رفیع الدیں مرا لختِ جگر ہے   مرا فرزند ہے نور نظر ہے
تمنا ہے اسے دولہا بناؤں   میں اس کے بیاہ کی شادی رچاؤں
صلاحِ دوستاں سے ہے یہ ٹھہری   جب آئے چودھویں ماہ رجب کی
روانہ ہو بارات اور کل کی سواری   محمد پور کہئے یا کواری
وہاں ہیں اِک رئیس اہلِ مقدور   نحیفُ الجسم ہے نام ان کا مشہور
انہیں کے گھر پہ جائے گی یہ بارات   انہیں کی لڑکی سے شادی کی ہے بات

تمنا ہے مرے سب دوست آئیں
اوراس بارات کی زینت بڑھائیں

نوید شادی صاحب زادہ مولوی سیّد عبدالحفیظ صاحب صدر گلی، پٹنہ

(۴)

گُلِ مضموں بڑی بہار پہ ہے   شاید حمد بھی نکھار پہ ہے
نعتِ فخرِ رُسُل میں صبح و مسا   طائرانِ چمن ہیں نغمہ سرا
نو عروسِ چمن پہ جوبن ہے   قابلِ دید آج گلشن ہے
جوش زن ہیں بہار گلشن پر   گل ہیں اتراتے اپنے جوبن پر
دیکھ کر فصل گل طرب افزا   ہے یہ عبدالحفیظ عرض رسا
میرا نورِ نظر جگر پارا   ہے حُسین احمد آنکھ کا تارا
آرزو ہے یہی بہ فضل خُدا   اس کے سر دیکھوں بیاہ کا سہرا
اُس کو دولہا بنا ہوا دیکھوں   اس کو نوشا بنا ہوا دیکھوں
عید کی نوزدہ جب آئے گی   دو قدم پر برات جائے گی
یعنی بھائی شکور کے گھر پر   جو ہیں نیک خصال نیک سیر
آپ کا گھر عُروسِ خانہ ہے   خرمی کا وہی ٹھکانا ہے
پھر یہ ٹھہری ہے بست و دوم ۲۲ کو   شوق سے دعوتِ ولیمہ ہو

ہے توقع کہ آپ آئیں گے
میری توقیر کو بڑھائیں گے

نوید شادی عزیز ابُو القاسم خلف برادرم ابُو المظفّر سلمہ اللہ تعالیٰ

(۵)

عُروس حمد کے لائق نہ ہو گلِ مضموں   بنے یہ صفحۂ گلزار بھی اگر گلگوں
نہ کوئی پھول ہے دستارِ نعت کے قابل   نثار ہو گل و گلزار اس پہ الحاصل
ابُو المظفّر ناچیز خاکسارِ جہاں   یہ ملتجی ہے بہ خدمت برادر و اقراں
کہ میرا نور نظر لختِ دل ابُو القاسم   ہے کتخدائی کا اس کی یہی بھلا موسم
نویں جو عید کی آئے تو ہو روانہ برات   براہ ریل دیواجت کہ جو ہے ایک دہات
اُتر کے ریل سے مہسی میں پھر چلیں یکسر   جناب بھائی تفضّل حسین کے گھر پر
پھر اس کے بعد ہے دو لڑکیوں کی بھی شادی   کہ اس سے ہوتی ہے اِک فرض سے سبکدوشی
برات دونوں کی انیسویں کو آئے گی   نشاط خرمی ایک ساتھ ساتھ لائے گی
برات آتی ہے ابھوا سے با جلوس و بشاں   جناب سیّد رمضان علی کے گھر سے یہاں
پھر ایک آئے گی بھائی ابوالعلیٰ کے گھر سے بارات   یہ بستی ہی کی ہے بارات سر بہ سر برکات

مجھے یہی توقّع کہ آپ آئیں گے
ہماری عزّت و توقیر کو بڑھائیں گے

(۶)

حمد ہے خالقِ جہاں کے لیے   نعت ہے شاہِ مُرسلاں کے لیے
بعد از حمد و نعت و بعد سلام   خاکپائے برادرانِ کرام
یعنی خادم ابُو العُلا عاصی   عرض کرتا ہے یہ بہ شوق و خوشی
آرزُو اپنے دل میں بھی ہے یہی   بھائیوں کی صلاح یہ ٹھہری

کتخدا ہو مرا ابُوالاعلیٰ   اس کو دیکھوں بنا ہوا نوشا
عید کی نوزدہ جب آئے گی   بستی ہی میں برات جائے گی
یعنی بھائی مظفّر ذی شاں   اُن کے گھر پر برات ہو مہماں
بیسویں کو بہ صد نشاط و خوشی   اُن کے گھر سے برات لوٹے گی
اتنی ہے التجا کہ آئیں آپ
آ کے عزّت مری بڑھائیں آپ

(۸)

حمد پر آئی ہے اِک تازہ بہار   گلشن نعت پہ ہے اِک نکھار
نکہتِ گل دے معطر ہے مشام   شادمانی کا ہے ہرسُو سے پیام
دیکھ کر ایسی خوشی کا سامان   عرض کرتا ہے عَطَاءُالرّحمان
بھانجا میرا خجستہ فرجام   ہے جلیل اس کا پیارا سا نام
میری لڑکی سے ہے اُس کی شادی   اپنے ہی گھر میں ہے دُہری شادی
مہِ شوال کی پچیسویں کو   عقد ہو ، مجھ کو سُبک دوشی ہو
دوستوں سے ہے یہ امید اتم   اتنا احسان کریں اور کرم
لائیں تشریف بڑھائیں عزّت
اور جلسہ کی بڑھائیں زینت

(۹)

بہار آئی ہے خُرّمی چارسو، ہے   زباں پر عنادل کے بھی فانکھُوا ہے
بہار آئی سرسبز ہے باغ و صحرا   گل حمد کا ہے کھلا خوب سہرا
گلِ نعتِ فخرِ رسل پر ہے جوبن   نثار اس پہ گُلزار گل اور گلشن
درُوددوں کے گل ہائے تازہ نچھاور   بروُح صحابہ برُوح پیمبر
بہار آئی ہے خُرّمی رونما ہے   یہ سجّاد اب مظہر مدّعا ہے
کہ ہے میرے بھائی کے دل کا جو پارہ   محمّد سُہیل آنکھ کا میری تارا
یہ ہے آرزو اس کو دُولہا بناؤں   تمنّا یہ ہے اس کو نوشا بناؤں
جمادیٰ الاوّل ہے بہتر زمانہ   برات اس کی ہو ہفدہم کو روانہ
کٹونا سے شاداں بہ سوئے دیانواں   بہ قصر حکیم عبد قیوم ذی شاں
توقع یہ ہے آپ تشریف لائیں   مری آبروٗ اور عزّت بڑھائیں
ہے اکیسویں دس بجے دن کو دعوت
طعامِ ولیمہ میں فرمائیں شرکت

مُفرداتِ شادمانِ خیؔر

۱۹۳۱ء

از نگارش نامہ از بس دریغ آمد مرا
چشم قاصد از تو روشن چشم راقم مُنتظر

مُبارک نو نہا لو عید تم کو
مُبارک خوش جما لو عید تم کو

خیؔرکو سُن لو کہ اس گلشن میں
نہ سُنے گا کوئی بُلبل کا ترانا ایسا

چلا ہے جانب مدفن غریب کا لاشہ
کچھ آج گورِ غریباں میں کھلبلی ہو گی

وہ کہے جاتے ہیں نحنُ و اقرب
حال یہ ہے کہ بہت دُور ہیں ہم
گالیاں بانیٔ اسلام سُنیں
اتنے مولا مِرے ' مجبور ہیں ہم

یہاں تک آئے ہوتو داغ ہجراں دیکھتے جاؤ
مرے دل کا پھلا پھولا گلستاں دیکھتے جاؤ
کیا تن سے جُدا سر، بارِ تن ہلکا ہوا اپنا
ہوا ہم پر یہ کس کا بارِ احساں دیکھتے جاؤ

تیرے قربان عید قرباں میں
آؤ سینے سے اب لپٹ جاو

ماہر و ہو نہ بغل میں تو کہاں چین ہو آج
عید کا چاند جو آئے تو عیدین ہو آج

مُجھ سے جب عید میں وہ چاند کا ٹکڑا نہ ملا
عید ہی اپنی نہیں کوئی ملا یا نہ ملا

عید کے دن بھی تم سے نہ مل سکے
دل کا غنچہ وہ ہے جو کِھل نہ سکے
عید آئی ہے گلے مل لیجیے
مُضطرب دل کو تسلّی دیجیے
عید کے دن بھی تم سے مل نہ سکے
دل کا غنچہ وہ ہے جو کِھل نہ سکے

عید آئی ہے ادھر آؤ گلے سے لگ جاؤ
عید ملنا ہے تو سینہ بھی ملے دل بھی ملے

عید کے دن تو مری جان چلے آؤ کہیں
عید ملنے کے بہانے سے بھی مل جاؤ کہیں

وہ حسیں اب مرے بغل میں نہیں
ہائے افسوس کس سے عید ملیں

یہاں کی عید تو ہے بختِ واڑ گون کی عید
مُبارک آپ کو یہ پیاری دہرہ دون کی عید
اُداس اور ہے پھیکی یہ خُسرو پور کی عید
الٰہی تم کو مُبارک ہو راج پور کی عید
ہے سنائی یہ خُسرو پور کی عید
مُبا رک تم کو ا صغر دُ و ر کی عید

اکیلی عید تو گویا ہے مار دھاڑ کی عید
بہت بلند و مبارک ہے یہ پہاڑ کی عید
بغیر دوست کے ہے عید سینہ چاک کی عید
جو خط سے عید ملے تو ہوئی یہ ڈاک کی عید
وہ عید کیا جو نہ ہو مجھ کو حُضوری کی عید
مُبارک آپ کو ہر طرح مسوری کی عید

(۷رمئی ۱۹۲۹ء)

اُس شوخ کا جب خواب میں گیسو نظر آیا
لہراتا ہوا سانپ ہر اِک سوٗ نظر آیا

لب پر نہیں ہے اپنے فغاں آج کیا سبب
دِل میں نہیں ہے درد نہاں آج کیا سبب

چرخِ چارم پہ خجل مُجھ سے مسیحا ہوتا
ساتھ اُس شوخ کے جھولے پہ جو بیٹھا ہوتا

تو چاہے تو یُوسف سا کئی لاکھ خریدے
اے جانِ حسین حُسن کی دولت کے بدولت
آج ہے لب پہ نہیں اپنے فغاں کیا باعث
آج ہے دل میں نہیں در دِنہاں کیا باعث

جو پہلو میں بیٹھے بناتے تھے باتیں
مکرّر وہی لے گیے ہیں مرا دل

صورتِ زیبا ذرا اپنی دکھا دو یا رسولؐ
من رَانی کا مزا مجھ کو چکھا دو یا رسولؐ

نہ پوچھ خانہ خرابی کو میرے اے صیّاد
جلایا برق نے کب آشیاں نہیں معلوم

خواب میں بھی نظر نہیں آتے
ساتھ تھا جن سے چولی دامن کا

اب دل کی چمک سمجھ میں آئی
اللہ تمہیں تھے میرے دل میں

عزیزوں کے جاؤ ملو غیروں سے بے کھٹکے
ہمیں سے تم کو ملنے کا مگر موقع نہیں ملتا

اُٹھائیں تیغ اُدھر وہ، اِدھر جُھکے گردن
زہے نصیب کہ یوں بھی سلام ہو جائے

کہے یہ کون کہ ہے آپ کا دہن معدوم
کبھی جو طور پہ ہم سے کلام ہوجائے

مرے ملیح کا کوئی صبیح دیکھے اگر
ہزار جان سے اس کا غُلام ہو جائے

سرِ طُور باتوں کا وُہ مزا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نہیں نہیں کی جو تھی صدا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

محبت سے بُلایا ہے تو میں بھی شوق سے پہنچا
یہ دیکھیں کون کون ارمان اب دل سے نکلتے ہیں

کبھی تو اِک نگہہ لُطف اس طرف ہوجائے
ترے کرم ہی کے اُمّید وار ہم بھی ہیں

دوسروں کے لیے بے چین رہا کرتے ہو
کبھی میرے لیے بھی دل میں کھٹک ہوتی ہے

یہ وہ خزاں ہے نہیں ہے بہار جس کے بعد
اگرچہ بعد خزاں کے بہار ہونا تھا

کیا کہوں اپنے دل سے ہوں مجبور
بات پر بات یاد آتی ہے

نہ ملنے کا تمہیں اے خیرؔ اتنا کس لیے غم ہے
تمہاری یاد اُن کے دل میں باقی ہے یہ کیا کم ہے

اس سے کہنا تھا تخلیہ میں دل
میں ہوا تیرا تو مرا نہ ہوا

تیری آنکھوں میں ہر گھڑی رہتا
ہائے افسوس میں ترا نہ ہوا

دسترس ہوتی تیرے قدموں تک
ہے یہ حسرت کہ میں حنا نہ ہوا

ہم نہ رہیں کہیں کے بھی اس کے آشنا ہوکر
ہجر میں گیا دل بھی یار بے وفا ہوکر

دل سے بُھلاؤں کس طرح بھولنے کی ادا یہ ہے
ناز سے کسی کا وہ روٹھنا خفا ہوکر

ظُلمِ فلک سے ایک دن جب کہ مٹنے ہی کو ہیں
کاش مٹ بھی جاتے ہم ان کے نقشِ پا ہوکر

ہے حمائل ہاتھ اُن کا آج گردن میں مری
پھر سُناتی ہیں مجھے کیوں لن ترانی چوڑیاں

بڑا دن مُبارک کرسمس مُبارک
مُبارک مُبارک سدا بس مُبارک

سدا ہو ترقی رہے عیش و عشرت
ہمیشہ رہے شال و اطلس مُبارک

عدو آپ کے غم کریں سر کو پیٹیں
جو دشمن ہوں اُن کو یہ پٹس مبارک

عنایت رہے حال پر بھی ہمارے
زمانے کو ہو آپ کا جَس مُبارک

مُبارک ہزاروں یہ عید کرسمس
میّسر ہوتا جشنِ دید کرسمس

کرسمس کی برکت سے پھولو پھلو تم
مبارک سدا ہو رسید کرسمس

تمہاری خوشی کی بدولت ہمیں بھی
ملے مدّعا اے کلید کرسمس

ٹُور کو تم لوگ جو کہتے ہو گاؤ
ساتھ اس کے بین بھی تو تم بجاؤ

یہ تو ہے پیغمبر اپنے وقت کا   عاشقی سے کیوں نہ ہوتا قاصد کو ربط
یاس کی ہم سے نہ پوچھو لذت   اس کو قسمت سے مری ہے اک ربط
یاد ہے اپنی پریشانی دل   یاد ہے اپنا وہ رہنا مخبوط
یوں تو کہنے کو ہے زبان مُنہ میں   ہے زباں بندی سے زباں بھی ضبط

ہم کو جنّت نہ ملے کیا معنی   باوا آدم کی نہیں یہ میراث
ہمیں جنّت کے اے واعظ ہیں وارث   ہمارے باوا آدم کی ہے میراث
مرا ترکہ ہے جنّت میں یقینی   کہ ہے یہ حضرتِ آدم کی میراث
یار کیوں فکر کروں میں جنّت کی   ابن آدم ہیں ارم کے وارث
ادا و ناز و غمزہ اے مری جان   نہیں اسلام میں جائز یہ تثلیث

یار کا پیکان جگر میں ہے کہ میرے دل میں ہے
دیکھ لو تم چیر کر پہلو عبث ہے اس پہ بحث
یاد ہم کو نہ دلا قہر و غضب کے احکام
پڑھ خدا کے لیے واعظ کوئی رحمت کی حدیث

اگر جفا کار خطاوار ہیں ہم   ہے یہ اقرار کہ و اللہ گنہ گار ہیں ہم
غرق دریائے معاصی ہیں سیہ کار ہیں ہم   اپنے ہی نفس کے ہاتھوں سے تبہ کار ہیں ہم

گہر ہائے مضامین سے مرا معمور ہے سینہ
بہت ہی دور رہتا ہے زوال اپنے خزانے سے

جو تڑپ ان کی قدم بوسی کی اپنے دم میں ہے
بے قراری اضطراری یہ کہاں بسمل میں ہے

☆

ہمارے نالۂ شبگیر کو سُن کر مؤذن بھی
پریشان ہو کے وہ کانوں پہ اپنے ہاتھ رکھتا ہے
عیاں ہے شور بختی سے مری تیری ملاحت سے
فلک بھی ہے کوئی جزو عناصر خاکِ آدم میں
محبت سے کسی کا دل ہو خالی ہم نہ مانیں گے
کہ یہ تو جزو لاینفک ہے خیرؔ اجزائے آدم میں

جو روضے پہ با چشم تر جائیں گے   خُدا کی قسم ہم تو تر جائیں گے
نہ گذرے ادھر سے دمِ نزع تم   تو ہم اپنے جی سے گذر جائیں گے

کیوں ہے دل بے قرار مت پُوچھو   کیوں ہے یہ دل فگار مت پوچھو

۳؍شوال المکرّم ۱۳۶۵ھ، سیّد احمد سلّمہٗ کو جمشید پور ٹاٹا نگر میں اور سیّد محمد سلّمہٗ کو بنگلور میں عید کارڈ لکھا

بچے باہر ہوں تو پھر کیسی عید ہے   ہوں دیس میں واللہ بدیسی ہے عید
گھر میں ننّھا سا حسن پوتا ہے   بچے سے ملے ہیں خیرؔ ننھی ہے عید

سخن تازہ اخباری

۱۹۳۷ء

(سخن تکیہ) کیا نام کہ

(۱)

کیا نام کہ ہے ہند میں آہ و فغاں کیا نام کہ
بے جُرم کتنے قید ہیں پیروجواں کیا نام کہ
ہے جُرم یہ کیا نام کہ تقریر تم کرتے ہو کیوں
رُک جائے گی کیا نام کہ اس سے زباں کیا نام کہ
ہے جیل آزادی کا گھر کیا نام کہ آرام گہہ
کیا نام کہ احرار کا ہے یہ مکاں کیا نام کہ
ہیں قید میں آرام سے کھاتے ہیں سُوکھی روٹیاں
کیا نام کہ غلّہ بہت ہی ہے، گراں کیا نام کہ
دیکھو مسلمان رہو کیا نام کہ ثابت قدم
کیا نام کہ آتا ہے وقت امتحاں کیا نام کہ
اُن کے ستم اور جور پر کیا نام کہ کُڑھتا ہے جی
کیا نام کہ اٹھتا ہے اب دل سے دھواں کیا نام کہ

(۲)

یہ بے سبب نہیں غدار امیر علی کا ذکر
سمجھ رہا ہوں کسی سے کہی بدی ہو گی

ہمیں نہ روکو ادائے فریضۂ حج سے
قیامت آئے گی اس میں اگر کمی ہو گی

خیالِ دوستی مُسلم و ہنود محال
اِدھر تو ہو نہیں سکتی ہے، ہاں کبھی ہو گی

ہٹے نہ پاؤں ذرا جادۂ شریعت سے
ہمارے لیڈرو دیکھو بہت بُری ہو گی

یہ بے سبب نہیں کابل سے قصد اٹلی کا
ضرور پہلے ہی سے کچھ کہی بدی ہو گی

مُخدّرات نے کٹوا دیئے ہیں بال اپنے
وبال تھے بھی یہ، اب وضع یورپی ہو گی

کسی طریقے سے سُلجھے نہ کابُل وحشی
کجی ہو جس میں کہاں اس میں راستی ہو گی

ابھی نہیں تو مزا کل ملے گا وحشت کا
یہ یاد رکھو کہ اِک روز نادری ہو گی

کہہ مکرنیاں

(۱)

اپنے تخت پر جب وہ آئے   ہاں میں ہاں وہ خوب ملائے
گویا ہے وہ نقلِ محفل   اے سکھی ساجن نا سکھی کونسل

(۲)

رن میں شیر بنا غرّائے   پھر یونان کو مار بھگائے
ہو جس سے یورپ میں بھونچال   اے سکھی ساجن نا سکھی کمالؔ

(۳)

مر مر کر زندہ ہو جائے   جس سے مسیحا بھی گھبرائے
دیکھ یہ کرتب دشمن ششدر   اے سکھی ساجن نا سکھی انورؔ

(۴)

مَینچسٹر سے جیتے پالا   یورپ کا وہ نکالے دِوالا
جس سے لگے حکام پہ نشتر   اے سکھی ساجن نا سکھی کھدّر

(۵)

گھر گھر جا کر جس کو جگائے   آپ پھنسے اور سب کو بچائے
آزادی کی چلائے آں دھی   اے سکھی ساجن نا سکھی گاندھی

(۶)

اب کے تو خوب ہی پڑا جاڑا   اپنی سردی پہ ہے اَڑا جاڑا
وہ کڑے کا غضب کڑا جاڑا   کہتے ہیں سب کہ ہے بڑا جاڑا

نظم

اب تو سردی سے ہو رہا ہے فشار
دھوپ دن کو تو رات کو ہے نار

ساقیا آج ٹھنڈی ٹھنڈی لا   سُنتا کچھ بھی ہے اُو گھمنڈی ! لا
نہ ہو دیسی تو لا برنڈی لا   لا بلا سے تو آٹھ گنڈی لا

مست ہیں ہم ہمیں پلا ٹھرّا
ہم کو لکھنا ہے کہرے کا کہرّا

اب تو لاسین ہو رہی ہے کڑک   خالی ہونے ہی کو اب کا یک
کہاں کرزن کی اب وہ تک میں تک   چچرن کہہ رہا ہے یوں دوٹک

سارا نگلا ہوا اوگلوالو
غیر اقوام کو نکلوالو

ساقیا یاد ہے وہ دن بھی تھے   بات بھی ہم سے وہ نہ کرتے تھے
اب جو احرار کے پڑے جوتے   تکلے کی طرح ہو گئے سیدھے

درۂ دانیال لو تھریس بھی لو
لو سمرنا لو اپنا دیس بھی لو

ترک کی مار ہوتی ہے ایسی   کرنی جیسی تھی بہرنی ہے ویسی
صلح کی بات اب یہ ہے کیسی   کیچولیشن کی ایسی تیسی

تیغ نکلی جو چھوڑ کر کاٹھی
پھر تو بھینس اس کی جس کی ہے لاٹھی

لیجئے موصل کو کیجئے نہ درنگ　　اب حریفوں کو کیجئے چورنگ
دل میں اپنے بڑھی ہوئی ہے اُمنگ　　صلح ہیں چالبازوں کے ڈھنگ
یہ تو دھوکے کی ایک ٹٹّی ہے
کنفرس ایک دھوکا پٹّی ہے

تیغِ احرار کاٹتی جائے　　باسفورس کو پاٹتی جائے
خونِ دشمن کو چاٹتی جائے　　دشمنوں کو وہ ڈاٹتی جائے
مغربی ہی تھریس میں وہ تھمے
جاکے ایتھنس اپنا پاؤں جمے

ہے یہ احرار پر بڑا دھبّا　　دور میں کتنا ان کا ملک ہو گیا
اس کو واپس لیں تب ہو نام بڑا　　ورنہ ہم تو نہیں ہیں خوش اصلا
مُلکِ عبدالحمید واپس لو
تب تو احرار ترک بیشک ہو

ہے بجا اب کمالؔ سے امید　　سن رہا ہوں یہ ہر طرف سے نوید
مجلسوں میں خوب گفت و شنید　　فوج پر ہو رہی ہے اب تاکید
شام ، موصل عراق اور عرب
آئے قبضے میں اپنے سب کا سب

جس طرف یا خُدا کمال بڑھے　　اور یہ پرچم ہلال بڑھے
ساتھ ہی جاہ اور جلال بڑھے　　بڑھے اقبال لازوال بڑھے
نُصرتِ حق اب اس کے شامل ہو
یہ ہمارا کمال کامل ہو

لو درّۂ دانیال

ساقیا نہ مُجھ کو ٹال　ہاں ڈھال جلد ڈھال　موذی کا دم نکال　یونان ہے زوال
پھیلا دیا ہے جال　لازم ہے گوشمال　کھینچو اب اس کی کھال　کب تک یہ قیل و قال
اے مُصطفےٰ کمال لو درّۂ دانیال

موذی ہے یہ گریک　بھاگا ہے گالمیک　بھولا ہے اپنے لیک　اب اس کو کیجئے ٹھیک
حال اس کا ہے رکیک　گائے گا یوسلیک　مانگے گا اب یہ بھیک　پکڑو اب اس کی ٹیک
اے مُصطفےٰ کمال لو درّۂ دانیال

آپس میں ہے نفاق　ہوتا ہے اب خناق　سمجھا تھا کچھ مذاق　ڈھیلے ہیں اب نطاق
ترکوں کی وہ تڑاق　پھر وہ تڑاق پڑاق　جاتا ہے اب عراق　چھوڑو کہیں چناق
اے مُصطفےٰ کمال لو درّۂ دانیال

میرا ہے یہ سندیس　خالی کرو تھریس　ظاہر ہے اب یہ کیس　یہ ہے ہمارا دیس
آئے ہو اوڑھے کھیس　بدلے ہوئے خوب بھیس　ہر طرح ہم ہیں لیس　تم کو لگے نہ ٹھیس
اے مُصطفےٰ کمال لو درّۂ دانیال

کیا التوائے جنگ　یہ سب ہیں ان کے ڈھنگ　جنگید بے درنگ　ہاں جنگ جنگ جنگ
دشمن ہیں اب تو دنگ　فق ہے اب اُن کا رنگ　ہے فتح کی ترنگ　دل میں ہے اب اُمنگ
اے مُصطفےٰ کمال لو درّۂ دانیال

باپ رے یہ کمال رجمنٹ ہے

سامنے آوٗ کی لگی رٹ ہے — اس طرف چلمن اور گھونگھٹ ہے
فتح ترکوں کو اب کھٹا کٹ ہے — سر پہ یونان کے پھٹا پھٹ ہے
اب یہ در چھوڑ کر کہاں جائیں — یہ جبیں اور تیری چوکھٹ ہے
جھومتی آرہی ہے کالی گھٹا — حُور کھولے ہوئے کوئی لٹ ہے
دُرد آشام کو پلا دے کچھ — لا پلا دے بلا سے تلچھٹ ہے
کیا اناطولیہ کا حال کہیں — اب تو یونانیوں کا مرگھٹ ہے
جا کے مِٹلن میں مٹّی پکڑی ہے — چت گرایا مگر وہ اب پٹ ہے
ہے تھریس اور اتھنس میں گڑ بڑ — اب تو یونان سارا چوپٹ ہے
پوچھتے ہیں چناق میں ڈر سے — کیوں ہرنگٹن یہ کس کی آہٹ ہے
بدحواسی میں چیخ کر بولا — باپ رے یہ کمال رجمنٹ ہے
وہ ہرنگٹن کی آرزو منّت — کیا خوشامد ہے کیا لگاوٹ ہے
کس میں دم ہے جو آئے لڑنے کو — اس کو کچھوی ہے اس کو بروٹ ہے
مارتے کاٹتے چلے جاوٗ — صاف میدان ہے صفا چٹ ہے
ریل دو سب کو مارسورا میں — یہ رُکاوٹ میں کچھ رکاوٹ ہے
سب کے سب ہوگئے ہمارے دوست — وہی عیار ایک نٹ کھٹ ہے

اب ہرنگٹن کو خیرؔ ہوش کہاں
سارے تن من میں سنساہٹ ہے

کانگریس کی بہار

بڑے اُمنگ پہ اب کے ہے کانگریس کی بہار — گیا میں دید کے قابل ہے اس برس کی بہار
پکارنا اب وہ ادب سے رضاکاروں کا — سمجھئے بانگ درا اُسے جرس کی بہار
جُلوس صدر کی شان و شکوہ شاہانہ — وہ زرق برق سوار اور وہ فرس کی بہار
وہ جی حضوری و عمال کا ترسنا ہائے — وہ کانگریس کی لپک ان کی وہ ترس کی بہار
وہ ڈیلیگیٹوں کا جوش و خروش سے ملنا — عجیب ولولہ رکھتی ہے اس درس کی بہار
پڑا ہے اب کے برس ہی تو کانگریس میں رس — غضب ہے ہند میں ہرانجمن کے رس کی بہار

قدیم عہد کے کھدّر کا ہے یہ نظّارہ
سوراج پور میں ہے خیرؔ سندرس کی بہار

لاسین کانفرنس

ہم نے بھی لاسین کو دیکھا — بالشویک چچرن کو دیکھا
مجلس میں کرزن کو دیکھا — چالڈ سے پرفن کو دیکھا
بحثِ کیپچولیشن دیکھی — کانفرنس میں اُلجھن دیکھی
کرزن کی وہ پھسلن دیکھی — عصمت کی وہ اینٹھن دیکھی
کرزن کو دھمکاتے دیکھا — باتوں میں بہلاتے دیکھا
باتیں خوب بناتے دیکھا — سر کا بھیجا کھاتے دیکھا
دیکھا قبرستان کا ماتم — ہائے وہ دیدۂ کرزن پُرنم

ڈانٹ کے بولا تُرکی ضیغم
دیکھ لو اب ترکوں کا دم خم

موصل کی وہ کشتی دیکھی
باہم دھینگا مُشتی دیکھی

دیکھی وہ کرزن کی دھڑکن
اور صدائے لیگ نیشن

اس پر امریکہ کی ٹیکن
ترکوں کی چھلین پر چھلین

تیل پر سب کی رال ٹپکنا
سب کا قدم روغن پہ پھسلنا

اُن کا روغنِ قاز وہ ملنا
دیکھا وہ کرزن کا لچکنا

اسپچوں میں گرمی دیکھی
یورپ کی ہٹ دھرمی دیکھی

کیا کیا کچھ بے شرمی دیکھی
ترکوں کی وہ نرمی دیکھی

دیکھنا اور ابھی ہے باقی
طئے ہونا ہے حد عراقی

بھاگ چلا مجلس کا ساقی
خَیر پڑھو اشعار فراقی

۳۰/جنوری ۱۹۲۳ء

ساقی نامہ

(ہفتہ، جلد دوم، ضیافت پنچ۔ ۱۳۴۱ھ)

جاڑا گذرا اب آئی گرمی
موسم نے بھی دکھائی گرمی

جو ٹھنڈے تھے گرم ہو گئے ہیں
جو سخت تھے نرم ہو گئے ہیں

اب دھوپ میں آگئی ہے تیزی
شبنم کی گئی وہ اشک ریزی

کوئل کی کوک کا مزا ہے
کیا اس کی ہوک کا مزا ہے

وہ بادِ صبا کے سرد جھونکے
کتنے ہیں خوش گوار ٹھنڈے

چڑیاں کیا چہچہارہی ہیں
پیارے نغمے سُنا رہی ہے

ساقی اس فصل میں نہ اب ٹال
جو کچھ موجود ہو وہی ڈھال

اب تشنہ لبی سے جاں بہ لب ہوں
ہے گرم مزاج پر غضب ہوں

ہاں دل کی لگی بُجھا دے ساقی
اب دیر نہ کر پلا دے ساقی

پانی کے بھیس میں جو ہے آگ
ہے گرمیٔ دل کو اس سے اِک لاگ

اس آگ کو برف سے بُجھا دے
مہتاب میں آفتاب لا دے

ساقی ہمت نہ پست کرنا
یاروں کو ہے آج مست کرنا

ہے جشنِ جلوس سالِ ثانی
ہے پنچ کی آج میزبانی

گڈ ہیلتھ کا جام ''پنچ'' کے ڈھال
سارے دشمن ہوں اس کے پامال

مہمانوں کو آج تو چھکادے
ساقی دریائے مئے بہا دے

وہ سوختہ ہم خیال آتش
ہے گرم زبان کو جس پہ نازش

ہے پنچ میں اک بہار ان سے
صفحے ہیں لالہ زار اُن سے

ٹھنڈی ٹھنڈی اُنہیں پلا دے
اُن کے دل کی لگی بجھا دے

ہاں ثاقب دہلوی کو ساقی
نشتر جالندھری کو ساقی

شوق قدوائی خوش بیاں کو
میربسمل سے تر زباں کو

جی بھر کے پلا کہ وجد آئیں
زور قلم اپنا خوب دکھلائیں

ہشوندوی کو بھی چھکا دے
اپنی وحشت انہیں دکھا دے

وہ شوخ بیاں ظریف بھوپال
شوخی کی نہیں ہے جن کی تمثال

دے بادۂ پُرتگال اُن کو
دکھلا اپنا کمال اُن کو

تلچھٹ خُم میں رہے جو باقی
وہ خَیر کو دیدے میرے ساقی

پی کر تری خیر یہ منائیں
دیں پنچ کو دل سے یہ دُعائیں

یارب رہے اس کا خوان معمور
مطبخ رہے گرم حسب دستور

(برائے ضیافت پنچ لاہور۔ ۱۳۴۱ھ)

مَسْلکِ حاضرہ

(۱)

غیر مُسلم سے محبت کی اُمّید
بے مروت سے مروّت کی امّید؟
دوست کے جامے میں ہیں گرگ بچّے
ایسے گر گے سے عنایت کی امید ؟

(۲)

ہیں زبانوں پر لفظِ اتّحاد
دل میں رکھتے ہیں چھری یہ بد نہاد
ہم تو اُن کی دوستی پر غش رہے
یہ شدھی سے ہم پہ کر بیٹھے جہاد

(۳)

چل اپنے بھروسے پر اگر ہو قُدرت
غیروں سے مدد نہ لے اگر ہو غیرت
حضرت نے بہت چیخ کے یہ فرمایا تھا
اسلام نہیں چاہتا ہرگز شرکت

(۴)

مُنہ پر تو یہ کہتے ہو کہ لاثانی ہو
غم خوار ہو ہمدرد ، دوست جانی ہو
جڑ کاٹتے ہو پیچھے میں چپکے چُپکے
شدھی کی مری جان تمہیں بانی ہو

ناگ پور چلو

تمہاری آج ضرورت ہے، ناگ پور چلو
اگر وطن کی محبت ہے ، ناگ پور چلو
مٹاؤ نام نہ اپنی وطن پرستی کا
اگر ذرا تمہیں غیرت ہے ناگ پور چلو
تم اب بھی جوش میں آتے نہیں قیامت ہے
بلند قوم کا رائیت ہے ناگ پور چلو
چلو چلو کہ تغافُل کا اب یہ وقت نہیں
بُری تمہاری یہ غفلت ہے ناگ پور چلو
اس امتحاں میں تمہارا کہیں قدم نہ ڈگے
یہی تو وقت غنیمت ہے ناگ پور چلو
پُکارتا ہے وطن آج المدد یارو
تمہیں جو قوم کی الفت ہے ناگ پور چلو
تم اُس پکار پہ اب تک نہ اُٹھے صد افسوس
یہی تو تم سے شکایت ہے ناگ پور چلو
گھروں میں چین سے کب تک پڑے رہو گے اٹھو
تمہارے ملک پہ آفت ہے ناگ پور چلو
تم اپنی قوم سے اے خَیر کیوں نہیں کہتے
اگر جو پاس شرافت ہے ناگ پور چلو

ووٹ

کونسل پر اپنا دل لہلوٹ ہے
آج کل ہر سمت ووٹا ووٹ ہے
کونسل کے ممبروں کے ہاتھ میں
ووٹروں کی لِسٹ کی اک پوٹ ہے
تاک میں ووٹر کے ہیں اُمیدوار
دعوتیں ہیں ، قورمہ ہے ، روٹ ہے
بے بُلائے جاتے ہیں شادی میں آپ
کیوں پلیڈر جی یہ کوئی کورٹ ہے
آپ سے ہم سے قرابت خاص ہے
دے کے کاغذ ہاتھ میں یہ نوٹ ہے
آپ کا اب ووٹ میرا ہو چکا
کہئے تو اس میں نہیں کچھ کھوٹ ہے
لندنی ہیں ہم مرا حق بڑھ کے ہے
دیکھئے یہ ٹائی ہے یہ کوٹ ہے

راقم نہ موٹر نہ ووٹر بلکہ رپورٹر

اخبار جدّت کلکتہ

واہ جدّت ترے ہیں کیا کہنے
کتنے جوہر ترے مدیر میں ہیں

واہ جدّت طرازیاں اس کی
قوتیں کلک کی صریر میں ہیں

ہے صحافت میں سب سے تو آگے
ترے آگے سبھی اخیر میں ہیں

ملک کے واسطے ہوئے ہیں قید
ہائے کیا خُوبیاں اسیر میں ہیں

یہ غلط ہے کہ پیری و صد عیب
تجربے کتنے ایک پیر میں ہیں

ہم ہیں اور راجگیر کی ہے سیر
ایسی ہی عادتیں فقیر میں ہیں

ہیں نوادہ کے بھی رئیس یہاں
شاہ جعفر بھی راجگیر میں ہیں

خیر ہے اُن کی ذات سے جاری
کُچھ نہ کُچھ خوبیاں امیر میں ہیں

چلے آتے ہیں حاجتی پیہم
کششیں حُجرۂ فقیر میں ہیں

اُونچے اُونچے پہاڑ کا منظر
لُطف کیا کیا نہ راجگیر میں ہیں

آبشاروں سے نغمے کی سی صدا
لُطف اتنے کہاں نفیر میں ہیں

تھے جو مخدوم شاہ شرفُ الدین
اب تک انوار اس منیر میں ہیں

جانشیں اُن کے حضرتِ بلخی
فیض اب بھی وہی وزیر میں ہیں

دیکھو دونوں کے پُرضیا حُجرے
فیض کتنے شہہ و وزیر میں ہیں

صاف اور گرم کُنڈ کا پانی
برکتیں کتنی اس غدیر میں ہیں

پوچھتے کیا ہو تم پتا اُن کا
حضرتِ خیؔر راجگیر میں ہیں

ہاں جب میں 'راجگیر' میں تھا
پہونچی تھی ایک مجھ کو تحریر

پہونچا سرِ افتخار تا عرش
کیوں کر نہ ہو عرش کی تھی تحریر

باسی کڑھی میں جوش لائے
اللہ اللہ زبان کی تاثیر

لکھنے پڑھنے کا تھا نہ ساماں
لازم تھی جو اب میں یہ تاخیر

آزادؔ نے ازرہِ عنایت
چاہئے بڑھانی میری توقیر

ورنہ میں کہاں، کہاں ظرافت
بذلہ سنجی کہاں، کہاں پیر

سب خاک میں مل گئیں اُمنگیں
باقی نہ رہی زبان میں تاثیر

چھوٹی ہوئی مشق، دل پریشاں
گویا مخبوط کی ہوں تصویر

اس پر یہ حکم ہے کہ لکھو
اس سے کیا بڑھ کے ہو گی تعزیر

مہمل لکھوا کے مجھ سے شاید
منظور ہے اُن کو میری تشہیر

"الپنچ" کا نام کیوں لیا جائے
دل پر جیسے کوئی لگا تیر

باتیں سب پنچ کے گئیں ساتھ
لکھیں کیا خاک کوئی تحریر

اچھا یہ تھا کہ معاف رکھتے
کر لیتے قبول میری تعذیر

رسم است کہ مالکانِ تحریر
آزاد کنند بندۂ پیر

روداد یہی ہے مُختصر سی
اب آپ ہی سمجھیں اس کی تفسیر

اللہ کرنے دیجئے
اب وقت ہے ہو زباں پر تکبیر

یہ عُذر مرا قبول فرمائیں
کیجئے اغماض سے نہ تعبیر

کس طرح اُٹھاؤں عرش کی بات
کس طرح ہو خیؔر سے یہ تقصیر

موقع ہو گا تو پھر لکھوں گا
جو ذہن میں آئی کوئی تحریر

پابندی کے ساتھ لکھتے رہنا
ٹیڑھی ہے مرے لیے یہی کھیر

فُکاہات

(۱)

عربوں سے نہ بڑھ کے کچھ گرامی تھے تم　　جرأت میں اُن سے بڑھ کے نامی تھے تم
ہمدردیٔ عالم کا سبب کیا تھا ترکو　　بس اتنا کہ خلافت کے حامی تھے تم

(۲)

ہر سُو ہے پٹاخے کی پھٹا پھٹ پھٹ پھٹ　　دیکھو وہ ہوائی کی سٹاسٹ سٹ سٹ سٹ
ترکوں نے بلا کا یہ بم گولا چھوڑا　　آخر کو ہوا ہوائی کی خلافت فٹ فٹ

(۳)

قبّہ ہی میں بدعت ہے تو چھتری توڑو　　پھر ریلوے لائن کی بھی گُمٹی توڑو
بدعت کے مٹانے پہ تُلے ہو جب تم　　بُرج حمل و گُنبد و بُرجی توڑو

(۴)

جراحی کرو جسم کا پھوڑا توڑو　　جب دیکھو نکلتے ہوئے ڈولا توڑو
ہو مرد مجاہد تو ملو ریفی سے　　گنبد کے عوض فرانس کا گولا توڑو

(۵)

گُمٹ جب ٹوٹتا ہے تو بیضہ ٹوٹے　　ہم خوش ہوں اگر آپ کی توبہ ٹوٹے
شاعر کو بڑا چین ملے نجدیو!　　تم سے اگر جو اگر چرخ کا قُبّہ ٹوٹے

(۶)

توڑ کرّہ ارض کو چنبر توڑو　　ہر قُبّہ نما چیز کو یکسر توڑو
قبّہ کے گرانے سے مٹے گی بدعت　　پھر کس لیے اپنا تم یوں سر توڑو

(۷)

اس انفلوئنزا نے ہے کیا دھوم مچائی یورپ کی دُہائی
بیجا تو نہ ہو گر کہوں ابلیس کا بھائی یورپ کی دُہائی
جس شہر میں دیکھو ہے وہاں آپ کا جلوہ کیا سخت ہے دورہ
اب لکھنو و آگرہ سب پر ہے چڑھائی یورپ کی دُہائی
ہے کون سا وہ شہر کیا ہو نہ جہاں سیر، بالفعل ہے مونگیر
بحران سے پاتا نہیں اب کوئی رہائی یورپ کی دُہائی
آمد کی خبر ان کی ذرا غور سے سنئے کچھ دھیان تو دیجیے
اعضا شکنی ہوتی ہے اس طور سے بھائی یورپ کی دُہائی
بے خوابی و تکلیف و پیاس اور حرارت کس کی ہو شکایت
وہ انفلوئنزا ہے جسے کہتے ہیں آں یہ یورپ کی دُہائی
جب اس سے افاقہ ہو تو ہے کھانسی و بلغم اور چشم ہے پرنم
اے خیرؔ کہاں کی یہ دوا اور یورپ کی دُہائی

رحمانی کبت

یہ کیا ہوا گرو مہاراج (مہراج)

رنگ ہی کچھ بدلا ہوا ہے ہندوستاں کا آج
بچّے بوڑھے سب کو دُھن ہے ہو جائے سُوراج
چھوڑتے جاتے ہیں ہندی سرکار کام اور کاج
قید ہوئے ہیں ظفر علی اور ظفر الملک اور تاج
رکھ لی قوم کی لاج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
فارس پر ہے تُلا ہوا اب عرب اور عراق
چولیں ڈھیلی کارِکس کی ہیں اور ہوش ہیں بالا طاق
کیسے سُست پڑے ہیں دل کو ہے اِک شاق
یورپ کی تہذیب کے سارے بھولے ہیں اسباق
کیسا ٹیکس اور باج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
بالشوِیک کے بالک کی ہے روز نئی اِک چال
عجب طرح ان لوگوں نے پھیلایا ہے اِک جال
فارس میں منجل کے قریں کیا کھینچیں بال کی کھال
یعنی اس نے دیا انگریزی فوج کو کاٹ کے ڈال
سارا کھیل ہوا تاراج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
اب علی گڑھ کالج کا کوئی دیکھے رنگ
بچّوں کی ہمّت اور جُرأت دیکھ کے سب ہیں دنگ
ہائے ٹرسٹیوں کے بے جا جور و ستم کے ڈھنگ
دیکھیں اب ہوتی ہے اس میں کیسی کیسی جنگ

کیا ہیں صاحب بخت و تاج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
ترکِ موالات، عدم تعاوُن پھیل چلا مہاراج
امرتسر لاہور اور کلکتہ میں ہے اس کا راج
کالج اور اسکول کے لڑکے چھوڑ رہے ہیں آج
ایڈ نہ لیں گے خوش رہیں گھر شاہِ پنجم جارج
اس کا کیا ہے علاج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
قوم فروشو کچھ تو اپنے دل میں تُم شرماؤ
لڑکے سب تو پڑھنا چھوڑیں تم ممبر ہو جاؤ
کونسل کے ممبر بن کر خوب چھری چلاؤ
خاک کرو گے قومی خدمت پھیر و مونچھ پر تاؤ
اس کو تمہیں سمجھو معراج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
سرحد کی کچھ خبر نہیں کیا ہے کابل کا بَل
اس خاموشی کا کچھ مطلب ہو گا ضرور اٹل
افریدی نچلے بیٹھیں گے ؟ یہ ہیں ٹڈی دَل
کہاں کا جھگڑا تو نے نکالا چل بھئی آگے چل
افریدی ہیں بڑے ہی پاج   یہ کیا ہوا گرو مہراج
لیبر پارٹی اینٹھی ہے اور ہر سو ہے ہڑتال
سارے یُورپ میں ہے ہلچل ہے گویا بھونچال
ہند کا بھی ہے گرانی سے اب بالکل پتلا حال
کپڑا مہنگا چیزیں مہنگی غلّے کا ہے کال
بُہت ہی مہنگا ہے اب ناج   یہ کیا ہوا گرو مہراج

بابا خیرؔ اب چُپ بھی رہو کب تک یہ بکواس
دیسی بولو دیسی پہنو چیز اور لباس
فیشن میں تو دولت کھوئی اب کیا تیرے پاس
دین کے دُشمن کا ہو یا رَب جلدی ستیاناس
مولا تیرے ہاتھ ہے علاج   یہ کیا ہوا گرو مہراج

اخبار رسَالت کلکتہ

فصاحَت جس پہ قُرباں وہ متانت ہے رسالت کی
زبان لے جس سے چٹخارے ظرافت ہے رسالت کی
زمانے بھر کی پہنچائے خبر ہر روز بے کھٹکے
اہم بھی اور مشکل بھی یہ خدمت ہے رسالت کی
یہ سچ ہے صداقت ہی اِک جانِ رسالت ہے
ہر بات کہے سچّی یہ شانِ رسالت ہے
مِل جاتی ہے روزانہ دُنیا کی خبر مُجھ کو
سر پر یہ ہمارے اِک احسانِ رسالت ہے
جگائے قوم کو ہر دم یہی شانِ رسالت ہے
لڑے جو قوم کی خاطر یہ احسانِ رسالت ہے
مُسلمانوں کا فرقہ کوئی ہو سب ایک ہو جائے
اخوّت ہم میں قائم ہو یہ فرمانِ رسالت ہے

زمانہ ہو رہا ہے جان سے تنگ
نظر آتا ہے اب تو رنگ بے رنگ
نظر آتی نہیں ہے صورتِ صُلح
قیامت ڈھا رہی ہے جرمنی جنگ

الوداع ۱۹۲۵ء

چلا سن پچیس اس جہاں سے چلا   اکڑتا مکڑتا دکھاتا ہوا
رُلاتا ہنساتا ہوا مُلک کو   گھٹاتا مٹاتا ملاتا ہوا
کہیں ایک سوسات کے پیچ میں   دباتا ہٹاتا پھنساتا ہوا
لڑاتا بڑھاتا ہوا ریف کو   فرانسیسیوں کو ہٹاتا ہوا
ڈراتا ہوا آرڈی ننس سے   جلاتا ستاتا رُلاتا ہوا
ڈباتا ہوا باڑھ سے بستیاں   کہیں آگ سے گھر جلاتا ہوا
رُلاتا ہوا شاہِ ایران کو   رضا کو بڑھاتا ہنساتا ہوا
بناتا ہوا قصرِ شاہی کہیں   کہیں قبّہ ڈھاتا گراتا ہوا
دکھاتا ہوا سنگھٹنی اور شور   کہیں نظم تنظیم گاتا ہوا
جماتا ہوا رنگ شدھی کہیں   کہیں تیغ تبلیغ لاتا ہوا
سکھاتا ہوا پٹیاں لیگ کو   وہ موصل سے ڈنکا بجاتا ہوا

چھوٹے تارے

(ترجمہ انگریزی نظم لٹل استار)

چمکو چمکو چھوٹے تارو
کیا حیرت ہے مجھے تم کیا ہو
سارے جہاں سے اونچے اتنا
جیسے ہو آکاس پہ ہیرا
جب چمکیلا سورج ڈوبے
جوت نہ اس کی کسی پہ چمکے
دھیمے دھیمے چمکتے ہو تم
ساری رات دمکتے ہو تم
دیکھو یونہی دمکتے رہنا
ساری رین چمکتے رہنا
کوئی بدیسی اور دکھیارا
جب ہو چھایا گھپ اندھیارا
مانتا گن ہے تری یاری کا
اور تری چھوٹی جگاری کا
دیکھ نہیں سکتا تھا وہ رستا
تم جو نہ جگمگ کرتے ایسا
رہتے ہو نیلے اکاس کے اوپر
جھانکتے ہو تم کھڑکی کے اندر
آنکھیں بند نہیں ہو کرتے
جب تک پھر سورج نہیں نکلتے

الپنچ، نمبر ۱۸، پٹنہ ۳۱؍جون ۱۹۰۲

پنجۂ الماس

طاق اور پھر پانچ کی تم سے فضیلت کیا کہیں
پانچ ہیں ارکان حج کے اور نماز اے یار پانچ
پنجتن ہی کا سہارا کام آئے گا ہمیں
ہیں مسلماں کے یہی کونین میں سردار پانچ
کیوں نہ روشن ہو تلاوت سے مسلمانوں کا دل
پنج سورہ ہے کہ ہیں قرآں کے سیّار پانچ
پانچ کلموں پر بنا قائم ہوئی اسلام کی
خانۂ دیں کے ہمارے ہیں یہی دیوار پانچ
شوقؔ و آزادؔ و پریشاںؔ اکبرؔ و شہبازؔ و شادؔ
اور حقیقت میں پٹنہ کے شاعر یہ ہیں دو چار پانچ
پنج روزہ زندگی ہے یا کہ ہے یہ پنج گنج
یا یہ ہے خمسہ نظامی کا کہ ہیں اسرار پانچ
پانچ حرفوں سے بنا الپنچ اور پانچوں ہیں پنچ
یا حواسِ خمسہ یا مل بیٹھے ہیں عیّار پانچ
پنچ! ہم چھ پانچ میں تھے، کیا لکھیں کیوں کر لکھیں
خیرؔ یہ بھی ہے غنیمت، لکھ گئے اشعار پانچ

ڈاکیہ

دیکھو وہ ہھاٹک سے کوئی آیا — سر پر باندھے لٹ پٹ پگیا
سر پر لال اور کالی پگڑی — اور کمر میں چمڑے کی پٹی
آڑ اکز چھا گلے میں تسما — جس میں لٹکا ہے چمڑے کا تھیلا
تیز چلا آتا ہے لپکتا — بجلی کی مانند چمکتا
ہاتھ میں ہے کاغذ کا پُلندا — اے ہے یہ تو ہے ڈاکیہ بھیّا
اے مرے ڈاکیہ بھیّا آؤ — بیٹھو ذرا دم لو ستاؤ
تم سے سہارا پردیسی کو — تم سے آس ہے بن باسی کو
ہے ہر دیس کا کاغذ پتّر — تیرے چھوٹے سے تھیلے کے اندر
کیا ہے جو تیرے پاس نہیں ہے — آس نہیں ہے کہ پاس نہیں ہے؟
حکم کسی کی بحالی کا ہے — حال کسی کی بے حالی کا ہے
صلح کا مژدہ جنگ کی حالت — موت کی خبریں حالِ ولادت
سن کے تجھے پردیسی کی بی بی — خوش ہوتی ہے کہ آئی چھٹی
دیکھ کے تجھ کو یتیم بچارا — جس کو نہیں ہے کوئی سہارا
روتا ہے کر کے یاد وہ غم کو — کون لکھے گا خط اب ہم کو
ملکی نظم و نسق کی رائیں — کیا کیا ہیں کس کس کو گنائیں
لیکن تو ہے وہ دھن کا پکّا — اس سے کچھ بھی خبر نہیں ہوتا
کام اپنا تو کئے جاتا ہے — فرض ادا تو کئے جاتا ہے
دھن میں اپنی پکّا ہونا — وقت سے اُٹھنا وقت پہ سونا
دیوٹی پوری کرنا ڈھب سے — چاہئے انسان تجھ سے سیکھے

لوک گیت

اب تو نیا سال آ لئی گے نندی
بالم مورا پٹنہ سہر سے — کنگنا لیے گھر آ ئی گے نندی
اب تو نیا سال آ لئی گے نندی
جب مورے سیّاں گھروا میں آئی ہیں — سجوا بچھونا بچھّے تی گے نندی
اب تو نیا سال آ لئی گے نندی
کیسی گیرانی کیسا ما ہنگواں — پٹنہ سہر سے سب ہ گلئی گے نندی
اب تو نیا سال آ لئی گے نندی
پنچ بہادر جگ جگ جی ہیں — یاروں کو اپنے ہنسئی تئی گے نندی
اب تو نیا سال آ لئی گے نندی
ابو ظرفا مورا پریتم پیارا — میٹھی بتیاں سونئ تئ گے نندی
اب تو نیا سال آ لئی گے نندی

لوک گیت

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

ایک تو گوری جو بنا کی ماتی — دوجے برج میں آئی ہے ہوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

دیکھو لکلا مورا اَچرا نہ پکڑو — کیسی کینی یہ بات چھچھوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

کیسے سکھی اب ہولی کھیلوں — سَڈیشن بِل بس گوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

ہمری ریفل لے کے ہم ہی کو داغے — دیکھو سرحدی جرگونکی چوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

ھیمنڈ ، ایلن ، ھاٹن کو مارا — لگّا خیلوں نے کی بَل جوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

خیریا تورے بل بل جاؤں — خوب سُنائی یہہ ہوری

اب کیسے جو بنا چھپاؤ گی گوری

ابوظر فادر بھنگوی — الپنچ ،جلد۔۴۔صفحہ۔۶، — ۴/مارچ ۱۸۹۸ء

ہمارے چلتے پرزے ۹۸ کے دھوم دھڑکے

کجائی تو اے ساقیِ بادہ ریز — کجائی اے ساقیِ تند و تیز
کجائی تو اے رونقِ انجمن — کجائی تو اے جان و جانانِ من
کجائی تو اے باعثِ زندگی — کجائی تو اے وجہ خرسندگی
کجائی تو اے ساقیِ حیلہ ساز — کجائی تو اے ہمدم پاک باز
کجائی تو اے محرم رازِ من — کجائی تو اے ساقیِ گلبدن
کجاں ہے اے ساقیِ با وفا — کہاں ہے ساقیِ مہ لقا
کہاں ہے تو اے ساقیِ زود رنج — کہاں ہے تو اے ساقیِ بذلہ سنج
کہاں ہے تو اے ساقیِ مہ جبیں — کہاں ہے تو اے ساقیِ نازنیں
کہاں ہے تو اے ساقیِ گل عزار — کہاں ہے تو اے ساقیِ باوقار
کہاں ہے تواے ساقیِ با حجاب — کہاں ہے تو اے ساقیِ پُر عتاب
کہاں ہےتو اے ساقیِ نیک ذات — کہاں ہےتو اےمیکشوں کی حیات
کہاں ہےتو اے جانِ مےخوارگی — کدھر ہے تو اے روحِ بیمار کی
کہاں ہے تو اے ساقیِ با ضمیر — کدھر ہے تو اے ساقیِ خوش سیر
کہاں ہے تو اے ساقیِ بے نظیر — کدھر ہے تو رشکِ بدرِ منیر
کہاں ہے کدھر ہے تو اے مہ لقا — خدا را ذرا اپنی صورت دکھا
نہ کر مجھ سے پردہ برائے خدا — ذرا اپنے چہرے سے گھونگھٹا اُٹھا
خبر کچھ ہے ساقی یہ ہے کون دن — ذرا انگلیوں پر مہینے تو گن
بڑا دن جسے کہتے ہیں ساقیا — نیا دن جسے کہتے ہیں ساقیا
بڑا دن ہے اور تیرا یہ حال ہے — مزا کر مزا کر نیا سال ہے

بچھا فرش بھی اک بڑے سے بڑا
دلہن آج میخانہ کو تو بنا

بڑی میز ہو اس پہ گل دان ہو
غرض مے کدہ اک پرستان ہو

ہو رکھا ہوا اک طرف خُم بڑا
تو ہو دوسری سمت مے کا گھڑا

بڑی ہو صراحی بڑا جام ہو
بڑے دن میں تیرا بڑا نام ہو

بڑی دھوم سے آج دے اشتہار
کہ آئیں جو بنت العنب کے ہوں یار

نئے سال کا ہو نیا انتظام
نئے سال میں ہو نئی دھوم دھام

نئے دن کی ہے کوٹھیوں میں بہار
غضب آج ہے لیڈیوں کا نکھار

لچکتی ہوئی وہ کمر نازنین
وہ گوری سی صورت وہ گوری جبین

نزاکت بھری وہ قیامت کی چال
کہ ہر ہر قدم پر ہو دل پائمال

زمیں تک لٹکتا ہوا ان کا گوَن
لئے لیتا ہے پورا دل ورنہ پوَن

پرستار کوٹھی ہے مس ہے پری
تو صاحب پہ دیووں کی پھبتی ہوئی

کمر میں ہے لیڈی کے صاحب کا ہاتھ
کہ سیتا جی جیسے ہوں راون کے ساتھ

کبھی چِچ کبھی کِس کبھی شیک ہینڈ
کبھی کہنا ٹو مائی کونکرڈ لینڈ

یہ میری مفتوحہ زمین ہے

ہر اک طرف پھاٹک پہ پھولوں کی ہار
بڑے دن کی ہر سمت سے ہے پکار

یہاں فکر ہے ڈالیوں کی پڑی
بھلا کیا بڑے دن کی ہوگی خوشی

قلم اب تو بہکا مرا ساقیا
ہوا جاتا ہے نشہ اب کر کرا

نئے سال میں رکھ نہ محروم تو
خدارا نہ کر مجھ کو مغموم تو

نیا سال ہے اور نئی بات ہے
نیا دن ہے ساقی نئی رات ہے

سرِ نو سے میخانہ سج ساقیا
ضرور آج کوئی نئی دھج بنا

نئی ہو ہر ایک چیز با آب و تاب
مگر -------

پلا دے پلادے مجھے ساقیا
چھکادے چھکادے

وہ مے دے کہ اکسیر کا ہو جواب
وہ مے دے جسے کہتے ہیں آفتاب

وہ مے دے کہ بے ہوش کو ہوش ہو
وہ مے دے طبیعت کو اک جوش ہو

وہ مے دے طبیعت کو ہو ولولہ
وہ مے دے بندھے نظم کا سلسلہ

وہ مے دے طبیعت میں آجائے رنگ
وہ مے دے کرے دل کا جو صاف رنگ

وہ مے دے طبیعت کو کر دے رواں
وہ مے دے جو بڈھوں کو کر دے جواں

وہ مے دے کہ ہر سو چہکتا پھروں
وہ مے دے کہ گل سا مہکتا پھروں

وہ مے دے کہ ہو صہبا کی طرح
وہ مے دے ہنسیں ہم بھی مینا کی طرح

وہ مے دے کہ ہو روح کو تازگی
وہ مے دے کہ ہو باعثِ زندگی

پلا مجھ کو کچھ بھی مرے ساقیا
بہانہ نہ کر آج بہرِ خدا

مرا تشنگی سے بُرا حال ہے
پلا ساقیا یہ نیا سال ہے

رہا اس کا میں منتظر سال بھر
خدا کے لیے اب بہانہ نہ کر

پلا دوزِ لیکر مجھے ساقیا
صراحی کو اب جام پر دے جھکا

سجی ہے جو بوتل وہاں طاق پر
اُٹھا لا نہ بہرِ خدا دیر کر

پلادے جو اک جام بھر کر مجھے
غزل ایک بانکی سناؤں تجھے

غزل

جلا جاتا ہے اب جگر ساقیا
ذرا لب مرا کر دے تر ساقیا

پلا آج جی کھول کر ساقیا
نکر دل میں خوف و خطر ساقیا

تغافل سے باز آ خدا کے لئے
کرم کر مرے حال پر ساقیا

نہ کانوں میں دے انگلیاں سُن ذرا
کوئی کہتا ہے کم ہیرَ ساقیا

ذرا روزِ لیکر کی بوتل کو کھول — نہیں تو پلادے بیر ساقیا
خدا کے لیے خیرؔ پر رحم کر — نہ کر نیک بندوں سے شر ساقیا
یہاں بڑھتی جاتی ہے تشنہ لبی — خدا کے لیے اب پلا ساقیا
تجھے ساقیا سوجھی ہے دل لگی — یہ دل کی لگی کو بجھا ساقیا
تجھے ساقیا تیرے لب کی قسم — تجھے آج بنت العنب کی قسم
قسم ہے تجھے ساقیا جام کی — قسم ہے تجھے تیرے ہی نام کی
قسم تجھ کو بگھی کی کھڑکھڑ کی ہے — قسم تجھ کو مجذوب کی بڑ کی ہے
قسم تجھ کو ہے ماشلی بھات کی — قسم تجھ کو ہے دن کی اور رات کی
قسم تجھ کو ہے تاڑ کے پیر کی — قسم تجھ کو ہے یار کے چھیڑ کی
قسم تجھ کو پیلے کروٹن کی ہے — قسم تجھ کو گھنٹے کی ٹن ٹن کی ہے
قسم تجھ کو ہے گیندے کے پھول کی — قسم ہے تجھ کو ہے ہاتھی کے جھول کی
قسم ہے تجھ کو ہے گھوڑے کے ٹاپ کی — قسم ہے تجھ کو ہے تیرے ہی باپ کی
برانڈی پلادے خدا کے لیے — نہ کر دیر لادے خدا کے لیے
دنادن اڑے کاگ بوتل کا آج — کُھلے اور کھلے بھاگ بوتل کا آج
ڈھلے پھر ڈھلے پھر ڈھلے پھر ڈھلے — چلے پھر چلے پھر چلے پھر چلے
رُکے اب نہ ہرگز یہ بادہ کا دور — یہی تو ہے پینے پلانے کا طور
پلادے مجھے آخری ایک جام — دعا پر کروں ختم اپنا کلام
الٰہی ہے جب تک یہ قائم زمیں — رہے میرا اڈیٹر مسند نشیں
الٰہی یہ پنچوں کا سرتاج ہو — جو دشمن ہو اس کا وہ محتاج ہو
ترقی برابر یہ کرتا رہے — گورنمنٹ کا دم یہ بھرتا رہے
رعایا کا پورا یہ غمخوار ہو — بہی خواہ پبلک کا سردار ہو

اڈیٹر کو اقبال دے اے خدا — نہ ہو رنج ان کو رہیں خوش سدا
جو نامہ نگار اس کے ہیں با وقار — رکھے خوش سدا ان کو پروردگار
خریدار اس کے سلامت رہیں — سلامت رہیں تا قیامت رہیں

ابوظفر فادر بھنگوی ۷رجنوری ۱۸۹۸ء

نوحہ

چل بسا بوڑھا سیّد سا رہبر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر
قوم کا کون والی ہے سر پر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

کون اب قوم کا ساتھ دیگا
کون اب قوم پر یوں مرے گا
کون دے گا وہ پُر زور لیکچر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

بوڑھے سیّد کا تھا اک سہارا
قوم سے کر گیا وہ کنارہ
کوئی مونس ہے اپنا نہ یاور
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ایک خرانٹ بھی چل بسا ہے
کہتے ہیں ہنستے ہنستے مرا ہے
کیسا اس کا کلیجہ تھا پتّھر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ہند میں جب سے آیا ہے طاعون
ہے اوڑنچھو مرا سارا مضمون
اب تو رونا اسی کا ہے گھر گھر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ایا طاعون بنگال میں بھی
ہو گیا بمبئی کا یہ ساتھی
لاٹ صاحب کا مانا نہ کچھ ڈر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

جیل بھرتا ہے بلوائیوں سے
کون بولے اب اِن واہیوں سے
جائیں چولہے میں ایسے مچھندر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

شہر میں ہے لگی ایک بھاگڑ
کیسی اس نے مچائی ہے ہلّڑ
سر ہے پاؤں پہ اور پاؤں سر پر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ہے مسلماں پر وہ فلاکت
کیا کہیں ان پر کیسی ہے شامت
ان کی قسمت کا رہتا ہے چکّر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

جو کہیں کھاتے پیتے مسلماں

واسطے ان کے ہیں اور ساماں
شوق سے یہ لڑاتے ہیں تیتر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

کیا کہیں ہم کو شغل ہے کیا کیا
نام اپنے سلف کا ڈوبویا
کوئی بیٹھا نچاتا ہے بندر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

ان سے اچھی ہے کچھ جن کی حالت
ان پہ دوسری ایک شامت
رات دن گنجفہ اور ہے چوسر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

جتنے انمول سے ہیں کچھ مہذب
ان کی حالت ہے ناگفتہ یارب
ڈھلتے ہیں روز کنٹر پہ کنٹر
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

خؔیر چپ بھی رہو اب خدارا
کیسا تم نے نکالا لٹاخا
قوم کے دیکھو بدلے ہیں تیور
ہائے کیسی ہے اپنی مقدر

بقلم ابوظرفاء دربھنگوی

۲۷رمئی ۱۸۹۸ء، اپنچ، جلد۔۱۴، ص۔۷

لوک گیت

پھگوا ہے بھئی پھگوا ہے
بُرا جو مانے بھکوا ہے

کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی
انترہ سگری رین موہے تلپت بیتی   کنجی سے نیہہ لگائی
کجی سنگھے تم ہوری کھیلو   ہمرے سے کینی دَھتائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۲

اہاہاہا مزے ہیں یاروں مزے ہیں   پھگوا ہے بھئی پھگوا ہے
بُرا جو مانے بھکوا ہے   ڈھال تاڑی پچھاڑ مرغا
انترہ کیسی نٹال میں ہوری رچی ہے   بوئر کینی ڈھیٹائی
موری سرکار سے لوہا لینا   آ کہر (آخر) منہ کی کھائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۳

او ہو ہو ہو   مزے کرو یارو مزے کرو
ہولی ہے بھئی ہولی ہے   ڈھالے جا پسینیا ڈھالے جا
انترہ موا کرو گر ایک نہ مانی   تو پن کی پچکاری بنائی
چُن چُن کے لفٹنٹ کو مارا   گولی کے مکھ پر عبیر لگائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۴

ای ہے اچھا گھبرؤ نہیں   ای ہے اچھا گھبرؤ نہیں
ذرّہ کا بھی چمکے گا ستارہ   قائم جو زمین و آسماں ہے
انترہ جو برٹ کرونجی بوئر کے جنرل   کی نا کیسی ڈھیٹائی
کیمبرلی میفکنگ لیڈی اسمیتھ پین   سرکاری فوج پر آفت ڈھائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۵

اف اف موذیوں سے خدا سمجھے   اف اف موذیوں سے خدا سمجھے
شکست وفتح تو قسمت سے ہے ولی ای میر   مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا
انترہ مورا بہادر جنرل رابرٹ   کی نا خوب چڑھائی
کیمبرلی لیڈی اسمتھ کو چھوڑا   بوئرن کی ناک اوڑائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۶

او ہو ہو ہو ہو   ہپ ہپ ہرّے
ہپ ہپ ہرّے ہرّے   کیوں دیکھ لیا نا ہمارا زور
انترہ کرونجی کو آکر دہر کے دبوچا   مُکھ پر کالک لگائی
ہپ ہپ ہُرّے کا نعرہ لگا کے   فتح کی جھنڈی اوڑائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۷

اہا ہا ہا چین ہی چین لکھا ہے   یارو چین ہی چین
کھاؤ پیو ڈنر پیلو   ایک۔ دو۔ تین لے!
انترہ جگ جگ جئیں ملکہ رانی   راج بڑھنتی پائی

بیروں کی دونوں آنکھ پٹم ہو   جن سے دیکھے بُرائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۸

جوایے ! جوایے ! گاڈ سیو دی کوئین
JOY JOY   God Save the Queen
انترہ ہند میں کال ہو میری بلا سے   جنگ کا چندہ ہو بھائی
بلایت کے چندہ سے آدھا بانٹی   جنگ میں دنیا بجھائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۹

آ ہا ہا ہا   بھوکے پیٹ کی ڈفلی بنا کر پیٹو
اور لنگوٹی پر پھاگ کھیلو   ہولی ہے بھئی ہولی ہے
انترہ پنچ کھلاڑی نا دہندوں کے مکھ پر   کیسی عبیر لگائی
جن پنچ کے نام اسیٹھی کینی   کیمت ساری پچپائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

۱۰

غیرت غیرت غیر ت شرم شرم شرم   آنکھوں میں ان بتوں کی مروت نہیں رہی
کیا ان تلوں سے تیر الٰہی ٹپک گیا   اَرَرَ کبیر چھر رَرَ کبیر
بھگوا ہے بھئی بھگوا ہے   بُرا جو مانے بھگوا ہے
انترہ خیرؔ پیا تورے بل بل جاؤں   کھوب یہہ ہولی سنائی
پھاگ کھیلت ہمیں تہرے سنگھے   تُہری خیر منائی
کل کہاں تھے کنہائی   رات موہے نیند نہ آئی

اَرَرَرَکبیر۔جھرَرَرَکبیر

ساقیا آج دن ہے ہولی کا   کچھ تو لطف آئے بولی ٹھولی کا
ارغوانی شراب لا ساقی   میرے دل کی لگی بجھائی ساقی
ڈھال بھر خدا پیا پیَے ڈھال   کچھ تو ارماں میرے دل کی نکال
لال پانی کا جام منہ سے لگا   آج سر خاب کا کباب بنا
آج شیشے سے نکلے لال پری   مست متوالی اور گلال بھری
لال بی بی کا آج ساتھ رہے   سارا میخانہ اپنے ہاتھ رہے
ہوکے بد مست بیخود و سرشار   آج گاتا پھروں سرِ بازار
سُن وہ آئی صدا اَ رَرَ کبیر   پھر وہ آئی صدا چھرَ رَ رَ کبیر
دیکھ نکلا وہ لالہ جی کا سوانگ   وہ اوچھل کود بے قرینہ پھلانگ
سارے منہ پر ملے عبیرو گلال   لال ہیں لالہ جی گر کے لال
رام ٹھیلا سے یہہ قلم کینا   کی رے مہر وا یہوہی اَن دینا
لا گلسوا میں ڈھال کے دردا   زود (جلد) لاکی کرت ہے منہ جَروا
دیکھ وہ نکلی گھر سے اِک ناری   کیسا گھیرے ہیں اُس کو بازاری
ساری ساری ہے رنگ سے لت پت   بن گئی آج اس کی پوری گت
گالی کی ہر طرف سے ہے بھر مار   اُس پہ پچکاریوں کی دھار پہ دھار
ایک نے لے کے لمبی پچکاری   عین سینہ پہ تاک کے ماری
پھر تو وہ گول گول شئے کا نکھار   وہ اُمنگوں پہ جو بنوں کے اُبھار

اُوڑھے لاکھ آں چل اب ٹھکانے سے — وہ کہاں چھپتے ہیں چھپانے سے
آتی ہے دوستوں کی اپنے یاد — ہوتے اس وقت حضرتِ آزاد
ہوتا کچھ اور ڈھنگ ہولی کا — کیسا جلسے کا رنگ ہے پھیکا
فوقؔ و شہبازؔ و اکبرؔ و بسمل — جعفریؔ اور حضرتِ مائلؔ
سب ہیں چُپ منہ میں گھنگھنیاں ڈالے — مست ہیں اپنی دُھن میں متوالے
ساقیا ہو چلا نشہ کا اوتار — آخری دور اب پلا اک بار
ہوکے خوش دوں تجھے دعا ساقی — تجھ سے ہو دور ہر بلا ساقی
پھاگ کھیلے سدا مرا الپنچ — رہے دائم ہرا بھرا الپنچ
اس کے نامہ نگار ہوں دل شاد — اور خریدار حشر تک آباد

جوشِ آزادی

دیباچہ

یہ ایک مختصر مجموعہ ہمارے استاد حضرت مولانا خیرؔ رحمانی دربھنگوی کی قومی نظموں کا ہے جس کے حرف حرف سے اسلامی جوش، لفظ لفظ سے اسلامی درد، مصرعے مصرعے سے قومی جذبات کی موجیں اُٹھ رہی ہیں۔ آپ کے مضامین نظم ونثر آج کل کے اکثر سربرآوردہ روزانہ اخبارات میں نہایت ہردلعزیزی کے ساتھ شائع ہوکر مقبولیت کا خلعت حاصل کررہے ہیں۔ آپ کی ذات اِس کی محتاج نہیں کہ یہ ہیچ مدان آپ کو پبلک سے روشناس کرائے۔ آپ نے تقریباً بارہ تیرہ برس تک اِس صوبہ بہار کے مشہور ظریف اِخبار ''الپنچ'' بانکی پور پٹنہ کی ایڈیٹری کی خدمت انجام دی اور اپنی پُر زور ظرافت اور شوخ نگاری سے ادارت کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ پولیٹیکل مضامین کو ظریفانہ اور شوخ رنگ میں لکھنا آپ کا خاص حِصّہ تھا۔

آج بھی آپ کے مضامین اودھ پنچؔ لکھنؤ۔ روزانہ اخبار زمانہؔ کلکتہ۔ روزانہ عصر جدید کلکتہ۔ روزانہ احرارؔ کلکتہ۔ روزانہ نصرتؔ بمبئی۔ روزانہ کانگریسؔ دہلی۔ الخلیلؔ بجنور۔ مسلمؔ دہلی۔ ملّہ مدینہؔ مراد آباد۔ آگرہؔ اخبار آگرہ وغیرہ میں خراجِ تحسین لے رہے ہیں۔ یہ وہ نظمیں ہیں جو اس ہیچ مدان کی فرمائش سے کبھی کبھی لکھی گئی ہیں۔ اِس وقت اس کی ضرورت ہے کہ ایسے قومی مضامین شائع کرکے ملک وقوم میں رُوح پھونکی جائے۔

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو
مدت ہوئی ہے دعوتِ مژگاں کئے ہوئے

خدا کرے۔ یہ رسالہ مقبول ہو۔ ملک وقوم کو فائدہ پہنچے۔ آمین بحق سیّد المرسلین۔

شاہ منزل خسرو پور — ناچیز
پٹنہ، ۱۸؍فروری ۱۹۲۲ء — سید شاہ محمد جعفر حسین صادقؔ

کِس طرح دِل سے مِٹائیں نقشِ جور   بُھول جائیں کِس طرح جو یاد ہے
جو اسیر زُلفِ حُرّیت ہوا   یہ سمجھ لو بس وہی آزاد ہے
چولی دامن کی طرح جب ساتھ تھے   وہ زمانہ بھی تمہیں کچھ یاد ہے
جو ہوا قیدِ غلامی سے رہا   قیدِ غم سے ہر طرح آزاد ہے
تم نے اُندلس میں سُنی ہو گی اذاں   یاد ہے وہ دِن بھی تم کو یاد ہے
''چشمِ بند و لبِ بہ بند و گوشِ بند''   سلطنت کی یہ نئی ایجاد ہے
او جفا جو ، جنگ جو ، پیماں شکن   یاد ہے وُہ عہد و پیماں یاد ہے
اور کچھ ہو یا نہ ہو یہ کیا ہے کم   آج تو چرِخے سے گھر آباد ہے
لیجئے اسلام کی جلدی خبر   آپ سے مولا مرے فریاد ہے
ہند تھا گلزار لیکن آہ اب   نگہتِ گل کی طرح برباد ہے
ان کی محفل سے عدو ہٹتا نہیں   آدمی ہے یا کوئی ہم زاد ہے
خاکساری بھی مِری ہے ناگوار   اِس طرح مٹی مری برباد ہے
آنکھوں ہی آنکھوں میں ہوں باتیں تمام   اِس روش پر خیؔر کا بھی صاد ہے

اُن کے فقروں میں نہ آئے گا کبھی
خیؔر بھی تو ایک ہی اُستاد ہے

مہاتما گاندھی کی توپ

کہاں غائب تھا ہمارا چرخہ   اے مِری آنکھ کا تارا چرخہ
سب سے گاندھی جی یہی کہتے ہیں   جلد جاری ہو خُد را چرخہ
چاہتے تم ہو سوراج کی فتح   ہے یہی توپ تمہارا چرخہ
زور میں چلتا ہے جس دم گھن گھن   مَیکسِم گن ہے ہمارا چرخہ
تیری گردش میں ہے سوراج کا راز   چرخِ اقبال کا تارا چرخہ
سب سُلجھ جائے گی گتھی اِس سے   کر رہا ہے یہ اشارا چرخہ
اِس سے اب خوب چھنے گی گاڑھی   ہے یہ پوشش کا سہارا چرخہ
تجھ سے سوراج کی اُمید بندھی   اے مِرا راج دُلارا چرخہ
اُس کی گردش میں چھپا ہے اقبال   ہے ترقی کا سہارا چرخہ
پہلے تھا رَانڈ کا چرخہ مشہور   اب سوہاگن کو ہے پیارا چرخہ

بَل نکالے گا یہ مینچسٹر کے
خیؔر کرتا ہے اشارا چرخہ

یتیم بیتی

کیا پوچھتے ہو ہم سے نام و نشاں ہمارا   اب ہے یتیم خانہ گویا مکاں ہمارا
ہم وہ ہیں جس کے مُنہ پر حسرت برس رہی ہے   داغِ پدر یتیمی ہے اک نشاں ہمارا
ہم وہ ہیں جس کے سر پر کوئی نہیں ہے والی   سایہ فگن فقط ہے اِک آسماں ہمارا
ہم وہ ہیں جس پہ دنیا آنسو بہا رہی ہے   ہم وہ ہیں ایک عالم ہے نوحہ خواں ہمارا
بیکس ہیں بینوا ہیں بے یارو بے معاون   کیا پوچھتے ہو ہم سے تم خانماں ہمارا
ہم جانتے نہیں ہیں ہوتی ہے کیسی شفقت   جب سے کہ اٹھ گیا ہے وہ مہرباں ہمارا
ابّا نہیں ہیں باقی امّاں ہیں آپ بیکس   دشمن بنا ہوا ہے یہ آسماں ہمارا
باقی نہیں ہے کوئی دنیا میں اب سہارا   احوالِ بیکسی ہے تم پر عیاں ہمارا
ہم کو خبر نہیں ہے ہوتی ہیں کیا بہاریں   گلزار یعنی دِل ہے وقفِ خزاں ہمارا
ویران ہو رہا تھا ہم بیکسوں کا گلشن   اب تو یتیم خانہ ہے باغباں ہمارا

اے خیرؔ دستگیری فرمایئے اب اس کی
اس واسطے کہ ہے یہ اِک پاسباں ہمارا

سمرنا کی ایک دُکھیا کی حضرت بی بی سے فریاد

میں آئی ہوں دردِ دل سُنانے   سنیئے بی بی میرے فسانے
اتنی ہم پر ہوئی ہے بیداد   اب ہوش نہیں میرے ٹھکانے
کیا کیا ہم پر ستم نہ ٹوٹے   سب یاد رہیں گے یہ فسانے
یہ دیس تھا کربلا کا منظر   لوٹا گھر بار اشقیانے
خیمہ شہِ دیں کا واں لُٹا تھا   اُمّت کے یہاں لُٹے گھرانے
اصغر کی طرح ہمارے بچّے   جورِ اعداء کے تھے نشانے
ابّا کا آپ کے یہ دیں تھا   جس کو تھے چلے عدو مٹانے
کیوں کر اُٹھتی نہ اِس پہ اُمّت   کیوں چلتی اِسے نہ وہ بچانے
کی مردوں نے دیں کی حمایت   گھر سے نکلے گلا کٹانے
کیا میٹھی نیند سو رہے ہیں   مرنے والے کفن کو تانے
ٹھکرا کے لحد کو کہہ رہے ہیں   اب تو مٹی لگی ٹھکانے
حسرت تربت کی کہہ رہی ہے   کون آئے گا اب یہاں ستانے
مسلم سے کبھی دبے تھے کفار   اب ہم کو دبایا اشقیانے
قادر ہے تو اے خدائے قیوم   تیرے ہیں عجیب کارخانے
قسمت ہی بُری ہے مسلموں کی   ہیں ان کے خراب کارخانے
لوٹا زر و مال دشمنوں نے   کہتی ہوں میں کھلے خزانے
خاکم بہ دہن ہے یہ شکایت   پوچھا نہ علی مرتضٰی نے
بی بی ! تم نے نہ لی خبر کچھ   ہم پر ہوئے ظلم بے ٹھکانے
عزت پہ بھی بن گئی ہماری   پُوچھا تم نے نہ کچھ خدا نے
اُمّت پہ ستم کی ہو گئی حد   دیکھا نہ جنابِ مصطفٰے نے

اُمّت کیا آپ کی نہ تھے وہ　　کیا کی تھی کمی کبھی وفا نے
ہاں بُھول گئے ہیں آپ ہم کو　　اِس کو کوئی مانے یا نہ مانے
خالدؓ کو ضرارؓ کو عمرؓ کو　　بھیجے ہوتے کِسی بہانے
اسلام نہ یوں ذلیل ہوتا　　ہوتے نہ عدو کے ہم نشانے
پاداش عدو کو مِل رہی ہے　　پلٹا ہے اب تو رُخ ہوا نے
لیکن عزّت کا کیا ہے بدلہ　　میں آئی ہوں اب یہی سُنانے

بی بی ! بیٹوں کا اپنے صدقا
دلوایئے آبرو کا بدلا

سمرنا کی دُوسری دُکھیا کی حضرت بی بی سے فریاد

سنا دے حضرت بی بی کو قاصد داستاں میری
ترے صدقے گئی میں اور جان ناتواں میری
سنانے کو سنا تو دے گا قاصد داستاں میری
کہاں سے لائے گا یہ جوش دل پھر یہ زباں میری
چلا ہے اُن سے کہنے آج قاصد داستاں میری
الٰہی تو دہن میں اس کے دے دے یہ زباں میری
بیاں ہو گی بہت مشکل سے تجھ سے داستاں میری
تیرے قربان قاصد ساتھ لیتا جا زباں میری
نہ رُکنا کہتے ہی جانا مِرے دُکھ درد کا قصّہ
کسی صورت سے سُن لیں پاک بی بی داستاں میری
سُنائے جائیں گے ہم روز اپنا درد وغم اُن کو

یہی دیکھیں کہ وہ کب تک نہیں سُنتے فغاں میری
اثر ہو یا نہ ہو اپنی کہانی میں کہے جاؤں
کبھی تو پہنچے گی کانوں تک اُن کے داستاں میری
یہ کہنا ہم پہ عیسائی نے ہیں کیا کیا ستم توڑے
سُنانا صاف کُھل کر حالت بے خانماں میری
کہے دیتی ہوں عیسائی ہیں میرے دین کے دشمن
لگی لپٹی نہیں رکھتی کسی سے یہ زباں میری
ہمیں لُوٹا جلایا گھر خدا کے گھر کو بھی ڈھایا
یہی میری کہانی ہے یہی ہے داستاں میری
مِری عزّت بگاڑی اور مردوں کو مرے مارا
کھڑا دیکھا کیا بے آبروئی آسماں میری
تمہاری رٹ لگی ہے حضرتِ بی بی مدد کرنا
نہ تم پہنچیں تو پہنچے گی یہ آہِ ناتواں میری
دمِ آخر زباں پر نام اُن کا آہی جائے گا
ابھی سے جب کہ تالو سے نہیں لگتی زباں میری
رسائی اپنی بامِ طور تک ہے جانتے ہو تم
تو پھر سمجھو کہ پہنچے گی کہاں تک اب فغاں میری
وہ بول اُٹھے چلا آتا ہے پھر وہ خَیر دیوانہ
سُنی آواز کوچے میں جو اس نے ناگہاں میری

اپنی حالت

خود ہی نفریں کرتے ہیں ہم اپنی حالت دیکھ کر
اپنی نکبت دیکھ کر اپنی فلاکت دیکھ کر
ساری دُنیا میں ہمارے علم کی اِک دُھوم تھی
رو رہے ہیں آج ہم اپنی جہالت دیکھ کر
میٹھی چھریوں کا مزا صیاد ہم کو مل چکا
اب تو کانپ اُٹھتے ہیں ہم تیری عنایت دیکھ کر
ایک پیسہ جیب سے اپنی نکلنا ہے محال
دنگ تھی دنیا کبھی اپنی سخاوت دیکھ کر
نعرۂ تکبیر سے میرے دہلتی تھی زمیں
اب تو کانپ اُٹھتا ہوں غیروں کی شجاعت دیکھ کر
حسنِ ظن انہیں سا تھا مُجھ کو جناب خیؔر سے
پھر گیا ہوں اب تو میں انکی کرامت دیکھ کر

چٹکیاں

ہوگی ہر گز نہ کہیں قوم فروشی ایسی   ممبری کی ہے بداندیشوں کو اب دُھن جیسی
ووٹ دو ہم کو یہ اِک دشمن دیں کہنے لگا   کہہ دیا ہم نے ترے ووٹ کی ایسی تیسی

ایسے ہنگامے میں مجھ سے نہ کوئی بات کرو   نہ تو بکواس کرو اور نہ سوالات کرو
کام کی بات ہے سو بات کی اِک بات یہ ہے   دل میں ہمت کرو اور ترکِ موالات کرو

ہوتی سوراج کی کوشش ایسی   ہے غلامی کی بندھی دھن جیسی
دشمنِ ملک سے کہہ دو اے خیؔر   ہٹ ترے ووٹ کی ایسی تیسی ی

لکھنو میونسلپٹی نے دُعا یہ دی کہ جاؤ   گاؤ ماتا اب سے تم پوتوں پھلو دودھوں نہاؤ
شیخ جی اب آپ بھی کہہ دیجئے بہرِ خدا   آج سے بی بکریو تم خیر بکرے کی مناؤ

پوچھ بیٹھا ایک دن یہ بوالفضول   آپ نے سمجھا ہے کیا ہے ہوم رول
ہنس کے بولے اس سے یہ مولانا ئے خیؔر   اس کے معنی ہیں گھروندے کے اصول

اجلاس پہ آتے ہیں نظر اب لالہ   دیوان جی باندھے ہوئے صافہ کالا
دیوانجی دکھلائیں نہ کیوں اپنا اثر   دیوانی عدالت ہے، یہ ہیں صدرِ اعلیٰ

بڑے لاٹ آئے

آپ سے پاتے ہیں کیا فیض ہمارے ہندی
دھوم ہے ملک میں ہر سمت بڑے لاٹ آئے

قید خانے کو بھرے جاتے ہیں مظلوموں سے
پھر سمجھ لیں گے اگر قِید کے دِن کاٹ آئے

گئے دربار میں ٹھسّے سے جو ممبر صاحب
تو خوشامد سے وہ دربار کی چھت پاٹ آئے

کاسہ لیسی کی پڑی چاٹ ہر اِک ممبر کو
پہنچے دربار میں اور کاسۂ زر چاٹ آئے

جی حضوری کا نتیجہ ہے ہر اِک کو معلوم
کبھی پھر آئے کبھی گھر سے پھرے گھاٹ آئے

لیں گے تو وُہی لیں گے

سوراج کا دعویٰ ہے لیں گے تو وہی لیں گے
یہ اپنا اِرادہ ہے لیں گے تو وہی لیں گے

اِک انچ بھی دعوے سے اپنے نہیں ٹل سکتے
دِل میں یہی ٹھانا ہے لیں گے تو وہی لیں گے

سب ملک خلیفہ کے مِل جائیں اِک اِک کر کے
اپنا یہی دعویٰ ہے لیں گے تو وہی لیں گے

سیورس سے ہے کیا مطلب ہو صلح نئی ہم سے
ترکوں کا یہ دعویٰ ہے لیں گے تو وہی لیں گے

بڑی مشکل سے نِکلے گا

عدوئے روسیاہ کب یار کی محفل سے نِکلے گا
یہ کانٹا یا الٰہی کب ہمارے دِل سے نِکلے گا

زمین تھرّا اُٹھے گی آسماں چکر میں آئے گا
اگر یہ نعرۂ اللہ اکبر دِل سے نِکلے گا

ستم اُن کا وفا میری ہیں نقشِ کالحجر دونوں
نہ اُن کے دِل سے نِکلے گی نہ میرے دل سے نکلے گا

محبت سے جو ہوتا ہے تشدّد سے نہیں ہوتا
وقارِ سلطنت کا کام رولٹ بِل سے نِکلے گا

سُنا ہے ممبری اب ہوگئی خوگیر کی بھرتی
رموزِ سلطنت کا کام اب جاہل سے نِکلے گا

یہی دل میں اِرادہ ہے کہ پہنیں گے وہی کپڑے
سودیشی کرگھوں سے یا جو دیسی مِل سے نِکلے گا

عدو جو تیری محفل میں ڈٹا بیٹھا ہے وہ اب تو
بڑی مشکل سے نکلے گا بڑی مشکل سے نکلے گا

بھڑک اُٹھے گی دنیا میں کہے دیتا ہوں سُن رکھو
مِرا یہ نالۂ جاں سوز جس دم دِل سے نِکلے گا

اُٹھا رکھی نہ ہم نے خیؔر کوئی سعیِ لا حاصل
ہمارا کام اب تو مرشد کامل سے نِکلے گا

آج نہیں

اسلام کی حالت ابتر ہے جو کل تک تھی وہ آج نہیں
اندوہ و الم اللہ مرے اِظہار کا کچھ محتاج نہیں
فریاد ہے آپ سے بحرِ کرم یا شاہِ امم یا شاہِ امم
اسلام پہ یوں ہو جور و ستم کیا آپ کو اِس کی لاج نہیں
اسلام کی وہ اگلی عظمت اب اس کی آہ یہ ہے حالت
نرغے میں عدو کے ہے قِسمت کیا اب یہ لائق تاج نہیں
یونان اور شیرِ انگلستاں اسلام کی جاں کے ہیں خواہاں
یورپ میں کون عیسائی ہے جس کا ٹرکی آماج نہیں
چِھنتی جاتی ہے آزادی ایماں کی ہے اب بربادی
کیوں سمجھیں دارالامن اِسے کیا دیس اپنا تاراج نہیں
دولت بھی گئی عزت بھی گئی افسوس یہ ہے ہمّت بھی گئی
افلاس کا اب یہ عالم ہے اب گھر میں بھونی بھاج نہیں
تحریکِ ترکِ موالات اب کیوں ہے سست اِس کا کیا ہے سبب؟
غیرت نہ رہی اے وائے غضب کیا چاہتے تم سوراج نہیں
ہو آسا جوگ خموشی سے پرہیز ہو نوشا نوشی سے
چرخہ ہر گھر میں ہو جاری حکم گاندھی مہراج نہیں
اے خیؔر جو اپنے ہیں لیڈر گر قید ہوئے تو کیا ہے ضرر
کیوں غم ہو ہمیں کیوں غم ہو انہیں کیا اُنکی یہ معراج

نہیں بھول جاؤ

پیار کا جھولا لگا ہے آؤ بچو جھول جاؤ
اب ضُرورت کیا رہی تم کِس لیئے اسکول جاؤ
تم کو چھٹکارا مِلا پڑھنے سے اب کیا چاہئے
سُن کے اِس مژدہ کو بچّو تم خوشی سے پُھول جاؤ
ماسٹر ریڈنگ نے آکر یہ پڑھایا ہے سبق
اِنڈیا کے بھولے بچے جو ہوا سب بُھول جاؤ

ہوا تعمیلِ حکم پر مجبور | آیا اپنے وطن سے اِتنی دور
یاں مَعَ الخیر لوگ کہتے ہیں | خیّر ہیں مع جراحت و ناسور
یعنی دِل میں ہے اپنے درد وُہی | وہی زخمِ جگر کا ہے ناسور
وہی دردِ خلافتِ ترکی | وہی یونانیوں سے دِل ہے نفور
ٹیس دِل میں وہی سمرنا کی | فکرِ قومی سے دِل وہی معمور
وہی دورِ جدید کی خدمت | دل زمانے کے واسطے رنجور
وہی آزادیٔ وطن کا خیال | وہی کوشش ہے اپنی تا مقدور
دِل کا کڑھنا وہی ہے ان کے لیئے | جو ہوئے قید بے خطا و قصور
زخمِ دل روز ہوتا ہے تازہ | پڑنے پاتے نہیں کبھی انگور
ہو خلافت کو فتح یا اللہ | اس کے دشمن رہیں سدا مقہور
میری دِل میں ہو جوش اسلامی | خدمتِ دیں کروں میں تا مقدور
یا الٰہی کمال کو ہو کمال | فوج ان کی مظفر و منصور
کیوں اب اسلام پر مصیبت ہے | یا الٰہیٰ تجھے ہےَ کیا منظور
دشمنوں کا مٹا دے نام و نشاں | تیری قدرت کا اب ہو جلد ظہور

میرے احباب کو یہ حیرت ہےَ
حضرت خیّر اور خسرو پور

آسان نہیں ہے ہرگز اسلام کومٹانا

کیوں یاد ہے ہمارا کچھ آپ کو فسانہ
تھا ہم سے بھی موافق اِک روز یہ زمانہ

ہم سے ملا نہ سکتے تھے خوف سے جو آنکھیں
دیکھے کوئی اب اُن کا آنکھیں ہمیں دکھانا

یونان یا الائزِ کوئی ہو یاد رکھے
آساں نہیں ہے ہرگز اسلام کو مٹانا

اسلام میں لچک ہےَ روزِ ازل سے پیدا
اُبھرے گا اور بھی یہ چاہا اگر دبانا

سوراج کیا کریں گے ترکوں پہ مرنے والے
ان کا بلند تر ہے اس سے بھی کچھ نشانہ

یونانیوں کی خاطر ترکوں سے جنگ کر کے
میرے مَلک معظم دھوکا کبھی نہ کھانا

دیکھی نہیں ہے تو نے ترکوں کی ترک تازی
خالہ کا گھر نہیں ہے ترکوں کا آزمانا

اللہ اکبر

یہ مانا سنگدل ہے نازپرورر ہے ستم گر ہے
کھنچا جاتا ہے پھر کیوں دِل وہ کیسا آہ دلبر ہے
کبھی ہم سے محبّت ہے کبھی غیروں سے الفت ہے
یہ دورنگی نہایت ہی بُری اے بندۂ پرورر ہے
ہمیں بھی آزما لو غیر کو بھی آزما دیکھو
پتا لگ جائے گا کِس میں وفاداری کا جوہر ہے
وفا کی ہو چکی حد صبر کب تک اے جفا پرور
ہم آخر سینے میں دل رکھتے ہیں یا کوئی پتھر ہے
یہ ناحق کا تشدد ہے یہ ناحق کی تعدی ہے
ہم اس کے ساتھ ہیں حق کے لئے جو راہِ حق پر ہے
میرے ہندوستان کے بچّے بچّے میں ہے ہمدری
جو ترکوں کی تباہی پر کڑھے وہ میر جعفر ہے
مجھے کمزوریِ اخلاق سے اپنی تردّد ہے
کسی دشمن کا مطلب ہو نہ حاصل ہم کو یہ ڈر ہے
نہیں تثلیث سے دبتے کبھی توحید کے حامی
مرو مرنے سے پہلےٗ کا سبق خوب ان کو ازبر ہے
جو مرنے پر تُلا ہو سر بکف ہو پا بہ جولاں ہو
حیات و موت کیا ہے اس کے آگے سب برابر ہے

لگی ہے آنکھ انگورا کی جانب ہر مسلماں کی
اسے تو فتح نصرت دے خدایا تو ہی یاور ہے
نہ چھیڑو ہم کو چیخ اُٹھیں گے ہم تو پھر بُرا ہوگا
ہماری چیخ پر دنیا کا چیخ اٹھنا مقرر ہے
دمِ آخر تمہارے نام سے اِک جوش ہوتا ہے
ہمارا آخری کلمہ فقط اللہ اکبر ہے

کیا خبر یاشہِ حجاز نہیں؟

حق پرستوں میں ساز باز نہیں
تم کو لیکن کچھ امتیاز نہیں
کہہ دیا ہے کہ حق کہیں گے ضرور
روکنے کا کوئی مجاز نہیں
دبنے والے نہیں ہیں حقّانی
کہتے ہیں برملا یہ راز نہیں
مٹ چکے کہیں یہ جوع الارض
یہ تو کچھ میری حرص و آز نہیں
ہو گئے پائمال اُن کے لئے
لیکن اس پر بھی سرفراز نہیں
ہم سے راضی رہیں بڑے صاحب
کیا اسے کہتے تم نماز نہیں
بے سبب کی یہ بدگمانی ہے
ہم کو غیروں سے ساز باز نہیں
بھر رہے ہیں وہ جیل خانے کو
نیک و بد کی کچھ امتیاز نہیں
ہائے اسلام کی تباہی کی
کیا خبر یاشہِ حجاز نہیں
کیا جگر اور دِل کو پوچھتے ہو
اب سمرنا نہیں حجاز نہیں
گیا گزرا ہوا نہ ان کو سمجھ
دیکھی ترکوں کی ترک تاز نہیں
بدگمانی نہ کر خدا کے لئے
خیرؔ سا کوئی پاکباز نہیں

چٹکیاں

ہو گی ہرگز نہ کہیں قوم فروشی ایسی
ممبری کی ہے لگی دیکھئے اب دھن جیسی

ووٹ دو ہم کو یہ ایک دشمن دیں کہنے لگا
کہ دیا ہم نے ترے ووٹ کی ایسی تیسی

ہے غلامی کی بندھی دھن جیسی
ہوتی سوراج کی کوشش ایسی

دشمن ملک سے کہ دو اے خیؔر
ہٹ ترے ووٹ کی ایسی تیسی

ایسے ہنگامے میں مجھ سے نہ کوئی بات کرو
نہ تو بکواس کرو اور نہ سوالات کرو

کام کی بات ہے سو بات کی اک بات یہ ہے
دل میں ہمت کرو اور ترک موالات کرو

لکھنو میونسلپٹی نے دعا یہ دی کہ جاؤ
گاؤ ماتا اب سے تم پوتوں پھلو دو دھوں نہاؤ

شیخ جی اب آپ ہی کہہ دیجئے بہرِ خدا
آج سے بی بکریو تم خیر بکرے کی مناؤ

ہنسنا ہو تو اکبر کی خوش خیالی لے لیں
قومی رونا ہو تو پندِ حالی لے لیں

ان سب سے جدا نجات کی صورت ہے اک اور
صاحب خوش ہو کے میری ڈالی لے لیں

ملتا ہو ہم کو سوپ تو بیسن کو کیا کریں
جانا ہو پارٹی میں تو اچکن کو کیا کریں

سب کوٹ پہ ہنستے ہیں مگر حضرت من
اب آپ ہی بتلائیے فیشن کو کیا کریں

کالے نیٹو جانتے ہیں قبلہ لندن پاک کو
حورِ جنت جانتے ہیں وہ مسِ بے باک کو

دیکھ کر یہ رنگ اب ڈرتا ہوں انگریزی سے میں
خوف سے کہنے لگا ہوں واتوٗن مسواک کو

اُکٹو انسی دہر میں بے حس سی ہے
رس نہیں اینٹھن ہے لیکن رسی ہے

نام زنگی کا بجا کافور تھا
ہے تو جشن نام لیکن مسّی ہے

مسلم و ہندو کے جھگڑوں سے تو ہے دل اپنا چاک
اب بھی سب مل جائیں ڈالیں اگلے قصّوں پر وہ خاک

ساتھ اُن کا چولی دامن کا ہے دونوں ایک ہیں
ناک کو الٹو کان اور کان کو الٹو تو ناک

درس سے اگلی کتابیں کاٹیے
اب تو فرنیچر سے گھر کو پاٹیے

فرسٹ بک پڑھوائیے بچوں کو اب
شیخ سعدی کی کریما چاٹیے

ڈاڑھی منڈوانے کی کیا وجہ ہے؟ تقصیر معاف
مونچھیں کیوں گالوں پہ لہراتی ہیں فرمائیے صاف

وجہ تو کچھ نہیں داڑھی سے عداوت بھی نہیں
لیکن اتنا ہو کہ بے ڈاڑھی ہے فیشن کے خلاف

ہیضہ میں کوئی فاسٹ کوئی لیٹ چلا
اور موت کے بازار کا یہ ریٹ چلا

ہیضہ کی کرامت ہوئی سب پر ظاہر
چلتے تھے کبھی پاؤں تو اب پیٹ چلا

دقّت تو بہت تم نے اُٹھائی لاریب
احسان پہ احسان تمہارے ہیں شعیب

اس سے ڈر سے نہیں شکر یہ کرتا ہوں ادا
کردن صد عیب و نہ کردن یک عیب

شیروں کے آگے آئے تو جرمن ہی ہو کہیں
اسفند یار ہو کہ تہمتن ہی ہو کہیں

اسپیچ مین گورنر مدراس نے کہا
اب آکے دیکھ لے کوئی اڈن ہی ہو کہیں

خشکی کی راہ میں کوئی رہزن نہ ہو کہیں
بحری سفر مین خطرۂ دشمن نہ ہو کہیں

کہیے جناب خیؔر سفر کس طرح کریں
دھڑکا تو یہ لگا ہے کہ اڈن نہ ہو کہیں

دھوم یورپ میں ہے ہر کوچۂ و برزن آیا
غل ہو پیرس میں ہر اک سمت کہ جرمن آیا

کوئی مچھلی بھی سمندر مین اچھلتی ہے کہیں
چونک اُٹھتا ہوں کہیں پھر تو نہ اِڈن آیا

بالوں کی سیاہی کی رہے کیوں الفت
پیری کے سفید بالوں سے کیوں ہو نفرت

اللہ کا شکر ہے کہ اس پیری سے خیؔر
اَب آ گئے روشنی میں بھاگی ظلمت

اللہ کا شُکر ہے کہ پیری آئی
مرنے کو ہیں تیّار دلیری آئی

اے خیؔر بڑا عمر کا حصّہ دے کر
نورانیت آئی بزرگی آئی

کیوں غم ہو ہمیں خیر کہ پیری آئی
آزاد ہوس سے ہوئے کہ اسیری آئی

دیوانی جوانی کا کرے غم احمق
ہشیار یہ کہتے ہیں بزرگی آئی

دوستی تیری جوانی میں نباہی نہ گئی
ہائے افسوس کہ اس دل کی تباہی نہ گئی

بالوں کی سیاہی ہوئی رخصت کب کی
اے خیرؔ مگر دل کی سیاہی نہ گئی

اب پاؤں میں لغزش ہے کہ بد راہ نہ چل
کہتا ہے یہ دل بیٹھ تو اتنا نہ اُچھل

سر کی جنبش کا یہ اشارہ ہے خیرؔ
ہم سے نہ ہوا حیف کوئی حُسنِ عمل

کیوں کہیے جوانی تھی بڑے کام کی
فکر تو اس میں نہ تھی انجام کی

آئی کدھر اور گئی کب ظالم
میری جوانی تھی فقط نام کی

اب کون کہے بوڑھوں کو قبلہ کعبا
ہیں جان پدر کہتے تو ہیں وہ باوا

ہیں مغربی تعلیم سے وہ باپ کے باپ
باوا کو سمجھتے ہیں وہ انگلش بابا

کہیے جو کچھ روبرو کہہ دیجیے
آپ کے بدلے میں تو کہہ دیجیے

منحصر دو لفظوں پر معراج ہے
مسکرا کر ٹھینک یو کہہ دیجیے

لڑکا دم چھلّا لگا مسٹر مین ہے
اس کا جلوہ ہنٹرو کنٹر مین ہے

معترف ہیں اس کے پیرانِ طریق
سو کرامت ایک لفظ ٹرمین ہے

لے لو اے چندہ دہندہ لے لو
اب خطابوں کا پلندہ لے لو

تھینکس میں ہے کشش زر کتنی
کہہ دو ہر فنڈ مین چندہ لے لو

ہمارے پانچوں گھی میں ہیں مزا ہے اس مخمّس کا
سبق از بر کرے اب کون حالؔی کی مسدس کا

ہم انگریزی رعایا ہیں ہمیں جھگڑوں سے کیا مطلب
ہمیں بغداد کا کیوں غم ہو کیوں بیتُ المقدس کا

حضرتِ خیرؔ دیدہ باز نہیں
اب حسینوں کے مشق ناز نہیں

ممنوں ہوں پیری کا گیا راز و نیاز
اب دل میں حسینوں کا کوئی راز نہیں

شُہانی رات

دیباچہ

معراج کا مضمون ہے تو بہت ہی پُرانا مگر ساتھ ہی دلچسپ بھی ہے۔ ہزاروں ہزار میلاد کی کتابیں لکھی گئیں اور سب میں معراج پر ضرور گل افشانیاں کی گئی ہیں۔ مگر ''شُہانی رات'' کا انداز بالکل ہی نرالا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ عاشقانِ رسُول مقبُول ﷺ کو پُرانے مضمون میں جدّت کا لطف آئے۔ اس میں رات ہی کو معراج کیوں ہوئی اور پھر ستائیسویں تاریخ کی اندھیری رات میں کیوں ہوئی۔ اَور آپ معراج کی شب حضرت امّ ہانی کے گھر میں کیوں تھے۔ اور ایسے مہتم بالشان واقعہ کی خبر خدا نے پہلے سے کیوں نہ دی۔ اُس وقت کسی کی آنکھ کیوں نہ کُھلی۔ سوار ہوتے وقت براق کیوں شوخی کر رہا تھا۔ مسجد اقصےٰ میں ارواح انبیاءؑ کیوں کر آئیں اور جب مسجد اقصیٰ میں آپ کو سارے نبیوں سے رُوشناس کرایا تو آسمان پر کیوں بلایا۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام سِدرۃ المنتہی سے آگے کیوں نہ بڑھے۔ آپ نعلین سمیت تختِ عرش پر کیوں گئے پھر رات ہی کو معراج سے کیوں لَوٹے۔ نماز میں ایک ہی مرتبہ کمی کیوں نہ ہوئی کہ بار بار کم کرنے کی درخواست کرنی پڑی۔ اِن سب باتوں کی توضیح عاشقانہ رنگ میں اِس خوش اسلُوبی سے کی گئی ہے کہ کہیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وجہ بتائی جا رہی ہے۔ خدا کرے یہ مقبُول ہو۔ اَور اس سیہ کار کا ذریعۂ نجات ہو۔ آمین

عاصی برائے نام : خیرؔ

شہانی رات

اے رجب کی ستائیسویں رات ۔اے اندھیری سناٹی رات۔ای کالی کلوٹی رات، ہر چند تیرا جسم تاریک ہے مگر دل روشن ہے۔ تیری ہی سیاہی اُڑا کر بارُوت تیزی دکھا رہی ہے۔ تیری ہی سیاہی کا طفیل ہے کہ سیاہ مرچ کافور کو اُڑنے نہیں دیتی۔ تیری ہی سیاہی کا ایک ذرّہ خالِ رخسارِ جاناں ہے جو گورے اَور سفید چہرہ کے حُسن کو دوبالا کرتا ہے۔ تیری ہی سیاہی کا عکس زلفِ یار پر پڑا ہے جو یوں بَل کی لے رہی ہے۔ اگر یہ زلفیں سفید ہو جائیں تو کوئی نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکے۔ اے سیاہی تیرے ہی قدم کی بدولت سفیدی کی بقا اور نمود ہے۔ تجھ سے آنکھوں کو نُور، دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہَے۔ تو بظاہر تاریک اور باطن میں سراپا نور ہے۔ تیرے ہی پیٹ سے روزانہ ایسا روشن اور تاباں آفتاب نکلتا ہے' اے شہانی رات! اے بوبلی رات! اے البیلی رات! تجھ پر ہم اَور ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ تُجھ کو وہ اعزاز اور فخر حاصل ہے کہ روز روشن ہزار چمکے مگر تجھ سے بڑھ نہیں سکتا۔ ولا النھار اذا تجلے پرو اللیل اذا یغشیٰ کی تقدیم افضلیت کی دلیل ہے سب کچھ سہی مگر دن اس شہانی رات اور اس تخت کی رات کا جواب کہاں سے لا سکتا ہے۔

سُبحَانَ الذی اَسری بِعبدِہ لَیلاً مّن المسجِدِ اِالحرَام اِلیَ المسجِدِ ا لا قصٰی

اللہ رے مشقِ ناز! اللہ رے راز و نیاز! اللہ رے جلوہ فروشی! اللہ رے شوق خودنمائی! کوئی آگ لینے چلا۔ تو اُس سے آگ کے بھیس میں شعلہ رُخ بن کر' دو بول ہنس بول لئے اور جب ادھر سے فرمائش ہوئی کہ آئیں یہ پردہ کیا؟

کیسا پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہو　　صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

ذرا گھونگھٹ ہٹاؤ۔ آتشیں رُخ کا جلوہ دکھاؤ۔ تو پھر وہی ناز اور وہی دلسوز جواب کہ جاؤ آنکھیں بنواؤ۔ کوئی بے نیاز ہے بے طلب ہے۔ مگر خود ہی قاصد بھیج بھیج کر اظہار عشق کیا جا رہا ہے۔ مقطعات میں اشارے کنائے ہو رہے ہیں اسی پر بس نہیں کچھ اَور بھی ہے۔ ہاں ہم سمجھے۔ پہلے سے کہی بدی ہوگی ملنے کا وعدہ ہوگا۔ جلوہ فروش معشوق' عاشق طلب معشوق نے کنکھیوں سے خلوت کے موقع کا کچھ اشارہ کیا ہوگا۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

مدھ بھری اور رسیلی آنکھیں متوالی ہیں۔ مدھ ماتی اَور انسانی نیناں جھکی تڑپتی ہیں۔ شام کا انتظار ہو رہا ہے۔

کسی نے وعدہ کیا ہے شب کا یقیں بھی ہم کو آ گیا ہے
الٰہیٰ کس وقت شام ہوگی الٰہیٰ کب دن تمام ہوگا

دولہا بننے کی لگن لگی ہے۔ تخت کی رات کیا کیا باتیں ہوئی۔ کون کون ارمان نکلیں گے کیا کیا راز و نیاز کی ٹھہرے گی۔ کیا کیا شکوہ و شکایت کے دفتر کھلیں گے۔ اس وقت اُن سب باتوں کے مسوّدے گانٹھے جا رہے ہوں گے۔ سبز گنبد میں حیاتِ ابدی کے مزے لینے والا ہریالا بنّا' سرِ شام سے اسی تاک میں ہے کہ کہیں تخلیہ کی جگہ ہو تو خیالات مجتمع کئے جائیں۔ آخر البیلا بنا' اِسی دُھن میں حضرت اُمّ ہانی کے گھر پہنچتا ہے اَور ختمِ نبوّت کی چادر تان کر سو رہتا ہے۔

ہم بند کئے آنکھ تصّور میں پڑے ہیں　　اس وقت کوئی جھم سے جو آ جائے تو جانیں

بیان دلی جذبات اور شوق وارمان جُھرمٹ باندھ باندھ کر آ رہے ہیں اور وہاں یہ انتظار کہ مدنی سنولیا اَور مکی چھیلا اب آ چلا۔ آخر تابِ انتظار نہ لا کر حضرت جبرئیل امین بھیجے جاتے ہیں۔ کہ بھئی ذرا تم ہی سواری لے کر آ جاؤ اور مدنی بُرقعہ و مکّی نقاب کو لے آؤ۔ حضرت جبریل امینؑ پُورے جلوس اور ہزاروں ہزار فرشتوں کے ساتھ آ جاتے ہیں۔ اور خوابگاہ میں داخل ہوتے ہیں۔ اللہ رے رعب حُسن۔ ختمِ نبوّت کی چادر اور بردیمانی کے نقاب سے چاند سا مُکھڑا چھپا ہوا ہَے۔ مگر پردے سے بھی اتنا نور چھن چھن کر باہر نکل رہا ہے کہ حضرت جبریل امین باوجود نورِ مجسّم ہونے کے مبہوت سے رہ گئے اَور یکبارگی قریب پہنچنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ آخر دبے پاؤں قدم مبارک کے پاس پہنچ کر اپنا کافوری دہن مَس کرتے ہیں۔ اور سُریلی آواز میں اِس طرح بیدار کرتے ہیں۔

اُٹھئے اُٹھئے مرے آقا اُٹھئے　　اُٹھئے اُٹھئے مرے مولا اُٹھئے
اُٹھئے اُٹھئے نہیں اب خواب کا وقت　　اُٹھئے اے سیّد بطحا اُٹھئے
رخ سے سرکایئے اب چادر کو　　اُٹھئے اے نور سراپا اُٹھئے
منتظر عرش پہ ہے جلوہ فروش　　دیکھئے چل کے تماشا اُٹھئے

لیجئے اُمّتِ عاصی کی خبر اُٹھئے اے خیؔر کے مولا اُٹھئے

بطحا کا کہنیا‘ مئے محبوبیت سے مَست خمار آلود آنکھیں ملتا، انگڑایاں لیتاہُوا، اُٹھتاہَے۔ حیرت ہے کہ ایسی مہتم بالشان بارات اور ایسی چپ چپاتی! نہ کہیں نوید تقسیم ہوتی ہے نہ کسی عزیز اقارب کو خبر دی جاتی ہے۔ اللہ رے راز داری میں تو یہی کہوں گا:

میان عاشق ومعشوق رمزیست کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست

حضرت جبرئیل امینؑ البیلا بنّے کو غسل دلاتے ہیں۔ غسل کا کچھ سامان ہوگا اس کو کون بتائے۔ اچھوتی حورُوں کے نازک نازک ہاتھوں کا تیار کیا ہُوا بٹنا ہو گا۔ خدا جانے کن کن خوشبوؤں کی لپٹیں آرہی ہونگی اللھمّ صل علیٰ محمد۔

ہریالے بنّے کو اخی جبرئیل نے بہشتی جوڑا پہنا کر دولہا بنایا ہے۔ اللہ رے اُس وقت کا جو بن بوٹے سے قد پر شاہدِ حقیقی کے بَیان کا خلعت کیسا زیب دے رہا ہے۔ انوار وتجلّیات کی بارش ہو رہی ہے۔ ہائے اس وقت جبرئیل امین سارے سامان اور خلعت کے ساتھ آئینہ بھی لائے ہوتے اور مدنی دولہا کو دکھا دیتے تو ہریالا بنّا خود دیکھ لیتا کہ دلربائی کسے کہتے ہیں مگر وہ آئینہ لاتے کیوں کر

آئینہ پیشِ تو اَے یار رسیدن نہ دہم رشکِ من بین کہ ترا ہم تو بہ دیدن ندہم

اَور یہ بھی کھٹکا تھا کہ کہیں ''اپنے ہی چھپ پر لُبھائے نہ بندزا''۔ اس وقت کوئی یثرب کے کنہیا کو دیکھتا۔ مگر دیکھتا کیوں کر۔ جوشِ رقابت سے وقت ہی ایسا نکالا تھا کہ کوئی دیکھنے نہ پائے اَور عجلت اتنی کہ ایک منٹ کے بدلے ایک پل ہی میں پہنچیں۔ جس وقت بطحا کا من موہن بن سنور چکا تو رات کے سنّاٹے نے اپنی زبانِ حال سے (ماہتاب) چاند سے مخاطب ہوکر یہ ترانہ گایا ؎

آج ہے شہانی رات چنداتم اگیو

گھوڑے پر اُگیو جوڑے پر اُگیو اقصےٰ چلا میرا شاہ چنداتم اگیو

آج ہے شہانی رات چنداتم اگیو

مکھڑے پر اگیو چہرے پر اُگیو دولہا چلا معراج چنداتم اُگیو

آج ہے نویلی رات چنداتم اُگیو

ستائیسویں کی رات اَور بھی ایسی اندھیری کہ ہاتھ کو ہاتھ سُوجھائی نہ دے اور یہ اہتمام اِ

س لئے کہ ''دیکھیو اے لوگوں کہیں نظر نہ لاگے۔ سنبھالیو اے لوگو کہیں نظر نہ لاگے''۔ نظر لگنے کا تو بہانہ تھا اور غرض یہ تھی کہ اِس جوبن کا کوئی دُوسرا لطف نہ اُٹھائے۔ مگر ضیائے حسن کا کیا علاج۔ جس وقت شہانہ بندرا بن سنور کر کھڑا ہُوا ہے۔ صحنِ زمیں سے سطح فلک تک بقعۂ نور بنا ہُوا تھا۔ بھیّا جبریلؑ لہلوٹ تھے دوسرے ملائکہ کو چکاچوں دلگی تھی۔ رُعب حُسن مانع تھا ورنہ سارے ملائکہ قدموں پر پروانہ وار نثار ہونے لگتے۔ اِس سج دھج سے مدنی چھیلا اَور مکی بانکا‘ مَست الست بنا جھومتا براق کی طرف بڑھا۔ ''لچک چلا ہریالا بندِ را‘ مَیں بندرے پر واریاں رے''۔

اے اہل مکہ اے اہل دنیا اُٹھو۔ خدا کے لئے اُٹھو۔ خوابِ غفلت سے چوں کو۔ آنکھیں کھولو ذرا اپنے دولہا کی سج دھج دیکھ لو۔ ہائے یہ سماں تمہیں دیکھنا نصیب نہ ہوگا۔ کہاں ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے داماد کو اس وقت دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی کر لیں۔ اور دیکھ لیں کہ انسانی سج دھج کی معراج اسے کہتے ہیں۔ کہاں ہیں حضرت عثمان رضی الہہ عنہ اس وقت شرمیلے بندرے پرواری جائیں۔ کہاں ہیں حضرت فاروق اعظم‘ ذرا اس نوشاہی جلوس کو دیکھ لیں۔ کہاں ہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ! ہائے یہ جلوس نہ دیکھا تو کچھ نہ دیکھا۔ اٹھو اے اصحاب رسول ﷺ اُٹھو! اپنے شہانے بِندرے کو دیکھ لو۔ ہائے کس غفلت کی نیند ہَے۔ اے اہلِ مکّہ اے اہلِ دنیا۔ ہائے تم لوگوں میں سے کوئی بھی نیند سے نہیں چوں کتا کوئی چوں کے تو کیونکر۔ کسی کا رشکِ غفلت بن کر اَور بھی تھپک تھپک کر سُلا رہا ہے۔ ہائے نہیں اٹھتے تو ذرا آنکھ ہی کھول کر اُس وقت اپنے بنے کی سج دھج دیکھ لو! اُٹھو اُٹھو خدا کے لئے اُٹھو۔ میں کہے دیتا ہوں نہ اُٹھو گے تو پچھتاؤ گے۔

اِدھر فرشتہ سہانے بندرے کو للچائی ہوئی نگاہ سے گھور رہے ہیں۔ ادھر براق انتظار میں بے چین اور بیقرار اور اس اشتیاق میں تڑپ رہا ہے کہ کب یثرب کا کنہیا آغوش میں آئے۔ اللہ رے اُس کے نصیب۔ بھیّا جبرئیلؑ رکاب تھامے ہی رہے اور براق نے بڑھ کے اپنے آغوش میں لے ہی لیا اور اپنے ارمان نکال ہی لیے:

مقدّر ہو تو ایسا ہو جو قسمت ہو تو ایسی ہو

اب بُراق کے جوشِ مسّرت کا کیا پوچھنا۔ مُنہ مانگی مُراد۔ قدم زمین پر ہی نہیں پڑتا۔ دماغ عرش پر ہے۔ خود اِس کے جوش مسّرت کی سُرعت ہی کیا کم تھی۔ مگر عاشق طلب معشوق کا

انتظار اِس کا متقاضی ہے کہ ہاں قدم بڑھائے ہوئے۔ پھر براق کو پَر لگنے میں کیا رکھا تھا۔

اِدھر تو یہ سامان ۔اُدھر بارات کی آمد آمد کا غلغلہ ۔ جو ہے چشم براہ جو ہے ٹکٹکی لگائے ہوئے۔فرشتے اہتمام میں مصروف ہیں۔حُوریں بناؤ سنگار کئے سراپا انتظار اور اشتیاق میں گا رہی ہیں۔''چلو چلو رے سکھیاں بلم دیکھے' مکّے میں شاہِ اُمم دیکھے''۔آج آسمان ہمارے مدنی دولہا کے لئے چوتھی کی دلہن بناہُوا ہے ۔اِس البیلے اور آخری نبیؐ کی معراج پر ارواح انبیا میں ایک جوش پیدا ہُوا۔اب سب کو یہ دھن ہے کہ کس طرح اس ہریالے بنے کو دیکھے' بارہ گاہ ایزدی میں التجا کی گئی صرف ہم لوگ اپنی اپنی آسمانی کتابوں اَور صحیفوں میں تیرے حبیبؐ کی تعریف دیکھتے آئے خوشخبریاں سُنتے آئے ۔اب اس کا موقع آیا ہے تو ہم لوگوں کو اجازت ملے کہ اس مدنی دولہا کو جا کر دیکھ آئیں۔ کہاں تو راز داری کا یہ اہتمام کہ رات ہو اَور وہ بھی ستائیسویں کی اندھیری اور سناٹی رات ہو۔آسمان پر ماہتاب کو جھانک کر بھی ہمارے چاند کے ٹکڑے کو دیکھنے کا حکم نہیں ۔ یہ سب بندوبست اس لئے کہ اس بناؤ سنگار کا مزا کوئی دُوسرا نہ لوٹ سکے۔ وہاں اجازت ملنے کی امید ہی فضول تھی۔لن ترانی کے سوا جواب ہی کیا تھا۔مگر دل کی لگی اس سُوکھے ساکھے جواب سے کب بجھنے والی تھی۔ پھر درخواست کی گئی کہ اچھا یہی سہی ایسی مہتم بالشان برات کے استقبال کے لئے ہم لوگ بھیجے جائیں مگر اللہ رے رشک ۔ادھر سے نفی ہی نفی تھی ۔اور یہاں شوقِ زیارت بےچین کئے ڈالتا تھا آخر پھر ذرا شوخی سے یہ حق جتایا گیا کہ بارات ہمارے انسانی دولہا کی آرہی ہے۔رشک سے اُن کے اصحاب باراتی نہ بنائے گئے تو ہم انسانی انبیا کی ارواح کی تو حق تلفی نہ فرمائی جائے۔ آخر ارواح انبیاؑ کو اس اصرار اور اس حق طلبی پر اجازت ملتی ہے اور سارے انبیا مسجد اقصےٰ میں پہنچ کر بارات کا انتظار کر رہے ہیں کہ یکا یک ہمارا شہانا بندرا فرشتوں کے جلوس کے ساتھ مسجد اقصےٰ میں داخل ہوتا ہے۔اللہ رے اِس وقت کا جوش شانے سے شانہ چھلتا تھا۔ ہر کسی کی یہ تمنّا تھی کہ یہ صورت میری ہی آنکھوں میں سما جائے۔ یہاں پہنچ کر ہمارے سرکار عالم نے دوگانہ نماز ادا فرمائی۔اور دربار عام گرم ہُوا۔ چند جلیل القدر انبیاؑ نے سارے نبیوں کی طرف سے ایڈریس پڑھے اور شرف باریابی کے شکریے ادا کئے۔سب ایڈریسوں کے جواب میں ہمارے صدر ایوانِ رسالت میر انجمن نبوّت نے ایک برجستہ اَور برمحل تقریر فرمائی۔اس کے بعد بارات سجائی گئی۔اَور

باراتی قرینہ قرینہ سے ساتھ ہوئے جلوس درست کیا گیا۔اللہ اللہ یہ سامان بھی دیکھنے ہی کے قابل ہوگا۔ لاکھوں لاکھ جلیل القدر انبیا باراتی ہیں۔ ہزاروں ہزار فرشتے جلو میں ہیں اللہ رے شان خدائی دولہا کی۔جلّ جلالہٗ۔

اب بارات اوپر چلی۔سارے جلیل القدر انبیا بارات کے آگے روانہ ہوئے کہ اب آسمان پر پیشیوائی کی خدمت بھی انجام دیں۔مگر دل سے تو لگی تھی کہ اس بھیڑ میں خوب سیر ہو کر آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوسکیں۔اب آسمان پر اس کا خوب موقع ملے گا۔بارات کی پہلی منزل آسمان اوّل پر ہوئی۔ یہاں حضرت آدمؑ نے اپنے پوتے کی بلائیں لیں۔خوب جی بھر کر آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ بارات کی دوسری منزل آسمان دوم پر ہوئی یہاں حضرت عیسیٰ وحضرت یحیؑ کھڑے راہ دیکھ رہے تھے۔ ہمارے شرمیلے نبیؐ کی شرمیلی اداؤں سے کچھ ایسے متاثر ہوئے کہ دم بخود ٹکٹکی لگائے دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔اَور بارات آگے بڑھی۔اب بارات کی تیسری منزل آسمان سوم پر ہوئی۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام اپنے عالم فریب حُسن کے ساتھ کھڑے راہ دیکھ رہے تھے کہ:

اُدھر جاتا ہے دیکھیں یا اِدھر پروانہ آتا ہے

اب مدنی دُولہا سامنے آجاتا ہے اور ملاحت صَباحت کو پھیکی کر دیتی ہے جب سواری آگے بڑھی تو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے بےساختہ نکلا ؎

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　　تو کجا بہر تماشا میروی

چوتھی منزل میں حضرت ادریسؑ پانچویں میں حضرت ہارونؑ چھٹی میں حضرت موسیٰؑ اور ساتویں منزل میں حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ ملے۔سب کے سب مشتاق دیدار اَور اِس تاک میں چھیڑ چھاڑ کے باتیں کی جاتی تھیں۔اہلاً سہلاً ومرحبا کہی جاتی تھی ؎

ہوتا ہوں چھیڑ چھیڑ کے میں اُن سے ہم کلام　　　کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

دوروَیہ اچھوتی حوریں تھسّے سے کھڑی ہیں۔ ہریالے بنّے کی ہر ادا پر لہلوٹ ہیں۔کہیں قد کی رعنائی دلربائی کر رہی ہے کہیں جامہ کی زیبائی یہ ترانہ سُنا رہی ہے۔

بنّے کن نے تیرا جوڑ وا سنوارا ہے جی
لالِ لال جوڑ وا موتین ٹکے جوڑ وا صندل جیسے پکّیا بسایا ہے جی
بنے کن نے تیرا جوڑ وا سنوارا ہے جی
تیری سانولی صورت پہ تا سو بھے چھتر — بنّے کیسا تیرا مکھڑا پیارا ہے جی
بنے کن نے تیرا جوڑ وا سنوارا ہے جی
مدھ بھری نیناں میں لال لال ڈوورا — خیرؔ کن نے جادو ایسا جگایا ہے جی
بنے کن نے تیرا جوڑ وا سنوارا ہے جی

اب بارات بیت معمور یا یہ کہئے کہ درِ جاناں پر پہنچی اور بارات دروازے لگائی گئی۔ اب مدنی نوشاہ براق سے اترا۔ پردہ ہائے جلال سے طلبی آئی کہ اندر چلئے ؎

بلبل و گل میں اشارے ہو گئے — باغباں سمجھے کنارے ہو گئے

سارے باراتی اور جلو کے فرشتے ٹھٹک کر رہ گئے۔ رفرف آیا۔ آپ سوار ہوئے حضرت جبریلؑ کو اشارہ ہوا کہ آؤ ساتھ چلو۔ وہ بولے بھلا اب خلوت خاص میں کسی کی کیا ضرورت۔ آپ کو یہ خلوت مبارک۔ یہ جلوت مبارک جس وقت آپ رفرف پر سوار ہوئے ہیں۔ اللہ رے اس وقت کا عالم دورو یہ ہزاروں ہزار اچھوتی حوریں بناؤ سنگار کئے کھڑی ہیں۔ زبان پہ شہانہ جاری ہے۔

اللہ میاں کی اُونچی اٹریا — دامن موڑ موڑ چلیو میرے شاہ بنّے
اللہ میاں کی سانکر گلیاں — دامن موڑ موڑ چلیو میرے شاہ بنّے
سِدرہ میں پہنچ کے میرے بندرے — رفرف پر جیّو میرے شاہ بنّے
اللہ میاں کی پیاری پیاری بتیاں — دل میں جوڑ جوڑ رکھیو میرے شاہ بنّے
باغ جنّت کی سَیر جو کیجیو — پُھول توڑ توڑ رکھیو میرے شاہ بنّے
اپنے خیرؔ کو حشر کے دن بھی — ہاں ہاں یاد رکھیو میرے شاہ بنّے

شاہدِ حقیقی کے محل سرا کی سجاوٹ کا کیا پوچھنا۔ ہر دَر میں ہزاروں ہزار پردے انوار کے، ہزاروں پردے تجلّیات کے، ہزاروں ہزار پردے جلال کے چُھوتے ہوئے۔ سبھوں کو ہمارا ہریالا بنّا۔ طے کرتا ہُوا عروسِ حقیقت کے قریب پہنچتا ہے اور چاہتا ہے کہ اپنے پاؤں سے جُوتے اُتار کر تخت

پر قدم رکھے۔ وہاں اپنی بھی تاب انتظار کہاں کہ جُوتے کے بند کھولے جائیں اور جُوتے اُتارے جائیں تب آپ تخت پر قدم رکھیں۔ فرمائش ہوئی کہ اجی رہنے بھی دو جُوتے پہنے ہی چلے آؤ۔

آ چکو بھی ہمارے پہلُو میں — اب یہاں تابِ انتظار کسے

پس آگے آیت مطلق فاوحی الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ کُھل کُھل کر باتیں ہوئی ہونگی۔ گُھل مِل کے مِلے ہونگے۔ راز و نیاز رمز و کنائے اور خدا جانے کیا کیا کچھ ہُوا ہوگا۔ کیا کیا کچھ سُنا ہوگا۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ دونوں کے ارمان نکلے ہوں گے۔ دو طرف کی آرزوئیں پُوری ہوئی ہوں گی۔ دونوں طرف کی تمنّاؤں کی مرادیں حاصل ہوئی ہوں گی۔ ارمان کیوں نہ نکلیں۔ آرزوئیں کیوں نہ پوری ہوں۔ جب معشوق ہی عاشق کو بلائے تو پھر عاشق کیا کچھ نہ پائے۔ اللہ اللہ سمندر کو قطرہ سے ملنے کی تمنّا۔ آفتاب کو ذرّہ کے وصل کی آرزو" فتبارك الله احسن الخالقين"۔

کسی کی یہ آرزو کہ ابھی کچھ دیر اور ٹھہریں۔ پھر یہ بھی دھڑکا کہ کہیں صبح نہ ہو جائے۔ اور سارا راز فاش ہو۔ ہریالا بنّا رخصت کیا گیا اور پچاس وقت کی نمازیں تحفہ دی گئیں۔ ہمارا ہریالا بنّا خوش خوش مراجعت فرماتا چھٹے آسمان تک پہنچا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیفیت پوچھی آپ نے تحفہ کا ذکر کیا۔ کہا کہ یہ تحفہ آپ کی اُمّت پر گراں ہوگا۔ اِس سے کم لے جایئے۔ مدنی دُولہا پھر دربارِ جاناں میں تخفیف کی استدعا کرتا ہے۔ دس کی کمی ہوتی ہے۔ اور پھر نازنین بندرا لوٹتا ہے تو پردہائے جلال سے صدا آتی ہے۔ قربان نگاہِ تو بمن باز نگاہی۔

پھر آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتے ہیں اور پھر مزید تخفیف کیلئے کہتے ہیں۔ اور پھر مکّی گُنھیا عاشق طلب معشوق کے سرا پردہ تک پہنچتا ہے اور وہی التجا پیش کرتا ہے پھر دس کی تخفیف ہوتی ہے۔ اور پھر مدنی شہزادہ لوٹتا ہے اور پھر وہی صدا آتی ہے ؎

قربان نگاہِ تو بمن باز نگاہے

آخر اِسی آمد و رفت میں تخفیف ہوتے ہوتے پانچ وقتوں کی نمازیں باقی رہیں۔ یہ تو نمازوں کی تخفیف کا بہانہ تھا۔ بات یہ تھی کہ جلوہ فروش معشوق کو دیدار سے سَیری ہی نہیں ہوتی تھی۔ اور اِسی بہانہ سے بُلا بُلا کر نظارے بازی کی جاتی تھی۔ اللہ رے مرے دولہا کی رعنائی و

زیبائی ''فتبارک اللہ احسن الخالقین'' ۔

اب بارات اُسی شان اَور اُسی جلوس سے پلٹی ۔ اُس وقت رُخصتی کا دلگداز سماں اور حوروں کا تمام سے سمٹ کر جمع ہونا اَور میرے ہریالے نبی کو جُھرمٹ میں کر لینا قابل دید تھا۔ حوریں زبانِ حال سے گا رہی تھیں۔

میرا نوشہ ہے نولکھیا میں نوشے کو جانے نہ دوں گی
میرا دولہا بنا ہے ہجریا میں نوشے کو جانے نہ دوں گی
میرے مولا کی لٹ پٹ پگیا جھل مل جامہ جھلا مل جامہ
میرا آقا ہے البیلا میں نوشے کو جانے نہ دُوں گی

آخر بارات درِ حضرت امّہانی تک پہنچائی گئی۔ صبح کو یاروں سے اُس شہانی رات کا ذکر آیا۔ کسی نے شکایت کی ہائے مجھ کو خبر نہ کی گئی۔ کسی کو خیال ہُوا ہائے مجھے ساتھ نہ لے گیے۔ سب کے جواب میں ایک ہی تشفی بخش جواب تھا کہ لو یہ پانچ وقت کی نمازوں کا تحفہ حاضر ہے۔ اگر اِس کے پڑھنے کا حق ادا ہُوا۔ تو کوئی شکایت باقی نہ رہے گی۔ وہی نظارہ ہوگا وہی لطف ملے گا وہی سماں ہوگا۔ اَور وہی مزے ہوں گے۔ پھر ایک دفعہ نہیں دن میں پانچ پانچ دفعہ۔ سُبحان اللہ و بحمدہ۔

اے عربی کنہیا۔ اے مدنی دُولہا! ہماری نمازوں کا وہ مرتبہ کہاں کہ مِعراج المؤمنین کہی جاسکیں۔ پھر وہ لطف کہاں نصیب۔ وہ سماں کہاں میسّر اے بطحا کے ہریالے بنّے۔ اے ثیرب کے شہانے بندرے ایسا کر دے کہ نمازیں معراج المؤمنین ہو جائیں۔ یا جب وہ سماں دیکھنا نصیب نہیں۔ تو اپنی مُدھ ماتی سُرخ ڈوروں والی آنکھیں ہی دکھا دے جنھوں نے اُس شہانی رات کا سماں دیکھا تھا۔ بیداری میں نہیں دکھاتے تو خواب میں دکھا دے۔ مگر دکھا دے اپنے خیرؔ کو متوالا بنا دے۔ اپنا دیوانہ بنا دے۔ آمین۔

اِستغاثہ

بجناب حضرت محبوب رب اللعالمین سرحمت اللعالمین شفیع المذنبین حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ

اے میرے مولا اے میرے آقا صلّیٰ اللہ علیک وسلم
آپ ہی کا ہے مجھ کو سہارا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
نور کی صورت اپنی دمادو طور کا جلوہ میرے گھر ہو
پھول سے عارض چاند سا مکھڑا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
اے میرے ثیرب والے کنھیا ہے یہاں مجھ کو بھی بُلانا
درد کا میرے کرنا مداوا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
دل میں ہے اپنی اتنی تمنّا اپنا پڑا ثیرب میں ہو لاشا
دیکھتے کاش یہ آپ تماشا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
جب ہو روز قیامت برپا ناز کسی کو زہد پہ ہوگا
ہم کو ہے بس رحمت کا سہارا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
اے میرے ہادی اے مرے مولا اے میرے داتا جود سراپا
جوش پہ آئے کرم کا دریا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
دین کی اپنے جلد خبر لو ! قوم کو اپنی جلد سنبھالو
تنگ ہے اَب اسلام پہ دنیا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
اٹھیے اب اے اسلام کے بانی سر سے بھی اونچا ہوگیا پانی
ہے اسلام کی جان پہ ایذا صلّیٰ اللہ علیک وسلم
دشمن ہیں اسلام کو گھیرے اس کی خبر لو آپ سویرے
اے پیارے حسنین کے نانا صلّیٰ اللہ علیک وسلّم
خیرؔ کی اتنی عرض ہے مولا دیکھے وہ آنکھوں سے یہ تماشا
ہو اسلام کا مرتبہ بالا صلّیٰ علیک وسلّم

مُلہمِ غیبِ خیر

۱۹۳۷ء

قطعاتِ تاریخ

مطبوعات

بچّوں کی کہانی، مصنّفہ سید شاہ جعفر حسین صادقؔ خلف اکبر جناب سید شاہ واجد حسین خان بہادر خسرو پور پٹنہ

بہت خوب صادق نے لکھی کتاب   ذہانت کی گویا نشانی چھپی
فصاحت کا دریا ہے گویا رواں   یہ طبعِ رواں کی روانی چھپی
اچھوتی عبارت اچھوتے خیال   نہایت اچھوتی کہانی چھپی
نہایت ہی دل کش ہے طرزِ بیاں   سراپا یہ جانِ معانی چھپی
چھپے ایسے ویسے تو قصّے بہت   کہیں ایک ایسی کہانی چھپی
بجا ہے کہوں اس کی تصویر کو   بہُت خوب تصویرِ مانیؔ چھپی
ہوئی فکر تاریخ کی خیرؔ کو   ادب کی جو یہ قصّہ خوانی چھپی
سر بزم سے اٹھ کے یہ کہہ دیا   بہت چٹپٹی یہ کہانی چھپی

۲   ۱۳۴۳ - ۲ = ۱۳۴۱ھ

مصرعۂ ثانی کے کل اعداد ۱۳۴۳ بنتے ہیں اور پہلے مصرع میں سر بزم سے اٹھ میں 'ب' کے عدد کو اخراج کرنے کا اشارہ ہے۔ اس طرح ۱۳۴۱ھ نکلتا ہے

وَلہٗ

قلم رُکتا نہیں صادق تمہارا   اسے تو بادپا شبدیز کہیے
نکالے ہیں بہُت اچھے نتیجے   طبیعت کو تمہاری تیز کہیے
عبث ہے خیر سالِ طبع کی فکر   خیالات طرب انگیز کہیے

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

تحفہ یہ کہانی ہے خوش ہو کے پڑھیں اس کو   بچیوں کی خاطر ہے سوغات دل صادق
بچیوں کو پہنچیں گے اب فائدے اس سے کچھ   یہ کام کے قصے ہیں برکات دل صادقؔ
کیوں خیرؔ تردد ہے تاریخ کی اب تجھ کو   تو جوش کے دل سے کہو جذبات دل صادق

۶ + ۱۳۳۵ = ۱۳۴۱ھ

یہاں جوش کا دل ''و'' کی طرف اشارہ ہے

وَلہٗ

بتائے ہیں قصّے میں اصلاح کے ڈھب   اصول اس کے مرغوب و آئین دل کش
کہانی کے پیرایہ میں ہے نصیحت   نصیحت کے بھی ہیں قوانین دل کش
پیاری زبان ہے مدلل بیان ہے   دلیلیں ہیں چوکس براہین دل کش
سر ہوش اُڑا جب یہ تاریخ نکلی   خیالات اچھے مضامین دل کش

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

چھکا جھک ہے تمہاری ہر کہانی   کوئی ہے ماہ تو کوئی ہے پروین
تمہیں صدآفریں اے شاہ جعفر   کہ ہو تم قابل تعریف و تحسین
کہی یہ خیرؔ سے ہاتف نے تاریخ   اہا اچھّے چھپے دل کش مضامین

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

پھڑک اُٹھیں گی بچّیاں اس کو پڑھ کر   خوشی کی کہانی طرب کی کہانی
بہت سیدھی سادی پیاری زباں ہے   یہ ہے بچّیوں ہی کے ڈھب کی کہانی
کہانی کے الفاظ ہیں یا نگینے   مرصع کہانی پرب کی کہانی
مسیحی جو اے خیرؔ تاریخ چاہو   سرِ دل سے لکھّو غضب کی کہانی

۴ + ۱۹۱۸ = ۱۹۲۲ء

سرِ دل میں حرف دال کا عدد ۴ ہے اور دوسرے ٹکڑے کے مجموعہ حسابِ جمل میں اندراج کرنے کا اشارہ ہے ۔

قطعہ تاریخ "طبعِ خلافت جنتری"

کتنی ہیں کام کی باتیں اس میں   ہے یہ ترتیب عنایت نادر
اس کی تصویر کے کیا کہنے ہیں   ہے ہر اک شکل کی صورت نادر
خیرؔ تاریخ مسیحی لکھئے   کہہ دو تقویم خلافت نادر

۱۹۲۲ء

وَلہٗ

تقویم سال حال ہے یا ہے کوئی دلہن   اللہ رے حُسن ظاہری و باطنی جمال
صفحہ الٹ کے دیکھو تو بندھ جائے ٹکٹکی   گویا پری نے پیار سے پھیلا دیئے ہیں بال
سطریں کہیں کہ موتی کی لڑیاں کہیں اسے   یا حُور نے بکھیر دیئے ہیں گھٹا سے بال
نُقطے ہیں یا پرب کے نگینے جڑے ہوئے   یا ہیں کسی حسین کے رُخ پر سیاہ خال
کیا کیا ہیں خوبیاں یہ کہاں تک کوئی بتائے   المختصر کہ حُسن میں اپنے ہے بے مثال
تاریخ طبع کی بھی ہے پیاری جنابِ خیرؔ   تقویم سال حال ہے دل کش پری جمال

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

اس میں ہیں قومی مضامین کے پرے   یا خلافت کے کھڑے ہیں سنتری
خیرؔ ایسی عیسوی تاریخ ہو   دیکھ کر ہو جائیں خوش سب منتری
از سرِ وجدان ہاتف نے کہا   کہہ دو 'اسلامی خلافت جنتری'

۶+ ۱۹۱۶ = ۱۹۲۲ء

وجد کا سر حرف و ہے جس کا عدد ٦ ہے جسے مصرعہ ثانی کے کل اعداد میں جوڑنے کا اشارہ ہے۔

وَلہٗ

زبان پر ہر کسی کی ہے یہ جاری — چھپی کیا خوب پیاری جنتری واہ
بھرے ہیں اس میں دلچسپی کے ساماں — یہ معلومات کا مخزن ہے واللہ
کھینچا جاتا ہے کیوں اس کی طرف دل — ہے اتنی دل کش کیوں اس میں واللہ
ہے شکرِ حق بھی اور تاریخ بھی ہے — خلافت جنتری اَلحَمدُ لِلّٰہ

۱۹۲۲ء

وَلہٗ

حُسنِ دل کش دامنِ دل می کشد — باطنش دل گیر و ظاہر دلفریب
واہ چہ اسلامی خلافت جنتری — شاہدِ طنّاز و کافر دلفریب
دیدم از بالین چو سر برداشتم — جنتری دلچسپ نادر دلفریب

۲ — ۱۳۴۱ھ

مصرعۂ ثانی کے کل اعداد ۱۳۴۳ ہیں۔ مصرعۂ اولیٰ میں بالین کے حرف 'ب' کے عدد، ۲ کو اخراج کرنے کا اشارہ ہے۔ اس طرح ۱۳۴۳ سے ۲ گھٹانے کے بعد ۱۳۴۱ھ نکل آتا ہے۔

تاریخِ طبع دیوان عبدالاحد شاہ قلندر وارثی متخلص بہ تحیّر

یہ فارسی دیوان ہے یا شاعری کی جان ہے — بیشک تحیُّر وارثی تھے ایک ادیب فارسی
کتنی متانت اس میں ہے کتنی حلاوت اس میں ہے — ہر بیت مصری کی ڈلی ہر شعر قند فارسی
تھی فکر اک تاریخ کی آئی ندا یہ غیب سے — یہ طبع کی تاریخ ہے اَدَبِ تحیُّر وارثی

۱۳۴۲ھ

وَلہٗ

بے تکلّف کہئے اس دیوان کو — شرح اسرارِ رموزِ باطنی
حل ہوئے ہیں کیسے کیسے مسئلے — پھر قیامت ہے کہ اس میں سادگی
درد ہے پھر سوز ہے پھر ساز ہے — اس کو کہئے داستانِ شاعری
چاپ کی اے خیؔر یہ تاریخ ہے — چارۂ عشقِ تحیُّر وارثی

۳۰ + ۱۵ =۱۳۴۲ھ

وَلہٗ

جب شعر تحیُّر کوئی پڑھے — سُن کر کہئے سبحان اللہ
ہے ہجر جہاں تو آہ بھی ہے — اور وصل میں ہے پھر واہ اور واہ
بہ ! سالِ طبعی ہے — جذباتِ تحیُّر ولی اللہ

۷ + ۱۲۸ + ۱۸۳۶ = ۱۹۲۴ء

قطعۂ تاریخ طَبع تَرجمۃُ القُرآن مولانا محمود الحسن صاحبؒ

ترجمہ چھپ گیا بحمد اللہ — یعنی وہ یادگار شیخُ الہندؒ
ترجمہ جان ترجمہ ہے یہ — سو وضاحت نثار شیخُ الہندؒ
کیوں زوائد کو دخل ہو اس میں — تھے سلاست نگار شیخُ الہندؒ
خیرؔ تاریخ ترجمہ لکھئے — محکم یادگار شیخُ الہندؒ

۱۳۴۴ھ

رُوح افزا ہو اور بھی تاریخ — جانِ جاں یادگار شیخُ الہندؒ

۱۳۴۴ھ

ایک تاریخ یادگار کہو — یادِ سبحانِ بہار شیخُ الہندؒ

۱۳۴۴ھ

ایک سالِ محمدّی بھی ہو — دیدۂ جاں نگار شیخُ الہندؒ

۱۳۴۸م

عیسوی سالِ طبع بھی لکھو — دیدۂ جاں نثار شیخُ الہندؒ

۹۸ — ۱۸۲۸

۹۸ + ۱۸۲۸ = ۱۹۲۶ع

سالِ فصلی بھی خُوبصورت ہے — مہہ جبیں ہے بہار شیخُ الہندؒ

۱۳۳۳ف

سال سمت کا دیکھئے نکتہ — مو قلم ہے نثار شیخُ الہندؒ

۱۹۸۲سمبت

تاریخ طبع رَشیدی جنتری مُرتبہ عِنایت محمّد لاہوری

ہے بکار آمد مفید و یادگار — خوش ہوا جس نے خریدی جنتری
خیرؔ تم کو فکر ہے تاریخ کی — کہہ دو سُلطان رَشیدی جنتری

۱۳۴۷ھ

وَلہٗ

کیوں نہ خوش ہوں دیکھ کر اس کا جمال — ہے حقیقت میں یہ عیدی جنتری
خیرؔ اچھی عیسوی تاریخ ہے — خوب عمدہ ہے رشیدی جنتری

۱۹۲۹ء

قطعات تاریخ تصنیف کتاب ''اصُولِ علمِ صحت'' مصنفہ جناب ڈاکٹر سیّد عبدُ الرشید عظیم آبادی، انچارج ہوسپٹل خُسرو پور پٹنہ

یہ میرے ڈاکٹر کی تابندہ ہانجن ہے — ہے کس قدر درخشاں یہ اصُولِ علمِ صحت
عبدُ الرشیدُ صاحب کا مُلک پر ہے احساں — ہے کیا معین طفلاں یہ اصُولِ علمِ صحت
تاریخ خیرؔ اس کی ہاتف نے یہ بتائی — ہے سنّت حکیماں یہ اُصول علم صحت

۵۸۹ + ۷۶۵ = ۱۳۵۴ھ

وَلہٗ

جو ہو مقصود اپنی تندرستی — تو لازم ہے حصولِ علمِ صَحت
مسیحی سال یہ تصنیف کا ہے — درخشاں ہے اصول علمِ صَحت

۱۹۳۵ء

وَلَہٗ

تصنیف ہے کہ ہے یہ احسان مُلک پر بھی — اس ہاجُن کا پڑھنا ہے شرط تندرستی
اس دور میں مرض کی کثرت کو پوچھنا کیا — اب ہند میں دوامی ہے قحط تندرستی
بے اعتدالیوں سے جب ہو خراب صحت — کس طرح جسم سے ہو پھر ربط تندرستی
تھی سالِ عیسوی کی اے خیرؔ فکر ہم کو — ہاتف پُکار اٹھا لکھ ضبط تندرستی

۱۹۳۵ء

قطعۂ تاریخ تصنیف کتاب تبعیت شرف ومُتابعت خوان پُرنعمت مترجم
جناب شاہ محمّد طٰہٰ جعفری بہاری حال مقامی خسرو پور

ہے یہ ملفوظاتِ مخدومِ جہاں — اس میں اَسرارِ تصوّف کی ہے راہ
فارسی میں خوان پُر نعمت ہے نام — اس کو اُردو کر دیا ہے واہ واہ
مولوی شاہ طٰہٰ جعفری — ہیں مصنّف اس کے عالی بارگاہ
ہے تصوّف اُن کی گھٹی میں پڑی — کم سنی سے اُن کو ہے یہ رسم و راہ
ہے ہر اِک مجلس میں کیا کیا ذکرِ غیر — خیر سے مملو ہے پوری خانقاہ
خیرؔ رحمانی لکّھو سالِ مسیح — خوان پُر نعمت ہے اُردوئے مہرو ماہ

۱۹۴۲ء

اخبارات

قطعۂ تاریخ اجرائے اخبار ''عصر جدید''، کلکتہ

کیسی خوشی ہوئی ہے نکلا حدیقۂ گل — اِک شور اہلِ فن تھا وہ ماہ عید نکلا
۱۳۳۰ فصلی — ۱۳۴۱ قمری
تھا جسکے بند ہونے سے حرج وفکر سب کو — پھر شان سے وہ آخر عصرِ جدید نکلا
۱۳۰۱ شمسی — ۱۹۲۲ عیسوی
کیسی خوشی ہوئی ہے آلام ومحن نکلا (۱۳۲۹ بنگلہ)

قطعات تاریخ اجرائے اخبار ''نونہال''، لاہور پنجاب

کتنی اس کی لوح خوش آیند ہے — ایک گلدستہ میں ہے لاکھوں بہار
اس کی ہر اک بات پر دل لوٹ ہے — دیکھ کر آتا ہے کتنا اس کو پیار
خیرؔ نے تاریخ اجرا کی لکھی — نو نہالِ گلشنِ صبر و قرار

۱۳۴۱ھ

وَلَہٗ

لوٹو بچّو بہار تم اس کی — نونہال اپنے رنگ کا ہے ایک
میٹھی باتیں ہیں پیاری ترکیبیں — کچھ مٹھائی ہے اس میں کچھ ہے کیک
خیرؔ اجرا کا سالِ فصلی لکھ — غنچۂ نو نہال کودکِ نیک

۱۳۳۰ فصلی

وَلہٗ

بچّو یہ نو نہال پیارا　　پروان چڑھے جیئے یہ جم جم
کتنی پیاری ہے اس کی صورت　　کتنا اچھا ہے اس کا دم خم
اس کے اجرا کی خیؔر تاریخ　　کہہ غُنچۂ نونہالِ عالم

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

بچّو تم اس کی خوب قدر کرو　　ایسا اخبار ملک میں ہے کہاں
علم کا ذکر اس میں ہوتا ہے　　تربیت بھی اس میں ہے پنہاں
کیسا دل کش پیارا ہے اخبار　　ہو شگفتہ ، مدام ہو شاداں
خیؔر اجرا کی اس کے ہے تاریخ　　غنچۂ نو نہال ، طبع جواں

۱۳۴۱ھ

قطعات اجرائے رسالہ ''المومن'' کلکتہ

نادر ہے یہ رسالہ اگرچہ ردیف ہے　　مومن ہے اور مذہب و دین میں حنیف ہے
کیوں ناز ہو نہ مُلک کو اس کے وجود پر　　مقصود اس رسالہ کا بے حد لطیف ہے
اجرا سے اس کے قوم کو ہے فائدہ کثیر　　مالک کو اس کے گرچہ منافع خفیف ہے
جو ہے ملازمت میں غلامی میں قید میں ہے　　جو اہل پیشہ ہے وہ سچ مچ شریف ہے
اجرا اس کے خیؔر کو تاریخ کی تھی فکر　　آئی یہ ندا غیب سے مومن ظریف ہے

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

حق کہے حق سُنے نہ کبھی مُنہ موڑے　　حق سے ہرگز نہ ٹلے ہے یہی شانِ مومن
حُسنِ ظن رکھے جو مومن سے وہی ہے مومن　　چاہئے نیک ہی اکثر ہو گمانِ مومن
سر جُھکائے نہ سوا حق کے وہی مومن ہے　　حق پہ بے عذر جھکے ہے یہی شانِ مومن
فکر تاریخ اشاعت نہ تم اے خیؔر کرو　　سُن لے ہاتف نے کہا شور و فغانِ مومن

۱۵۰ + ۵۰۶ + ۱۲۶۷ = ۱۹۲۳ء

تاریخ اجرائے رسالہ ''اَلہلال'' دہلی

ہیں مُلک میں ادب کے رسالے تو بے شمار　　لیکن ہیں سب ستارے، یہی اک ہلال ہے
بتلاؤ اس کے جوڑ کا پرچہ ہے کوئی بھی　　تم سے ہی پوچھتا ہوں تمہیں سے سوال ہے
ٹکسالی ہے زبان تو ادب اس کی ٹھوس ہے　　لائے گا حرف اس پر یہ کس کی مجال ہے
مضمون پہ اس کے لوٹ ہے دل ہر ادیب کا　　طرز بیان ہے یا کوئی سحرِ حلال ہے
تاریخ لکھی خیؔر نے روشن تر از قمر　　چرخ سخن کا بدر اہل الہلال ہے

۱۹۲۳ء

تاریخ اجرائے رسالہ '' خدّام کعبہ'' کلکتہ

خادم کعبہ کا اللہ اللہ　　مخدوم جہاں کا ہے یہ واللہ
کعبہ کی خدمتیں مبارک　　اے واہ نصیب ترے اے واہ
خادم کعبہ کا ، قوم کا بھی　　اس کی تو خدمتیں ہیں بے تھاہ
رشک آتا ہے اس کی خدمتوں پر　　ہوتے اس کی جگہ پر ہم آہ
پیاری ہے اس کی تاریخ　　خُدّام ادب تبارک اللہ

۱۳۴۱ھ

قطعات تاریخ اجرائے رسالہ ''تصوّف'' لاہور

تصوّف میں تصوّف کے کُھلیں گے رازِ سربستہ
رسالہ کیا حقیقت میں دبستانِ تصوّف ہے

کِھلے ہیں معرفت کے پھول اس کے صفحہ صفحہ پر
بہار جاوداں ہے یہ گلستانِ تصوّف ہے

جنابِ خیرؔ کو تاریخ کی اک فکر لاحق تھی
ندا یہ غیب سے آئی سخندانِ تصوّف ہے

۱۳۴۱ھ

وَلَہٗ

بنا دیتا ہے جو انسانِ کامل مردِ ناقص کو
یہ کس کا فیض ہے کہئے یا تاثیرِ تصوّف ہے

فقیروں کے قدم لیتے ہیں کیوں شاہنشہِ عالم
یہ تاثیرِ تصوف ہے یہ توقیرِ تصوّف ہے

تصوّف میں نظر آتے ہیں نکتے فقر و عرفاں کے
یہ انشائے تصوف ہے یہ تحریرِ تصوّف ہے

ہمیں اے خیرؔ تھی تاریخ کی فکر اس کے اجرا کی
کہا ہاتف نے برجستہ کہ تفسیرِ تصوّف ہے

۱۳۴۱ھ

قطعۂ تاریخ اجرائے روزنامۂ ''انقلاب زمانہ'' کلکتہ

یہ اخبار وہ ہے کہ اخبار کہئے
نہ کیوں ہو کہ ہے جانشینِ زمانہ

سُناتا ہے ہر روز اخبار تازہ
کبھی قوم کا وہ پُرانا فسانہ

کبھی ہاتھ میں تیغ ہے رزم گہہ میں
کبھی ٹھاٹھ رکھتا یہ خُسروانہ

عجب قادر انداز ہے مردمیداں
لگاتا ہے بڑھ کر غضب کا نشانہ

یہ ہے خیرؔ تاریخ اجرا کی اس کے
ڈرو تیغ ہے انقلاب زمانہ

۱۹۲۲ء

قطعۂ تاریخ اجرائے اخبار ''پُھول'' لاہور

کسی چمن کا تو نوخاستہ یہ پھول نہیں
اسے تو کہتے ہیں تہذیب کا ادب کا پھول

یہ پھول وہ ہے معطر دماغ ہے جس سے
ہمارے پھول سے بچوں کا غنچہ لب کا پھول

خوشی سے پھول گئے ڈاک میں جو پھول آیا
نوید فرح کہوں یا اسے طرب کا پھول

ہرا بہرا رہے یہ پھول خوب پُھولے پھلے
کہ اک یہی تو مرے پھول کے ہے ڈھب کا پھول

چمن کے پھول تو مُرجھا کے خشک ہوتے ہیں
مگر خزاں نہیں اس کو یہ ہے غضب کا پھول
جناب خیؔر نے تاریخ اس کی یہ لکھی
دلا شگفتہ ہے یہ گلشن ادب کا پھول

۱۳۴۱ھ

تاریخ اجرائے اخبار ''ہنٹر پھٹکار'' کلکتہ

ہر چند یہ سب کے بعد نکلا   لیکن آگے ہے درصفِ ہند
تاریخ عیسوی لکھو خیؔر   ''ہنٹر پھٹکار'' اشرفِ ہند

۱۲۸۳ + ۶۳۹ = ۱۹۲۲ء

تاریخ اِجرائے اخبار ''بمبوکاٹ'' لاہور

بمبو کاٹ چلا ہے بگٹٹ   نامہ نگاروں کا ہے جُھرمُٹ
شامل ہے سامانِ ظرافت   جیب میں اس کے بھرا ہے بسکٹ
اس کی ظرافت ہے لاثانی   اس کی متانت واحد ہے پُھٹ
سارے ظریفوں کا ہے ساتھی   پنچ اخباروں کا یہ ہے جُٹ
بمبو کاٹ کا ہانکنے والا   ہے مشہور بڑا ہی ہتھ چُھٹ
خیؔر نے کیا تاریخ کہی ہے   بمبو کاٹ چلا ہے بگٹٹ

۱۳۴۲ھ

تاریخ اجرائے اخبار ''ریلوے پنچ'' لاہور

فرزانۂ دہر ریلوے پنچ   علّامۂ دہر ریلوے پنچ
اچّھوں کے لئے ہے عسلِ خالص   اشرار کو زہر ریلوے پنچ
گیڈر بھبکی سے کب دبے گا   ہے ایک ہی ببر ریلوے پنچ
کچھ اہلِ نظر کریں گے عزّت   ہے عالی قدر ریلوے پنچ
ہر شوخی اس کی بر محل ہے   ظرفا کا ہے صدر ریلوے پنچ

۶۱ + ۷۸ + ۶۰۵ = ۱۹۲۵ء

قطعۂ تاریخ اجراء ''روز نامۂ اقبال''

حسنات ہے روز نامۂ اقبال   برکات ہے روز نامۂ اقبال
نادر یہ عیسوی ہے تاریخ   سوغات ہے روز نامۂ اقبال

۱۹۲۵ء

تاریخ اجرائے اخبار ''نونہال'' لاہور

خوشی سے پھولو میرے نونہال نیک خصال   بڑی بہار پہ اب نونہال کا ہے جمال
اہا یہ آج نیا سال ہے ، مُبارک باد   یہی ہے وجہ کہ ہے نونہال کو بھی کمال
وہ آیا ڈاکیہ لایا ہے نونہال ضرور   لپک کے پوچھو کرو آج اس کا استقبال
بڑھی ہوئی ہے کہیں اس میں آج دلچسپی   ہیں نونہال اسے دیکھ کر نہال نہال
ہے اس کی شکل بڑی موہنی اہا ہا ہا   ہیں اس کی باتیں بھی گویا کہ ایک سحرِ حلال

اب اس میں دیکھو گے ہر ہفتہ اک بہار نئی
اب اس کو دیکھو گے تم ہر طرح سے مالا مال

دعائے خیؔر ہے یارب یہ بار آور ہو
یہ نونہال پھلے پھولے اس کو ہو اقبال

جو پوچھا خیؔر نے تاریخِ سالِ نو اس کی
کہا یہ ہم نے گُلستانِ نونہالِ خیال

۱۳۴۴ھ

تاریخ اجرائے اخبار '' مُدبّر'' کلکتہ

کیا خوب نکلتا ہے دل افروز مدبّر
یہ قوم کا دل دار ہے دل سوز مُدبّر

آزادیٔ مُلک اس کا ہے دن رات وظیفہ
کیا جان لڑاتا ہے شب و روز مُدبّر

ہر روز بتاتا ہے ترقی کا طریقہ
ہے قوم کا اپنی سبق آموز مُدبر

اللہ کرے اس کو ترقی ہو مُیّسر
ہر روز منایا کرے نو روز مُدبّر

تاریخ اشاعت کی عبث فکر ہے لاحق
اے خیؔر کہو تم، خرد افروز مُدبّر

۱۳۴۴ھ

قطعۂ تاریخ اجرائے اخبار'' صدائے اسلام'' بٹالہ پنجاب

یارب رہے قائم یہ بہار اسلام
بڑھتا رہے ہروقت وقارِ اسلام

مسلم وہی مسلم ہے، حقیقت یہ ہے
جو وقت پر ہو جائے نثارِ اسلام

تاریخ کی کیا فکر ہے اے خیؔر تجھے
کہہ حسنِ حصین خوب حصارِ اسلام

۱۳۴۵ھ

تاریخ اجرائے اخبار ''المومن'' کلکتہ

مومن اخوۃ کا ابر بہار
ہے مساوات بار المومن

ہف نظر کیا عروج ہے اس کو
سب کو ہے انتظار المومن

فیض جاری ہے ہر طرف اس کا
ایک ہے ، آبشار المومن

چشم بددُور دلکشی اس کی
واقعی ہے نگار المومن

اپنی شہرت کی داد لیتا ہے
ہند سے تتار المومن

اپنی تحریک میں اٹل ہے یہ
کوہ ہے کوہسار المومن

ایک گلستاں ہے اس کا ہرصفحہ
کیا ہی ہے پُر بہار المومن

نیک تحریک کا محرّک ہے
تجھ پر رحمت نثار المومن

خیؔر تاریخِ پُر بہارِ لکھو
گلفشاں ہفتہ وار المومن

۱۳۴۵ھ

ایک تاریخ اور بھی لکھئے
غُنچۂ خوشگوار المومن

۳۱ + ۱۳۰۰ = ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ بنگلہ

تاریخ اجرائے اخبار '' پیغام'' پٹنہ

چُھپتا ہوا کتنا پیارا ہے نامِ پیغام
پیغامِ یار ہے یا قومی پیامِ پیغام

ہے اتّحادِ ہندی اصلِ اصول اس کا
پھر کیوں نہ ہو جہاں میں مقبولِ عام پیغام

پیغمبری ملی ہے اُلفت ڈاکیہ کو
پہونچا رہا ہے گھر گھر ہر صُبح وشام پیغام

نزلہ نفاق کا جو اس مُلک پر گرا ہے
اِک دم سے جھاڑ دے گا سارا زکام پیغام

تاریخ کی ہمیں تھی اے خیؔر فکرِ لاحق
خود ہی زباں پہ آیا عالی مقام پیغام

۱۳۴۵ھ

وَلَہٗ

سُناتا ہے ہفتہ میں دوبار پیغام　　محبت کا کتنا مزیدار پیغام
ملا چھوڑے گا ہندوؤں مُسلموں کو　　سمجھتا ہے اُلفت کے اسرار پیغام
غضب ہے نہ لے ہاتھوں ہاتھ اس کو ہر اِک　　بڑا صلح جُو ہے یہ اخبار پیغام
وفا جو وفا کیش ہے یہ صحیفہ　　ہے تاریخ اس کی وفادار پیغام

۱۳۴۵ھ

وَلَہٗ

اپنی ہی جان وتن ہیں یہ ہندو مسلماں　　تیرے یہاں نہیں ہے اب کوئی غیر پیغام
تو اتحاد کا ہے تنہا معین و حامی　　جائے قیام تیری مسجد ہے، دیر پیغام
تاریخ عیسوی کی ہم خیؔر سوچتے تھے　　ہاتف پُکار اٹھا بانی خیر پیغام

۱۹۲۶ء

تاریخِ طبع ثانی ''اسلامی مُساوات'' مصنّفہ مولوی حفیظ اللہ پھلواروی (پٹنہ)

پھر چھپ گیا دوبارہ یہ خوشنما رسالہ　　جو اتحاد قومی کی ہے بڑی نشانی
مومن وہی ہے جو ہو اِک دوسرے کا بھائی　　یہ ہے حدیث نبوی کچھ یہ نہیں کہانی
مقبولیت کی اس کی یہ ہے دلیل کافی　　ہاتھوں میں آپ کے ہے اب اس کا طبع ثانی
ہر بات اس کی سُلجھی ہر اک بیان دل کش　　دی ہے ہر اک بیاں میں کیا داد خوش بیانی
پوچھا ہمارے دل نے تاریخِ طبع اس کی　　ہم نے کہا ہے اچھی برجستہ طبع ثانی

۱۳۴۶ھ

تاریخ اجرائے اخبار ''بنی فاطمہ'' دہلی

جان آ جاتی ہے اُس کی دید سے　　روحِ نظارہ بنی فاطمہ
اس سے ہو گی تربیّت اسلام کی　　ہے یہ گہوارہ بنی فاطمہ
خیؔر اجراء کی یہی تاریخ ہے　　فیض ہموارہ بنی فاطمہ

۱۲۱۱ + ۱۳۵ = ۱۳۴۶ھ

قطعات تاریخ اِجرائے اَخبار ''پیغام'' دہلی بہ ادارت خان فاعث اللہ خان بی۔اے

ملک کا اپنے ہے سچّا خادم　　قوم کا اپنے سہارا پیغام
اس کے صفحات پہ خبریں ہیں بھری　　کہئے اب اس کو سراپا پیغام
اس کے اجرا کی یہ تاریخ ہے خوب　　بادۂ نور ہے پیارا پیغام

۱۸۴۹ اخترام شاموت

خیؔر اک دوسری تاریخ بھی لکھ　　سالِ بنگلہ ہے نرالا پیغام

۱۳۳۵ بنگلہ

وَلہ

تاریخ بکرمی و بنگلہ کی خوب نکلی　　سمّت ہے نغمۂ فیض و کامگار پیغام

۱۹۸۶ بکرمی سَمّت　۱۳۳۵ بنگلہ

گر سو مریض بھی ہوں ہندوستان کے اندر　　کافی ہے سالِ بنگلہ میں ایک انار پیغام

۲۲۰ + ۱۱۲۸ = ۱۳۴۷-۴۸ھ　　۱۳۳۵ بنگلہ

بنگلہ کا اور فصل الٰہی کا سال سنئے　　پیغام رعایا و جادو نگار پیغام

۱۳۳۵ بنگلہ　۱۳۳۸ فصلی

وَلہ

ہم کیا کہیں اس کو کیا ہے پیغام　　حق یہ ہے کہ رہنما ہے پیغام
۱۳۴۷ھ
لکھ دو اے خیرؔ عیسوی سال　　بے مثل گراں بہا ہے پیغام
۱۹۲۹ء

تاریخ اجرائے اخبار ''رہنما'' بہار شریف (پٹنہ)

قوم کا ہادی خلیلِ باصفا　　اے ذبیح ملک و ملّت مرحبا
اے عزیزِ ملّت و امیدِ قوم　　تیرا اجرا قوم کا ہے مُدَّعا
خیرؔ کیوں تاریخ اجرا کی ہے فکر　　کہہ دو اخبارِ مدیر رہنما
۱۳۵۴ھ

قطعات تاریخ اجرائے ''لال مرچ'' پٹنہ، زیرادارت مولوی مُحمّد لطیف عالم صاحب تلخ

پہلے ہر گھر میں تھی اِک زندہ دلی　　اب ظرافت کا ہے کیسا توڑا
لال مرچوں کا کوئی توڑ نہیں　　یہ بندوق کا چلتا توڑا
اس کے خواہاں ہیں ہر اک سُرخ و سفید　　ہے یہ لالوں کے گلے کا توڑا
دیکھ کر اس کو عدو ناچے گا　　کھائے گا اس کو تولے کا توڑا
اس کا ٹوٹے گا کلیجہ اک دن　　جس نے مرچوں سے ذرا سا توڑا
سب کہاں لینے لگا آخر کار　　مرچ نے منہ جو عدو کا توڑا

مرچ کی خیرؔ ہو ایسی تاریخ　　کہ ہو دستار کا اچھا توڑا
۱۳۳۸فصلی
زر کے توڑے سے بڑھی ہے تاریخ　　چٹپٹی لال مرچ کا توڑا
۱۷۴۷

توڑے کے ''ت'' کا عدد ۴۰۰ ہے جسے　　مصرع ثانی کے کل اعداد ۱۷۴۷ ہیں اور
مصرعہ ثانی سے اخراج کرنے کا اشارہ　　مصرع اولیٰ میں لفظ توڑے میں ''ت'' کا
دیا گیا ہے۔　　عدد ۴۰۰ ہے۔

۱۷۴۷ - ۴۰۰ = ۱۳۴۷ھ

وَلہ

گل رُخوں کی ہے اسی سے لالی　　لال مرچوں ہی سے ہے ہستی حُسن
خیرؔ تاریخ مزے کی کہہ دو　　چٹپٹی لال مرچ مسّی حُسن
۱۳۴۷ھ

تاریخ اجرائے اخبارِ ''بغلول'' کلکتہ

ظرافت کا مردنگ یا ڈھول نکلا　　ہنساتا ہوا میر بغلول نکلا
ہر اِک بات میں اس کی شوخی عیاں ہے　　ظرافت کا گویا یہ کجکول نکلا
کہاں کوئی پاتا ہے شوخی کو اس کی　　اگرچہ ظریفوں کا ایک غول نکلا
دبا دے گا یہ ٹینٹوا بڑھ کے اک دم　　کسی کے مُنہ سے بڑا بول نکلا

جو ہیں زندہ دل قدر اس کی کریں گے
حقیقت میں اخبار انمول نکلا

کہو خیرؔ اجرا کی تاریخ اس کی
کہ جیسا یہ شوخی کا چنڈول نکلا

مسیحی جو تاریخ پوچھا کسی نے
کہا ہم نے سرمست بغلول نکلا

۱۹۲۹ء

قطعۂ تاریخ اجرائے اخبار ''چونچ'' کلکتہ

پوچھا جو اس نے کون ہے سب سے بڑا ظریف
میں نے یہی جواب دیا اے حضور چونچ

کرنا کسی کا پاس یہ اس کا نہیں اُصول
ہے یہ خوشامدوں سے ہمیشہ نفور چونچ

غدّاریوں کی بیخ کنی میں ہے مُستعد
اس کام میں کبھی نہیں کرتا قصور چونچ

ہر بات میں ہے ایسی ظرافت کہ واہ واہ
پھر شوخیوں کا یہ تو ہے صدرُ الصُّدور چونچ

تاریخ اس کی سوچ کے شہباز فکر نے
منقار کھول کر یہ کہی ذی شعور چونچ

۱۳۴۸ھ

قطعۂ تاریخ اخبار '' جَمہُور'' کلکتہ کا عید نمبر

ہے یہ جمہور کا کیا خوب پرچہ
مضامین اس کے ہیں نایاب اکثر

ہر اک نک سُک سے یہ آراستہ ہے
کئے ہیں جمع اس میں کتنے جوہر

دلوں میں چُبھنے والے ہیں مضامین
ہر اک مضموں ہے گویا تیر و نشتر

ہلالِ عید کا یہ عید نمبر
درخشاں کیوں نہ ہو ہمرنگ اختر

مسیحی سال کا یہ مادہ ہے
غرور حُسن ہے یہ عید نمبر

۱۹۳۰ء

تاریخ اجرائے مجلّۂ فطرت، راج گیر (پٹنہ)

یہی اُردو کا علم بردار ہے اس صوبے میں
کیسی ٹکسالی ہے پیاری ہے زبانِ فطرت

یُوسُف ام اے صبا اور جناب عاصی
ہیں یہی تاب و تواں روح و روانِ فطرت

اس کی ترتیب میں تہذیب میں سرگرم ہیں سب
مُستحق داد کے ہیں کارکُنانِ فطرت

ہے یہ انصاف ہر اک شخص سنبھالے اس کو
ایک پر چھوڑے نہ یہ بارِ گرانِ فطرت

اس کے اجراء کا علم جب ہوا عالم میں بلند
خیرؔ نے سال کہا بیرقِ شانِ فطرت

۱۳۵۲ھ

اور تاریخ کے ہیں آپ طلب گار اگر
خیرؔ سے سُنئے طلبگارِ نشانِ فطرت

۱۳۵۲ھ

وَلہٗ

ہے یہ فطرت کے مُطابق بالکل
ہے بچھا خوب یہ خوانِ فطرت

خیرؔ تم سالِ مسیحی لکھ دو
برق صولت ہے نشانِ فطرت

۱۹۳۲ء

تاریخ سالِ نَو ''سرپنچ'' لاہور

سرپنچ کو مبارک ہو روز ٹوسٹ مکھن
حاسد کو اس کے سوکھی سی نانِ جو مُبارک

حرص و ہوا کا گدہا حاسد کے واسطے ہو
سرپنچ کو ہو گھوڑا اِک تیز رو مُبارک

اس کے عدو کو دائم ظلمت نصیب ہوگی
احباب کو ہمیشہ شوخی کی ضو مُبارک

بدخواہ ہار مانیں موقعہ جو کوئی بھی ہو
ہو حبیب پنچ جی کی بارہ پر پَو مُبارک

غیروں سے واسطہ کیا ہم کو ہے دُھن تمہاری
ہم کو یہ دُھن مُبارک تم کو یہ لَو مبارک

تاریخ عیسوی کی سال جلوس سُن لو
سرپنچ کو یہ سرخوش یہ سالِ نَو مبارک

۱۵۲۲ + ۴۱۰ = ۱۹۳۲ء

تاریخ اجرائے اخبار ''اِستقلال'' پٹنہ (فریزر روڈ)

اس زمانے میں ہے وہ لالوں کا لال
جس کسی کا یار اِستقلال ہے
ارتقا کا راز پنہاں اس میں ہے
گرمئی بازار اِستقلال ہے
یار یاوَر کی ہو کیوں پروا اسے
جس کا بھی ہتھیار استقلال ہے
اکثریت سے نہیں دبتی ہے کور
اپنا تو معیار استقلال ہے
مشکلوں کو کاٹ کر رکھ دے ابھی
جس کی بھی تلوار استقلال ہے
اس جریدے کی بنا ہے صُلحِ کل
یعنی اِک دیوار استقلال ہے
ساعیِ آزادیِ اقوام کا
طرۂ دستار استقلال ہے
اس کے اجرا کا ہے سال عیسوی
تاجِ ملک اخبار ''استقلال'' ہے

۱۹۳۵ء

قطعات تاریخ اجرائے اخبار ''آزاد'' پٹنہ

فخرِ ملّت نہ کیوں ہو یہ اخبار
سب جریدوں میں میر ہے آزاد
اس کی ہر رائے صائب ہے
ایک روشن ضمیر ہے آزاد
اس کی ہر اک دلیل ہے روشن
یعنی ماہ منیر ہے آزاد
اس کے اجرا کی خیر لکھ تاریخ
حق طلب بے نظیر ہے آزاد

۱۳۴۹ھ

وَلہ

اس کی ہر بات ہے پیاری
آزاد ہے اک مدیر ناصح
آزاد کرائے گا وطن کو
ہو گا اس جنگ کا یہ فاتح

واقف ہے سیاست سے وہ
ہے جانتا ملک کے مصالح
اجراء کا اس کے سال سنئے
آزاد ہے بے نظیر ناصح

۱۳۴۹ھ

تاریخ اجرائے ''مَجلّہ کارواں'' پٹنہ

یہ کاروان پٹنہ رکھتا ہے شانِ پٹنہ
اس کی زبان سے سُنتا تم داستانِ پٹنہ
صوبہ بہار کا ہے یہ بہترین تُحفہ
یہ کاروان پٹنہ ہے ارمغانِ پٹنہ
ہیں کارواں کے کیسے یہ چٹپٹے مضامین
کیسا چنا ہوا ہے دیکھو یہ خوانِ پٹنہ
ہے ذرّہ ذرّہ یاں کا اک آفتاب اردو
اب یہ زمینِ پٹنہ ہیں آسمانِ پٹنہ
اس کے قدم پہ اُردو' کیسا مچل رہی ہے
اک سبقتِ ادب ہے یہ کاروانِ پٹنہ

۱۳۵۵ھ

تاریخ روزنامہ اخبار ''خلافت'' بمبئی سالگرہ

اخبار ہے یہ جاری تیسوئیں برس سے
اسلام کا ہے حامی یہ آصفِ خلافت
شوکت علی کو زندہ رکھتا ہے یہ صحیفہ
ہے قوم کا معاون یہ واقفِ خلافت
اے خیر سال ہجری کی فکر کیوں کرو گے
ہم سے یہ صاف سُن لو ہے عارفِ خلافت

۳۰۹ ۱۵ + ۵۱ = ۶۶ ۱۱۱۱

۱۴۲۰ - ۶۶ = ۱۳۶۴ھ

مصرعۂ اولیٰ میں سال ہجری کے کل اعداد ۳۰۹ بنتے ہیں اور مصرعۂ ثانی میں خلافت کے اعداد کا مجموعہ ۱۱۱۱ ہوتا ہے اور دونوں کا مجموعہ ۱۴۲۰ ہوتا ہے۔ مصرعۂ ثانی میں ''یہ لو ہے'' کے اعداد کا حاصل جمع ۶۶ ہے۔ اب ۱۴۲۰ میں سے ۶۶ کا استخراج کریں تو اخبار خلافت کی تیسویں سالگرہ نکل آئے گی۔

شادیات

قطعاتِ تاریخِ شادی

بہرہ مند کتخدائی — ۱۳۴۱ھ

از دواج محمد مظہر امام — ۱۳۴۱ھ

صاحب قدر رئیس خسرو پور' دَامَ اقبَالہٗ

ہے نوادہ میں خوشی کی دھوم دھام — آج ہیں دولہا بنے مظہر امام
کتخدائی ہو مبارک آپ کو — خرّمی و شادمانی ہو مدام
کتنی پیاری خیؔر یہ تاریخ ہے — آمد آمد بی بی مظہر امام ہے

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

شُکر خدا آج مبارک ہے یہ دن — خوش نظر آتے ہیں یہاں خاص و عام
دھوم نوادہ میں خوشی کی ہے آج — دولہا بنے ہیں مرے مظہر امام
خیؔر یہ شادی کی ہے تاریخ ایک — کانِ حیا بی بی مظہر امام

۱۳۴۱ھ

قطعاتِ تاریخ شادی

جناب مولوی سیّد شاہ محمد طٰہٰ جعفری، رئیس وزمیندار (بہار شریف محل پر) حال مقامی خسرو پٹنہ از صبیہ جناب مولوی سید شاہ محمّد کمال صاحب، رئیس عظیم آباد پٹنہ بتاریخ ۱۹؍ جمادی الاوّل ۱۳۴۴ھ، بروز یک شنبہ مطابق ۶؍ دسمبر ۱۹۲۵ء

خود حاضر نہ ہو سکا تبریک کو — وائے حسرت! زخم کا آزار ہے
ہو مبارک جشن شادی آپ کو — یہ مسرت کا مری اظہار ہے
خیؔر سے تاریخ بھی سن لیجئے — فَانْکِحُوا مَا طَابَ رشتہ دار ہے

۱۳۴۴ھ

وَلہٗ

ہمارے حضرتِ طٰہٰ کو یہ شادی مُبارک ہو — یہ پابندی مبارک ہو یہ آزادی مُبارک ہو
مُبارک کتخدائی ہے تو ہے تاریخ بھی احسن — اساس پارسائی خانہ آبادی مُبارک ہو
خیال آیا کہ ہو ایک دوسری تاریخ بھی اچھی — کہا یہ خیؔر نے یا مقتدر شادی مبارک ہو

۱۳۴۴ھ

وَلہٗ

دل کو یہ پیاری نعمت مبارک — شادی مُبارک راحت مُبارک
تاریخ شادی خیؔر یہ کہہ دو — چاہت مُبارک چاہت مُبارک

۱۳۴۴ھ

تاریخ عقدِ ثانی مولوی سیّد اظہر الحق صاحب، اسسٹنٹ پوسٹ ماسٹر جنرل، پٹنہ

زُبَیدہ بیگم اظہر الحق

۱۳۴۵ھ

مبارک تمہیں ہو پیاری عُروس　　مرے اظہر الحقِ عالی نسب
یہ تاریخِ شادی کہی خَیرؔ نے　　ہوا عقدِ ثانی بہ عیش و طرب
۱۱۳۴ + ۲۱۱ = ۱۳۴۵ھ

تاریخ شادی برخوردار نورِ نظر سیّد احمد سلّمہٗ، از دختر شاہ محمد یحییٰ ساکن موضع بگھول
بتاریخ ۱۹؍ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۱۹۴۴ء موافق ۴؍بیساکھ روز جمعرات ۱۳۵۱ فصلی

ہفتم تھی ربیع الثانی کی پہلی ربیع الاول، تھی چوالیس
شاہ یحییٰ اور بھائی زبیر آئے، کچھ مشورہ کرنا تھا
شاہ یحییٰ کا زور یہ تھا، شادی احمد کی جلدی ہو
سب رسم وراہ کو چھوڑیئے اب، شرعی ہو کل انجام اس کا
اس جنگِ عالمگیر میں اب بڑھتی جاتی ہے گرانی بھی
ارزانی کی اُمید کہاں جو ہو جائے وہ ہے اچھا
آخر بڑی کدوکاوش پر انیس ربیع الثانی کو
تاریخ نکاح یہی ٹھہری باہم یہ عہد ہوا پکّا
اس چند دنوں کی فرصت میں انجام کی یہ تاریخ ہوئی
نو دن میں سیّد احمد کا چٹ منگنی پٹ بیاہ ہوا
۱۳۶۳ھ

قطعۂ تاریخ شادیٔ سید شاہ جعفر حسین کینٹاب و سید شاہ باقر حسین، سلّمہما اللہ تعالیٰ
فرزندان نواب سیّد شاہ واجد حسین، رئیس خسرو پور، پٹنہ

یہ خوشی ایسی خوشی اتنی خوشی صلِ علیٰ　　ہے زمیں سے آسماں تک اک مَسرّت کا سماں
دو پسر کی شادیاں نواب صاحب کو نوید　　ایک فخرِ خاندان اک افتخارِ دُودماں
شادمانی اتنی اتنی خرّمی اتنا سُرور　　ہے ہر ایک خرّم ہر اک مسرور ہر اک شادماں
پوچھنا کیا ہے مَسرّت کا مرے نواب کی　　غنچۂ دل کھل رہا ہے گھر ہے رشکِ گلستاں
ہے دعائے خَیرؔ بھی، ہے مصرعِ تاریخ بھی　　جعفر و باقر کی شادی ہو مبارک جاوداں
۱۳۴۶ھ

تولّدات

قطعات تاریخ ولادت فرزند شاہ محمّد وَلی صاحب، رئیس خُسرو پور پٹنہ

آج شاداں ہیں مرے شاہ ولی　　اُن کے دل کے ہوئے پورے ارمان
ہو مُبارک ہوا پیدا فرزند　　نورِ دل، لختِ جگر، راحتِ جان
پوچھا جب خَیرؔ سے تاریخی نام　　کہہ دیا میں نے ریاض الرحمان
۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

ہو مُبارک آپ کو شاہ ولی ذی حشم　　آپ کے گھر میں جو یہ نورِ نظر پیدا ہوا
سالِ تاریخِ ولادت ہے چراغ نانہال　　دوسری تاریخ ہے خیر بشر پیدا ہوا
۱۳۴۱ھ

وَلَہٗ

جناب شاہ محمد ولی مُبارک باد ولادتِ پسر ماہ رو و گُل اندام
کہا یہ خیؔر نے پوچھا جو تاریخی نام کہ ہے محمد شمس الضحیٰ پیارا نام

۱۳۴۱ھ

هُوالْخَالِقُ الْمُصَوِّرُ السَّمِیْع

۱۳۵۱ھ

زہے چراغ خاندان

۱۹۳۲ء

حُلیہ تاریخ پیدائش فرزند	حبیبی مولوی مظہر امام	مسمّی بہ اسم تاریخ مُصطفی
۱۹۳۲ء	۱۳۵۱ھ	۱۹۳۲ء
مع تخلّص زیب کلام	اظہر امام باسق	مظفر امام حالی
۱۳۴۰فصلی	۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ
اختر امام نیاز	سیّد آصف اظہر	اظہر مراد
۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ
سیّد انور عظیم	مقصود اعظم	اختیا رالحق
۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ
محمد خورشید الحق	سیّد محمد صغیرالدین	
۱۳۵۱ھ	۱۳۵۱ھ	

قطعۂ تاریخ

آج خسرو پور میں ہے دھوم دھام — آج ہی گھر گھر نشاط و خُرّمی
کیوں نہ ہو پیدا ہوا گھر کا چراغ — جس کی ہے یہ جگمگاتی روشنی
باپ ماں کے دل کا چین آنکھوں کا نور — سارے کنبہ کا سرورِ باطنی
کیوں نہ خوش ہوں مولوی مظہر امام — ان کو یہ دولت ملی راحت ملی
ان کو خالق نے دیا فرزند نیک — ہو مبارک طالع اسکندری
ہے نواسے کی ولادت کی خبر — کیوں نہ خوش ہوں حضرتِ شاہِ ولی
عمر خضری پائے یہ نور نظر — علم اور اقبال کی ہو یاوری
نام تاریخی کی تم کو کیوں ہے فکر — خیؔر کہہ دو سیّد یاور غنی

۱۳۵۱ھ

تاریخ ولادت' فرزند نرینہ جناب سردار عظمتُ حیات خانصاحب' خلف سر سکندر حیات خان صاحب، وزیر صوبہ پنجاب لاہور

بچّہ بختِ سکندری پائے — عظمت کا یہ نشان ہے کہہ دو
تاریخی نام خیؔر کہئے — سالارِ حیات خان ہے کہہ دو

۱۳۶۲ھ

میرے پوتے سیّد حسن سلمہٗ کی ولادت کی تاریخ ۸ر جمادی الثانی روز دو شنبہ ۱۳۶۴ھ وقتِ صبح

ہمارا حَسن

مرے دل کا تارا ہمارا حسن　　جگر کا پیارا ہمارا حسن
مرے دل کا ٹکڑا ہمارا حسن　　ہماری تمنّا ہمارا حسن
کبھی دل ہمارا جو گھبرا گیا　　تو دل نے پکارا ہمارا حسن
کبھی گنگناتا ہے جب شوق سے　　تو گویا ہے شاما ہمارا حسن
وہ آخری جمادی کی تھی آٹھویں　　محبت کا ماوا ہمارا حسن
تولُدّ ہوا پیر کی صبح کو　　ہماری تمنّا ہمارا حسن
علی احمد اختر ہے ہجری کا سنہ　　یہ ہے نام پیارا ہمارا حسن

۱۳۶۴ھ

ہو علّامہ اے خَیر یہ ایک دن
ہو قومی سہارا ہمارا حسن

وفّیات

تاریخ وصال حضرت سیّد شاہ لطافت حسین، رئیسِ خسرو پور پٹنہ

ہوا آفتابِ ریاست غروب　　بجھی شمع محفل شور و شین
کہا خیر نے سن کے سالِ وصال　　سراجِ ہدایت لطافت حسین

۱۳۳۲ھ

قطعاتِ تاریخِ وفات ''مولا شاہ ولی''، کلکتہ

کون رہا ہے کون رہے گا سب کو فنا آخر ہے فنا
قوم کے ہادی، دین کے رہبر، دُنیا سے مُنہ موڑ چلے
اس دُنیا سے چھُٹیں محرم تیرہ سو سینتیس میں آہ
مولا شاہ ولی کامل حق سے ملے جنّت میں گئے
گورستان و چاہ و مسافر خانہ و مسجد کی خاطر
اپنی زمین محصولہ کو راہِ خُدا میں وقف کئے
حضرتِ خَیر نے برجستہ رحلت کی یہ تاریخ کہی
مولا شاہ ولی کامل دارِ بقا جنّت کو گئے

۱۳۳۷ھ

وَلہٗ

غفورالھادی

۱۳۳۷ھ

ناصرِ ملّت حامئِ مذہب حق آگاہ　　حق سے ملے تھے اہل اللہ فنافی اللہ
اپنی زمین کو وقف کیا بہر مسجد　　بہرِ گورستان و مسافر خانہ و چاہ
حضرت خیؔر نے رحلت کی تاریخ کہی　　سرورِ عارف ولیِ کامل مولا شاہ

۱۳۳۷ھ

وَلہٗ

اغفرِ مبدی

۱۳۳۷ھ

صد حیف زینِ جہان شہِ عالی وقار آہ　　سوئے دیار رحمتِ یزدان رواں بشد
تاریخ فوت خیؔر حزین برمحل بگفت　　مرحوم مَولا شاہ ولی درجناں بشد

۱۳۳۷ھ

وَلہٗ

رفت سوئے خلد آں ہادیِ دین و مردِ حق　　پیش حق شد سُرخ رُو نگرفت اُورا مُشکلی
بہرِ تعمیرِ مُسافرخانہ و مسجد زمین　　وقف کردہ نیز بہر خوش مُسافر منزلی
خیؔر تاریخ وصالش فی البدیہہ زد رقم　　عابد خالق شد مولا ولیٔ کاملی

۱۳۳۷ھ

وَلہٗ

غَفورُالوَدُود

۱۳۳۷ھ

شاہ مولا ولی کامل تھے　　ذکرِ حق سے تھی خاص اِک رغبت
چل بسے ہائے وہ فنا فی اللہ　　اب کہاں وہ سُلوک کی دولت
سالِ رحلت یہ خیؔر نے لکھا　　واصلِ حق ہے داخلِ جنّت

۱۳۳۷ھ

واصل کا الف شاعر نے شمار نہیں کیا ہے

وَلہٗ

اغفرِ ھادی یاودودہ

۱۳۳۷ھ

شاہ گڑھ گوتم میں یہ کُہرام تھا　　ہائے مولا شاہ دُنیا سے چلے
خیؔر نے تاریخِ رحلت یہ لکھی　　شاہ مَولا اپنے خالق سے ملے

۸۰ +　　= ۱۳۳۷ھ

وَلہٗ

تھی محرّم کی چھٹیں تیرہ سو سینتس تھا سال　　آہ جنّت میں گئے میرے ولی مولا شاہ
مردِ حق ایسا مخیّر ہے کہاں دُنیا میں　　شاہ گڑھ مزرع پورا گوتم ہوا آج تباہ
پہلے ہی چند برس رحلت معہودہ سے　　جانشیں اپنا چنا وقف کیا تھی یہ نگاہ
آٹھ بیگھہ کے قریب اپنی زمین وقف کیے　　تاکہ مسجد بنے اور خانۂ مسافر اور چاہ

سب سے اول جو خلیفہ تھے وہی صدر بنے   ہوئے سجّادہ نشیں شاہ سلیمان ذی جاہ
حضرتِ خیر نے رحلت کی یہ تاریخ لکھی   راہیِ خُلد ہوئے ماہِ ولا مولا شاہ

۱۳۳۷ھ

قطعہٴ تاریخ وصال حضرت ابراہیم شاہ بہار شریف پٹنہ

حضرتِ ابراہیم حق جُو حق پسند   از مئ توحید سرخوش بود و مست
ازمہہ شعبان چو ہفتم شب رسید   رفت سوئے جنّت الماویٰ بہ بست

۵۰

سالِ رحلت شاہ ابراھیم آہ   گفت ہاتف انتقالِ قطبِ وقت

۹۱   ۱۱۹۹

۵۰ + ۹۱ + ۱۱۹۹ = ۱۳۴۰ھ

تاریخ وصال جناب سیّد شاہ محمد سجّاد متوطن محل پر بہار شریف پٹنہ

سیّد و شاہ محمد سجّاد داخلِ خُلد ہوئے حق آگاہ
آہ بے ساختہ نکلی اے خیر جب یہ ہاتف نے کہا غفر اللہ

۱۳۴۱ھ

عربی کے حسابِ جمل سے مذکورہ عدد نکلتا ہے

تُربت آل عبّا سیّد محمد سجّاد

۱۳۴۱ھ

قطعات تاریخ وفات والدہ ماجدہ جناب شاہ محمد یعقوب صاحب بلخی

خانقاہ فتوحہ

وہ اپنے وقت کی جو رابعہ تھیں   سدھاریں سوئے جنت وا دریغا
زبان توحید خواں و قلب جاری   کہا لبّیک جب آیا بلاوا
زمانے میں کہاں ایسی خواتین   بزرگوں سے ہوا خالی فتوحا
جو پوچھا خیر سے تاریخِ رحلت   کہا الحق رضی اللہ عنہا

۱۳۴۱ھ

وَلَہٗ

اب کہاں اگلا سا وہ نور و جمال   آج ہر مومن کا دل رنجور ہے
واصلِ حق جب ہوئیں خاتون آہ   غیب سے آئے ندا مغفور ہے

۱۳۴۱ھ

وَلَہٗ

اہلیہ تھیں ولیِ کامل کی   خود ولیہ تھیں حاجیہ ذی شاں
شاغل و ذاکر خدائے کریم   اب خواتین میں وہ زُہد کہاں
ہے یہ تاریخ خیر رحلت کی   رابعہٴ وقت و مریمِ دوراں

۱۳۴۱ھ

قطعۂ تاریخ وفات مولوی سیّد احمد کریم صاحب مُختار بھیکن پور، مظفر پور

داخلِ بہشت   بندۂ غفار

۱۳۴۲ھ   ۱۳۴۲ھ

ہجری و سمبت علی الترتیب گر ہو چاہیے   آہ مغفور و غریقِ رحمت ایزد کہو

۱۳۴۲ھ   ۱۹۸۰سمّت رسمبت

خؔیر تم وجدانِ دل سے کہہ دو سالِ عیسوی   خاتمہ بالخیر دل فصلی بھی اب غفراں سنو

۱۹۲۳ء   ۱۳۳۴فصلی

مغفرت باجناب عزّ وشان

آہ احمد مُریدِ مولانا   آہ وہ سیّد کریم و رحیم
آہ وہ مُخلص و شریفُ النّفس   آہ وہ دل نواز اور کریم
آہ وہ بھائیوں کا دل دادہ   آہ وہ مہربان اور فہیم
ایسا مُخلص کہاں زمانے میں   آہ کس کو کہیں گے بھائی کریم
ہم کو چھوڑا ہے غم اٹھانے کو   آپ تو خود سدھارے باغِ نعیم
دونوں مصرعوں سے دو ہوں تاریخیں   خؔیر ہو مادہ کی یوں تنظیم
آہ احمد کریم شاہِ بہشت   آہ احمد کریم فوزِ عظیم

۱۳۴۲ھ   = ۱۳۴۲ھ

قطعۂ تاریخِ رحلت، اہلیہ خان بہادر نواب سیّد شاہ واجد حُسین، رئیسِ اعظم خسرو پور، پٹنہ

آسیہ خاتونِ جنّت کو سُدھاریں آہ آہ   اک عالم کو ہے غم گھر بھر ہے مغموم وحزین
از سرِ اندوہ، آ کر جوش میں بے ساختہ   بول اٹھی خود ہی اُدخلوھا خالدین

۱۳۴۲ھ

تاریخِ انتقال ''میر شفاعت حسین''، گیا

میر صاحب کا ہوا آہ وصال   روح قالب میں ہے بے حد بے چین
لکھ دو مرقد پہ تاریخِ وفات   قبّۂ نور شفاعت حسین

۱۳۴۳ھ

تاریخِ وصال ''حضرت مولانا بدرالدین صاحب''، امیرالشریعۃ سجادہ نشین، خانقاہ پھلواری، پٹنہ

آہ وہ بدرِ دین شمسِ ملت   رہنمائے شریعت
خؔیر کے دل سے ایک چیخ نکلی   آہ پھر چیخ نکلی
واقفِ رمز ہائے حقیقت   راز دارِ طریقت
چیخ گویا تھی تاریخِ رحلت   اُف اَمیرُ الشّریعت

۱۳۴۳ھ

قطعۂ تاریخ وفات جناب خان بہادر علی محمد شادؔ عظیم آبادی

ذکر الپنچ بے محل چھیڑا　　اس کی تو اور ہی تھی کچھ رُوداد
کیوں اکھیڑے گڑے ہوئے مُردے　　کیوں کیا ایسی بحث کو پھر یاد
وہ سخن گسترانہ تھی اک بات　　کچھ خصومت نہ تھی کچھ تھا عناد
ہوتے تھے اعتراض بھی ان پر　　تھے سمجھتے مگر انہیں اُستاد
کہنہ مشق ان کے ایسا اور تھا کون　　کیوں نہ لوگ ان کو مانتے اُستاد
اب وہ صحبت کہاں وہ لوگ کہاں　　اب کہاں انتظار حضرتِ شادؔ
اب کہاں وہ شاعروں کی بہار　　اب کہاں وہ شگفتگی کی داد
آہ اے موت کیا کیا تو نے　　تو نے کیا کی زباں پر بیداد
آہ کس کو جُدا کیا ہم سے　　تھا وہ استاد معنوی بہزاد
فخرِ ہندستان و فخرِ بہار　　آہ سرمایۂ عظیم آباد
گو جُدا ہو گئے ہیں وہ ہم سے　　جا نہیں سکتی دل سے اُن کی یاد
چین سے سوئے ہیں لحد میں وہ　　بر مزارش ہزار رحمت باد
خیرؔ تاریخ عیسوی لکھ دو　　اوہ حضرتِ علیِ مُحمّد شاد

۱۹۲۷ء

قطعات تاریخ وصال قدوۃُ السّالکین زُبدۃ العارفین حضرت مؤلانا

سیّد محمد علی صاحب سجّادہ نشین

خانقاہ رحمانیہ مونگیر

وَصَلَ رَوحِ مقدس فَلَمّا تجلّیٰ رَبُّہٗ

۱۳۴۶ھ

بارہ وفات کی نویں منگل کو دو بجے　　سرتاجِ اولیا کا ہوا آہ انتقال
اے خیرؔ اب تو روئے بُکا درد آہ سے　　تاریخ غم یہ کہہ دو غُروبِ مہِ کمال

۱۳۴۴ھ

اس میں دو عدد کم ہے

آہِ خضرِ رہِ سلوک

۱۹۲۷ء

نہ تاریک ہو نگاہوں میں دُنیا　　نظر اب وہ آتی نہیں ہے تجلّی
وہ سیّد مُحمّد علی میرے مؤلا　　وہ دنیا کے رہبر زمانے کے ہادی
ملے حق سے چھوڑا مجھے آہ محزون　　رہا اپنا کوئی نہ مولا نہ والی
کہاں ایسا مرشد کوئی پائے گا اب　　کہاں مسلکِ حق کا ایسا مُنادی
وہ علمی تبحّر کہ خود اپنا ثانی　　نہ اس دور میں تھی کوئی ایسی ہستی
جب اُلجھن ہوئی دل کو، لکّھا عریضہ　　تو فوراً ہی مکتوب سے کی تشفی
رہا منزلوں دور چوکھٹ سے اُن کی　　مگر خط سے ہوتی تھی میری ترقی
کرے گا مرے دل کا کون اب مداوا　　مجھے آہ اب کون دے گا تسلّی
ہوا خیرؔ جس دم وصال آپ کا آہ　　صدا غیب سے آئی ، مغفور ہادی

۱۳۴۶ھ

قطعات تاریخ وفات مسٹر سید یوسف حُسین ، بیرسٹر رئیس اعظم ٹیڑھی

گھاٹ، پٹنہ

جب مسٹر یوسُف جانِ وفا　　اس دارِ فانی سے دور ہوئے
غم سے تھا حال بُرا سب کا　　تقدیر سے سب مجبور ہوئے
محبوب تھے بندوں میں یوسف　　اللہ کے بھی منظور ہوئے
سالِ رحلت کی فکر جو تھی　　ہاتف نے کہا مغفور ہوئے

۱۹۲۹ء

وَلہ

جب چلا کنعانِ جنّت کی طرف　　وہ ہمارا صابرِ یوُسُف حُسین
قبر دُلہن بن گئی مُنہ دیکھ کر　　ہٹ گیا جب معجز یوسُف حسین
خیؔر یہ موزوں ہے تاریخ وصال　　زیبِ مرقد مسٹر یوسُف حسین

۱۳۴۷ھ

قطعاتِ تارِیخ رحلت لاڈلے صاحب بیتابؔ، مختار عظیم آباد مغل پورہ جانشیں حضرت شادؔ عظیم آبادی

اشکِ خونین ز چشم می ریزم　　ہائے بیتابؔ رفت از دُنیا
خیؔر تاریخِ سالِ رحلت گفت　　شرفِ احباب رفت از دُنیا

۱۳۴۷ھ

وَلہ

زمزمہ سنجی بیتابؔ بہ بُرد　　طائر روح بخود در جنّت
خیؔر ایں نغمۂ تاریخ بخواں　　طائرِ قُدس بشد در جنّت

۱۳۴۷ھ

طائر میں ’حرف ی‘ کا عدد لیا گیا ہے

تاریخ انتقال شیر پنجاب ’’لالہ لاجپت رائے‘‘

کیوں نہ سارے ملک کو ہو ان کے مر جانے کا غم
سعیِ آزادی میں وہ دن رات ہی رہتے تھے غرق
شیر تھے پنجاب کے شیرانہ کوشش ان کی تھی
اُن کے سب کارنمایاں آج بھی ہیں رزق برق
تھا خُلوص ان میں محبت بھی وطن کی دل میں تھی
دوسرے لیڈر سے اور اُن سے تو اِک بیّن تھا فرق
جب خبر آئی تو جل اٹھا دلِ اہلِ وطن
موت تھی ان کی کہ اہلِ ملک پر ٹوٹی تھی برق
خیؔر نے تاریخ سمت ان کے مرنے کی کہی
مُلک کے وہ لاج پت تھے قوم کے ممدوح خلق

۱۹۸۶سمبت

قطعات تاریخ رحلت ''مولانا سیّد شاہ مُحمّدُ فاضل'' صاحب، خُسرو پور

آج فُرقت میں ہے تاریک نوادہ جس کی　　تھے وہ ایک صوفی صافی و ادیب کامل
خَیّر نے آپ کی رحلت کی یہ تاریخ کہی　　ہائے علّامۂ آفاق مُحمّد فاضل

۱۳۴۷ھ

ولہ

کیوں نہ تاریک ہو اب خُسرو پور　　آہ گُل ہو گئی شمعِ محفل
آہ کے ساتھ یہ نکلی تاریخ　　بدرِ اسلام مُحمّد فاضل

۶ + ۱۳۴۱ = ۱۳۴۷ھ

تاریخ وفات فیاض الدین عرف فیضی شاہ

یا غفور الودودا

۱۳۴۹ھ

قُطبِ وقت و ولیِ حق آگاہ　　واصلِ حق و ہم فنافی اللہ
خَیّر تاریخ رحلتش گفتہ　　آہ ماہِ کمال فیضی شاہ

۱۳۴۹ھ

ولہ

لبیک بگفت و شد و صالش　　حاصل کردہ حیاتِ سرمد
تاریخِ وفات خَیّر گفتہ　　فَیاضُ الدین زیبِ مرقد

۱۳۴۹ھ

تاریخِ وفات شاہ محمد زبیر، رئیس مونگیر، بیرسٹرایٹ لا

بر آمد آہ ز قلبِ حزین چو گفت کسی　　حیاتِ حضرت شاہ زُبیر آخر شُد
زمانِ گردشِ آں کوکبِ درخشندہ　　میانِ قبہ آں کہنہ دیر آخر شد
بہ اصل کرد رجُوع و بہ نور حق پیوست　　برست از تنگِ دُنیا و سیر آخر شد
گمان نبود کہ ایں است صحبتِ آخر　　ہم این کہ کرد وداع او بہ خیر آخر شد
زرویِ سال مسیحی بگفت بلبل زار　　بہار شاہ محمد زبیر آخر شد

۱۹۳۰ء

ولہ

آہ چنین غم گسار آہ چنین جان　　کس نشنید و ندید اندر ایں کُہنہ دیر
آہ بہی خواہ ملک آہ ہوا خواہِ قوم　　آہ سراپایِ فیض آہ سراپایِ خَیّر
چوں سویِ جنّت شتافت ہاتفِ غیبی بگفت　　آہ عدیم المثال شاہ مُحمّد زُبَیر

۱۳۴۹ھ

ولہ

در پیِ مصلحتِ ملّت و آزادیِ مُلک　　عمر خود را بسر آورد و کار آخر شُد
چوں بنالیم جداگشت زما شاہ زُبیر　　'' آہ در چشمِ زدن صحبتِ یار آخر شد''
دوستان وقتِ و داعِ گُل رویش گفتند　　رویِ او سیر ندیدیم و بہار آخر شد

۱۹۳۰ء

قطعات تاریخ وفات حسرت آیات رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر رامپوری

خبر رسید ز لندن کہ ضیغمِ اسلام　　بخلد رفتہ و پیوست با خدائے جہان
ازین خبر صفِ ماتم بپاشد ہرجا　　بہ ہند از دلِ ہرکس برآمد آہ و فغان

کسی نماند و نماند بہ عالمِ فانی　　خدائے راست بقا کُلّ مَنْ عَلَیْھَا فَان
حساب کرد ز میلاد خیؔر و گفت کہ، آہ　　وفات یافت مُحَمَّد علیٰ خُلد مکان
۶ + ۱۹۲۵ = ۱۹۳۱ء

وَلہ

کُجاست سیّد اُلاحرار و رھنمائے ھند　　تمام مجلس و بزم آہ بے رونق
ز چشم خویش نگر حالِ زارِ قوم تباہ　　بہ ھوش نیست کسی از وفور رنج و قلق
غریقِ رحمتِ حق نا خدائے ملّت شد　　فتادہ است بطوفان نجات راز ورق
بگوش خیؔر رسیدہ زغیب سال وصال　　وفات یافت محمد علی بندۂ حق
۱۳۴۹ھ

وَلہ

وصال سیّد الااحرار یک غم است عظیم　　بہ ھند بازنگر دید آہ آہ و عجب
بہ ملک دوست مسافر شد از دیار فرنگ　　ز یار زندۂ جاوید یافت است لقب
غمش بعالم اسلام عام خواہد ماند　　تمام عُمر بخواھند گریست اہل ادب
کجا رسید بہ بینِ پائگاہِ خادمِ قوم　　زجذب شوق شدہ مدفنش زمین عرب
ندیدہ ایم چنیں صُلح جُو دریں عالم　　کہ جان سپرد دراین سعی پر زرنج و تعب
زخیؔر سال وفاتش سوال کردم ، بگفت　　وفات یافت محمد علی صُلحِ طلب
۱۳۴۹ھ

تاریخ رحلت اتاترک مصطفیٰ کمال، صدر جمہوریہ ترکیہ

وہ بانیٔ جمہوریۂ ترکیہ کہاں　　دُنیا سے آہ اُٹھ گیا کیا نحس ہے یہ سال
سارا جہان ہے آپ کی رحلت سے سوگوار　　جانکاہ حادثہ کا ہے دنیا تو اِک ملال
ترکی کہ جس کی ترقی ہی گویا تمام تھی　　ترکی کہ جس پہ آہی چکا تھا بڑا زوال

اس ترکی علیل کا کس نے کیا علاج　　وہ مُصطفیٰ کمال تھا وہ مُصطفیٰ کمال
ترکی کو اس نے ترکی اعظم بنا دیا　　وہ ترکی آج دیتا ہے یورپ کو گوشمال
خُلد بریں میں جاکے وہ کرتا ہے سلطنت　　مرنا نہیں یہ دارِ بقا میں ہے انتقال
غازی کے انتقال کا اے خیؔر سال لکھ　　بے انتہائے رنج غمِ مُصطفیٰ کمال
۳ - ۱۳۶۰ ۳ = ۱۳۵۷ھ

رنج کی انتہا 'ج' کا عدد ۳ ہے۔ اشارہ کے مطابق اسے مصرعۂ ثانی کے دوسرے ٹکڑے کے مجموعۂ اعداد سے گھٹانے سے مذکورہ سال ہجری نکل آتا ہے۔

وَلہ

اے خیؔر ایک شعر وہ لکھئے پُر از الم غازی کے انتقال کا ظاہر ہو جس سے سال
آہ انفسِ آفاق آہ مُصطفےٰ کمال آہ مُصطفےٰ کمال آہ مُصطفےٰ کمال
۷۰۵ + ۶۵۲ = ۱۳۵۷ھ

قطعۂ تاریخ وفات مولانا مظہرُ الدین، مدیر روزنامہ اخبار ''وحدت'' دہلی وسہ روزہ اخبار ''الامان'' دہلی

مولوی مظہر الدین شہید　　اب کہاں ایسے فدائے ملک و قوم
واقف و آگاہ رفتارِ جدید　　جاں نثارِ ملک و ملّت بے گماں

یوں تو مرنا لازمی ہے ایک دن / ہائے بے ہنگام بہ قطع و برید
خون نا حق اک فدائے قوم کا / اس سے بڑھ کر فعل کیا ہوگا پلید
کہتے ہیں قاتل مسلمان تھا کوئی / کیوں کہوں اس کو مسلمان تھا یزید
سُن کے یہ جانکاہ صدمہ خیؔر کو / فکر تھی سالِ شہادت کی مزید
دی ندا یہ ہاتف غیبی نے آہ / _مردِ صالح مظہرالدّین و شہید_

۱۹۳۸ء

تاریخ رحلت مولانا شوکت علی مرحوم رامپوری بتاریخ ۴؍شوال ۱۳۵۷ھ مطابق ۲۶؍نومبر ۱۹۳۸ء بمقام دہلی انتقال فرمودند

آہ فخر خاندان شوکت علی / آہِ جانِ دوستاں شوکت علی
تم نے آخر ساتھ بھائی کا دیا / اب تمہیں پائیں کہاں شوکت علی
ہے ہر اک گھر میں صفِ ماتم بچھی / لب پہ ہے آہ و فغاں شوکت علی
اب جگائے گا مسلمانوں کو کون / حُریّت کے آسماں شوکت علی
قوم کو منجدھار میں تم چھوڑ کے / جا بسے ہو اب کہاں شوکت علی
ہے دعائے مغفرت میں آپ کی / اک زباں سارا جہاں شوکت علی
جنّتی ہے جنّتی بے شک وہ ریب / مالکِ قصر جناں شوکت علی
خیؔر نے لکھی یہ تاریخ وصال / _آہ شمعِ دودماں شوکت علی_

۱۳۵۷ھ

وَلہ

حامل سرد و گرم شوکت علی / مردِ میدانِ رزم شوکت علی
قوم کی آپ کرتے تھے تعظیم / اب کرے کون نظم شوکت علی
آج ہر گھر میں ہے بپا ماتم / سب کی پُرنم ہیں چشم شوکت علی
مِٹ گیا نام علی برادر کا / ہو گیا دور ختم شوکت علی
جا بسے خُلد میں وہ آخر کار / کر چکے تھے عزم شوکت علی
ان کی رحلت کی خیؔر لکھ تاریخ / _آہ سردارِ بزم شوکت علی_

۱۳۵۷ھ

وَلہ

آہ ایثار مجسّم آہ اے ہمدرد قوم / آہ بطل حرّیت اے خادم بابِ حرم
قوم کی خدمت ہی میں دی جان آہ / جاں نثار قوم کا ہے سخت غم
ہوں ہزاروں رحمتیں اللہ کی / تیری تربت پر نثار اے ذی حشم
خیؔر تاریخِ مسیحی آپ کی رحلت کی لکھ / _آہ بطل حریت شوکت علی زریں قلم_

۱۹۳۸ء

قطعات تاریخ وفات سیّد شاہ مُحمّد یٰسین، رئیس محل پر، بہار شریف پٹنہ بتاریخ ۵؍صفر روز دوشنبہ ۱۳۵۸ھ بوقت صبح، مطابق ۲۷؍مارچ ۱۹۳۹ء

سیّد و شاہ محمد یٰسین / گئے دنیا سے بسوئے جنت
زاہد و عابد و مرتاض ولی / ہو گئے واصلِ رب العزت

آپ کا خُلد بریں میں ہو قیام / رحمتِ حق ہو نثار تُربت
خَیؔر دل کو تھی یہی فکر لگی / اُن کا لکھئے کوئی سالِ رحلت
کہا ہاتف نے کہ اہلِ ایمان / شاہ یٰسین علیہ الرحمت
۷۰۹ + ۱۲۳۰ = ۱۹۳۹ء

وَلہ

شاہ یٰسین مرد کامل مردِ حق / پیش حق رہتے تھے ہر دم سرنگوں
اُٹھ گئے دُنیا سے مُرتاض و ولی / کیوں نہ آنکھوں سے بہے دریائے خوں
خَیؔر جب آئی نوید وصلِ حق / کہہ دیا ہاتف نے لآ یستاخرون
۱۳۵۸ھ

مادّہ تاریخ کامیابی بی۔اے ازمولوی شاہ عباس جعفری

سیادت پناہ شاہ عباس جعفری ' بی ۔ اے
۱۳۵۸ھ

ہمایون بخت شاہ عباس جعفری ' بی ۔ اے
۱۹۳۹ء

قطعۂ تاریخ وفات مسٹر نصیر حسین صاحب، اوتھ کمشنر ہائی کورٹ، پٹنہ

میرے مشفق میرے رفیق وشفیق / اہلِ خلق اہلِ علم اہلِ تمیز
خَیؔر لکھئے وصال کی تاریخ / آہ مسٹر نصیر ! یارِ عزیز

۱۳۶۱ھ

قطعات تاریخ وفات حاجی مولوی سیّد فَضلِ حقؔ آزادؔ، متوطن موضع شاہو بیگھہ، ضلع گیا

در عظیم آباد بودہ دو بحورِ شاعری / یک مبارک دیگری آزاد گوہر برفاشند
رفت آزاد از جہاں سال وفاتش خَیؔر گفت / لا جواب آزاد فضلِ حق نماند
۶۹۳ + ۵۰۰ + ۱۳ + ۱۴۵ = ۱۳۵۱ فصلی

وَلہ

حاجی و حافظ و ہم قاری و ہم علاّمہ / فَضلِ حقؔ نام و تخلّص از و آزاد بخواند
خَیؔر گو از دلِ سوزاں سنہ رحلت افسوس / حیف در چشم زدن صحبتِ آزاد نماند
۱ + ۱ + ۱=۳ ۱۳۶۴ -۳ =۱۳۶۱ھ

وَلہ

فضلِ حق چوں سوئے خلاق جہاں گشت رواں / دست از جوہرِ دنیائے دنی بر افشاند
خَیؔر از دل برون آوردہ ہمین سال وفات / حاجی و حافظ و علاّمۂ آزاد نماند
۲۲ +۱۲۹۹ =۱۳۲۱ شمسی

وَلہ

آہ آں حافظ و ہم قاری و ہم علاّمہ / آہ دُنیا شدہ از لطف و عنایت خالی
از جنازہ بشنودیم ہمین سالِ وصال / حیف علامۂ آزاد عظیم آبادی
۶۶ +۱۲۹۵ = ۱۳۶۱ھ

وَلہ

حافظ فضلِ حق بشد سوئے خُلد / یافت آں جا حسین و قصر و محل
خَیؔر تاریخ وصل او گُفتہ / حیف گُل شد چراغ علم و عمل
۱۹۴۲ء

قطعات تاریخ وفات سیّد شاہ لُطفُ اللہ، سجّادہ نشیں خانقاہ رحمانیہ، مونگیر

ہادیٔ راہِ طریقت و رہنمائے دین حق	شاہ شاہانِ حقیقت داشتہ شاہی کلاہ
ہم سبق بودیم در دراہِ طریقت حیف حیف	یافتہ چوں رحمت حق گشت خالی خانقاہ
خیؔر تاریخ وصالش ہاتف غیبی بگفت	شاہ لطف اللہ وَلی اللہ ز دُنیا رفت آہ

۱۳۶۱ھ

وَلہ

شَاہ لُطفُ اللہ از دنیا برفت	سیّدُ السّادات از نسب علی
مِنّتُ اللہ صاحب سجّادہ شد	واقف رازِ خفی رازِ جلی
سالِ رحلت خیؔر از ہاتف شنید	رفت از دار فنا کامل وَلی
۷۲۹ + ۳۶۴	+۱۳۱ + ۱۳۷ = ۱۳۶۱ھ

قطعۂ تاریخ وفات مولانا قمر الدین صاحب صاحب، دربھنگہ

رفت از دنیا سوئے دارُالبقا	ازجہانِ بے وفا حاصل نشد
آہ مولانا قمر رفت از جہان	از جوار رحمت حق شد بہ خُلد
خیؔر گفتہ آہ سالِ رحلتش	مہرِ عالم راہی جنّت بشد

۱۳۶۱ھ

قطعۂ تاریخ وصال حضرت شاہ حبیبُ الحق، سجّادہ نشیں، منگل تالاب، پٹنہ

صدر سجّادۂ منگل تالاب	دررہِ حق ہمہ لذت بگذاشت
آہ آں ہادیٔ دین رفت بخلد	یافت از غمِ کونین نجات
خیؔر تاریخ وصالش گفتہ	مردِ کامل سوئے فردوس شتافت

۱۹۴۲ء

قطعۂ تاریخ جناب بھائی محیّ الدین صاحب‘ ہیڈ امین راج دربھنگہ‘ بتاریخ ۲۴/اپریل ۱۹۴۳ء مطابق ۱۹/ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ، موافق ۲/بیساکھ ۱۳۵۳ فصلی بمقام ہرسنگھ پور انتقال فرمودند۔

اُف محی الدین بھائی چل بسے	بھائیوں سے رکھتے تھے وہ اعتقاد
خیؔر سے ہاتف نے برجستہ کہا	کُلّ نفسٍ ذائقۃُ الموت یاد

۱۹۴۳ء

ذائقہ میں ’ی‘ کا عدد لیا گیا ہے

قطعات تاریخ وفات بانوئے رُقیّہ دختر مولوی سیّد انظار الحسن وکیل مظفر پور چندوارہ‘ بتاریخ ۲۹/مارچ ۱۹۴۳ء بمقام پٹنہ انتقال فرمودند و در درگاہ شاہ ارزان پٹنہ مدفون شد

از غمِ مرگِ جوانی شد مکان وقفِ الم	از زمین و آسمان آمد صدائے ہائے ہائے
از سرِ ہاتف بگو اے خیؔر سالِ فوتِ او	آہ مرحومہ رقیّہ شد سوئے فردوس وائے
۶	۱۳۶۸ - ۶ = ۱۳۶۲ھ

ہاتف کا سر ’ہا‘ کے عدد ۶ کو مصرعۂ ثانی کے مجموعۂ اعداد سے منہا کریں

وَلہ

چل بسیں بی بی رقیہ خُلد کو　　سارا گھر تاریک تھا مثلِ مداد

۱۱۵۴

اے اجل تجھ کو نہ آیا رحم کچھ　　آہ اس لڑکی سے رکھتی تھی عناد

۷۸۳　　۶

۱۱۵۴+۷۸۳+۶=۱۹۴۳ء

عصمت آرا عفت آرا ذات تھی　　آہ وہ عالی نسب عالی نژاد

تھے بچّے چھوڑ کر رُخصت ہوئیں　　اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا شداد

یہ مسیحی سال ہاتف سے سُنا　　کُلّ نفسٍ ذائقۃُ الموت یاد

۱۹۴۳ء

تاریخ وِصال مَوْلاَنا شاہ اشرف علی صاحب تھانویؒ

ہائے وہ عالم ادیب و خوش بیاں　　وہ فقیہ وہ مفسر وہ فصیح

آہ رُخصت ہو گیا دُنیا سے آج　　خیؔر نے تاریخ یہ لکّھی صریح

اب ہمارے علم کا وہ سر کہاں　　مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ ہے صحیح

۳　　۱۳۶۲ھ

مکتوبی کی بجائے ملفوظی اعداد ۱۳۶۵ لئے گئے
ہیں۔اس میں لفظ اب کے عدد ۳ کو منہا کریں

۱۳۶۷ - ۳ = ۱۳۶۲ھ

وَلہ

ماہر عِلم شریعت مفتیِ شرعِ متین　　سالکِ راہِ طریقت واقفِ رازِ جلی

خُلد میں داخل ہوئے تو غیب سے آئی صدا　　آہ وہ تہلیل گویاں مؤلوی اشرف علیؒ

۱۳۶۲ھ

وَلہ

سب سے اشرف تھے صفِ عالم میں وہ　　راز دارِ باطنی اکمل وَلی

آہ کے ساتھ آ ج ہاتف نے کہا　　قُطبِ عالم مولوی اشرف علیؒ

۶ + ۱ + ۵۷۲ + ۷۸۳ =

۱۳۶۲ھ

قطعۂ تاریخ انتقال بابورابندرناتھ ٹیگور۔ایک باکمال فلسفی شاعر

وُہ شاعری کا مخزن وُہ فلسفہ کا معدن　　بیکنٹھ کو سُدھارا غم کا بپا ہے اِک شور

شیریں بیانیوں میں کیا اس کی تھی حلاوت　　تخئیل اس کی ہر اک تھی نیشکر کی اِک پور

وُہ فلسہ کا ماہر وُہ شاعری میں یکتا　　جس کا کلام جادو جس کا بیان پرُزور

جب موت آ چکے گی پھر، ہیچ شاعری ہے　　ہو کوئی بالمیکی ، تلسی ہو یا ہو ٹیگور

کا شانہ ہو محل ہو دولت سرا ہو جس کا　　جب وقت آ چکے گا منزل ہے آخری گور

بازار موت کی جب ظلمت یہی رہے گی　　تو صبح ہوتے ہوتے اپنی بھی خیؔر ہے بھور

اس موت غم افزا کا یہ سال عیسوی ہے　　معجز بیان راجہ رابندر ناتھ ٹیگور

۱۹۴۱ء

قطعاتِ تاریخ وفات، سر سیّد علی اِمام، بیرسٹر متوطّن نیورہ، ضلع پٹنہ کہ بمقام رانچی بتاریخ ۲۹/اکتوبر ۱۹۳۲ء، روز شنبہ بوقت سہ نواخت شب انتقال کرد

لوحِ مزار

جائے پاکِ علی امام رَضی اللہ تعالیٰ عنہ

۱۹۳۲ء

جائے پاک میں ''ی'' اضافت فارسی کو ''ء'' سے بدل کر تاریخ نکلتی ہے یعنی 'ی' کا صوتیاتی مخرج ہمزہ کا عدد لیا گیا ہے

وَلہ

ہے مرگِ علی سے اک کُہرام ہر اِک گھر میں — ماتم ہے یہاں برپا کوٹھی ہے پڑی خالی
کون ایسا مُقنّن ہے کون ایسا مُقرّر ہے — صوبہ ہی میں کیوں کہئے، تھے ملک میں لاثانی
تھے خَیر تہیہ میں تاریخ کوئی لکّھیں — میّت ہی یہ بول اُٹھی یَا وَاحِدُ اِغْفِر لِیُ

۱۳۵۱ھ

وَلہ

سر علی رفت بجنّت زجہانِ فانی — مقطع عمر خودش خواند و غزل آخر شُد
خَیر تاریخ وفاتش بہ مسیحی گفتا — آہ درچشمِ زدن گنجِ علم آخر شُد

۱۹۳۲ء

وَلہ

آہ سر علی امام کرد بہ جنّت خرام — سیّد عالی مقام برلحدش صد سلام
خَیر زہاتف شُنید سالِ وفاتِ شہید — مَات سَر علی اِمام آہ سَر علی اِمَام

۱۳۵۱ھ

وَلہ

رانچی میں سر علی نے قضا کی افسوس

۱۹۳۲ء

تاریخِ وفات، حسرت آیات، مولوی سید محمد حسین استھانوی، بہاری، بی۔اے، بی۔اِل

وزیر تعلیمات، صوبہ بہار واڑیسہ

صیغۂ تعلیم کے تھے جو مدبّر وزیر — آہ محمد حسین ہائے محمد حُسین
کوئی علالت نہ تھی، شام کو اندر گئے — آئے تو سینہ کے درد سے تھا نہیں دل کو چین
چھُٹی تھی رَمضان کی، روزہ تھے رکّھے ہوئے — رُوح گئی خُلد میں سب کی زباں پر ہے بین
ڈاکٹر آئے نہ پائے حال دگرگوں ہوا — راہیِ جنّت ہوئے گھر میں ہوا شور وشین
خَیر نے سالِ وفات سُنتے ہی یہ کہہ دیا — داخلِ جنّت ہوئے پاک مُحمد حسین

۱۳۵۲ھ

تاریخِ وفات ''حکیم بھورے خان'' صاحب (دہلوی)

چراغِ حکمت و طبّ آہ گُل ہوا افسوس — اب اس زمانے میں ایسا کوئی حکیم کہاں
جب آہ نکلی تو یہ سالِ عیسوی نکلا — خُدا سے مل گئی رُوحِ حکیم بھورے خاں

۱۹۴۱ء

قطعہ تاریخ، انتقالِ پُر ملال، اہلیہ جناب شاہ محمد یٰسین جعفری محل پر، بہار شریف یعنی پھوپھی جناب نواب سیّد شاہ واجد حسین، خان بہادر، خسرو پور، پٹنہ

کس طرح لبیک گویاں چل بسیں — خوف کا دل میں نہ کچھ تھا واہمہ
کہئے اس کو **ذٰلکَ الفَوزُ العظیم** — کیا شہادت پر ہوا ہے خاتمہ
خیؔر تھا معموم فکرِ سال میں — منتشر تھی ساری فکر ناظمہ
آہ کے ساتھ آئی یہ غیبی ندا — اُدخلو الجنّۃ کنیز فاطمہ

۶ + ۱۳۴۸ = ۱۳۵۴ھ

۲۷؍جنوری ۱۹۳۶ء

۲؍ذی قعدہ ۱۳۵۴ھ

تاریخ وصال شاہ غُلام حُسین بہاری رَحمۃُ اللہ علَیہ

واصلِ حق ہو گئے ابدالِ حق — سارے جہاں میں ہے مچا شور شین
خیؔر نے تاریخ سنی غیب سے — منزلِ جاوید غُلامِ حسین

۱۳۵۰ھ

وَلہ

چل بسا دُنیا سے وہ قُطبِ زَماں — ہادیِ دین آہ غُلام حُسین
خیؔر لکھو سال وصالِ ولی — ہائے حق آگاہ غُلام حسین

۱۳۵۰ھ

وَلہ

آں قطب وقت مرشدِ کامل ولیِ حق — چُو رخش معرفت سوئے خُلد برین براند
چوں فکر سال خیؔر ہمی کرد ناگہاں — ہاتف بگفت آہ غُلامِ حُسین نماند

۱۳۵۰ھ

تاریخ وفات بی بی سائرہ، دختر منشی عطاء الرحمٰن زوجہ محمد جلیل

دُختر منشی عطاء زوجِ محمد جلیل — رابعہ ثانی وہ تھیں نیک و خجستہ سعید
خیؔر یہ تاریخ لکھ برسرِ لوحِ مزار — راہیِ جنت ہوئیں سائرہ بی بی شہید

۱۳۵۱ھ

قطعہٴ تاریخ، وفات حاجی شاہ محمد کمال، رئیس اعظم، پٹنہ

یا غفور یا محی — جائے پاک شاہ محمد کمال رحمۃ اللہ علیہ

۱۳۵۵ھ — ۱۳۵۵ھ

شہر میں کہرام ہے، خلق ہے ماتم کناں — ایک بڑے شخص کا آج ہوا ہے وصال
چارتھی ذیقعد کی پیر کا دن بیگہاں — چار بجے شام کو اُن کا ہوا اِنتقال
خیؔر نے اس غم کا یہ سال مسیحی کہا — آہ اجل! حضرت شاہ محمد کمال

۱۹۳۷ء

وَلہ

سدھارے خُلد کو شاہِ کمال دریا دل — بپا ہے شہر میں ماتم ہر ایک ہے گریاں
رئیس و حاجی و صاحب دل و غریب نواز — فقیر دوست مخیّر معزز دوراں
کہاں اب ایسے رؤساء ہیں اس زمانے میں — آہ رہا نہ دہر میں باقی کسی کا نام ونشاں

جونکلی آہ تو نکلا یہ خیؔر سالِ وفات   وصال شاہ محمد کمال خلد مکاں
۶   ۱۳۶۱

اشارہ کے مطابق لفظ آہ کے مجموعۂ عدد کو مصرعۂ ثانی کے مجموعۂ اعداد سے گھٹائیں۔   ۱۳۶۱ - ۶ = ۱۳۵۵ھ

قطعات تاریخ وصال؛ جناب شاہ غلام شرف الدین عرف شاہ درگاہی؛ صاحب سجّادۂ بلخیہ فتوحہ پٹنہ

مدام بودہ بہ یادِ حق و بحق پیوست   زبان بہ یادِ خُدا داشت شغل ذکر جلی
ندائے سال مسیحی بہ گوش خیؔر رسید   بگو، نماند غلام شرفُ الدّین وَلی
۱۹۳۷ء

وَلہ

مردِ کامل ، ولیِ حق ہیہات   شد بہ دارالقرار چوں راہی
خیؔر تاریخ وصلِ او بہ نوشت   آہ ذُوالمجد شاہ درگاہی
+ ۶ = ۱۳۵۷ھ

قطعۂ تاریخ وفات خان بہادر سید شاہ احمد حُسین عرف شاہ بلّو؛ رئیس باڑھ عمون نواب شاہ واجد حسین؛ خسرو پور پٹنہ

مردِ حق آگاہ حق بین حق پسند وحق طلب   خاندان حضرتِ جعفرؓ کے واحد نورعین
نُکتہ سنج ونغز گو شیریں بیاں حاضر جواب   آپ تنہا مجلس علم وادب کے زیب وزین
با خدا و مُتّقی و ذی اثر ذی اقتدار   اُن کے غم میں آج بر پا باڑھ میں ہے شور وشین
خیؔر نے تاریخ رحلت غیب سے ان کی سنی   داخل فردوسِ حق جو سیّد احمد حُسین
۱۳۵۷ھ

قطعۂ تاریخ وفات؛ بی بی سیّدہ خاتون عُرف سدّن بنت قاضی سید محمد افضل محلّہ سملی پٹنہ اہلیہ مولوی سیّد شاہ محمد مہدی جعفری خلف شاہ محمد یٰسین؛ بہار شریف

چوں اہلیہ مہدی رفت ارم   ایں خیؔر حزین بادرد والم
تاریخی مسیحی کرد رقم شد   سُوی ارم خاتون کرم
۳۰۴ + ۱۶۳۴ = ۱۹۳۸ء

وَلہ

سیّدہ خاتون از دنیا گذشت   رُوح او در جنّت الماویٰ شتافت
سال فوتش خیؔر چوں پُرسید آہ   گفت ہاتف قصرِ جنّت پاک یافت
۱۳۵۷ھ

تاریخ وفات، محبّی سیّد مہدی حسین بن سیّد ریاضت حُسین، ساکن گوگری ضلع مونگیر، حال مقامی بھاگل پُور

سیّد مہدی حُسین خُوش خُو   گئے جنت کو بہ صد حسرت و آہ
سال تاریخ کی تھی خیؔر کو فکر   غیب سے آئی صدا غُفِرَاللّٰہ

۱۳۴۶ھ

تاریخ رحلت بیتاؔب جانشین شاؔد عظیم آبادی

زمزمہ سنجی بیتاؔب بہ بُرد   طائرِ روح بخود در جنّت
خیؔر ایں نغمۂ تاریخ بخواں   طائرِ قدس بشد درجنّت

۱۳۴۷ھ

تاریخ وفات ''مولانا ثناء اللہ''

ایمن آباد میں ماتم ہے، ہر شخص یہاں کا ہے غمگین
ہر پیر و جواں کے لب پر ہے ہر دم ہر آن اک نالہ و آہ
فکرِ تاریخ میں بیٹھے تھے اس سوچ میں ہم بے حس سے تھے
ہاتف نے فوراً دی یہ اواء راہی ثواب ثناء اللہ

۱۳۶۷ھ

وَلہ

مردِ حق آہ وہ محبوبِ جہاں   تھے جو شیدائی رسولِ عربی
مل گئے حق سے تو ہاتف نے کہا   داخلِ خلد ہوئے ہائے زکی

۷۰ + ۵۷۲ + ۳۷

= ۱۹۴۸ء

تعمیرات

تاریخ اجرائے ''مدرسہ قرآنیہ آسیہ''، اہلیہ نواب واجد حسین

ذی اثر خانِ بہادر سیّد واجد حسین   چوں بنا فرمود بہر علم نیکو درسگہہ
بہرِ ایصالِ ثوابِ آسیہ خاتون دین   خیؔر گفتہ مدرسہ فیضِ سحابِ آسیہ

۱۳۴۲ھ

مادہ تاریخ کے لیے ''آسیہ'' کے ''ہ'' کو
الف سے بدلنے پر ۱۳۴۲ نکلتا ہے

باب فیض آسِیّہ دارُالعلُوم   ذالک الفوز العظیم
۵   ۱۳۴۷   ۱۹۲۴ء

۱۳۴۷ - ۵ = ۱۳۴۲ھ   یہاں ملفوظی اعداد لیے گئے ہیں

کل عدد ۱۳۴۷ سے ''باب'' کا عدد ''۵''
کو منہا کرنے پر ۱۳۴۲ھ نکلتا ہے۔

قطعہ تاریخ بنائے مسجد پہاڑ پورہ بہار شریف اندر حلقۂ حضرت مخدوم حسین سمندر نوشہ توحید بلخی

ہُوالمعبُودُ وَالعظیمُ المطلُوب
۱۳۳۷ فصلی

مَسجد سُلطان لودی بود مسمار و تباہ   بازشد تعمیر از سعیِ غلامِ شرفِ دین
خیر رحمانی پئے تاریخِ تعمیرش بگفت   مسجد اطہر کہ تحسین میکند رُوحُ الامین

۱۳۴۵ھ

وَلہ

بحمد اللہ شدہ تعمیر بازآں مسجد جامع | نشانی بودہ از سلطان محمود شہہ لودی

۴۲۸ + ۳۵۵

بگفتا خیر رحمانی پئے تاریخ تعمیرش | بناشد مسجد جامع ز جہدِ شاہِ درگاہی

۱۱۴۳

۴۲۸ +۳۵۵ +۱۱۴۳ =۱۹۲۶ء

قطعۂ تاریخ بنائے مسجد مولوی مسعود عالم صاحب ڈپٹی مجسٹریٹ آرہ

مسجد چشمۂ فیض

۱۳۴۵ھ

بحمد اللہ ہوئی تعمیر مسجد | خدا کا گھر نہ کیوں ہو سب سے برتر

کہا ہاتف نے یہ تاریخ تعمیر | مرجع خانۂ اللہ اکبر

۱۳۴۵ھ

وَلہ

نُدرَتِ بَیتُ الحرام

۱۳۴۵ھ

حضرت مسعود کا یہ بیت رَبُّ المشرقین | ثانی بیُت الحرم ہے یا خدا کا ہے محل

۱۳۴۵ھ

خیر سے تاریخ تعمیر اس کی ہاتف نے کہی | خانۂ اللہ اکبر جامع علم و عمل

۱۳۴۵ھ

تاریخ تعمیر مَسجِد از خانِ رحیم صاحب

بارک اللہ چہ زیبا | می دہد نور زہر سو جلوہ

گفت ہاتفِ ز زبانِ بانی | ساختم مسجد تاجِ قریہ

۱۹۲۷ء

وَلہ

از خان کریم و رحیم جہان | شد ساختہ مسجد، بہتر شد

بہر تکمیل تعمیرش | فکر تاریخِ خوشتر شد

مولانا ئے خیر بگو سالش | تعمیر مسجد اطہر شد

۱۳۴۶ھ

قطعات تاریخ ’’ مسجد‘‘، ڈنگرواہ ضلع دربھنگہ

زلزلہ سے خام مسجد گر گئی | پھر بنی یہ خام ہی بہر قیام

عیسوی یہ سال لکھا خیر نے | نورِ منزل ثانی بیتُ الحرام

۱۱۸۸ ۵۶ + ۶۹۲

۱۱۸۸ +۵۶ +۶۹۲ = ۱۹۳۶ء

وَلہ

خام مسجد ہے مگر ہے ثانی بیت الحرام | خیر اس تعمیر کو تم حاصل عقبیٰ کہو

دین کی مضبوط رسّی ہے یہ مسجد لاکلام | سال اس تعمیر کا تم بالعروۃ الوثقیٰ کہو

۱۳۵۶ھ

وَلہ

زلزلہ سے خام مسجد کیوں نہ ہو جاتی شہید — بن گئی ہے مولوی عَبدُ الاحد سے پھر بھی خام
سالِ تاریخی بھی کوئی خوش نما اے خَیرؔ لکھ — ہے زہے نجم مبارک دوسرا بیتُ الحرام

۱۳۵۶ھ

قطعۂ تاریخ تعمیر عیدگاہ ٔ از بی بی نجمُ النّساء زوجہ صداقت حُسین ؕ ساکن موضع تیندوا ؕ ضلع مظفر پور

عِیدگاہ خوشنما جائے بُزرگ

۱۳۵۰ھ

یہ ہے عید گہہ فیض زوجِ صداقت — یہ نجم النّساء کا ہے تیندا پہ احسان
کہا خَیرؔ نے سالِ تعمیر اس کا — زہے خوشنما عید گاہِ مسلمان

۱۳۵۰ھ

چہ خوشنما عیدگاہ نجم النّساء ــــــــــ لاریب خُوش نما عِیدگاہ

۱۳۵۰ھ ۱۳۵۰ھ

بنا کرد زوج صداقت حُسین — بجا خوشنما دل رُبا عید گاہ
بگو خَیرؔ سال از سر افتخار — ز نجم النساء خوش نما عید گاہ

۱۳۵۰ھ

قطعات تاریخ تعمیر مسجد لودی پور خُسرو پور، پٹنہ

خام تھی اب پُختہ مسجد بن گئی — اہل لودی پور کا ہے فیض عام
خَیرؔ نے تاریخ لکھی حسبِ حال — سجدہ گاہِ ثانیِ بیتُ الحرام

۱۳۵۱ھ

وَلہ

باہمی امداد سے کیا خوب مسجد بن گئی — ہیں مُسلمانانِ لودی پور کیا عالی ہمم
خام تھی پہلے تو اب پُختہ بنی شُکرِ خُدا — خَیرؔ نے تاریخ لکھی مسجد باغِ اِرم

۱۳۵۱ھ

وَلہ

تھی مسجد خام اب پُختہ بنی — ہیں بستی والے اہل کرم
ہے سالِ مسیحی خَیرؔ اس کا — زہے مسجد نعمتِ باغِ اِرم

۱۹۳۳ء

قَطعاتِ تاریخ مسجد خسرو پور ؕ پٹنہ

(چوں کہ اس مسجد میں جو تاریخ کندہ ہے، مہمل ہے)

حاجیۂ کعبہ رابعۂ ثانیہ بی بی ولایت بحر کرم — بودش فرجد حضرت یحییٰ حق آگاہ
کردہ چوں ترمیم مسجد خَیرؔ بگفتا تاریخش — اللہ اللہ مسجد جید یا ثانی بَیتُ اللہ

۱۳۰۶ میں جیدیا کے الف کا عدد حذف کرنے پر ۱۳۰۵ھ نکل آئے گا۔

وَلہ

بی ولایت کہ بود فر جد ش　　شاہ یحییٰ علی حق آگاہ
کردہ ترمیم خیؔر سال بگفت　　مسجدی ہست مہربیت اللہ

۱۳۰۵ھ

وَلہ

خا تونِ ولایت کہ فر جد بزرگِ او　　بُد شاہ علی یحییٰ مرد حق و حق آگاہ
چوں کرد درین مسجد ترمیم ، سنش گفتم　　ایں مسجد مولائے یا ثانی بَیُتُ االلہ

۱۳۰۵ھ

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد موضع بی بی پور، حسب وصیّت بی بی کلثوم ہمشیرہ زادی عالیجناب نواب سیّد شاہ واجد حسین خان بہادر خسُرو پور، ضلع پٹنہ

محکم فخرِ المساجد خوب ہی نام اس کا ہے

۱۹۳۸ء

فخرِ نسواں نیک سیرت بانوے کلثوم آہ　　زوجۂ مسٹر وحیدِ عالم عالی تبار
تیرہ سو چھپن تھا اور پچیسویں شعبان کی　　جب چلیں دُنیا سے مرحومہ سوئے دارُالقرار
یہ وصّیت کی کہ ترکے سے مرے مسجد بنے　　ایسی مسجد جس پہ ہو سو جان سے جنّت نثار
تھے سعید عالم ذیجاہ اس کے مہتمم　　وہ بنی مسجد کہ جس سے شانِ جنّت آشکار
خیؔر نے تاریخ تعمیر اس کی برجستہ لکھی　　مَسْجِدِ کَنزُ السَّعَادت مَسْجِدِ اقصیٰ وقار

۱۳۵۶ھ

تاریخ تعمیر مَسْجِد، موضع عُثمان پور، ضلع پٹنہ، تعمیر کردہ طَہارت حسین

خام تھی اب پُختہ مسجد بن گئی　　ہیں طہارت جس کے بانی بالیقین
خیؔر لکھ تاریخ تعمیر اُس کی یوں　　ثانیِ بَیتُ الحرام اہلِ دین

۱۳۵۳ھ

تاریخ بنائے ''گپتاہال'' باڑھ، پٹنہ

دل میں کیوں گھر نہ کریں مسٹر آر۔اِل گُپتا　　نام سے اس کے بنی ہے یہ عمارت فی الحال
اُن کے اخلاق و مرّوت کی نشانی یہ ہے　　عدل و انصاف کی ان کے تو ہے تعریف محال
خیؔر کے دل سے یہی سالِ مسیح نکلا　　حبّذا خوب بنایا نشرد گپتا ہال

۱۹۳۳ء

وَلہ

جس وقت یہ گپتا ہال بنا منشا پبلک کا ہوا پورا
کی سب نے خدائے حمد و ثنا سُبحَانَ اللہ سُبحَانَ اللہ
ہے ان کے نام کا باڑھ میں گھر یا پبلک کے دل میں گھر ہے
آر۔ال گُپتا ہیں اہل عطا سُبحَانَ اللہ سُبحَانَ اللہ
تھی فکر جو سالِ مسیحی کی تو خیؔر سے ہاتف نے یہ کہا
کیا شاذ یہ گُپتا ہال بنا سُبحان اللہ سُبحان اللہ

۱۹۳۳ء

فتوحات

تاریخِ فتح ''سمرنا و قسطنطنیہ و تھریس''

آج اسلام فتح پر ہے نہال
ہے خوشی سے وہ آج مالا مال

۴

دشمنوں پر اب آرہا ہے وبال
فتح کامل تمہارا حق ہے کمال

خیر تاریخ یہ ہوئی حاصل
فتح زیبا و نصرتِ کامل

۱۳۴۵ - ۴ = ۱۳۴۱ھ

قطعاتِ تاریخ ''فتح سمرنا و قسطنطنیہ و تھریس''

ہم مُسلمانوں کے جوشِ دل کی کیفیت یہ ہے
وجد کا عالم ہے جب سے سُن لیا ہے حالِ فتح

کل سمرنا پر تھا قبضہ آج استنبول پر
فتح کا ہے سلسلہ پھر فتح ہے دنبالِ فتح

اتحادی اور یونان پھڑ پھڑا کر رہ گئے
جب پڑا احرار کا پُرزور وہ چنگالِ فتح

قبضۂ احرار سے دشمن کو دست آنے لگے
فتح اس کا نام ہے دشمن کو ہے اسہالِ فتح

زندہ رپورٹر تو ہو ہی جائے گی تفصیل بھی
ہے سر دست آپ کے پیشِ نظر اجمالِ فتح

تار کے ہوں گول گول الفاظ یا گنجلک بیان
تاڑ جاتے ہیں ہم اِک جُملے سے سب احوالِ فتح

خیر لندن ہے سخن آرائی کا گھر آج کل
ہو رہی ہے کیبنٹ میں خوب قیل و قالِ فتح

میرے بطلِ حُریت نے کاٹ کر یونان کا سر
کہہ دیا انّا بھُم فتحاً قریباً سالِ فتح

۱۰ ۱۳۵۱

۱۳۵۱ - ۱۰ = ۱۳۴۱ھ

یونان کے سر کا حرف ی کا عدد ۱۰ ہے جس کو مصرعہ ثانی کے اعداد ۱۳۵۱ سے اخراج کریں۔

وَلہٗ

اے شاہدِ حرّیت آغوش میں جھٹ پٹ آ
سو ناز و کرشمے سے تو کھولے ہوئے لٹ آ

اے نُصرتِ حق آ تو بے کھٹکے دھڑلّے سے
کھٹکا ہے تجھے کس کا اب کیا ہے رکاوٹ آ

یونان ہوا غارت اب کس سے یہ پردہ ہے
اے فتح مری پیاری تو کھول کے گھونگھٹ آ

اب فتح ہماری ہے اب مُلک ہمارا ہے
چت ہو گئے سب دُشمن سب ہو گئے چوپٹ آ

احرار کے حصّے میں جب نُصرتِ حق آئی
تاریخ یہ جھٹ لکّھی آ فتح کھٹا کھٹ آ

۱۳۴۱ھ

وَلہٗ

بارک اللہ جوش تُرکوں کا
وہ مجاہد کا نعرۂ تکبیر

بھاگے یونانی سر پر رکھ کر پاؤں
دیکھی احرار کی جو دار و گیر

نام ہٹنے کا یہ نہ لیتے تھے
باپ دادا کی اُن کے تھی جاگیر

رُعب یہ ہے کمال پاشا
دُشمنِ دیں کو ہوگئی زنجیر

دو ہی حملوں میں چیخ اٹھا یونان
کچھ بنائے نہ بن پڑی تدبیر

بات کرنا بھی عار تھا ان سے
دیکھئے اب کمال کی توقیر

خیر یہ تاریخ ہے یہ برجستہ
اب کھٹا کھٹ ہے فتح معرکہ گیر

۱۹۲۲ء

وَلہٗ

کب سکّہ بٹھا دیا ہے اپنا
ہے تُرک کی پُر جلال شوکت یہ فتح

تاریخ بھی خیر نے پیاری لکھّی
اسلام کی ہے کرامت یہ فتح

۱۳۴۱ھ

وَلہ

خالدُ الوقت و بطلِ حُریّت　　آمد و جلوہ یافت وصولت وی
نفس ہرزہ چا نہ رفت فرو　　چوں چک وچانہ دید و شوکت وی
کار یونان چوساختند اجرار　　شد شکستہ سرِ رعونت وی
چون فرا رفت فوج یونانی　　قابل دید بود وحشت وی
دربغل دست میدھد یونان　　برلبش دل دود بصورت وی
خیؔر از بہر سالِ تاریخش　　گفت فتح کمال و نُصرتِ وی

۱۳۴۱ھ

قطعۂ تاریخ انعقاد انجمن ہلال اتّحاد خسرو پور (پٹنہ)

واہ واہ وقتِ ہمایوں مرحبا روزِ سعید　　حبّذا ماہ مبارک واہ سالِ اتّحاد
عیدِقُرباں کی خوشی کے بعد پھر آئی ہے عید　　یعنی ہے پیشِ نظر اس دم جمالِ اتحاد
انجمن بچّوں کی ہے پھُولے پھلے سرسبز ہو　　یا الٰہی بار آور ہو ، ہلالِ اتّحاد
قابل تعریف ہیں یہ نونہال باغِ دہر　　ہف نظر بچوں کو بھی ہے اب خیالِ اتّحاد
میل میں کیا قوتیں پنہاں ہیں تم سے کیا کہوں　　کوہ مثلِ کاہ ہو یہ ہے کمالِ اتّحاد
دھاک سے اس کی لرز جاتا ہے دُشمن کا جگر　　کس قدر با رُعب ہے یارو جلالِ اتّحاد
تم نے ڈالی ہے بنا رکھے خُدا قائم اسے　　دیکھ لینا چند ہی دن میں مآلِ اتّحاد
انعقاد انجمن کی خیؔر یہ تاریخ ہے　　یا قمر ہے یا یہ ہے تاباں ہلالِ اتّحاد

۱۳۴۱ھ

تاریخ فتح یابی مقدمۂ نواب سیّد سعادت علی خان

سعادت علی خانِ والا چشم　　سدا اُن کو ہو فتح و نُصرت نصیب
خبر آئی کلکتہ سے فتح کی　　ہوئے خوش مُحب جل گئے سب رقیب
عدو پر گرے آسمان ٹوٹ کر　　ہو سرکار میری سدا خوش نصیب
بڑھیں میرے سرکار کے عزّ و جاہ　　سُنیں یونہی مژدہ سدا یا نصیب
کہا خیؔر نے از سرِ حکم یوں　　کہ نَصْرٌ مِّن اللہ فتحا قریب

۱۳۲۲ھ

تاریخ فتح یابی خسرو پور فُٹ بال ٹیم، ضلع پٹنہ

فتوحہ ٹیم کا چیلنج آیا　　تو خسؔرو پور نے کی پہلے تسلیم
اُدھر کے تھے کھلاڑی خوب مشّاق　　کہ تھی فُٹ بال کی خوب ان کو تعلیم
ہوا یہ میچ خسؔرو پور ہی میں　　لڑی آکر فتوحہ فینسی ٹیم
رہا میدان خسرو پور کے ہاتھ　　نہ کیوں صد آفریں ہو بہرِ تکریم
مسیحی سال لکھئے خیؔر اس کا　　مبارک طالع خسرو پور کی ٹیم

۱۹۲۷ء

بلا سے سال کی آنکھ کانی　　مگر اس میں نہیں تخریج و تعمیم

وَلہ

خُوب جیتا واہ خُسرُو پور واہ　　سعی تو ہر اِک نے تا مقدور کی
عیسوی تاریخ ہے یہ فتح کی　　زندہ باشد تیم خُسرو پور کی

۱۹۲۷ء

تاریخ کامیابی خُسرو پُور ''ہلالِ اتحاد ٹینس ٹیم'' بہ مقابلہ ''فتوحہ ٹینس ٹیم''

اے مرے ننھے چمپیئن شاباش — زندہ رکھے تمہیں خدائے کریم
قابلِ داد تھا سماں اس وقت — تھے بچّوں کی کھیل میں تقدیم
تھا فتوحہ کلب کے ٹیم سے میچ — اُس طرف سب جوانِ با تعظیم
میچ یہ تھا جُغادریوں سے — اس کو سب لوگ کرتے ہیں تسلیم
کھائی آخر شکست دو سٹ سے — تھا حریفوں کا اس سے دل دو نیم
عیسوی سال کی یہ ہے تاریخ — تاج فتح ہلال ٹینس ٹیم

۱۹۲۸ء

کامرانیات

تاریخ حصول ممبری کونسل، مسٹر سید عبدالعزیز بیرسٹر

خجستہ و مبارک باد فتح عزیز

۱۹۲۶ء

آپ نے دیکھی محبت قوم کی — اُس کا دیکھا آپ نے لطف عمیم!
آپ کی جانب نہ جھکتی خلق کیوں — کون ہے ایسا خلیق ایسا حلیم
آڑے آئے آپ قومی کام میں — جانتا ہے اس کو خلّاق العلیم
کیوں نہ ہو ہر دلعزیز عَبد العزیز — کہتی پھرتی ہے ہر اِک سے یہ نسیم
دل کھلا ہے دل کشا کا آج ہی — ہر طرف ہے بھینی بھینی اِک شمیم
ممبر کونسل ہوئے عَبدُالعزیز — اس کی بھی تاریخ ہو کوئی عظیم
ملہم غیبی نے برجستہ کہا — خیؔر کہہ دو **ذالک الفوز العظیم**

۱۹۲۶ء

تاریخ تبدیلی 'رام جگ موہن' آئی، سی، اِس، سبڈ ویزنل آفیسر باڑھ ضلع پٹنہ

کیوں نہ انصاف اُن سے ظاہر ہو — دل تو اُن کا ہے عدل کا مَسکن
نیک دل ہیں وہ با مروّت ہیں — نیک اطوار اور نیک چلن
اُن کے اخلاق کی ہے اِک شہرت — جو ہیں مشہور جگ میں جگموہن
اُن کے جانے کا ہے قلق سب کو — ہے دُعا دہر میں رہیں یہ مگن
خیؔر تاریخ عیسوی لکھو — خوش امارت ہے رام جگ موہن

۱۹۲۸ء

تخت نشینی نادر خان صاحب بر تخت کابُل

قابل افتخارِ نادر خان   لائقِ اعتبار نادر خان
کیوں شجاعت نہ تجھ پہ فخر کرے   تجھ پہ جُرأت نثار نادر خان
بھاگتا یوں نہ بچّۂ سقّہ   تو ہے وجہِ فرار نادر خان
تخت کابل کے تو ہی ہے لائق   تو ہے اِک پختہ کار نادر خان
تخت گیری کی خیر لکھ تاریخ   زُبدۂ روزگار نادر خان

۱۳۵۸خورشیدی

ایک چمکیلی اور ہے تاریخ   ماہ اسفندِ یار نادر خان

۱۳۵۸خورشیدی

وَلہ

کابل کے تخت پر ہے اِک صف شکن بہادر   سمجھیں گے اہل کابل اب قدر فیض نادر
فیاضیوں سے کابل اب پھر چمک اُٹھے گا   کس طرح نور افشاں ہے بدر فیض نادر
جس مادّہ سے کچھ ہو دریا دلی ترشّح   تاریخ ایسی ہی ہے یہ ابر فیض نادر

۱۳۴۸ھ

وَلہ

امان اللہ سے کابل چھوڑا یا وائے بیدردی   بڑے سرکش تھے افغانی بڑے سرکش تھے افغانی
عبث ہے بچّۂ سقّہ خبیث اور ایک ڈاکو کو   بنایا شاہ اپنا اس سے بڑھ کر کیا تھی شیطانی
جب اس شیطان سقّہ نے بہت کی آبروریزی   جب ان کم بختوں کے سر سے بھی اونچا ہو گیا پانی
تو آخر شامتِ اعمال سقّہ کی مشک مَسکی   تو پھوٹا اس کا بھانڈا اور سمجھے اس کو افغانی
یکایک آئے نادر خان کیا اِن سرکشوں کو سر   بڑی پھُرتی سے روکا تھی بغاوت کی جو طُغیانی

مسلسل آٹھ ماہ اور چند دن تک خوب لڑ بھڑ کر   بالآخر بچّہ سقّہ سے چھینا تختِ دُرّانی
ذرا انصاف کے رُو سے تمہیں اے خیر کہہ دنیا   کہ یہ تاریخ کیسی ہے مبارک تختِ درّانی

۱۹۲۸ء

تاریخ حُصولِ خِطاب، نواب صاحب بجناب خان بہادر سیّد شاہ وَاجِد حُسین، رئیس خسروپور، پٹنہ

نوّاب کا خطاب مُبارک ہو آپ کو   اعزاز اور بھی بڑھے اپنی یہ ہے دُعا
اے خیر ہے یہ سال مسیحی تو حسبِ حال   نوّاب کا خطاب فلک مرتبت ملا

۱۹۳۵ء

قطعۂ تاریخ عطائے خطاب خان صاحب، بجناب ڈاکٹر سیّد شاہ سُلطان، خسروپور

دوست مُحبّت نواز سُلطان احمد خان صاحب

۱۹۳۹ء

احباب کا ذی عزّت ہونا   گویا ہے اپنی ہی وقعت
کیوں دوست نہ ہوں شاد و خرم   کیوں دل میں نہ ہو اُن کے فرحت
سلطان احمد کو خطاب ملا   اس پر طُرّہ شاہی خلعت
ہے خیر دُعاگو بھی شاداں   کہہ دو خان صاحب ذی عزّت

۱۹۳۹ء

قطعاتِ تاریخ، کامیابیِ عزیزِ قوم عزیزِ ملّت، مسٹر سیّد عبدالعزیز وزیر تعلیمات صوبہ بہار، در الکشن کاؤنسل

خوشی کی حد نہ رہی جب سُنا یہ پبلک نے   کہ مُنتخب وہ ہوا جس کی تھی بڑی ہستی
وہ نعرہ ہائے فلک بوس زندہ باد کا تھا   دہل رہی تھی مخالف کی ایک اِک پسلی
مسیحی سال کہا خیّر نے یہ جوش کے ساتھ   عزیز ملک ہوئے منتخب زہے خوبی

۱۹۳۷ء

وَلہ

مُخالفوں میں ہے کُہرام، ہے ہراک محزون   ہراک مُنہ کو تھوتھائے ہر ایک ہے ناشاد
لگایا یاروں نے ہر چند ایڑی چوٹی کا زور   نہ کام آئی امارت کی ایک بھی اِمدُاد
عزیزِ قوم کی عزّت کو کوئی کیا پائے   یہ جانِ قوم ہے یہ جان قوم ہو دل شاد
یہ کونسل کے الیکشن کا ہے مسیحی سال   عزیز ہو گئے تم منتخب مُبارک باد

۱۹۳۷ء

تاریخ انتخاب، بہ ممبری کونسل، نواب سیّد شاہ واجد حُسین خان بہادُر، رئیس اعظم خُسرو پُور، پٹنہ

خوشی ایسی خوشی اتنی خوشی یہ جوش کا عالم   مُبارک باد کا لہرا رہا ہے چار سُو پرچم
توقع جس کی تھی وہ دن خوشی کا آ گیا آخر   مہینا عید کا جمعہ کا دن یہ پُر فضا موسم
مبارک ہو عزت قوم کو، نواب صاحب کو   نمایندے ہوئے ہیں قوم کے، اسلام کے ضیغم

نمایندہ ہماری قوم کا آپ ہی کو ہونا تھا   ہوئے آخر مرے نوّاب زخمِ قوم کے مرہم
بھلائی قوم کی تو آپ کا شیوہ ہے آبائی   اب اس کونسل میں بڑھ جائے گا اس کا اور بھی دم خم
یہی اب تو مسیحائی کریں گے قومِ مُردہ کی   مرے دکھ کی دوا ہر گز نہیں ہے پنجۂ مریم
زمانہ دیکھ لے گا آپ کی قومی حمایت کو   کہ قومی خدمتیں ہوتی ہیں کیونکر آپ سے پیہم
وفاداری، محبت دل دہی آئین دلداری   یہ ساری خوبیاں ہیں آپ میں کیا مجمّع باہم
ترقی آپ کے اقبال کی ہوتی رہے یُونہی   سلامت یہ مرے نواب دریا دل رہیں جم جم
مسیحی سال پوچھا خیّر نے اس کامیابی کو   کہا ہم نے اَپَر چیمبر کے ممبر کونسل اعظم

۱۹۳۷ء

تاریخ عطائے خطاب، خان بہادُر جناب مَولوی سیّد اِبراھیم حُسین، رئیس خسرو پور، پٹنہ یکم فروری ۱۹۳۷ء

خاندانی آپ کا اعزاز خود الماس ہے   ہاں یہ ہے شاہی عطا اس واسطے کہیے عقیق
آپ کے اخلاق حسنہ کی کہاں کوئی مثال   آپ سے بڑھ کر نہیں پایا کوئی میں نے لئیق
آپ میں ہے جوش اسلامی بھی روحانی بھی ہے   آپ کی تخئیل اسلامی بہت ہی ہے عمیق
خیّر اس اعزاز کا سالِ مسیحی یہ لکھو   یہ خطاب خان بہادر آپ کو سعد وشفیق

۱۲۷۸ + ۶۵۹ = ۱۹۳۷ء

تاریخِ ترقیِ تنخواہ، شاہ ابوالاعلیٰ سلّمہٗ بمقام گھاٹ شیلا (سنگھ بھوم)

از ماہ مئی ۱۹۴۳ء

سارے کنبہ کا ہوا دل سن کے مژدہ باغ باغ ڈاک کے ذریعہ سے جس دم ہم نے یہ مژدہ سنا
شاہ اعلیٰ کی ترقی تین برسوں میں ہوئی سو روپۓ تنخواہ میں ان کے اضافہ ہو گیا
اس سے بڑھ بڑھ کر ترقی آپ کی ہوتی رہے خیرؔ کے دل سے نکلتی ہے برابر یہ دُعا
جلتے ہیں حاسد تو جلنے دو انہیں اچھی طرح ہو ترقی رات دن اس سے سوا اس سے سوا
اب کی کیا حاجت ہے ہاتف نے کہا یہ خیرؔ سے سو روپۓ کا شاہ قدرُالدّین کو منصب ملا

۶۳ ۱۲۹۹

۶۳ + ۱۲۹۹=۱۳۶۲ھ

قطعۂ تاریخ بحالی گورنمنٹ، اپرنٹس انجینئر سیّد احمد سلمہٗ بمقام لویاباد، پاور ہاؤس، ڈاک خانہ بانس جوڑا (مانبھوم) از تاریخ ۲۸/اپریل ۱۹۴۳ء مُطابق ۲۳/ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ موافق ۹/بیساکھ ۱۳۴۰ فصلی

تاریخ میں ہماری اب کوئی زک نہیں ہے احمد ہوئے ملازم اللہ شکر تیرا

۲۷ ۱۳۸۹

۱۳۸۹-۲۷ = ۱۳۶۲ھ

دیگر جات

تاریخ احیائے انجمن ہلال اِتّحاد خُسرو پُور پٹنہ

کارنامے اس کے ہیں اظہر من الشّمس وقمر بدر کامل ہو گیا آخر ہلال اِتّحاد
خیرؔ نے برجستہ سالِ عیسوی کہہ دیا کیا درخشاں ہو گیا ہے پھر ہلالِ اِتّحاد

۱۹۳۰ء

۲۳/رمضان شریف ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹/جنوری ۱۹۳۳ء بروز جُمعہ پینسٹھ سال کی عمر میں میرے مُنہ میں صرف ایک دانت باقی رہ گیا تھا وہ بھی آج گر گیا اور بے ساختہ مادۂ تاریخ زبان پر آیا

اپنے پینسٹھ سال میں ایک دانت بھی باقی نہیں ہائے پیری زندگی سے اپنا دل اب پھر گیا
پوپلے ہونے کی کہہ دو خیرؔ یہ تاریخ تم دانت اک باقی تھا یا اللہ وُہ بھی گر گیا

۱۳۵۱ھ

قطعۂ تاریخ، سَیلاب عَظِیم، عَظِیم آباد، گیا

فَاَخَذَ ھُمُ الطُوفانُ الْمَامُوْر

دیکھ کر پُن پُن کی طُغیانی کو گھبراتا تھا دل ہو رہی تھی خوف سے ہر جسم میں تحلیلِ رُوح
اس پہ بارش کا یہ عالم تھا کہ دم لیتی نہ تھی ہر طرف سے بند تھا انسان پر بابِ فتوح
بھولے اس سیلاب میں میکش بطِ مئے کا شکار اب کہاں وہ بادہ وساغر کہاں جامِ صُبوح
خیرؔ کو تاریخ کی تھی فکر دل نے یہ کہا سال اس سیلاب کا ہے منظر طوفانِ نوح

۲۶ ۲۶ +۱۳۲۹ = ۱۳۵۵ھ

تاریخ نظر بندی ''گاندھی جی درمہم نمک''

آہ فریاد ! نظر بند ہوئے گاندھی جی — ہائے بیداد ! نظر بند ہوئے گاندھی جی
وہ نظر بند سہی دل تو نظر بند نہیں — دل ہے آزاد ! نظر بند ہوئے گاندھی جی
کہیں پھر جائے نہ پانی مہم نمکیں پر — کیا ہے اُفتاد ! نظر بند ہوئے گاندھی جی
حضرت خیؔر نے تاریخ کہی برجستہ — آہ بیداد نظر بند ہوئے گاندھی جی

۱۳۵۷ھ

یکم/اپریل ۱۹۴۲ء مطابق ۱۶/ربیع الاول ۱۳۶۱ء کو میں نے خسرو پور کو چھوڑا اور ترک مُلازمت کیا

پیری میں کہاں ہے نوکری کی طاقت — اب چاہیئے دل میں کچھ ہو زُہد وتقویٰ
رزّاق جو رزق دے تو روزی سمجھو — ورنہ تقدیر میں ہے روزہ اعلیٰ
کہہ دو ترکِ ملازمت کی تاریخ — ہے یبسُطُ الرّزقُ لِمن یّشاءُ فتویٰ

۱۳۶۱ھ

وَلہ

آہ اسٹیٹ کی وہ شانِ ادارت اب کہاں — ہائے نوّاب سعادت تھی سخاوت جس سے ماند
آہ دربار نواب شہہ وَاجد حُسین — جن کی خدمت سے لگے ہیں خیؔر ہم کو چار چاند
چھوڑ کر سب نوکری بیٹھا تو ہاتف نے کہا — آن قدح بشکست و آن دریا نماند

۱۳۶۱ھ

وَلہ

آہ خسرو پور سے جس وقت میں رُخصت ہوا — میرے جسمِ ناتواں پر چل رہی تھی ایک سیف
جنگ اعظم ختم ہونے کو تھی میں آیا یہاں — اب چلا تو جنگِ عالمگیر تھی موسم تھا صیف
جعفر و باقر کی اصغر اور مظہر کی یاد — چٹکیاں لیں گی قیامت تک کہاں وہ لُطف وکیف
آئے اکثر بسمؔل و حضرت مُبارک نکتہ سنج — لُطف دیتا تھا سبھوں کو اُن کا ہونا مثلِ ضیف

ایک قلق تھا خیؔر دل کو نکلا جو سالِ مسیح — لُطفِ خسرو پور چھوٹا ہم سے صد افسوس حیف
ق کا عدد ۱۰۰ ہے ۳۱۹ — ۱۷۲۳
۳۱۹ سے ۱۰۰ کو منہا کریں ۲۱۹ آئے گا — اب مصرعہ ثانی کے مجموعۂ اعداد کو مصرعۂ اولیٰ کے اعداد ۲۱۹ کو جمع کریں تو ۱۹۴۲ء سالِ مسیحی نکل آئے گا۔

قطعۂ تاریخ ''ستیہ گرہ''

ستیہ گرہ کی چِھٹی کی ہے ہر بونگ چار سو — نکلی یہ گیس کانگریس کے دماغ سے
اس ستیہ گرہ میں ہے مضمر کچھ اور راز — پھوٹے گا بھانڈا ایک دن آخر سراغ سے
ستیہ گرہ کے ظلم سے جل اٹھیں بستیاں — کہتے ہو اس کو ستیہ گرہ کس دماغ سے
جب گھوڑ سوار آئے تو بھاگے وہ نوک دم — جیسے پرند اڑتے ہیں اندھڑ میں باغ سے
کانسٹبل جب آ گئے سر پر تو پھر کہاں — اڑتے ہیں بینت دیکھ کے چوکنّے زاغ سے
آغا کا محل ہے کہ ہے یہ کلاس جیل — گاندھی اُٹھائیں لطف ابھی سیر باغ سے
چنگاری چھوڑ محل میں آغا کے جا چھپے — اب کانگریس کے ظلم کو ڈھونڈیں چراغ سے
اس ستیہ گرہ سے کسی کا جگر ہے خشک — گاندھی تو دودھ پیتے ہیں بھر کر ایاغ سے
ستیہ گرہ کی بستیاں جل کر ہوئیں تباہ — سارے مویشی بھاگ گئے باغ وراغ سے
شعلہ فشاں ہے سال مسیحی یہ خیؔر لکھ — اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹۴۲ء

وَلہ

کہتا ہے کون ستیہ گرہ اس کو بے وقوف — یہ ظلم کانگریس ہے یہ ایک حماقت ہے

۱۳۶۱ھ

اے خیؔر سال لکھ دو تم ان کی شرارت کی — یہ ستیہ گرہ ہے؟ آزاد بغاوت ہے

سپاس نامۂ ارمانِ خیر

۱۳۲۱ھ

بخدمت آنریبل مہاراجہ رامیشور سنگھ دھیراج، دربھنگہ بتقریب حصول
خطاب جی، سی، آئی، ای بمقام دربھنگہ
مورخہ ۱۹؍جون ۱۹۱۵ء/۱۳۲۱ھ

بہار آئی ہے چھایا ہوا ہے دَل بادل
ہے میگھ راج کا چرخِ بریں پہ آج عمل

ہے مست بادۂ عشرت سے آج لکّۂ ابر
بھرے ہوئے لیے آتا ہے دوش پر چھاگل

خوشی سے چرخ کو بھی آج ہے شگفتہ دلی
کڑک کے گاتا ہے کس کس مزے سے وہ منگل

وہ اٹھی کاشی کے جانب سے اودی گھٹا
لیے ہوئے چلی آتی ہے سر پہ گنگا جل

ہر اک ہے اپنی جگہ آج محو آرائش
لگائے فلکِ پیر آنکھ میں کاجل

بنائے بیٹھا ہے صورت برہمنوں کی فلک
یہ کہکشاں کا لگائے ہے مانگ میں صندل

پہن کر نیلی قبا پر ہلال کا کنٹھا
خوشی سے آج اُچھل کر بجا رہا ہے بغل

نرالی دھج فلکِ پیر کی کوئی دیکھئے
کہ اپنے کانوں میں پہنے ہے چاند کا کنڈل

ہر اک سمت مسرت کا دیکھ کر یہ رنگ
پکار اٹھا مرا دربھنگہ دیکھ چرخ سنبھل

اکڑ نہ اتنا تو اِن کہنہ ساز و ساماں پر
دکھا نہ نیلی قبائے کہن پہ یوں کس بل

اُچھالتا ہے تو کیا گیند مہرِ انور کا
ہے تیری پیٹھ کا گویا پکا ہوا دُمل

یہ ابر کی پھٹی گُدڑی پہ اتنا ناز نہ کر
ہمارے سامنے یوں فخر کر نہ بے اٹکل

نہ کر گھمنڈ تو اپنی بلند ہستی پر
یہاں بھی دیکھ ہیں کیا کیا بلند کوہ و جبل

نثار کرتا ہے گوہر یہ ابر گوہر بار
بھرے ہوئے نظر آتے ہیں آج سب جل تھل

ہماری بزم طرب کا ہے دیکھ یہ رُتبہ
لیے کھڑا ہے تیرا مہر ہاتھ میں مشعل

یہ بزم وہ ہے کہ جس پر ہے ناز میتھِل کو
یہ مسلموں کا ہے جلسہ نہیں ہے جس کا بدل

یہ کیسا جلسہ ہے ؟ ہے جلسۂ مُبارک باد
کہ زیب بخش ہوا ہے بڑا خطاب ڈبل
یہ جی، سی، آئی، ای۔ پیارا خطاب ہے، واللہ
مُبارک آپ کو ہو اے مہاراجِ میتھل
بڑے خلوص سے دینے کو ہم مُبارک باد
ہوئے ہیں جمع مسلمان آج سر کے بل
ہیں فخر صوبہ ہمارے شری مہاراجہ
کریں گے فخر کہ یہ فخر کا ہے اپنے محل
دُعا ہے دل سے مسلمنوں کی کہ راج بڑھے
ہو اس سے بڑھ کے بھی اعزاز اور حُسنِ عمل
جناب خیؔر بھی کہتے ہیں خوش رہیں دائم
شری شری مہاراجہ بہادر ، آنریبل

خیر مقدم

سر ایڈورڈ البرٹ آرتھر گیٹ لفٹنٹ گورنر بہار واڑیسہ، از جانب طلبائے محمڈن اسکول، پٹنہ

(۱۷ر دسمبر ۱۹۱۷ء)

ساقیا دور میں اب بادۂ احمر آئے
وہ بھبھوکا سی پری شیشہ کے باہر آئے
لا یہاں شیشہ میں جو لال پری رہتی ہے
یعنی اب بادۂ گُلفام کا کنٹر آئے
آگ جو بھیس میں پانی کے ہے لا اس کو شتاب
جس سے بجھتی ہے لگی دل کی وہ جوہر آئے
جس کے پیتے ہی خوشی آئے سرور آجائے
جس کے پیتے ہی میرے عیش کا نمبر آئے
آ خوشی آ مرے دل کی بھی خوشی کو تو دیکھ
اے سُرور آ مرے لفٹنٹ بہادر آئے
آ خوشی دیکھ کُھلے ہیں مرے دل کے پھاٹک
آ خوشی دیکھ کہ سر گیٹ مرے گھر آئے
ہم مُسلمانوں کو ہو فخر خوشی اس کی ہے
ہوسٹل میں مرے مالک مرے افسر آئے
پہلے سنِ سس میں بھی تشریف یہاں لائے تھے
قحط سالی میں بھی سرکار مکر آئے
ہے یہ مشہور مثل مردوں کے ہیں پھیرے تین
تیسری بار میں لِفٹنٹ گورنر آئے
اب کے آنے کی خوشی کا نہیں اندازہ ہے
ایسا آنا مرے اللہ برابر آئے
شہر میں جوش مَسرّت نہیں دیکھا ایسا
یوں تو لِفٹنٹ گورنر یہاں اکثر آئے
روشنی شہر میں پھیلی ہے کہ خورشید ہیں آپ
ہم رعایا کے لئے آپ خوش اختر آئے
ہیں مرے ہال کے نگراں جو محمد یٰسین
آپ کے فیض سے وہ میرے مقدر آئے
ہم مسلمانوں کو ہے فخر و وفاداری پر
ہم تو مرتے ہیں کہ الزام نہ ہم پر آئے

غیر قوموں کی طرح ہم نہیں طالب ہوتے — کیوں گورنمنٹ سے جھگڑیں کہ مرے سر آئے
جانتے ہم ہیں کہ ہیں آپ رعایا پرور — فرق انصاف میں کیوں بال برابر آئے
ہاں مگر اتنی گزارش ہے کہ اہلِ اسلام — اپنا حق پائیں جب ان کا کبھی نمبر آئے
آپ کی سمع خراشی ہو کہاں تک آخر — خیرؔ اب دل کی دُعا بھی تو زباں پر آئے
آسماں چھت کی طرح سے رہے قائم جب تک — جب تک افلاک کو گردش رہے چکرّ آئے
ماہ و خورشید کا جب تک رہے دورہ باقی — جب تک اس چرخ پہ لبریز یہ ساغر آئے
یا خدا خوش رہیں لفٹنٹ گورنر صاحب — گھر بھرے آپ کا دولت سے، بہت زر آئے

یا خُدا آپ کو ہرروز ترقی ہو نصیب
خبر نیک مرے سُنتے میں اکثر آئے

افتتاح ’ٹوپلس ہال‘ باڑھ (پٹنہ)

چہل پہل ہے عجب آج باڑھ پر ہرسو — خوشی کی پوری حکومت ہے، اپنے قصبے پر
یہ افتتاح کا جلسہ ہے اس عمارت کے — کہ جس سے آج اکھٹے ہوئے ہیں کل ممبر
ہیں صدر جلسہ ہمارے مجسٹریٹ ضلع — ہمیشہ جن کی رعایا پر ہے کرم کی نظر
یہاں تھے افسر اعلیٰ جو ٹوپلس صاحب — ہے یادگار انہیں کی یہ ہال سر تا سر
یہاں کے حاکم اعلیٰ تھے، پھر کمال یہ تھا — کہ نیک خُلق کرمِ عام اُن کا تھا سب پر
رہیں گی یاد رعایا نوازیاں ان کی — رہیں گے یاد وہ اُن کے کرم نما جوہر
یہ ہال یاد میں ان کی بنا تو اب اس سے — رہیں گی تازہ ہمیشہ یہ یاد یاد آور
رفاہ ذات سے تھی ان کی ہم رعایا کی — رفاہ عام ہوا یادگار کا بھی گھر
جو یادگار کا یہ گھر بنا تو کیا کہئے — ہے اس کے دل سے خوشی آج باڑھ میں گھر گھر
لیا ہے اس کے بنانے میں کس نے دلچسپی — جو آج باڑھ کے ہیں سب ڈویزنل افسر
یہ انہماک تھا اس کارِ خیر میں اُن کو — خیال رکھتے تھے اس کام کا وہ آٹھوں پھر
پھر اُن کے بعد تو درجہ ہے رائے صاحب کا — کہ جن کی خاص توجہ تھی ہال کے اوپر
پھر اور لوگ بھی لیتے تھے اس سے دلچسپی — سبھوں کا دل سے نکلتا ہے شُکر یہ فرفر
دُعا ہے دل سے یہی خوش خُدا انہیں رکھے — جو یادگار میں تعمیر کے ہوئے یاور
دُعا ہے اپنی رہے یادگار یہ قائم — گناہگار کی اتنی سی سُن لے تو داور

ادا ہو شُکر یہ آخر میں صدرِ جلسہ کا
پُکار کر کے میں کہتا ہوں تھینک یو آنر

تہنیت نامۂ صحت یابی نوّاب سعادات علی خان، رئیس پیغمبر پور، دربھنگہ

دکھائی حق نے عُروسِ بہار کی صورت　　ہرے نہ کیوں ہو نہالِ چمن بصد فرحت
یہ کل کی بات ہے مُرجھائے تھے ہر اک شجر　　روِش روِش سے برستی تھی وحشت و کُلفت
ہوا پھری تو پھرے دن بھی آج گُلشن کے　　نہ کیوں کہیں اِسے فضلِ خُدائے ذی القُدرت
یہ سچ کہا ہے کسی نے نے پلک نواز ہے وہ　　کہ فضل کرتے نہیں لگتی دیر اِک ساعت
جو کل خزاں تھی تو اب آج ہے بہار کا لُطف　　ہے انقلاب زمانہ مطابقِ فطرت
کہیں ہے، رنج زمانے میں اور کہیں ہے خوشی　　کسی کو درد و الم ہے کسی کو ہے راحت
نہ ہو علیل تو صحت کی قدر کیا جانے　　جو یہ نہ ہو تو نہ ہو قدر بخشش و رحمت
یہ کل کا ذکر ہے گھر کیا کاٹے کھاتا تھا　　اب آج دیکھ لو ہر ایک گوشہ ہے جنّت
ہوئے علیل جو اس دفعہ دشمنانِ حُضور　　نصیبِ غیر بڑھی جب بخار کی حِدّت
تو بدحواس تھے سب جاں نثار حضرت کے　　ہر ایک شخص پہ چھائی ہوئی تھی اِک کُلفت
اُداس سُست، پریشان، مضطرب، بے چین　　علیل آپ تھے یا جاں نثاروں پر تھی بپت
بخار ایک سو اور تین درجے تک آیا　　بڑھی ہی رہتی تھی ہر وقت نبض کی سرعت
کیا حُضور نے چھتیس گھنٹے کا فاقہ　　نصیبِ دُشمنِ نواب گھٹ چلی تھی سکت
تمام شہر کے چھوٹے بڑے دُعا گو تھے　　ہر ایک دل سے مناتا تھا آپ کی صحت
جو جاں نثار تھے اُن کا تو پوچھنا کیا ہے　　دُعا نماز میں کی مانی کتنی ہے منّت
اور اس فقیر دُعا گوئے جاہ و دولت نے　　نماز مانی تھی شُکرانے کی کئی رکعت
دُعائیں پہونچیں ہماری درِ اجابت تک　　خدا کا شکر ہے سرکار کو ہوئی صحت

خوشی سے پھولے سماتے نہیں ہیں درباری　　ہوئی حضور کو صحت ملی انہیں راحت
غریب پاتے ہیں خیرات عام بخشش ہے　　بڑا ہے آج ریاست کا دامن دولت
پھرے گا آج نہ محروم کوئی اس در سے　　بھرے گا دامنِ مقصود آج بے منّت
ہے اعتدال زمانے کو یا خُدا جب تک　　مرے حُضور کو پہنچے نہ رنج اور کُلفت

عدو ہوں خوار تو احباب شاد و خُرّم ہوں
رہیں حُضور ہمیشہ صحیح و باصحت

سپاس نامہ
سر سُلطان احمد، وائس چانسلر پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

دیکھ گر آیا وہ ابر رحمت　　ساقیا ڈھال نہ کر اب غفلت
وہ پلا جس سے سرور آ جائے　　وہ پلا جس سے مٹے سب کُلفت
بند جو شیشے میں ہے لا اس کو　　جس کی ہے لال پری کی رنگت
وہ پلا جس سے لگی دل کی بجھے　　دل لگے جس سے، ہو دل کو راحت
آگ جو بھیس میں ہے پانی کے　　ڈھال بُجھ جائے یہ دل کی حرقت
ریز بادہ کہ فرح افزاید　　ریز بادہ کہ بہ بخشد فرحت
ریز ساغر کہ مکیف سازد　　ریز ساغر کہ در آرد وحشت
ساغر از بادۂ عرفان دردہ　　جامے از علم کہ دارم رغبت
علم کہ نُور بعالم افروخت　　علم کہ سُوخت تمامی ظلمت
ہے بیان ساقی میخانۂ علم　　دیکھ اس کی بھی ذرا تو وقعت
اس کا ہے پیر مغاں ایک جواں　　اس کا ہے صدر نشیں باحشمت

صاحبِ فضل و کرم علم و ہُنر
صاحبِ عزّت و دولت حشمت

یعنی وہ سیّد سُلطان احمد
یعنی وہ صاحبِ صولت حشمت

ایڈوکیٹ و مقنّن ہے وہ
ایڈوکیسی کی ہے اِک شہرت

اللہ اللہ یہ ہوئے تھے جب جج
ان پہ نازاں تھی یہ ہائی کورٹ

اس ججی میں بھی کئے کیا کیا کام
ہو جو منصف تو کرے کچھ وقعت

قدر داں علم کے اور خود عالم
اور پھر علم کی ہر دم سنگت

وائس چانسلر آپ ہوئے
علم والوں کو نہ ہو کیوں راحت

فکرِ تاریخ مجھے تھی بے حد
کچھ تو کہئے کہ مٹے یہ حسرت

عیسوی سال کہا ہاتف نے
وائس چانسلر خوش قسمت

بے طلب عہدہ کو منظور کیا
علم کے ذوق یہ ہے یہ حُجّت

علم والوں کو ملیں گے اب فیض
علم والوں کی مٹیں گی حسرت

اک نظر بس ہے، مرے مخزن علم
دیکھ لے پھر کوئی میری وقعت

نام اونچا ہے تو اونچا ہے مَکاں
کیا کہیں کتنی ہے اس کی رفعت

نام ہے چترِ فضلیت اس کا
کیوں نہ آنکھوں میں ہو اس کی عظمت

۱۹۲۳ء

ہے دُعا میری یہی آٹھ پہر
میرے ممدوح رہیں با وقعت

سپاس نامہ

بنام مسٹر سید عبدالعزیز صاحب بیرسٹر، بہ موقعِ حصول وزرات تعلیمی بہ گورنمنٹ برطانیہ، بہار

آج بلبل کی چمن میں مست کیا آواز ہے
اِک بہار آئی ہے گُلشن کا نیا انداز ہے

یہ بہارِ علم ہے ہر سوٗ ہے بلبلِ نغمہ خواں
آج ہر طائر چمن کا بُلبل شیراز ہے

ساقیا ایسی مَسرّت میں پلا وہ آج مئے
جس کے ہر قطرے میں پنہاں علم کا اِک راز ہے

آج پھیلی ہے ضیائے علم ہر سوٗ باڑھ میں
باڑھ میں سیلاب علم آیا ہے کیا اعجاز ہے

یعنی ہیں یاں جلوہ فرما سیّد عبدُ العزیز
قوم کو اس ملک کو ہستی پہ اُن کی ناز ہے

مُلک جس کو یاد کرتا ہے عزیز قوم سے
اس کا اپنے ملک میں کتنا بڑا اعزاز ہے

ہو مُبارک عُہدہ اعلیٰ وزرات آپ کو
گرچہ اس منصب ہی کو خود آپ پر ہی ناز ہے

دیکھنا کل مُلک میں تعلیم کی شانِ عروج
آج تو دورِ وزرات کا ابھی آغاز ہے

تہنّیت کی دھوم ہے غل ہے مبارک باد کا
ہر کہہ ومہہ کی زبان پر اک یہی آواز ہے

زندہ باد عبدالعزیز و شاد باد
بخت یار و دولت آباد باد

یاد ہے ہاں آپ کا خلق و مروّت یاد ہے
یاد ہے اخلاص و اخلاق وعنایت یاد ہے

یاد ہے وہ آپ کا ایثار بہر قوم و مُلک
یاد ہے وہ آپ کی اعلیٰ طبیعت یاد ہے

یاد ہے وہ قوم کا دینا خطابِ لا جواب
وہ عزیز قوم وملّت کا بھی خلعت یاد ہے

یاد ہے وہ میزبانی وہ سخاوت آپ کی
آپ کا عزمِ عمل پھر وہ حمیّت یاد ہے

آپ کا انصاف وہ اعلیٰ تدبُّر وہ خلوص
یاد ہے ہر دلعزیزی کا وہ عظمت یاد ہے

آپ کے دشمن جو تھے بیمار، دل بے چین تھے   قوم کا یومُ الدّعا از بہر صحت یاد ہے
بعد صحت آپ کا کشمیر سے آتا ہے یاد   یاد ہے پُر جوش استقبال وشوکت یاد ہے
اے عزیز قوم اتنا کون ہے ہر دلعزیز   زلزلہ میں آپ کا ایثار و الفت یاد ہے
آپ کی ملکی وقومی خدمتیں ہیں بے شمار   یہ ہم سبھوں کو آپ کی ہر ایک خدمت یاد ہے

یاد باد آن روزگاران یاد باد
از من ایشان را ہزاران یاد باد

سپاس نامہ

بہ تقریب عطائے خطاب ''خان صاحب'' بہ جناب مولوی سیّد مظہر امام صاحب، خُسرو پُور

بیار ساقیِ خوش، جام خوشگوار بیار   کہ سر خوشیم ز بہر خدا بیار بیار
بیار آب کہ خاصیّت است نار بیار   بیار آن بطِ مئے را بکن شکار بیار

بیار ہرچہ ز می درخزانہ است امروز
بیار بادہ کہ جشنِ شہانہ است امروز

بہ بین چہ مجمع یاران میگران است   بہ بین چہ مجلسِ اعیان و بادہ خواران است
بنگر چہ مجمعِ احباب ذی وقاران است   شنو شنو کہ چہار نغمۂ ہزاران است

بیا و بین کہ چہ جشنِ شہانہ ساختہ اند
کہ شعر خیر را گویا ترانہ ساختہ اند

خطاب ما است ز ساقی کہ من خطیب ویم   تخاطب است از و آں کہ من حبیب ویم
چرا نہ جام بہ بخشد کہ من غریب ویم   چرا نہ مدح بگوئیم کہ عندلیب ویم

بریز بادہ کہ نقدِ گران بتو بخشم
بیا خطاب عزیز جہان بتو بخشم

خطاب سیّد مظہر امام کو جو مِلا   تو اپنے دل میں مَسرت کا ایک جوش اٹھا
کہ آج اپنی جماعت کا اک جوان بانکا   خطاب یافتہ اس انجمن کا صدر ہوا

خجستہ آپ کو اعلیٰ خطاب خان صاحب
ہو سعد آپ کو پیارا خطاب خان صاحب

خطاب کیا ہے؟ اک انعام خدمت قومی   وہی ہے خادم ومخدوم جس نے خدمت کی
کہ قوم ہی کی ہے خدمت سے ملک میں لالی   کہ اس سے خلق بھی خوش ہے خدا بھی ہے راضی

بس ایسے کام ممدوح خلق ہے انجام
یہی وہ کام ہے واللہ، ہے یہی اِک کام

تمہیں ہے خدمتِ قومی کا کم سنی میں خیال   پلا جو ناز ونعم میں ہے اس سے تھا یہ محال
مگر تمہیں تو ہے شاباش تم میں ہے یہ کمال   الٰہی ان کے ارادوں میں دے تو استقلال

ہمیشہ خدمت قومی کرو نہال رہو
ہمیشہ پھولو پھلو لالوں کے تم لال رہو

وہ زلزلہ میں تری یاد ہے پریشانی   کہ تُم نے سارے علاقے کی خاک تھی چھانی
غریب لوگوں کی تکلیف تم نے پہچانی   رقم ریلیف کی دلوائی اُن کو مَن مانی

تمہارا گھر بھی گرا پر نہ کچھ تپاک ہوا
ذرا بھی اُف نہ کی گو لاکھ کا گھر خاک ہوا

وہ خدمتیں تری سیلاب میں رہیں گی یاد   پہنچ کے سارے مُصیبت زدوں کی امداد
تمہاری قومی حمیّت کی کوئی دے کیا داد   تمہارے خلق ومروت پہ ثبت لاکھوں صاد
مٹائے اپنے کو جو اس طرح وہ کیوں نہ اٹھے
بنائے اپنے کو جو اس طرح وہ کیوں نہ بنے
وہ انجمن کے لیے جانفشانیاں تیری   رفاہ کے لیے ریشہ دوانیاں تیری
اُبھارنے کے لیے خوش بیانیاں تیری   یہ اپنے واسطے تھے سرگرانیاں تیری
نہ اس میں ذاتی غرض تھی نہ نفع تھا کوئی
جو کُچھ بھی تھا تو فقط اِک رفاہِ قومی تھی
غرض ہو کچھ بھی مگر اس میں خلق کا ہو بھلا   نمودِ نام سہی قوم کی مگر ہو دوا
کوئی ہو کام ہر اک کے لیے ہے ایک جزا   وہ کون کام ہے جس کے لیے نہ کچھ ہو صلا
وہ کون کام ہے جس میں نہ کچھ ہو نام ونمود
جنابِ شیخ بھی ہیں بہرِ حُور سر بہ سجود
اس انجمن کے لیے وہ جفاکشی وہ جہاد   کیا ہے اس کے لیے کتنے وقت کو برباد
تمہارا دم ہے پڑی انجمن کی بھی بُنیاد   ہوا انجمن کی طرف سے تمہیں مُبارک باد
ہمیشہ خوش رہو آباد اور شاد رہو
ہمیشہ فخر کرے گا ترا وطن تم پر
یہ انجمن کی دُعا ہے کہ با مُراد رہو   ہمیشہ خوش رہو آباد اور شاد رہو
ہمیشہ شاد رہو غم سے بھی آزاد رہو   تم ایسا کام کرو جانِ من آباد رہو
ہمیشہ آپ کے دن کو خدا سعید بنائے
اس انجمن کے لیے آپ کو مفید بنائے

ٹی، پارٹی اولڈ ہم

بہار آئی ہے گُلشن میں عنا دل کے قدم آئے
جوانانِ چمن کو عیش کے ساماں بہم آئے
مُنادی اے صبا اس وقت کردے سارے عالم میں
کہ دنیا میں نہ ہرگز آج کچھ رنج و الم آئے
مزے کی فصل ہے مجمع بھی ہے یارانِ میکش کا
اب اس دم دور میں ساقی پُرانی اولڈ ہم آئے
مرے پیرِ مغاں لا ڈھال میخانہ میں جتنی ہو
برانڈی آئے وِھسکی آئے اکشا آئے رم آئے
نہ رُکنے پائے دورِ جام مل اے ساقی گل گوں
خُدارا جوش میں اس وقت دریائے کرم آئے
جو کم ہو جائے مئے ساقی شراب صالحین یعنی
کہ دور جام میں تو چائے ہی اب کم سے کم آئے
یہ ہے ہر چند اک ناچیز ٹی پارٹی مگر اس میں
بڑے ہی فخر کی جا ہے کہ مسٹر اولڈ ہم آئے
یہ تشریف آوری اُن کی ہے بالکل غیر معمولی
بڑے ہی شان سے اس وقت باجاہ وحشم آئے

قرینے سے سجی ہے پارٹی اک خاص رونق ہے
تکلّف دیکھئے وہ جھنڈیاں آئیں علم آئے
یہ وہ حاکم ہیں جن کا عدل اور انصاف شیوہ ہے
رعایا شاد ہیں جب سے یہاں ان کے قدم آئے
یہ وہ حاکم ہیں اخلاق جن کا عام عالَم میں
بڑے عادِل بڑے مُنصف بڑے اہلِ قلم آئے
بہت سے آئے حاکم عادل و مُنصف مگر پھر بھی
جو اخلاق آپ میں ہے آج ایسے لوگ کم آئے
خُدا کا شکر ہے جتنے کہ ہیں حکام موجودہ
رعایا کے لیے وہ سب دحرم آئے کرم آئے
دُعا اپنی یہی ہے اب ہمارے اولڈہم صاحب
رہیں یہ خوش نہ ان کے پاس ہرگز رنج وغم آئے

سپاس نامہ

برائے آر، اِیل، گُپتا۔سبڈویژنل افسر باڑھ، بہ مقام ٹوپلس اسکول، خُسرو پور

آج پھیلی ہے جو دُنیا میں خیالی روشنی
ہے فقط علم وعمل ہی کی یہ ذاتی روشنی
جس سے لگتی ہے چکاچوند آنکھ کو اے دوستو
علم ہی کی ہے نئی ہو یا پرانی روشنی
تھا بُری حالت میں یہ اسکول خُسرو پور کا
رہ گئی تھی اس کی باقی جھلملاتی روشنی
ٹوپلس صاحب اس اسکول پر کی تھی دَیا
جس سے باقی رہ گئی تھی ٹمٹماتی روشنی
ٹوپلس اسکول کے تھے دن بھلے آپ آگئے
مل گئی اسکول کو گویا حیاتی روشنی
روشنی پھیلی جو آئے علم پرور کے قدم
ہے قدم میں اس کے گویا لہلہاتی روشنی
صدر ہوں اسکول کے جب آپ تو پھر کیوں نہ ہو
کیوں نہ پھر اسکول میں ہو جگمگاتی روشنی
آ گئے ہیں اب مسیحا ٹوپلس اسکول کے
آر۔اِل۔گُپتا کی ہے اب ضوفشانی روشنی
اہلِ خُسرو پور دیکھو آج آنکھیں کھول کر
آ رہی ہے علم کی یاں جگمگاتی روشنی
شُکر یہ ممکن نہیں دل سے یہی ہے اب دُعا
ہو ترقی آپ کی، چمکے یہ ذاتی روشنی

تقسیم انعام ’بیلی اسکول‘ باڑھ پٹنہ

بڑے بہار پہ یہ موسم زمستاں ہے — نہ کیوں کہیں کہ یہ بخششِ فضلِ یزداں ہے
نہاں ہے بخشش و انعام و فضل موسم میں — ہر ایک سال ہر اک دن میں فضل یزداں ہے
یہ شب یہ روز یہ مہتاب اور یہ خورشید — ہر ایک اپنی جگہ پر خُدا کا احساں ہے
یہ کہکشاں یہ ستارے بھی اس کے ہیں انعام — فلک کی مانگ پہ گویا چنی یہ افشاں ہے
اگر ہو علم تو انعام کا بھی ہو ادراک — کہ علم خود ہی اک انعام و فضل یزداں ہے
وہ علم جس سے خُدا تک رسائی ہوتی ہے — وہ علم جو کہ حقیقت میں علم عرفاں ہے
وہ علم جس سے کہ ہر درد دور رہتا ہے — وہ علم جو کہ ہر اک دُکھ کا آج درماں ہے
وہ علم جس پہ ہے عزّت کا سارا دارومدار — وہ علم جس سے بھرا آج سب کا داماں ہے
وہ علم جس کو کہو حرّیت کی روح رواں — وہ علم جس میں لیبرٹی کا راز پنہاں ہے
وہ علم جس سے جھکی ہے آج یہ دُنیا — وہ علم جس سے کہ یوروپ کا گھر چراغاں ہے
وہ علم جس سے منور ہے آج مُلک و دیار — وہ علم جس سے کہ انسان آج انساں ہے
جہاں میں جتنے کرشمے ہیں علم ہی کے ہیں — جو علم سیکھے، حقیقت میں مرد میداں ہے
جو چاہتے ہو کہ اپنی ہو قدر دُنیا میں — تو بڑھ کے علم سے اس کا نہ کوئی درماں ہے
جو چاہتے ہو کہ ہو آبرو زمانے میں — تو علم سیکھو کہ مشکل اسی سے آساں ہے
جو چاہتے ہو کہ دنیا میں تم کو عزّت ہو — تو اس کا علم ذریعہ ہے اور ساماں ہے
تم آج دیکھ رہے ہو کہ کامیابی دل — دلا رہی ہو جو انعام ، کیسا ساماں ہے
پڑھو پڑھو بڑھے جاؤ کہ پاؤ خوب انعام — وہ پاؤ میرے عزیزو! جو دل کا ارماں ہے
خبر بھی ہے کہ یہ ہے کس کے ہاتھ سے انعام — وہی جو حاکمِ ضلع ہے نیک انساں ہے
کہ جن کا اسم گرامی ہے مسٹر اودن — کہ جن کی ذات پہ خود عدل آج نازاں ہے

شریف پرور و عادل خلیق و نیک مزاج — یہ وصف ہے تو فقط آپ ہی کے شایاں ہے
وہ علم دوست کہ اسکول میں چلے آئے — وہ عدل ہے کہ رعایا نظر میں یکساں ہے
ہمیں ہے ناز مجسٹریٹ سبڈویژنل پر — ہمیں ہے پوسٹ کہ وہ بوسٹڈ خوش انساں ہے
وہ نوجوان وہ ذی فہم وہ بلند خیال — کہ جس کے عہد میں باقی نہ کوئی خلجاں ہے
یہ اپنی جوش جوانی میں سارے مشکل کو — جو سخت بھی ہو تو کہتے ہیں یہ تو آساں ہے
مرے اسکول کے ناظم کی حُسن تدبیریں — مفید ہیں کہ وہ یوسف تو ماہ کنعاں ہے
ہے اچھے حال میں اسکول ان کے زیر اثر — کہ ان کے دل میں بھی اک ذوق علم پنہاں ہے
الٰہی خوب پھلے پھولے یہ مرا اسکول — ہمیشہ خوش رہیں بچے یہ میرا ارماں ہے
جناب ناظمِ اسکول کا وقار بڑھے — کہ ان سے رونق اسکول تا بہ امکاں ہے

ہمارے حاکم ضلع ہوں شاد کام مدام
کہ ان کے دم سے یہ رونق یہ ساز و ساماں ہے

☆☆☆

مَنوہر چھپرہ

خیّر جب آئے ''منوہر چھپرہ'' — صُبح کا وقت سہانا تھا سماں
آکے دیکھا تو عجب عالم تھا — شادوفرحاں تھا ہر اک پیرو جواں
پُرفضا جائے اقامت اپنی — ٹھنڈے جھونکے تھے ہوا کے ہر آں
صاف سُتھرا وہ مکانِ دل کش — اپنی دلچسپی کی ہر چیز وہاں
دل ربائی کی کشش ہر شئے میں — دل یہ کہتا تھا کہ رہ پڑیئے یہاں
سب سے ہم کو تو مُلاقات نہ تھی — تھا مگر ایک نوکیلا سا جواں
اس سے مل کر ہوئی فرحت حاصل — دوستی کے ہوئے پورے پیماں
کیوں نہ ہم اس کو کہیں مخلص دوست — کھینچ لایا بہ تکلف جو یہاں
یوں تو وہ شوخ ہے جھوٹا مشہور — ہے بڑی شان بڑا نام و نشاں
جلوۂ یُوسُفی یعقوب میں ہے — بھولا بھالا ہے خدا کی ہے شاں
کیا کہیں کس طرح کُھل کُھل کے ملا — حق تو یہ ہے کہ وہ ہے جانِ جہاں
ختم ہے دوست نوازی اس پر — اس کی ہر بات پہ ہے دل قرباں
اسی مجمع میں نظر آیا مجھے — دلبر و دل کش و قتّال جہاں
اللہ اللہ رے کٹیلی آنکھیں — قتل کرنے کے ہیں سارے ساماں
تیر پلکیں ہیں کہ برچھی کی انی — اور بھویں اس کی تو سچ مُچ ہیں کماں
اس کا مارا نہیں بچتا کوئی — چاہنے والے تو مانگے ہیں اماں
آنکھ اٹھا کر جسے دیکھا مارا — اور کنکھیوں سے ہوں کتنے بے جاں
ہے غضب اس کا وہ بھولا چہرہ — بھولا بھالا ہے وہ کم سن ناداں
شرم ہر بات میں ہر ڈھب میں حجاب — شرگمیں آنکھیں سراپا ایماں

گال اُبھرے ہوئے چکنے اور صاف — خندہ رو نیک دل و تنگ دہاں
بات کرنے کا نرالا انداز — اور ہنسنے میں ہے وہ برق طپاں
چال مستانہ اس انداز کے ساتھ — ہر قدم پر ہو قیامت قرباں
اس کی وہ اُٹھتی جوانی کی بہار — نام اچھا ہے تو اچھی ہر آں
اُسی قاتل سے ملایا اُس نے — کیا بتائیں تھا دماغ اپنا کہاں
یوں تو دیکھے ہیں حسیں ہم نے بہت — پر مرے اچّھے سی بابت ہے کہاں
حق تو ہے کہ غنیمت ہے وہ — ہم نے دیکھے نہیں ایسے انساں
کیوں چُھپایا تھا صفی اللہ نے — ایسے دلبر کو جو ہے جانِ جہاں
نہ ہوئے آج لطیف و مہدی — رشک ہوتا انہیں مجھ پر اس آں
چند گھنٹے کی صحبت بھی نصیب — ہم تو کر بیٹھے دل و جاں قرباں
دیکھیں پھر کب ہو مُیّسر دیدار — کب نظر آئے مبارک یہ سماں
یا خُدا جلد یہ موقع لانا — پھر ہو اچّھے پہ دل و جاں قرباں
پھر ہو یعقوب کی دیدار نصیب — پھر نظر آئے یہ جنّت کا مکاں

ہے دُعا اپنی یہی خالق سے
خوش رہیں خیّر کے پیارے ہر آں

بہار آئی ہے گلشن کا ہے بھرا آنچل — خوشی سے پھوٹ کے نکلی ہے شاخ سے کوپنل
خوشی کے جوش کا عالم ہے دید کے قابل — نکل کے دیکھئے جنگل میں آج ہے منگل
زمیں بھی جوشِ مَسرّت سے آج ہے سرسبز — تمام کھیت میں چھائی ہوئی ہے ہریاول
طیور زمزمہ سنجی میں آج ہیں مصروف — وہ دیکھو کوکتی پھرتی ہے باغ میں کوئل
بنا ہوا ہے خوشی سے درخت ہریالا — پھدک رہی ہے مسرت سے شاخ پر ہریل
ادائیں پیر فلک کی ذرا کوئی دیکھے — پہن کے نکلا ہے وہ ماہتاب کا کنڈل

نظر جو آتی ہے ابر سیاہ کی تحریر　　لگایا اس نے ہے یا چشمِ کور میں کاجل
بہار لوٹنے نکلا ہے چھپ کے اس دھج سے　　کہ ڈالے نیلی پر ہے ابر کا کمل
زمیں سے تا بہ فلک جوش ہے مسرت کا　　پھر ایسے وقت میں نچلا رہے یہ دل چنچل
بیار بادہ کہ خون در دماغ می جوشد　　بیار بادہ کہ باشد دماغ را صیقل
بہ بیں کہ آمدِ سیلاب خرّمی در باڑھ　　بہ بیں کہ گشت مسرّت ز باڑھ دست و بغل
نہ کیوں خوشی ہو کہ سردارِ قوم فخرِ بہار　　جناب خان بہادر شریف روزِ ازل
جناب اشرفِ دیں احمد و رئیس اعظم　　خدا کا شکر ہوئے آپ ممبر کونسل
جناب ہی پہ یہ اعزاز خوب کھبتا ہے　　کہ آپ اشرف احسن ہیں ہر طرح افضل
ملا جو آپ کو اعزاز خوش ہوئے سب لوگ　　اسی خوشی کی ہے ہر سمت آج یہ ہلچل
مُبارک آپ کو اعزاز و عزّت و حشمت　　مُبارک آپ کو یہ امتیاز صلّ و جلّ
یہاں تھا کون معزّز اب آپ سے بڑھ کر　　کہ دیتی جس کے گورنمنٹ ہاتھ میں مشعل
ہیں خاندان وزرات کے آپ رُکنِ عظیم　　وزیر آپ کو ہونا تھا صوبے میں اوّل
ہے انتخابِ گورنمنٹ پر سبھوں کا صاد　　کہ اس سے بڑھ کے نہیں اور کوئی حُسنِ عمل
ہوئے ہیں آپ جو ممبر تو کام کچھ کیجئے　　کہ جس سے قوم کا کچھ ہو درست مُستقبل
ابل رہا ہے طبیعت سے جوش کا چشمہ　　سُناؤں یاروں کو اس وقت کوئی تازہ غزل
ہمیں ہے مئے کی ضرورت دکھا نہ گنگا جل　　خمِ فلک سے کہیں جلد بھر کے لا چھاگل
مئے طہور پلا جس میں ہو نہ کفر کی بو　　نکال کوثر و تسنیم کی بھری بوتل
ہمارے دل سے تو اب تم نہیں نکل سکتے　　رہو بلا سے ہماری نگاہ سے اوجھل
خدا کرے کہ ہو اب میرے سر کا بھی سودا　　کہ سرفروشوں سے سُنتے ہیں گرم ہے مقتل
اگر بچے جو زمانے کے دستِ ظالم سے　　تو دیکھ لیں گے کبھی ہم عدو کا بھی کس بل
نہ پوچھو کیسی ہیں دشوار ہجر کی گھڑیاں　　ہے سال بھر کے مقابل میں اسکی اِک اِک پل

بس اب تو سمع خراشی نہ کر خدا کے لیے　　دُعائیں دے کہ سلامت ہوں ممبر کونسل
ہماری آنکھیں وزرات پر آپ کو دیکھیں　　زمانہ اس کے لیے ہے بہت ہی مستعجل
الٰہیٰ آپ سلامت رہیں بہ جاہ و جلال　　عُروسِ فکر کا جب تک بہرا رہے آنچل

برائے امن سبھا

میں دے رہا ہوں آپ کو اس دم پیامِ امن　　پیارا ہے میرے دل کو ہر اک طرح نامِ امن
معراج اس کو ہے جو رہے امن و چین سے　　ارفع ہے سر بلند ہے اونچا ہے بامِ امن
آمادہ جنگ پر ہو وہ ہے واقعی ذلیل　　کیا جل رہے ہیں دیکھ لے حاصل قیامِ امن
ہے مُلک کے بچاؤ کو افواج صف شکن　　حملہ نہ غیر کا ہو ، یہ ہے انتظامِ امن
ہم اپنے دوستوں سے کریں گے یہ التجا　　بگڑے نہ اپنے ملک کا ہرگز قوامِ امن
حاکم بھی امن جُو ہیں رعایا بھی امن خواہ　　ہے شکر کا مقام کہ ہے یہ مقامِ امن
ہم سب کو چاہئے کہ وفادار ہی رہیں　　ہے ہم سبھوں کی وجہ سے قائم نظامِ امن
ہم لوگ آج مست ہیں امن و امان سے
گُپتا کے دور میں یہ ملا ہم کو جامِ امن

آج کیا امن سبھا پر یہ بہار آئی ہے　　دیکھئے امن کے گھوڑے پہ سوار آئی ہے
ہے وفاداری کا اور امن و اماں کا یہ جوش　　کتنی اُمڈی ہوئی پبلک کی قطار آئی ہے
ہم مُسلمانوں کا شیوہ ہی وفاداری ہے　　کہ اولوالامر کی تاکید وقار آئی ہے
دیکھو دیکھو نہ وفاداری کا دامن چھوٹے　　یہی کہتی ہوئی گلشن سے ہزار آئی ہے
چین ہی چین گُپتا کے زمانے میں ہمیں
امن ہر سمت یہی آج پکار آئی ہے

نظم بہ تقریبِ سنگ بُنیادِ دَھرم شالہ ہزاری مل سیٹھ، خسروپُور رپٹنہ، نزدِ اسٹیشن خُسروپور

اس زمیں کا نظر آتا ہے نرالا عالم
جتنا خوش بختی پہ اپنی یہ کرے ناز ہے کم

آج تشریف یہاں لائے ہیں جے۔آر۔کرنس
اے خوشا بخت خوشا روز خوشا نیک قدم

ماہ و پروین ہیں بہم ساتھ ہیں اِل۔جے۔لوکس
کرم و فیض ہیں اس وقت یہاں پر مدغم

مرحبا اھلاً و سھلاً ہے زباں پر سب کی
خیر مقدم کے لیے جمع ہیں سب اہلِ ہمم

آج ہر شخص نظر آتا ہے شاداں فرحاں
کیوں نہ خوش ہو کہ یہاں آپ کا آیا ہے قدم

خوش ہوں اب وارد و صادر کہ ہزاری مل سیٹھ
دھرم شالہ یہاں بنواتے ہیں ازراہِ کرم

دھرم شالہ کا بنانا ہے بڑا کارِ ثواب
اس بھلائی سے تو آگاہ ہے سارا عالم

یہ مہاپُن ہے، عیاں اس سے مہاتم ان کا
یہ مہا پُرش ہیں آپ کا یہ نیک دھرم

ہیں مہادیو جو فرزندِ ہزاری مل سیٹھ
ان کو تعمیر دھرم شالہ سے رغبت ہے اتم

ہر بھلے کام میں شرکت بھی بھلی ہوتی ہے
سب کے نزدیک مسلّم ہے یہ بے لآ و نعم

دی زمیں خان بہادر نے دھرم شالہ میں
شرکتِ خیر میں آگے ہی رہا اُن کا قدم

سنگِ بنیاد دھرم شالہ کے رکھنے کے لیے
حاکم ضلع یہاں آئے ہیں باحشم و قدم

یہ تھی سرگرمیٔ خیرات کہ اس گرمی میں
آپ اس نیک عمل کے لیے آئے باہم

آپ ہیں نیک تو نیکی کے لیے آئے ہیں
نیک کاموں کے لیے آپ نے پایا ہے جنم

مئی کی انتیسویں تاریخ ہے اور جُمعہ کا دن
سنہ ہے اُنیس سو اکیس سنو اہلِ قلم

اپنے نیک ہاتھوں سے اب اس کی بنا ڈالیں گے
کام یہ کام ہے یہ کار ہے کارِ اعظم

یہ دُعا ہے کہ رہے نام ہمیشہ روشن
اور اقبال بڑھے اور جیئیں یہ جم جم

نظم بہ تقریبِ صحت یابیٔ نواب سیّد شاہ واجد حُسین، خسروپور

خُدا کا شُکر ہے آئی ہے پھر چمن میں بہار
کلی کلی کی زباں پر ہے مرحبا ہر بار

خوش آمدید ہے پتوں کی بھی زبانوں پر
چمن میں اھلاً و سھلاً کی ہر طرف سے پکار

ہر ایک دل ہے محبت کے جوش سے لبریز
خوشی سے پھولے سماتے نہیں صغار و کبار

نصیب غیر، علالتِ طویل جھیلی ہے
حُضور کو ہوئی صحت خدا کا شکر ہزار

ہر اِک شخص صحت کے لیے دُعا گو تھا
مفارقت میں ہر ایک شخص کا جگر تھا فگار

ستم تھا ایک قیامت تھی آپ کی دوری
کسی کے دل کو نہ کچھ چین تھا نہ کوئی قرار

اُداس گھر تھا نہ رونق تھی اپنی بستی میں
پھر آج دیکھئے ہر سمت ہے سنوار و نکھار

حُضور کو ہوئی صحت، خُدا کا لاکھوں شکر
صحت پر دولت دُنیا ہزار بار نثار

دُعا یہی ہے ہماری خدائے برتر سے
ہمارے سر پر رہے آپ کا مدام وقار

ہمیشہ آپ کو اللہ شادماں رکھے
ہمیشہ آپ کا بدخواہ ہو ذلیل و خوار

بہ تقریب حصولِ خطاب ’نوّاب صاحب بجناب خان بہادر سیّد شاہ واجد حسین‘ رئیس خسروپور

بہ خُدا باعث صد نازشِ احباب ہیں آپ
اپنے اخلاق و مروّت سے تو مہتاب ہیں آپ

آپ کی ذات پہ نازاں ہیں مشائخ بھی آج
صوفیوں میں تو فقط ایک ہی نواب ہیں آپ

فخرِ اقران ہیں تو صد نازش احباب بھی ہیں
بحرِ عرفان کے یہی گوہر خوش آب بھی ہیں

دیکھئے وحدت و کثرت کی یہ بیّن تفسیر
آپ ہی شاہ بھی ہیں آپ ہی نواب بھی ہیں

پھول میں رنگ بھی ہے، بُو بھی ہے شادابی بھی
ابرِ رحمت سے گلزار کی سیرابی بھی

دیکھئے کتنا یہ موزوں ہے قران السّعدین
ایک ہی ذات میں شاہی بھی ہے نوّابی بھی

خیر مقدم

جناب مسٹر سیّد مجید عالم صاحب ڈویژنل انسپکٹر آف اسکولس بوقتِ ملاحظہ ٹوپلس اسکول، خسرو پور

کیا مسرّت آج ہے ہم کیا کہیں   آج اپنے دل کا کیا دم خم کہیں
آپ آئے ہیں تو ہم وِلکم کہیں   اس خوشی کی دُھن کا ہم سرگرم کہیں
آپ کا آنا نشانِ علم ہے   کیوں نہ اس کو علم کا پرچم کہیں
آپ تو ہیں علم پرور علم دوست   آپ کو عالمِ کہیں اعلَم کہیں
علم پرور ہے گھرانا آپ کا   ہے بجا اس کو اگر معلّم کہیں
آپ ماہر علم کے تعلیم کے   آپ کو ہم علم کا ضیغم کہیں
علم کے ہر راز سے واقف ہیں آپ   آپ کو ہم علم کا محرم کہیں
دل یہی کہتا ہے ہم آپ کو   علم کے رہبر مجید عالم کہیں
آپ سے سیراب ہیں اسکول سب   آپ کو ہم علم کا زمزم کہیں
زخم خوردہ ہے دُکھی اسکول ہے   وہ کرم کیجئے کہ ہم مرہم کہیں
ٹوپلس اسکول کو جان بخشئے   جان ایسی ہو کہ سب جم جم کہیں

وَلہ

سب ڈویژن ہے غنیمت ہے قیام والا   عام پبلک کے لیے واقعی بہبود ہیں آپ
یہ کرم کم ہے ؟ کہ تکلیف یہاں فرمائی   شکریہ آپ کا! گھر میں مرے موجود ہیں آپ
صدرِ اسکول ہوئے آپ کھلے اس کے نصیب   ہائی اسکول کے تو واقعی مقصود ہیں آپ
شکر یہ آپ کی کن باتوں کا ہم پیش کریں
مختصر یہ ہے سراپا کرم و جود ہیں آپ

مُسدّس الوداعی

بوقتِ روانگیِ انگلستان مولوی سیّد شاہ جعفر حسین صادقؔ بتاریخ ۱۳/۱ اکتوبر ۱۹۳۰ء

ساقی مئے دلادے ساقی دو آتشہ دے   وہ شئے پلادے کہ دل میں اک آگ سی لگادے
دل میں ہے اک تلاطم بہرِ خُدا پلا دے   لا جلد کشتیٔ مئے دریائے مئے بہادے
موج اپنی اٹھ کے انگلش چینل کے پار پہنچے
یورپ سلامتی سے اپنا نگار پہنچے

اے آفتابِ مشرق جاؤ خوشی سے جاؤ   جانا تمہیں مُبارک مغرب کو جگمگاؤ
جا کر ذہانت اپنی یورپ کو بھی دکھاؤ   اپنی لیاقتوں کا ڈنکا وہاں بجاؤ
اے گوہرِ سعادت جوہر وہاں دکھانا
تمغائے امتیازی تم ساتھ اپنے لانا

مغرب سے علم سیکھو فضل و کمال لاؤ   روشن دماغ لاؤ اعلیٰ خیال لاؤ
پھر ساتھ ہی سلف کا حُسنِ مقال لاؤ   اسلام کی بھی شان و جاہ و جلال لاؤ
وہ کر دکھاؤ جعفر دُنیا ہو جس سے ششدر
ہر سمت سے صدائیں آئیں کہ واہ جعفرؔ

تم کو ہو وہ تجّر بحری سفر سے حاصل   ہر لہر میں ہو جس کی سیرابیاں بھی شامل
ہر علم میں ہو فاضل ہر فن میں تم ہو کامل   بَحرُ العُلُوم ہو کر تم ہند میں ہو داخل
تہذیب کا نہ دامن ہاتھوں سے اپنے چھوٹے
اسلامیت نہ چھوٹے پھر اتقاء نہ ٹوٹے

جاتے نہیں ہو تنہا آؤ تمہیں بتائیں   شامل تمہارے جاتی ہیں خیرؔ کی دُعائیں
اللہ سے یہی ہیں دن رات التجائیں   اِک کامیاب ہستی پھر جلد تُم کو پائیں
ہے یہ مہمِ علمی یورپ بہ شوق جاؤ
ہاں فاتحانہ جاؤ پھر فاتحانہ آؤ

خیر مقدم

''مولوی سیّد شاہ جعفر حسین صَادق''(بعد مُراجعت از انگلستان)

ای بحر کرم ساقی از بہر کرم برخیز   از مے کدۂ یورپ بر آریکہ آن ریز
از بادہ و پیمانہ تا چند کنم پرہیز   هان ریز مِی مغرب در ساغر مشرق ریز

ایں خرقہ کہ من دارم در رہن شراب اولیٰ
ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

آن بادہ کہ پیران را در جوش بہ جنباند   آن می کہ جوانان را در وجد برقصاند
آن بادہ کہ محفل را از کیف برفشاند   در ریز کہ برمیکش این مطلعِ برخواند

آباد رہے ساقی دائم ترا میخانہ
ہم شیشہ و ہم ساغر ہم بادہ و پیمانہ

سامان سبھی کچھ ہے موجود ہر اک شئے ہے   بربط ہے جلاجل ہے شہنا بھی ہے اور نے ہے
ساغر ہے صراحی ہے شیشہ ہے بط مئے ہے   بس ایک کمی یہ تھی ساقی ہی نہیں ہے ہے

لو آہی گیا دیکھو وہ بحر کرم ساقی
آ بہر کرم ساقی آں یک قدم ساقی

اِک اِک گھڑی فُرقت کی اک دن کے برابر تھی   مقدار ہر اِک دن کی اِک سال مقرر تھی
ہر دن تھا قیامت کا ہر رات مکدر تھی   چلتی تھی ہوا جو بھی کہئے کہ وہ صرصر تھی

کیا کیا تری فرقت میں جنجال نہیں گزرے
گذری ہیں یہ چھ صدیاں چھ سال نہیں گذرے

سرکار کو یہ دُھن تھی لختِ جگر آ جائے   آنکھوں کو تمنا تھی نور نظر آ جائے
دن رات دُعائیں تھیں وہ زود تر آ جائے   آ جائے الٰہی وہ رشکِ قمر آ جائے

صد شکر کہ آنکھوں کا سکھ دل کا قرار آیا
سو مبارک ہو وہ اہلِ وقار آیا

باقر کو اور اصغر کو بھیّا کا وظیفہ تھا   ہر وقت یہ گپ تھی ہردم یہی چرچا تھا
بھیّا کا تصور ہی اِک دل کا مداوا تھا   دیدار نہ ہونے کا ہاں آنکھوں کو شکوا تھا

اُمڈے ہوئے دونوں کے جذبات کو مت پوچھو
کس طرح کٹے ان کے اوقات کو مت پوچھو

کہتے تھے خلیلؔ اکثر بھیّا کو بلا دیجیے   شکل ان کی دکھا دیجیے ٹوپ ان کا دکھا دیجیے
کب آتے ہیں یاں بھیّا سچ سچ اب بتا دیجیے   ہاں گود میں بھیّا کے جب آئیں بٹھا دیجیے

لو موسم گل آیا ، غنچو مرے کھل جاؤ
لو تم کو مبارک ہو، بچھڑے ہوئے مل جاؤ

ایڈریس بہ تقریب الوداع 'مسٹر جے، آر، گُپتا' سب ڈویژنل افسر، باڑھ

مَیکدہ آج شام سے سنسان ہے کیوں   آج ہر بادہ کش اس طرح پریشاں ہے کیوں
آج مغموم ہر اک شخص پریشان ہے کیوں   آج یاں خرمی و جوش کا فقداں ہے کیوں

آہ ہوتا ہے مرا ساقی گل فام جدا
غم سے شیشہ ہے جدا شیشہ سے ہے جام جدا

ہے یہ فطرت کا تقاضا ہے ہر کام الگ   دن الگ رات الگ صبح الگ شام الگ
ہے ہر اک شخص پہ اللہ کا انعام الگ   ہے کوئی شاد الگ، موردِ آلام الگ

کوئی دنیا میں نہیں مل کے رہا ہے نہ رہے
آدمی کا ہے یہی کام مصیبت سہے

ایک بجلی سی گری سن کے ٹرانسفر کی خبر   آپ سے کیا کہیں اپنے دلِ مُضطر کی خبر
کانپ اُٹھا دل نہ رہی پاؤں نہ کچھ سر کی خبر   جیسے زخمی کوئی سن لیتا ہے نشتر کی خبر

ہو گیا خون مری ساری تمنّاؤں کا
اشک سے آنکھیں ہیں سنگم بڑے دریاؤں کا

آپ کے جانے کا کیوں دل کو نہ ہو رنج و ملال   آپ کے جانے سے کس طرح نہ یہ دل ہو نڈھال
آپ کے جانے سے ہے سارا ڈیویژن بدحال   ہے یہ بے وقت ٹرانسفر مرے جی کا جنجال

آپ کو کس طرح اس وقت فیئر ول میں کہوں
دل ہی قابو میں نہیں کس طرح رخصت میں کروں

یاد آئیں گے ہمیں آپ کے الطاف و کرم   چٹکیاں لیں گیں دلوں میں یہ دَیا اور دھرم
آپ کا اپنے علاقے میں مُبارک تھا قدم   حُسن اخلاق سے آگاہ ہے سارا عالم

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
رُوئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

ہے یہی دل سے دُعا آپ سدا شاد رہیں   جس جگہ جائیں سلامت رہیں آباد رہیں
آپ دُنیا کے تردُّد سے بھی آزاد رہیں   آپ کے جتنے بھی دُشمن ہوں وہ برباد رہیں

آپ دُنیا میں سدا پھولتے پھلتے ہی رہیں
آپ کے حاسد و بدخواہ تو جلتے ہی رہیں

بیگم گُپتا کو جا کر یہ دُعا اپنی سُنائیں   وہ سلامت رہیں وہ پوتوں پھلیں دُودھوں نہائیں
اپنی اور بچّوں کی وہ سالگرہ لاکھوں منائیں   ان کو اللہ میاں ایک سے اکیس بنائیں

رہیں دُنیا میں سدا مانگ بھری گود بھری
ان کی اولاد بھی دنیا میں ہو سرسبز و ہری

الوداعی نظم بہ روانگی'' مسٹر سموئل، سَبْ ڈویژنل افسر، باڑھ

ساقیا میری طبیعت میں ہے آج اضمحلال   یعنی ہے تیری جُدائی کا نہایت ہی ملال
دل ہی مُرجھایا ہوا اور طبیعت ہے نڈھال   وہ مزا ہی نہ رہا، بادۂ گلرنگ نہ ڈھال

دل بھر آتا ہے، خیال آتا ہے میخانے کا
تو ہی ساقی نہ ہو کیا لُطف ہے پیمانے کا

بادہ خواروں پر ترا الُطف و کرم یاد ہے ہاں   مے گساروں پر عنایت اتم یاد ہے یہاں
وہ تری راست روی کا بھی قدم یاد ہے ہاں   تیرا اخلاق بھی خالق کی قسم یاد ہے یہاں

یاد ہے یاد ہے سب لُطف و عنایات تری
بھول سکتا ہے کبھی کوئی کرامات تری

یاد ہے سب کو ترے لطف و عنایت کی نظر   یاد ہے سب کو رعایا پہ محبت کی نظر
یاد ہے ساقیا وہ تیری عدالت کی نظر   یاد ہر شخص کو ہے تیری مروت کی نظر

یاد ہے یاد ہے ہم سب کو شرافت تیری
یاد ہے یاد ہے ہم سب کو عنایت تیری

غم یہ ہے ساقیِ شاہانہ چلا جاتا ہے   بند کر کے درِ میخانہ چلا جاتا ہے
ہائے دورِ مئے و پیمانہ چلا جاتا ہے   تو مجھے چھوڑ کے مستانہ چلا جاتا ہے

دل میں رہ جائے گی یہ تیری محبت باقی
دل پکارے گا ترے بعد بھی ساقی ساقی

تو مجھے چھوڑ کے جانے پہ ہے خوش، ہائے ستم   یوں تو فرقت میں تری آنکھیں ہیں سب کی پُرنم
آٹھ آٹھ آنسو رلائیں گے ترے لُطف و کرم   آہ جُھکنے بھی نہ پائے مئے اُلفت سے ہم

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

بن کے پھر افسرِ میخانہ تو آئے سَاقی   آ کے پھر دَورِ محبت کا چلائے سَاقی
میگساروں کو مئے لُطف پلائے سَاقی   بادہ خواروں کو وہ دن جلد دکھائے سَاقی

یاں سے جانے پہ جو توسَاقی سمُوئل ہے شاد
ہے ہماری بھی دُعا شاد ہو خانہ آباد

تہنیت

'بابُو مہادیو لال' کو جب آنریری مجسٹریسی ملی

میرے مخلص مہادیوا یہ عزّت مُبارک ہو
ہمیشہ کامرانی دولت و ثروت مُبارک ہو
یہ پبلک لائف میں آنے کا حاصل ہی ترقی ہے
تمھیں اب مُلک کی اور قوم کی خدمت مُبارک ہو
تمھیں ہے خدمت قومی سے خاصی ایک دلچسپی
دھرم شالے کی اور اسکول کی عظمت مُبارک ہو
دیا ہے تم نے پبلک کام میں کتنی جگہ چندہ
تمھیں دولت مبارک ہو تمھیں رفعت مُبارک ہو
نتیجہ ہے اسی کا ، تم مجسٹر ہوگئے آخر
ہوئے حاکم ، تمھیں یہ وقعت و عزّت مُبارک ہو
مبارک باد کے تو مستحق ہیں آر، ایل، گپتا
کہ ان کی تھی توجہ ، ان کو بھی عظمت مُبارک ہو
ملے تم کو خطاب ، اب جلد وہ دن آنے والا ہے
ہمیشہ تم کو جانِ دوستاں شہرت مُبارک ہو
مُبارک تم کو بھی ہو خیؔر اپنے دُوست کی رفعت
مرے مخلص مَہادِیوا کو یہ عزّت مُبارک ہو

ایضاً

عندلیب آج یہ ہر سمت پکار آئی ہے   باغِ توقیر میں اِک تازہ بَہار آئی ہے
ہو گئے میرے مہادیو ''مجسٹر'' صد شکر   گویا اس عُہدہ پہ اِک تازہ بہار آئی ہے
جامے میں اپنے تو پھولا نہ سمایا اس دم   یہ خبر تار پہ جس دم کہ سوار آئی ہے
ہے یہ منصب مرے گپتا کی رہینِ منّت   سب ڈیویژن میں یہی شکل وقار آئی ہے
عزّت دوست تو عزت ہی ہے اپنی گویا   ان کی توقیر سے امیدِ وقار آئی ہے
دوستوں کی تو مسرّت کی نہیں حد کوئی   یہ خوشی کتنے دلوں کو تو نکھار آئی ہے
ہم کو جتنی ہے خوشی اس کا بیاں مُشکل ہے   دل میں اِک جوشِ مسرّت کی قطار آئی ہے
اُڑی آئے نہ خوشی کیوں مرے دل میں پیہم   یہ مسرّت مرے جذبے کو اُبھار آئی ہے

پارٹی کا سماں ہے کہ کھلا ہے گلزار
تہنیت گاتی ہوئی آج ہزار آئی ہے

ایضاً

یہ ہے محبت و اخلاص کا پریت کا ہار   نہ سمجھو اس کا کوئی رسم کا نہ ریت کا ہار
بدھائی تم کو، مُبارک ہو اس ترقی کی   ملا ہے تم کو حقیقت میں آج جیت کا ہار
تمہارے منصب و عزّت سے دل کو ٹھنڈک ہے   اسی لیے ہے تمھیں پیشکش یہ شیت کا ہار
خوشی کی نظم، مسرّت کا سُن چکے گانا   ہماری نظم کو سمجھو کہ ہے یہ گیت کا ہار
تمہاری ہم تو ترقی کے دل سے خواہاں ہیں   خوشی سے اس کو پہن لیجئے پریت کا ہار

نشانی اور ہو کیا ہم غریب لوگوں کی
یہ ہے خلوص و محبّت کا پھر پریت کا ہار

ایضاً

بہار آتی ہی رہتی ہے گلشنوں میں مدام   سدا بہار ہے لیکن مری بہار کا نام

مری بہار کو دھڑکا نہیں خزاں کا کبھی
مری بہار ہے فکرِ دماغ کا الہام

بہار آئی ہے ساقی پلا شرابِ طُہور
وہ مے کہ جس کو نہ واعظ بھی کہہ سکا ہو حرام

وہ مے کہ پیرِ مغاں جس کو پھول کہتا ہے
وہ مے کہ لوگوں میں مشہور ہے مئے گل فام

وہ مئے کہ قلقلِ مینا میں جس کی ہے تبریک
وہ مئے سرور کا جس کے بدھائی ہو انجام

بدھائی آپ کو اے میرے سیٹھ دریا دل
بدھاوا تم کو مہادیو لال گل اندام

نہ کیوں ہو دل سے خوشی سب کو اس نوادہ میں
کہ اس سے اپنی ہی عزّت ہے اور اپنا نام

ملا ہے آپ کو جس دن سے عُہدۂ حاکم
خُوشی کا جوش ہے پبلک میں ہے مسرت عام

یہ کیوں خوشی ہے، فقط اس لیے کہ لائق ہو
خلیق ہو بڑے داتا ہو سیٹھ نیک انجام ہو

عوام سے تمھیں اُلفت ہے، سب کے ہو محبوب
یہی ہے وجہ یہ منصب ملا تمھیں انعام

ہے آپ ہی کا رہینِ کرم میرا اسکول
دُرست آپ کی دریا دلی سے اس کا نظام

ہمارے ایسے غریبوں کی آپ ہیں آشا
کہ ہم غریبوں کو پہنچے گا آپ سے آرام

ترقی آپ کی ہوتی رہے بہ فضلِ خُدا
یہی دُعا ہے مری، اس کے بعد سب کو سلام

۲۴ رستمبر ۱۹۳۳ء

ایضاً

اُٹھا لا ساقیِ گلفام بوتل مے کی گلشن میں
مبارک باد کا برکھا برسنے کو ہے ساون میں
بنا ہے آج ہر بالا نہالِ آرزُو اپنا
بدھاوا گا رہی ہے آج ہریل بھی نشیمن میں
نہ ہو کیوں کر ہمیں اتنی خوشی ایسی خوشی اس دم
ہوئے ہیں آپ حاکم باڑھ ایسے سبڈویژن میں

مہادیوا کی یہ محبوبیّت ہے ، دید کے قابل
مسرّت ہے ہر اک گھر میں خوشی ہر اِک مسکن میں
ملنساری کا اور اخلاق کا ان کے ہے کیا کہنا
محبت ان کی ہر دل میں ہے اُلفت ان کی تن من میں
رہے دل میں خیال انصاف کا اور عقل کا ہر دم
ہمیشہ نیائے استھاپن کرے اُن کی سنگھاسن میں
ترقی کی ہمیشہ باگ قبضے میں رہے ان کے
کرے اٹھکھیلیاں اقبال ہر دم ان کے آسن میں
مُبارک بادیوں کا تار کتنا زیب دیتا ہے
کرن مقیش کی گویا لگی ہے صاف کندن میں
دُعا یہ خیر کی ہے ہو ترقی آپ کی ہر دم
رہے ہر دم مچلتی کامیابی ان کے دامن میں

۵ر اکتوبر ۱۹۳۳ء

ایضاً

اپنی سادی پارٹی کی یہ ادا انمول ہو
آج کی جو بات ہے وہ موتیوں کی تول ہو
آرزو سرسبز ہے، کافی ہے سبزے ہی کا فرش
کیا ضرورت ہے کہ یاں قالینِ استنبول ہو
بَول سے ہر شارٹ پر ہے ایک نقارہ کا لُطف
اس لیے اس پارٹی میں کیوں ڈرم کیوں ڈھول ہو
کیوں نہ کے ایف سی کو اس پر فخر ہو پھر ناز ہو
اس کے سکریٹری کو جب حاصل سُپھل کا گول ہو

بَول ہر اِک کِک پہ خوش ہو ہو کہ دیتا ہے صدا
اب مہادیوا کے میرے سب سے بالا بول ہو
سامنے ہو کامیابی کا تمہارے گول پوسٹ
آپ کی تدبیر کے نِٹ میں نہ ہرگز جھول ہو
تم ترقی میں ہر اک مشکل کو کِک کرتے رہو
کامیابی کے ہر اِک ہِٹ پر تمہارا گول ہو
آپ کی گیری میں کیسا فال اور کیسی سِلپ
ہائی کِک ہو جب ترقی کی تو رکھا گول ہو
کامیابی کا ہے لمبا فیلڈ کِک کرتے رہو
آپ ہی کی جیت ہو اور آپ ہی کا گول ہو
آر۔اِل۔گُپتا کے ایسا بیک ہو تو کیا ہے غم
فارورڈ ہوں آپ، پھر دیکھیں نہ کیوں کر گول ہو
ہو توجہ کم نہ کے۔اف۔سی سے اتنی عرض ہے
آپ کے حاسد کے مُنہ میں کپکپاتا اول ہو

۸؍اکتوبر ۱۹۳۳ء

بہ تقریب تشریف آوری مولوی سید حسن، نائب صدر بہار شریف

بمقام لُودی پُور بہ مدرسہ اسلامیہ

مرحَبا صد مرحَبا اے رشکِ گلزار و چمن
حبّذا اے روکشِ گلہائے تازہ علم و فن

اے بُتو! وِلکم کہ آگاہی زعلمِ مغربی
اے مُبارک ذات یعنی مولوی سیّد حَسن
مرحبا اے حامئِ دیں مرحبا اے فخرِ قوم
اے بُتو! اھلاً و سہلاً سیّد فخرِ زمن
آپ کے آنے سے ہر کس ہے نہال وشاد کام
جلوہ فرمائی سے لودی پور ہے رشکِ چمن
میں تو کہتا ہوں بہارِ تازہ ہے آئی ہوئی
یا کہ لودی پور ہے اس وقت تختۂ یاسمن
کھلتی جاتی ہے کلی دل کی ہمارے دیکھئے
آپ کے آنے سے ہر اک شخص ہے اس دم مگن
آپ کے آنے سے چمکا بھاگ اس اسکول کا
آپ کے آنے کی مدّت سے لگی تھی اک لگن
آپ آئے ہیں تو بیڑا پار اس کا ہو گیا
ایڈ اس کو ملنے کا اب کیجئے جلدی جتن
آپ کی مُسلم نوازی سے توقّع ہے یہی
ان مُسلمانوں کے مکتب کا بڑھائیں گے چھبن
ننّھے بچّوں کی غریبی پر کرم فرمایئے
ایڈ دلوانا ہے آگے آپ کے تو اِک سُخن
ننّھے بچے آپ کو دیں گے دُعائیں رات دن
جب تلک باقی رہے گی گردشِ چرخِ کُہن

☆☆☆

دیوانِ فارسی

رشحاتِ خیر و نفحاتِ خیر

حرف : الف

(۱)

دل داده اند آئینهٔ حق نُما مَرا   بخشیده اند جانِ وفا آشنا مَرا
جامِ شرابِ ناب به ده ساقیا مرا   باشد دلی چو ساغر عالم نما مرا
مارا تجلّیِ تو کجا کرده هست گم   می جوید از تحیّر هر نقشِ پا مرا
کی احتیاجِ تخت چو دارم دلِ غنی   از مسند شهی ست چه کم بوریا مرا
می کاهدم بهر نفسی مدتِ حیات   هست آمد و شد نفس من بلا مرا
چون راز دار عالمِ هستی وجودم هست   در چشم می نشاند هر نقشِ پا مرا
اے خیر بین مآلِ کشش های حسن و عشق
از هستیم کشید به لُطفِ فنا مرا

(۲)

خدا سرسبز دارد گلستانِ حسن جانان را   زگل پر می کند دست تصوّر جیب و دامان را
نهفتم تا توانستم بدل آن رازِ پنهان را   ولیکن چون کنم این دیدهٔ خون ناب افشان را
گله از بیوفائی باشد و هم شکوهٔ جورش   پشیمان عشق خواهد کرد حسنِ نا پشیمان را
بغربت نیز وحشت کم نه شد ای وای ناکامی   بیابان را گهی ماویٰ کنم گاهی گلستان را
دلِ من سیر از کیفِ خلش هایش نشد جانان   مکش لله از پهلوی من آن تیر پیکان را
اسیرِ زلفم و دیوانهٔ حُسن رُخِ یارم   ولی دارم که می خواهد بهم هم کُفر و ایمان را
چه حاصل زین که در دل نیست باشد در جگر آخر   مکُش از سینه ام زنهار بیرون نوک پیکان را

(۳)

اگر آن ترک انگورا کشد گرگِ اروپا را   به تیغ ترکیش بخشم سمرنا و بروسا را
بده ساقی می باقی که یونانی نه خواهد یافت   کنارِ آبنای باسفورس مارمورا را
عجب کان ترک یورپ کوب دهر آشوب و شیر افگن   گرفت از پنجهٔ یونان به سه ساعت سمرنا را
ز نازِ اتحادی ها کمالِ ترک مُستغنی هست   چه بحث از کنفرنس و آرمِستس اهلِ هجا را
من از آن روز کین یونان بجنگ آمد بدانستم   که این سودا د مار از سر برون آرد اروپا را
حدیثِ صُلح کمتر گو از ارمِستِس نشان کم جو   که کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمّا را
نصیحت گوش کن یونان که از جان دوست تر دارند   جوانانِ سعادتمند پندِ پیر دانا را
بدم گفتی و من هم کلہ ات از مشت بشکستم   بلی شکر شکن باید لبِ لعلِ شکر خارا
بهنگام گریز آتش زدی بر خانه های دُون   ازین روز از تو به گرفتند دریای سکارا را
به شعر حافظ شیراز تغیر هست و در تاریخ
بگو ای خیر فتح یادگاری چشمِ بینا را

(۴)

ذکرِ منصوری بلب داریم ما   گو بظاهر قابل داریم ما
یادِ چشم مستِ او مارا بس است   با دوعالم بی سروکاریم ما
از فسون سازیِ چشم نرگسش   گاه مست و گاه هشیاریم ما
کن به ما آنان که از تو می سزد   نی بد انسان کشی سزاواریم ما
مُعجزاتِ عشق را در ما نِگر   هم به پرده هم به بازار یم ما
هستی ما خود حجابِ اکبر هست   ورنه سر تا پای اسراریم ما
تا به کی بیمار مانم هم چو خیر
کن علاج آخر که بیماریم ما

(۵)

خواستم لیکن نمی یابم سکون از اضطراب   زان که دردم باز دارد از نشاطِ دل مَرا
ای نگاهِ یاس باری ترجمانِ درد شو   زان که فرمودند برخوان داستانِ دل مرا
گرمیٔ بزمِ نشاطِ دیگران چون به نگرم   می دهد یادِ همان هنگامۂ محفل مرا
بود فطرت مضطرب، لرزان زمین وآسمان   در ازل چون بخش می کردند دردِ دل مرا
همتِ مشکل پسندِ ما فزون آید فزون   باز برخوان داستانِ دوریِ منزل مرا
احترامِ خاکِ کوی دوست برمن واجب هست   زان که درهر ذرّه می آید نظر یک دل مرا

(۶)

هوس صحبتِ گل هست چو هر شام مرا   گشتِ رنگِ شفقم بادۂ گلفام مرا
هم چو سیماب سکون نیست دلِ مضطر را   آن مپندار که حاصل شود آرام مرا
درگلستانِ جهان بادصبا نامه بری هست   از لب غنچہ رساند گلِ پیغام مرا

(۷)

خویش را از راه دور افگنده فاسد کرده ایم   می شود حق جلوه گر در هستیِ باطل کجا
دامنِ ساحل گمان بردم بهر موجی که هست   پس بدانستم که بحرِ عشق را ساحل کجا
چون فرو ماندم ز دوری های رهِ پرخطر   شوقِ دامانم کشید و گفت همان منزل کجا

(۸)

فکرِ روزِ حساب گُشت مَرا   خیّر حرصِ ثواب گُشت مَرا
جوششِ اضطراب گُشت مَرا   آه عهدِ شباب گُشت مَرا
نگهۂ ناز را خطای نیست   دلِ بی صبر و تاب گُشت مَرا
می برم یاد لذتِ شبِ هجر   آمدِ آفتاب گُشت مَرا
بود آسان سوالِ وصل ولی   انتظارِ جواب گُشت مَرا

خویشتم از رخش نقاب کشم   لیک پاسِ حجاب گُشت مَرا
شکوۂ کس نمی توانم کرد   دلِ خانه خراب گُشت مَرا
باز عشقش ز خود کشیدم من   آه جوشِ شباب گُشت مَرا
ترک کن خیّر فکرِ دُنیا را
همین خانه خراب گُشت مَرا

(۹)

گرم جوشیِ ناز گُشت مَرا   نگهہ بی نیاز گُشت مَرا
گفته ام با تو، باز می گویم   دیدۂ نیم باز گُشت مَرا
درمیانِ من و تو فرق چه بود   نگهہ امتیاز گُشت مَرا
پُرسشِ حالِ دل معاذ الله   کرمِ حیله باز گُشت مَرا
یک دلم داد و کاوشِ دو جهان
رحمتِ کار ساز گُشت مَرا

(۱۰)

بعدِ فنا کشاکشِ سود و زیان کجا   در کُنجِ گور دغدغۂ آسمان کجا
از همتِ بلند همه چیز پست هست   زین آسمان بلند ترین آسمان کجا
ارفع ز عرشِ پایۂ خاکِ نیاز هست   بالای این زمین بلند آسمان کجا
این عهد جورِ بست زبانِ سخنوران   کس را مجالِ شکوه و تابِ فغان کجا
معراجِ عشق دادنِ جان ست بر ملا   این بامِ عشق را بجز این نرد بان کجا
بر بامِ طُور حاصلِ ارنی است جلوه ریز
امروز خیّر تفرقۂ این و آن کجا

حرف : ت

(۱)

باز به جوش آمدنم آرزوست　　از لبِ تو یک سخنم آرزوست
باز هوای وطنم آرزوست　　باز نسیم چمنم آرزوست
باز برقصم بخیال کسی　　باز به وجد آمدنم آرزوست
نعرهٔ تکبیر پیاپیَ زنم　　بر تن خونین کفنم آرزوست
زیرنگین بردن باضرب تیغ　　ملک عراق وعدنم آرزوست
از تپ فرقت چو شده تن کباب　　نیز بدل سوختنم آرزوست
تا که کنم دردِ دلِ خود دوا　　خاکِ در پنج تنم آرزوست
بهرِ سکونِ دل پُر اضطراب　　وعدهٔ از آن دهنم آرزوست

تیغ ادا برسرِ خیرتؔ بزن
ز آنکه برقص آمدنم آرزوست

(۲)

هست اتّحاد مُسلم و هندو بهم محال　　هرگز نه دیده ایم که مسجد شود کنشت
کی می توان ثمرد گل و خار رایکی　　کی می‌شود هزارهم آهنگِ زاغِ زشت
بالعلِ شب چراغ مقابل کُجا شود　　دررنگ ودرفروغ وبهاخاک وسنگ وخشت
دو جنسِ غیر متصل هم نمی شوند　　هم نور و نار به نگر وهم دوزخ و بهشت
کی گاو کند هند به منزل همی رسد　　با اسپ باد پای عراقیِ خوش سرشت
((هندوسبھا)) به سینه برآورد کینه ها　　مُسلم همه ملال وغم و رنج در نوشت
جمعیتِ خلافتِ مُسلم کُجا، کُجا　　هندوسبھای تیشه خصال و تنک سرشت
هستندبی خبر چو زِ تبریدِ اتفاق　　در جام شان به باید ریزند شیرِ خشت

با شرکتِ کسی طلبِ حرّیت خطا هست　　خواهیم یافت هست اگرآن به سرنوشت
مارا به پای خویش به باید که ایستم　　الحق که شیخ سعدیِ شیراز حق نوشت

حقّا که باعقوبت دوزخ برابرهست
رفتن بپای مردی همسایه دربهشت

(۳)

آه آن یار گلعذار کجا ست　　آه آن بزمِ زرنگار کُجا ست
بود تابان ز تابشش ذرّات　　آه آن محفل بهار کُجا ست
از همه آرزوست دل فارغ　　پس فریب وِصالِ یار کجا ست
ازدلم حالِ انتظار مپرس　　دلِ وا رفته را اقرار کجا ست

خیرؔ بگذر ز آرزویِ وصال
تو کجا رتبه نگار کجا ست

(۴)

نی غم ست و نه ساز عشرت هست　　در چنین زیستن چه لذّت هست
جذبهٔ عشق را گنه گفتی　　به ازین درجهان سعادت هست
در وفاداریِ تو جان دادن　　به ازین زندگیِ صورت هست
عرصهٔ رُستخیز یا دُنیا　　هر کجا پا نهی قیامت هست
رفت باسیلِ اشکِ من دل زار　　قطره را کُجا حقیقت هست
قدر خاشاکِ آشیان می دان　　خس مخوانش که قصر دولت هست

دل پُر درد و چشم تر ای خیرؔ
گریه بخشند عینِ دولت هست

(۵)

هر کیفیت قلبی یک عکسِ حقیقت هست　　یک پرتوِ حسن ست و یک فیضِ محبت هست
صد دانه شود حاصل از کشتنِ یک دانه　　احساسِ محبت هم معراجِ محبت هست
یک محشرِ شوقش دان، یک عالمِ حسرت دان　　رازیکه درین عالم با نامِ محبت هست
ناوک زدنش ای دل بی وجه نمی باشد　　از گردشِ چشمانش اقرارِ محبت هست
این عیش ترا زیبا ای ذوقِ نظر دائیم　　رنگینیِ فطرت خود آغوشِ محبت هست
احساس طلب کردن از دلبر خود دوری ست　　تسلیم تمنّا هم درمانِ محبت هست
هر تیرِ نگاهش را درخانهٔ دل جای　　در عهدِ محبت هم گیهانِ محبت هست

احساس تمنّا را در دل چو نمی یابی
ای خیؔر یقین میدان تکمیل محبت هست

(۶)

آن مَی بی نام درجامِ دلِ مستانه است　　کان نه شیشه نه در ساغر نه در پیمانه است
این چه می پُرسی چه وُسعت اندرین پیمانه است　　ریز ساقی هر قدر مَی درخُم میخانه است
می تواند غرق کردن زاهد انِ خشک را　　این قدر هر میکشی را باده در پیمانه است
دفتر پارینه در پیچ و بیا درکار زار　　جوهرِ ذاتی نما، کارِ سلف افسانه است
گرچه پوشیداست روی نو عروس حرّیت　　از ضیای حُسن او روشن همه کاشانه است
جنگ آزادی تذبذب رانمی دارد روا　　بی محابا جنگ کن گرهمتِ مردانه است
فرض کردم مَی زهر جنس است درمیخانه ات　　لیک آن هم هست؟ کاندر ساغرِ مستانه است
فاش کردن هم نمی خواهد، نه پنهان داشتن　　رازِ سر بسته که در کُنجِ دل دیوانه است

شیشه ست و باده مست و حُسن مست و عشق مست
خیؔر امشب این بهار میکشی درخانه است

(۷)

کشتهٔ شمع اگر حسرتِ پروانه شده است　　همچو من سوختهٔ جلوهٔ جانانه شده است
در بهاران چمنم جلوه میخانه شده است　　هر طرف خندهٔ گل خندهٔ پیمانه شده است
شررِ داغ دلم جلوه فگن شد در بزم　　یک شده شمع دگر صورتِ پروانه شده است
مرد بی پایه ندارد بر عالم قدری　　هم بغل شیشهٔ خالی نه به پیمانه شده است
حشر برپاست درین دهر که نفسی نفسی　　اندرین عهد یگانه همه بیگانه شده است
دیدنی هست قیامت که بپا در هنداست　　بهر آئین شکنی هر کس دیوانه شده است
نامه بر راست بگو نامهٔ من خواند که خیر　　هیچ اثر بر رُخ زیبا شده یا نه شده است
جامِ مَی ده که دگر موقع مَی خوردن نیست　　عُمر را پُر ز قضا ساغر و پیمانه شده است

صحبتِ اهلِ جهان خیر نداد است به خیؔر
لاجرم معتکفِ گوشهٔ میخانه شده است

(۸)

درهر گل این بُستان آن حُسن نمایان است　　آئینهٔ صد حیرت این صحنِ گلستان است
هر منظر رعنائی فردوس بدامان است　　بسیار فریب آگین نظارهٔ بُستان است
ای زاهد ظاهر بین زنهار مرنج از من　　این کفر محبت هم همرتبهٔ ایمان است
گر دست دهد فُرصت شرحی به بیان آرم　　یک دفتر بی پایان احوالِ گلستان است

اے خیؔر بهار آمد رو سوی گلستان کُن
هر یک گلِ خندانش جام مَی عرفان است

(۹)

حُسن را آتش فشانی دیگر است عشق را سوزِ نهانی دیگر است
بعد جان دادن اگر حاصل شود آن حیاتِ جاودانی دیگر است
ناله و فریاد دارد شورشی دردِ دل را ترجمانی دیگر است
آنچه با فرهاد گفته پیر زن آن نویدِ کامرانی دیگر است
خاموشی شد ترجمان رازِ من این زبانِ بی زَبانی دیگر است
واعظا ! گر قصّهٔ حُور است راست آن بلایِ ناگهانی دیگر است
آتشِ عُنصر دگر او کی رسد
خَیر این آتش بیانی دیگر است

(۱۰)

گر حُسنِ بی مثال تو سرگرم ناز هست سجده فروش نیز جبینِ نیاز هست
اکنون کشود چشم حقیقت نمای من یکسان درین نگاه نشیب وفراز هست
در حیرتم بخود سببِ اضطراب چیست درپهلویم دلست که دانای راز هست
معمور شد خرابهٔ دل از فروغِ حسن الله درین خرابه که جلوه طراز هست

(۱۱)

درهمه ذراتِ عالم جلوهٔ جانانه است سجده ام بی احتیاج کعبه وبتخانه است
چشمِ مستِ ساقیِ من مضطرب میخانه است وجدهر حالِ حریفان باده در پیمانه است
یاد بردارد نقاب ازچهرهٔ آن رشکِ حور باخدا ای دل که وقتِ سجدهٔ شکرانه است
من سراپا مستم ومستی است جزوِ زندگی در سرهر لغزشِ پا حرمتِ میخانه است

الله الله قصه سازیِ حیاتِ مستعار در برِ هر نقشِ پا مضمر همین افسانه است
اهل بزمِ استماعش رو بدیوار آمدند داستانِ حسن تویارب جان افسانه است
سجده بردم هرکجا نقشِ کف پای بود عقل هشیاران درین معنیٰ مگر دیوانه است
خَیر چون پیوست باتو از همه یارانِ بزم
آشنای دوست خود از این وآن بیگانه است

(۱۲)

کشد عشاق را گهه غمزهٔ دوست گهی زنده کند یک وعدهٔ دوست
اگر سویم بگردد دیدهٔ دوست چون سیرِ طور باشد جلوهٔ دوست
همین بس امتیازِ مجرمِ عشق که هستم من اسیرِ طرهٔ دوست
اگر داری مجالِ هم نوائی شنو از من هزاران نغمهٔ دوست
لَبش نه کشود گهه بر ارضِ عالَم گهی نه شگفته است این غنچهٔ دوست
به دل جا دارد و محرومم از دید حجابِ اکبر است این پردهٔ دوست
ز خَیر و شر ندارم هیچ بحثی
همی دانم که هستم بندهٔ دوست

(۱۳)

درحقیقت تار و پودِ زندگی اعجاز هست ذره های خاکِ هستی یک جهانِ راز هست
من چه گویم با که گویم هر چه بامن کردهٔ زور پیدا می شود این جا که دنیا ساز هست
ای گلِ خندان تو تنها نیستی واقف ازین
ورنه هر برگِ گلستان آشنای راز هست

(۱۴)

خوشم که در دلِ من خواهش مداوا نیست | چگونه شکر کنم قاتلم مسیحا نیست
مگو که دلبرِ من گرم صد تجلّی نیست | به شمع کعبه و در مشعل کلیسا نیست
مریض مرا به دم واپسین توانی دید؟ | که نزع منظر سخت است و این تماشا نیست
بهر رگِ دل و جانم روان است مستیِ مَی | که گفت در نگهِ یار کیف صهبا نیست؟
ترا چه عالم مستی است ای نسیم بهار
بخنده غنچه درآمد صدای مینا نیست

(۱۵)

صد جلوه ها بخود دلِ مُضطر گرفته است | ذره بخود جهان منور گرفته است
کوشد چرا نه بهرِ حصولِ مرادِ خویش | انسان چرا پناهِ مقدر گرفته است
از کیفِ بادهٔ اَلمِ عشق سر خوشم | هر غم بدست شیشه و ساغر گرفته است
گوئیم مدعایِ دلِ خویشتن چرا | در هر نگاهِ شوق نه دفتر گرفته است
در انتظار کیست نه دانیم خیّر ما
به نشسته، پیشِ شیشه و ساغر گرفته است

(۱۶)

از جمالت یادگاری مانده است | بر دلم نقشِ نگاری مانده است
رهنِ می شد جُبّه و دستارِ شیخ | نزد پیرِ ما نه تاری مانده است
رحم برخاکِ من ای سیلابِ اشک | یادگار از من غباری مانده است
سرد مهرت گفتن ای جانم خطاست | گرم دل تا در کناری مانده است

غیر بر انگیزدش بر قتل ما | شکر ما را دوستاری مانده است
رنج غربت را ازو باید شنید | هر که خود دور از دیاری مانده است
خیّر خود را آن دمی پرسی که او
مُشتِ خاک اندر مزاری مانده است

(۱۷)

در بی نیازیِ تو چه گویم چه ناز هست | یعنی نهان به ناز تو صد گونه راز هست
دادست بیشتر ز طلب پیشتر مَرا | غیرت ! که باز دست تمنا دراز هست
ساغر بدست ساقی کوثر در انتظار | برخیزم و روم درِ میخانه باز هست
خرده مگیر بر گنه و بر خطای ما | مارا کریم بر کرامت بس که ناز هست
ای بی خبر ز هستیِ خود آبِ خود بیا | در هستیِ تو یار نهان رمز و راز هست
ترسم که کائناتِ جهان را کند تباه | در سینه آتشی که به سوز و گداز هست
در هر فنا نهان است پیام حیاتِ نو | بعد از فنا به رفعت شبنم چه راز هست
از بی خودیِ خیّر نه مانده ست امتیاز
هم او نیاز مند و هم او بی نیاز هست

(۱۸)

من رهینِ یاسمن و دل مُبتلایِ دردِ هجر | ناله سازِ زندگی را آخرین آواز هست
تو چه می فهمی که شمع زندگیم شد خموش | زندگانی را به عُنوانِ نوی آغاز هست
هر دو عالم در تواجد محو دلهای جهان | وه چه دلکش آن سرودِ حسن را آواز هست

(۱۹)

چو کاکل با رُخِ جانانه آویخت — بگو دیوانه با فرزانه آویخت
چوجلوه دید دل در خود که زآن بعد — نه با مسجد نه با بُتخانه آویخت
دل زارم نه چون صد چاک گردد — چو با زلفِ سیاهت شانه آویخت
بهر ماهِ قمر زین رو به کاهد — که او باطلعت جانانه آویخت
چرا برسطحِ گردون می تپد برق — مگر با توبۂ رندانه آویخت
غُبارم چون نگه دار ادب بود — بدامانِ تو بی تابانه آویخت
کفن ز بهر خود کرد و بیا سود — زجیب شمع چون پروانه آویخت
جمالت کرد پیدا صورتِ شمع — دلم در وجد چون پروانه آویخت

حرف : د

(۱)

ای محو تماشای حسینان به چه کارید — آمادۂ گلگشتِ گلستان بچه کارید
برخیز در ابر جگر و سینه سنان خور — نظّاره کنان به پلک مژگان بچه کارید
برمصر جفا رفت خبر هم نه گرفتید — آخر بخدا غازی ترکان بچه کارید
کردید برون غیرتِ اسلام ز سینه — ای زنده در گور مُسلمان بچه کارید
گشتید شما بی خبر ازخاکِ وطن آه — بردید همه کله بکیوان بچه کارید

(۲)

دلم با جلوۂ جانانه باشد — چراغ طور را پروانه باشد
تو می خواهی به زلفت شانه باشد — دلم صد چاک باشد یانه باشد
یکی را محرم اسرار سازند — یکی از رمز آن بیگانه باشد

بقا و هم فنا بحثی ست مهمل — ز بعدِ مرگ این افسانه باشد
چوهر جائی ست ماهِ من عجب نیست — قمر آری به هر یک خانه باشد
نهان در بیخودیِ من ، خودی دید — کسی کو همچون من دیوانه باشد
زمن هم سایه می نالد که درشب — دلم را نعرۂ مستانه باشد
روم از آستانت سوی صحرا — که آنجا مسکن دیوانه باشد
ز مَیخواری کند تو به نگارم — ز خاکِ من گرش پیمانه باشد
نه پندارم به دورِ جام می عیب — چو در تسبیح دردانه باشد
به یادِ خیر هرکس خواهد افتاد
بهر جا مجلسِ رندانه باشد

(۳)

دل نیست کاندرونش کس جلوه گر نباشد — آن چشم نیست هرگز کوحق نگر نباشد
گر درغم است عاشق دلدار را چه پرواه — میرد کسی بمیرد او را خبر نباشد
بهر خُدا شکیبی ای قلبِ مضطرمن — میساز با غمِ خویش شب بی سحر نباشد
جانم به فدای جانی کوخوگرستم ها ست — در ناله و دعایش هرگز اثر نباشد
از اشکِ چشمِ من سیل گشته روان ولیکن — یک گوشه از قبایت زان اشک تر نباشد

(۴)

هم آهنگ دلِ مُضطر چومن پروانه می رقصد — ز تاثیرش زبانِ شمع هم بیگانه می رقصد
بدارد درکنارش لیلی شب را به هجر تو — دل من می طپد یا آن که مجنونانه می رقصد
چنان از گردشِ گردون دُون درکارخود گیجم — که سرمی گردم وهمراه سرکاشانه می رقصد

(۵)

آمد بهار و دل بہ گلستان ھمی کشد   رنگین بساط از گل و ریحان ھمی کشد
آن خوش خرام چون بہ گلستان ھمی رود   قمری بسر و نالہ و فغان ھمی کشد
ھنگام خندۂ مہِ شیرین دھانِ من   بار خجالتی گل خندان ھمی کشد
بر شیوہ ھای گنبد چرخ برین نگر   بالای خاک گورمن ایوان ھمی کشد
یاد آوری بریم بمیدانِ روزِ حشر   زین ناتوان کہ زحمتِ پیمان ھمی کشد
اکنون بھار سوختنِ گل ارادہ کرد   از لالہ آتشی بخیابان ھمی کشد
ھرکس کہ چشم داشت ز اھلِ جفا کرم   گوئی کہ بارِ خدمت شیطان ھمی کشد
بر گردش زمانہ مشو غرہ کز جفا   در خرمن تو آتش پنھان ھمی کشد
از خیرؔ پرس لذّت تیرِ جگر شگاف
از راہ لطف یار چون پیکان ھمی کشد

(۶)

دلِ من جلوۂ جانانہ دارد   چراغ طور این پروانہ دارد
دلِ دیوانہ ام در شور وغوغا ست   بھر سو نعرۂ مستانہ دارد
زھر طفلی خورد سنگی کنون خیرؔ
کجا شھری چنین دیوانہ دارد

(۷)

جفا و جور و حرمان آفریدند   برای دل چہ سامان آفریدند
پیٔ دردِ محبّت از رہ لطف   بعالم نوعِ انسان آفریدند
زتابِ گوھرِ دندانِ آن مہ   بگردون برقِ تابان آفریدند
برای مجرمان جُرمِ اُلفت   ز گیسویش چہ زندان آفریدند
ظھورِ رحمتِ عام است ورنہ   چرا این جنسِ عصیان آفریدند
ز رشکِ عارضِ آن ماہ کنعان   گل تر چاک دامان آفریدند
بھر ماہ قمر کاھد ز رشکش   رُخِ خوبت درخشان آفریدند
نخستین مصحفِ رویت نوشتند   پس از وی پاک قرآن آفریدند
خورد خونِ جگر تا از لبِ تو   بہ دریا شاخِ مرجان آفریدند
پیٔ ارشاد و تلقینِ طریقت   بعالم فضلِ رحمان آفریدند
برای نعت خیرؔ بی نوا را   بہ بزمِ اندر غزل خوان آفریدند
چو خیرؔ مشرقی شد مغربی دل
غزل خوانی چو سلمان(ساوجی) آفریدند

(۸)

شبِ فراق بہ عشّاق تیرہ تر نگردد   اگر بسوز دلش آہِ پُر شرر ندھند
چہ سود جلوہ نمایند چار سو بہ جھان   اگر زلفِ ازل چشمِ حق نگر ندھند
مباش بارِ زمین خدمتی بہ ملّت کن   بسا درخت کہ سبزاند و گھہ ثمر ندھند
نشانِ سجدہ چو بر نقش پای خود دیدند   مرا اجازتِ رفتن بہ رھگذر ندھند
برای چارۂ ھر درد اگرچہ داروی ھست   بہ دردِ عشق تو داروِی چارہ گر ندھند

حکیم گفت بود هر وجود را اثری	به آهِ عاشقِ بیدل مگر اثر ندهند
عُروسِ صبح چنین گرم تاب کی می شد	ز روی روشنت او را ضیا اگر ندهند
بیا و مسئلہٴ جبر و اختیار شنو	که اختیار بمن داده شد مگر ندهند

چو فیض یافت ز داعی بسی عجب باشد
به شعر خَیرؔ اگر لذتِ شکر ندهند

(۹)

بهار آمد و از شاخِ گل برید رسید	بگوش اهلِ چمن نغمہٴ نشید رسید
گذشت شام فراق و سحر هویدا شد	پیام وصل بما ساعتِ سعید رسید
گذشت روز خزان موسمِ بهار آمد	خوشا نصیب که امروز روز عید رسید
کشودِ بابِ شفا بهر خلق لازم بود	برای آن در بیت الشفا کلید رسید
مریضِ عشق و محبت اسیر پنجہٴ شوق	چرا نه رقص کند داکتر رشیدؔ رسید

(۱۰)

بُلبُل اسیر گشته چو فریاد کرده بود	ز آن آتشی بخانہٴ صیاد کرده بود
زردیِ رُخ نبود یقین دان خطای من	این رنگ عشقت از ره بیداد کرده بود
گاهی نه تیر آه به پیوست در دلش	شاید که بارِ جامه ز پولاد کرده بود
عُمرت دراز مرگ که بر وقت آمدی	اینک مریضِ عشق ترا یاد کرده بود
بار دِگر مجال کجا تا به بینمش	باری ز چشم گرم چو ایراد کرده بود
ای تنگِ عشق و اهلِ وفا خاک بر سرت	یعنی دلِ تو شکوهٴ بیداد کرده بود

صد مرحبا تصورِ دل دار مرحبا
یادت بخیر خَیرؔ ترا یاد کرده بود

حرف : ر

(۱)

گریانم و خندانم چون طفل بخواب اندر	رخشانم و غلطانم چون دُر بخلاب اندر
خورشید لقا آمد رویش به نقاب اندر	گردید جهان تاریک شد مه به سحاب اندر
دیدار شود حاصل از بهر دلِ مائل	چون چهرهٴ زیبایش نبود به نقاب اندر
او عبد زلیخا بود تو مالکِ دلهایٔ	باچون تو چسان آید یوسف بحساب اندر
سودایِ اُلفت را از جورِ بتان غم نیست	شادانم و می یابم لطفت به عتاب اندر

پُرسش چون کند خالق از خَیرؔ ز فعل او
گوید که گناهِ من نه آید به حساب اندر

زحرف : ز

(۱)

آه بیدردی و درمانی هنوز	با جفا و جور جانانی هنوز
ایکه بر عرشِ برین شد جای تو	بر غلط گویند انسانی هنوز
وای بر تو زآنکه بر حالِ تو غیر	هست گریان و تو خندانی هنوز
ایکه گفتی بنده آزادم، شنو	در قیود خود به زندانی هنوز
الحذر از خانه جنگی، الحذر	بر سرِ جنگ اند افغانی هنوز
دُختِ رز از محرمات شرع نیست	حُرمتش گفتی و نادانی هنوز
لُطف دارد مستیِ پیرِ مُغان	مَی به بخشد جام رحمانی هنوز

تیغِ نازت برسرش پیهم بزن
زنده است آن خَیرؔ رحمانی هنوز

حرف : س

(۱)

حال زار دل فگار مپُرس   سخنِ جور روزگار مپُرس
غرقِ کیف است اینِ جهانِ وفا   بیخودی های انتظار مپُرس
چه ستم ها کند به مَی خواران   مستیِ ابرِ نَوبهار مپُرس
رنگ ناکامی از مراد مبین   بی کسی های بیشمار مپُرس
در دلم حشر آرزوست بپا   شُوخیِ حسنِ فتنه کار مپُرس
دل پریشان شود ز گفتنِ حال
از من خیّر بار بار مپُرس

(۲)

خوبیِ حسنِ گلعذار مپُرس   لطفِ آن جانفزا بهار مپُرس
صورتِ هر کسی همی بینم   انتهای تلاشِ یار مپُرس
داستانِ غمِ شبِ فرقت   از دلم بار بار مپُرس
بر خطا هر که پرده می پوشد   کیست آن یارِ پرده دار مپُرس
خیّر گویند ترک اردو گفت
باز ز آن نغمهٔ هزار مپُرس

حرف : ش

(۱)

هر آنکه در ره ملّت نمی نهد قدمش   یکی است در نظر دهر هستی وعدمش
همی شوند طلب مُجرمانِ عشق امروز   مگر کسی ببرد خیّر را سویِ حرمش
بدرگهی که نشاید سرِ نیاز کسی   به بین رسید همانجا به تمکنت قدمش
دوان است خلق پئی پرتوِ تجلّیِ او   مگر نه یافت کسی تاکنون ره حرمش
به بین که مردن عشاق هم تماشائیست   گهی هم کشدم جورِیار و گهه کرمش
جمود مرگ و عمل درحقیقت است حیات   حیات بر فلک افراخت از عمل علمش
مکیدنِ لب شیرین فرامشم نه شود   خُدا کند که دگر نیز بارها مکمش
نگار را اثر آن گونه باشتاب بیار   کزین دو دست دعا تنگ دربغل کشمش

حرف : م

(۱)

گُذشت دورِ خودی باز هوشیار شُدیم   کشیده جام محبت نه شرمسار شدیم
نظر نواز شده حُسنِ آن حسین هر سو   به چار سویش نظر کرده و نثار شدیم
صفای حسن شده نور بخش دیدهٔ دل   چو بانگار دل افروز همکنار شدیم
نشانِ زندگیم بی قراریِ دل هست   فنای ماست اگر گاه باقرار شدیم
زبحث جبرو قدرنیست حاصلی ای خیّر
که بندگان نگاریم وز اختیار شدیم

(۲)

غبارِ گلشن برباد هستیم   بعالم تا کنون در یاد هستیم
مبادا راز پنهان فاش گردد   اسیر الفتِ صیاد هستیم
فراموشم نشد یادِ کسی آه   رسیده فصلِ گلِ ناشاد هستیم
رو ابرمن همی دارد جفا چرخ   بلی ما نیز آدم زاد هستیم
نه سهل است آگهی ازهستیِ ما   غرض از عالمِ ایجاد هستیم
فنای راهِ تو آرد بقا را   ز بیم نیستی آزاد هستیم
گهی از طبعِ خود سردیم و گه گرم   عجب ! ما مجمع اضداد هستیم
اگر چون خیؔر از آلِ رسولیم
چه سُود از ناخلف اولاد هستیم

(۳)

تا بکی عشق ترا از همه اخفا بکنیم   گویدم دل که بیا عرضِ تمنّا بکنیم
معنیِ زندگیِ ما نفسی هست چسان   فکر دُنیا و هم اندیشۂ عُقبیٰ بکنیم
آن که صبر از دلِ من بُرد نمی دانم کیست   نام که گیرم وبر ضد که دعویٰ بکنیم

(۴)

طوافِ کوی او کردم به دور خانه گردیدم   نه پیوستم به شمع رویش از پروانه گردیدم
چون زُلفِ عنبرین بکشاد من دیوانه گردیدم   نگه کردم چو چشمِ مستِ او مستانه گردیدم
بهر کس میرسم پرسم پیامی زو نمی گوید   تهی از بادۂ مقصود چون پیمانه گردیدم

نیامد برسرِ بام آن نگاری وای ناکامی   هجوم این و آن دیدستم و دیوانه گردیدم
چه تاثیراست چشمت راچودیشب سوی من دیدی   که امشب برزبان هرکسی افسانه گردیدم
زگردش های چشمِ مستِ ساقی چون نه من رقصم   سیه مستم زجامِ بزمِ او مستانه گردیدم
فرود آید بمن که آنرا مقرر کرده اند آخر   چه حاصل زآنکه من چون مهره درهرخانه گردیدم
زچشمِ مستِ ساقی بهره از کیفیتی دارم   بهر میخانه زآن از بهر آن دیوانه گردیدم
شده از گردشِ گردون پریشان روزگارِ من   بزیر آسیایِ چرخ هم چون دانه گردیدم
کشش هائی وطن هم گردش پرکاری دارد   پس از سیر مراحل واردِ کاشانه گردیدم
کجا این خیؔر نادان و کجا آن حضرتِ داعی
زلُطف اوست کاین سان شاعرِ فرزانه گردیدم

(۵)

قصّۂ حسنِ یار می گویم   داستانِ بهار می گویم
وای برحالِ کم نگاهیِ ما   جبر را اختیار می گویم
نیست این جز یکی فریبِ نظر   هر چه را من بهار می گویم
یا بکس رازِ دل نمی گُفتم   یا مگر بار بار می گویم
اتفاقی نمی کند گاهی   گر فسانه هزار می گویم
آنچنان آرزوش می دارم   هجر را انتظار می گویم
خیؔر را گرچه مست توحید است
لیک من میگسار می گویم

(۶)

آرزوی وصال چون بکنم　　این خیالِ محال چون بکنم
میدهد درسِ خامُشی نگهش　　جُرأتِ عرض حال چون بکنم
چون جوابش ز خامُشی باشد　　این چنین من سوال چون بکنم
حالِ دلِ یار را بخود گویم　　انتظارِ سوال چون بکنم
التفاتی بمن ندارد یار　　شرح رنج و ملال چون بکنم
نیست در اختیار ما چیزی
خیّر فکرِ مآل چون بکنم

(۷)

ما سرِّ وجود در حجابیم　　بر عارض آگهی نقابیم
ما گاهِ ثواب و گهه عذابیم　　در دهر عجیب انقلابیم
در مجلسِ دردها عتابیم　　در بزمِ نشاط ها خطابیم
هر ذرّهٔ ماست نور پنهان　　ما روکشِ ماه و آفتابیم
هرکس که رود سوی حریت　　چون گرد مدام هم رکابیم
ای بیخبر از نکاتِ هستی　　ما نیز درین نه کامیابیم
هرمو ورگ است حرف اسرار　　ما راز حیات را کتابیم
هم باده فروش وهم سیه مست　　هم جام و سبو و هم شرابیم
هر چند که خیّر خاکساریم
با خاکِ حریم بوترابیم

(۸)

محرمی دارم دمِ محرم کشم　　من نظر از روی نا محرم کشم
چون ز چشمِ مستِ ساقی سرخوشم　　نیست حاجت جام مَی پیهم کشم
یاد چون آرم عمل های زبون　　رویِ خود از خویشتن درهم کشم
روز و شب می سوزم از سوزِ درون　　آتشی در جان و دل پیهم کشم
سالها شد مُرد قلبِ مُضطرب　　در غمِ آن یک صفِ ماتم کشم
چشم پُرنم هست در یادِ کسی　　بادهٔ شوق از چه زمزم کشم
دولتِ دیدار دارم، فارغم　　پس چرا زحمت درین عالم کشم
تا بکی مانم به قیدِ بندگی　　جنگ آزادی کنم پرچم کشم
می کنم امید از سنگین دلان　　روغنی از سنگ می خواهم کشم
خیّر زخمِ سینه مهمانِ من ست
بهرِ مهمان سفرهٔ مرهم کشم

حرف : ن

(۱)

کرد اگر دلم گهی حوصلهٔ بیانِ حسن　　شعلهٔ آهِ من فزود گرمیِ داستانِ حُسن
سجدهٔ شیخ خودنما موجبِ داغ ناصیه است　　نقشِ سجودِ عشق است زینت آستانِ حُسن
حوصله های عشق من ختم شد بر آهِ من　　کم ز قضا کجا بود عشوهٔ جانستانِ حُسن
از خود رفته را به پرس کیفیت مَی الست　　کیست بعقل وهوش خود واقف ورازدانِ حُسن
بهرِ نظاره بایدت چشمِ حقیقت آشنا　　ازهمه ذرّه های خاک جلوه نماست شانِ حُسن

(۲)

درهرآن کارکه حاصل نه شود کام، مکن   پیش از کارِ هوا و هوسِ نام مُکن
درهر آغاز تو پنهان ست هزاران انجام   کار آغاز کن، اندیشهٔ انجام مُکن
گر تو مقصودِ دلِ خویش تمنا داری   طلبِ عیش مکن خواهشِ آرام مُکن
در دلت جایِ مده ثروتِ دنیایِ دنی   حرم قدس را بازیگهٔ اصنام مُکن
خَیر بیچاره براست زهر شروفساد
حُرمتِ نام بکن خَیر را بد نام مکن

(۳)

مبادا بر کسی چون زحمتِ من   فراقِ من غمِ من فُرقتِ من
مثالی هستد ره قوم و ملّت   جمودِ من غمِ من غفلتِ من
پسِ من یادگارِ من بماند   وفایِ من خلوص و اُلفتِ من
خوشا روزی اگر آید بکارت   سرِمن جانِ من هم دولتِ من
نمی دانم چه خواهم از تو جانا   چه باشد خواهشِ من رغبتِ من
ز اسرارِ الٰهی هست سرّی   سرشتِ من وجود و خلقتِ من
نگاهِ لُطف او ای خَیر تنها
نشاطِ من سرور و فرحتِ من

(۴)

با وفای اگر ثواب همین   بی وفائی اگر عذاب همین
هست واحد به هر عدد موجود   وحدتش را بکن حساب همین
هر دو اوراقِ این دو عالم را   می بخوان ذالک الکتاب همین
خَیر وارفته راچه می پُرسی
هست آن خانمان خراب همین

حرف : و

(۱)

چنان جا کرده است اندر دل من احترام او   بصد اشکال آید بر زبان خَیر نامِ او
غُلامانِ محمّد را چه پروای شهنشاهان   که مولای جهانی هست هرفرد غلامِ او
نمایان درطراز زجراوانداز لطفی هست   که خیلی دلبری ها دارد انداز ملامِ او
دلِ مضطر ترا تبریک می گویم، که می آید   سلام او پیام او، پیام او سلامِ او
دم رفتارِ خود برسینهٔ خود هم نظر دارد   سراغی از جوانی می دهد گویا خرامِ او
کُجا فرصت میسر خَیر شرح آرزو گویم
به پهلوی من مهجور کم باشد مقامِ او

حرف : ی

(۱)

شب هجر مرا دیجور داری   چه حاصل جلوه گر بر طور داری
دلم را در هوس رنجور داری   مرا تا از هوایت دور داری
چون مسکن در دل زارم گرفتی   چه غم گر از حضورت دور داری
همین به کور کن این چشمِ گریان   چه حاجت آن که دو ناسور داری
اگر بینی گهی آن چشمِ فتان   مرا ناصح یقین معذور داری
مترس ای خَیر از نارِ جهنم
به دل از فضلِ رحمان نور داری

(۲)

به یک بوریا شانِ دربار داری　　دلِ بحر و دستِ گهربار داری
به هر موی کاکل اسیران اُلفت　　به هر پیچ صدها گرفتار داری
تبسم گهر ریز کن یا محمدؐ　　که سلکِ لآلی شهوار داری
دوعالم گرفتی به یک جنبشِ لب　　عجب دلربا طرز گفتار داری
به زُلف سیه راز وَاللّیل گفتی　　ز تفسیر وَالفجر رخسار داری
به یک گردشِ چشمِ خود یا محمدؐ　　سیه‌زلف ورخ پُر ز انوار داری
توئ یا نبی شهرِ علم حقیقت　　درِ آن علی شاه کرار داری
به لختِ جگر چون حسین وحسن تو　　به نازی چه اخیار و ابرار داری
برای جوانانِ امّت به جنّت　　دو فرزند دل بند سردار داری
یکی لخت دل در دلش دردِ امّت　　چو زهرا پُر از قدس و انوار داری
سیاه و سفیدست در قدرت تو　　که گیسوی مشکین و رخسار داری
ابوبکرؓ و فاروقؓ و عثمانؓ و حیدرؓ　　چه یاران و اصحابِ اخیار داری
بنازم که هستم درالطّالح لی
نظر سوی خیّر گنه گار داری

(۳)

این جا چرا نه فهم رازِ بهارِ هستی　　چون بشکنم به جنت آخرخمارِ هستی
از بهر چیست برپا این کار زارِ هستی　　بامن کسی بگوید انجام کارِ هستی
هیچ است در نگاهم لیل و نهارِ هستی　　بیکار می نماید نقش و نگارِ هستی
نقش و نگار رنگین باشد فریب خواهش　　بازیگرِ فنائی ست هنگامه زارِ هستی

ترتیب می‌دهم من یک داستان منصور　　در دهر می گذارم من یادگارِ هستی
ای خیّر این جزا چیست و ز بهر چه سزا ست
چون نیست درکف خلق این اختیارِ هستی

(۴)

چون نسیمِ صبح دم آید همی　　نکهتِ زلفِ صنم آید همی
هر که از بهرِ عیادت آیدم　　بهر استمزاج غم آید همی
یادِ آن عهد وفا هم آیدت　　یادِ مارا آن قسم آید همی
پاره های نامه‌ام دردست اوست　　قاصدم با چشم نم آید همی
دیده ام درآئینه عکسِ کسی　　یا نظر عکسِ خودم آید همی
خوبیِ جامِ سفالینم مپرس　　خوشترم از جامِ جم آید همی
دوستان را دوستان آرند یاد
یادگارِ خیّر هم آید همی

(۵)

المدد بی مرگ، من میریم آه　　می زند اندر جگر خنجر کسی
یار چون درآئینهٔ خانه رسید　　محو حیرت بود کس ششدر کسی
گیرو محکم گیر یک در جانِ من　　می نه زیبد دوستی با هر کسی
گرچه مستم باز می خواهم دگر　　در دهد ای کاش یک ساغر کسی
آرزوی سرفروشی سهل نیست　　ازکجا آرد هزاران سر کسی
دیدنی باشد تماشای دلم
چون به‌آید پیش آن داور کسی

(۶)

دلِ کو دارد از غم اختلاجی   ز خال عنبرینش کن علاجی
به ملکِ دل بری دارندۂ تاج   دلِ زاهد ستاند در خراجی
حریفِ نازنینی مہ جبینی   ستم گر شاهدی نازک مزاجی
شبِ هجران ز رویش رو نگردد   بقصرِ ناز تا بنده سراجی
بکویِ او پیِ جانم امان نیست   که خون ریزی بود آنجا رواجی
هزاران سجده از بهرِ ضرورت   گهی هم سجدۂ بی احتیاجی
تو هر جوری که خواهی می کنی یار   به دینم کُفر باشد احتجاجی
حلالت باد خونِ خیّر بر تو
اگر داری به آن هیچ احتیاجی

(۷)

ای در حریمِ نازت تا چند در نقابی   هست این شوقم برهم زنِ حجابی
در هر عدد مقرر واحد نهان به باشد   "در وحدت است کثرت" باشد همین حسابی
دانم که بی نیازی گیرم که خود پسندی   با این، بجز درِ تو دارم نه هیچ بابی
این هر دو دیدۂ من بینای هر دو عالم   درهم کنه نقابی برهم زنی حجابی
در هر نگاه شوقی یک عالمِ سوالی   درهر ادای حسنی یک عالمِ جوابی
وصلش شود میسر ای خیّر این چه گفتی
ناممکن و محالی وهم است همچو خوابی

رُباعیّات

(۱)

نغمۂ جان نواز هستی ما ایم   دستِ مضطرابِ سازِ هستی ما ایم
مظهرِ جلوه خُدا ما هستیم   یعنی آگاهِ رازِ هستی ما ایم

(۲)

گرچه خود تو نیاز هستی ما ایم   وقف آغوش نازِ هستی ما ایم
واندرین محفل جهان ای خیّر   خوش نوایانِ ساز هستی ما ایم

(۳)

وجهِ هستی و نازِ هستی ما ایم   سبب امتیاز هستی ما ایم
زآن که آئینه ایم دلبر را   پس نگهدار رازِ هستی ما ایم

(۴)

پیکرِ سوز و سازِ هستی ما ایم   مَی مینا گدازِ هستی ما ایم
غافل از سرِّ ما مشو ای خیّر   زآنکه لاریب رازِ هستی ما ایم

(۵)

از عرش فزون ترست رفعت ما را   یک نور جهان تاب حقیقت ما را
انسان آنست کو شناسد خود را   ورنه چه حقیقت و فضلیت ما را

(۶)

انسان باید که با مروّت باشد   بی جان است اگر نه اهل اُلفت باشد
دل نیست که در وی غمِ ملّت نبود   جان نیست که در وی نه محبّت باشد

(۷)

آن جان نبود که اندر او همّت نیست   آن دل نبود که اندر او غیرت نیست

گوهر آنست کو بتابد چون ماه   آن گل نه بود که اندر او نکهت نیست

(۸)

آید دل ما به راه گاهی گاهی   گرییم و زنیم آه گاهی گاهی

ترسیدم خودی خدائی گردد   زان روئے کنم گناه گاهی گاهی

(۹)

هر صورت پیام است درونِ دلِ من   هر حادثه جام است درونِ دلِ من

در پردهٔ عقل نیست عشقم این تیغ   عاری ز نیام است درونِ دلِ من

(۱۰)

از علم جدید گشت برپا طوفان   گردید از آن اساس مذهب ویران

این روشنیِ جدید بدکار به بر   وآن جهل قدیم بیگنهه بر گردان

(۱۱)

در مسجد کارِ سبحه خوانی تا کی   اندیشهٔ رزم زندگانی تا کی

مردانه به کارزار هستی پا نهه   این فکر شکست و کامرانی تا کی

(۱۲)

خودی پرست منم هم خدا پرست منم   بنای خود منم و آه هم شکست منم

به بزمِ هستیِ رونق ز کثرتِ من شد   که هوشیار منم هم سیاه مست منم

(۱۳)

هشدار که از تو تاب و تب می گذرد   ز آغوش تو لیلایِ طرب می گذرد

ساقی غمِ صبح و فکرِ فردا تا کی   دِه جام اگر دهی که شب می گذرد

(۱۴)

کس جامِ نشاط را تمنّا نه کند   گر تلخی ز هر غم گوارا نه کند

غم جزوِ حیات است و طلبگارِ حیات   از نیشِ غمِ حیات پروا نه کند

(۱۵)

جویای رموز! رمزِ فطرتِ هستی   درباب حقیقت که حقیقتِ هستی

درعلّت و اسباب چرا غلطانی   تو علّتِ عالی و غایت هستی

(۱۶)

با جوهر خویشتن شناسا نه شدی   از منّت بیگانه مبرّا نه شدی

صد جلوه درونِ تو نهان ساخته اند   صد حیف که تو گرمِ تماشا نه شدی

(۱۷)

خاموشی عین عین سخن هست مرا   خلوت والله انجم نه ستم را

دنیای خیال ما ز دنیا ست جُدا   ویرانه نماید وطن هست مرا

(۱۸)

هر کیفیت بخشک و تر موجود است   هر ماهیت به بحر و بر موجود است

دادند از آن جمله به انسان عطری   هر چیز که هست در بشر موجود است

(۱۹)

لطفی که به جستجواست در حاصل نیست   لذّت به تگ و دو هست درمنزل نیست

مردانگیِ حیات در امواج است   در کشتی نیست نیز درساحل نیست

(۲۰)

آن دولت و مرتبت کجا خواهم یافت   آن ثروت ومقدرت کجاخواهم یافت

دریایِ مَی ناب که جاری ست مگر   پیمانهٔ معرفت کجا خواهم یافت

ساقی نامه

بیار ساقیِ ما جامِ خوشگوار بیار　　که سر خویشم ز بهرِ خدا بیار بیار
بیار آب که رخشان هم چو نار بیار　　بیار و هم بطِ می را بکن شکار بیار
بیار هر چه ز می در خزانه است امروز
بیار باده که جشن شاهانه است امروز
به بین چه مجمع یارانِ می گساران است　　به بین چه مجلس اعیان باده خواران است
نگر چه مجمهٔ احباب ذی وقارانه است　　شنو شنو که چهار نغمهٔ هزاران است
بیاوبین که چه جشن شاهانه ساخته اند
ز شعرِ خیّر تو گوئی ترانه ساخته اند
خطاب هست ساقی که من خطیب ویم　　تخاطب هست ازو آنکه من حبیب ویم
چرا نه جام بخشد که من قریب ویم　　چرا نه مدح بگویم که عندلیب ویم
بریز باده که نقد گران به تو بخشم
بیا خطاب عزیز جهان به تو بخشم
ای بحر کرم ساقی از بهرِ کرم بر خیز　　از مَی کدهٔ یورپ طوفان شراب انگیز
از باده و پیمانه تا چند کنم پرهیز　　آن ریزِ مَی مغرب در ساغرِ مشرق ریز
این خرقه که من در رهنِ شراب اولیٰ
این دفترِ بی معنی غرقِ مَی ناب اولیٰ
آن باده که پیران را در جوش بجنباند　　آن مَی که جوانان را در وجد برقصاند
آن باده که محفل را از کیف برخشاند　　در ریز که هرمیکش این مطلع برخواند
آباد شود ساقی دائم ترا میخانه
هم شیشه و هم ساغر هم باده و پیمانه

مُفردات

گیر و محکم گیر یک درجانِ من　　می نه زبید دوستی باهرکسی
گهی زلف به بالینِ من چومی آئی　　مگر که از دم عیسیٰ حیاتم افزائی
تمام قصهٔ غم هاى ماست آهِ سرد　　بخواهی از تو درین نیز اختصار شود
باشارات به اغیار سخن می گوید　　چشمتِ اغیارنوازی ز ذهانت آموخت
نگار را اثر آن گو نه باشتاب بیار　　کزین دو دست دعا تنگ دربغل کشمکش
عُمرت دراز مرگ که بر وقت آمدی　　حالا مریضِ عشق ترا یاد کرده بود
هرچند باقی است نشان ازغبار من　　دردیده عدوست نه در کوی یارمن
دوگونه رنج مرا هست عالم پیری　　یکی از آمدنِ تو دگر وداعِ شباب
طفل بود نگار را آ گه زعتاب نیست　　زآنکه بگاه صبحدم گرمیِ آفتاب نیست
نامه بنوشتم و زآن پس دریغ آمد مرا　　قاصدازتو چشم روشن گردد ومن منتظر
چشم چون نگریسته ازبهر او گردد بجا　　دل چه دیدهٔ ؟ آه نادیده گرفتار آمده
درجگر درد و به سینه سوز و در دل کاوشی هست　　این همه لطف و کرم از یار دلدار آمده
در رهِ عشق یکی فرض اهم هم دارم　　که بهر روز طوافِ درِ جانان کردن

خاک از قالبِ آدم چه بجا گفت این راز   ننگ ما بود زما پیکرِ انسان کردن

طواف میکده فرض است بر آنک   مرید حضرتِ پیرِ مغان است
بسینه سوز و در دل کاوش و درد   کرم ها برمن از یک مهربان است

دل شکسته ماراست وصل ناممکن   که داند آنکه کدام است ریزه ها و کجاست

ساقیا از مَی خونابِ سیه مستم کن   یا بگو ابر سیه را که نیابد به چمن

ای حسرتِ دیدار سرِ راه خبردار   باشد که بگویند که از اینجا برخیز

از جوشِ گریۂ من بیدل بسجدۂ   باران مَرا ز اشکِ ندامت گرفته بود
پرسیدن چون زخیر که هان هیچ گفتنی ست   کام و زبانِ من ز مسرّت گرفته بود

بیا در حلقۂ پیرِ مغانم   که چشمش پُر از مَی پیمانه دارد
جوان مردی به استبدادِ شاهی   چو خیزد همتِ مردانه دارد

چو تیرش بردلِ دیوانه آید   دلم با حجّتِ فرزانه آید

چو مکتوبم بُت فرزانه خواند   مرا در آه یک فسانه داند

پا به زنجیر آخرش دیوانه شد   دل اسیر کاکلِ جانانه شد
بخودی، شوریدگی، ناکامی و آشفتگی   جمله در دل بود زآن افسانه شد

در جادۂ تسلیم نه لغزد قدمِ من   این سان اگر آن همتِ مردانه بسازد

دلِ بیتاب از عمری رهینِ یاس و حرمان بود   ندانستم که دراین پرده چون تا یار پنهان بود

سعی بی حاصل من نیز مرا حاصل نیست   شومیِ بخت نشانی ز ره و منزل نیست

هوشیاری را عشق آموزد سبق   آ گه از معنی نگردد کو زخود غافل نشد

برسوالِ من تبسّم کرد فالِ نیک هست   کرد وا بابِ اجابت را دعای من ببین

خوشا نصیب بخندید برسوالِ من   دعایِ من به کشاده درِ اجابت را

بغرض حالِ ما کرده تبسم   بشد بابِ اجابت وا ببیند

اے نگاهِ یاس باشد بد ترا   تا بخانه قاتلم گریان برفت

رسید تا به گلو آب از وفورِ سرشک   چو کاسۂ سرِ من کاسۂ حبابی هست

درجهانِ زیست هرکس روی آسائش ندید   وای برحالِ زبونِ او چرا مرگش ندید

هزاران سجده از بهر ضرورت   گهی یک سجدۂ بی احتیاجی

پاره های نامه ام در دستِ اوست   یک چه قاصد صد جواب آورده است

سلام ای شهِ هر دوسرا سلام علیک   سلام بادشهه هل اتی سلام علیک
رسد بتو ز من بی نوا سلام علیک   مکینِ سدرۂ عرشِ خدا سلام علیک

اخبارات، کتابیات ورسالہ جات

(برائے مقدمہ)

۱ آئینۂ ترہت، بہاری لال فطرت، حصہ دوم ص۔۱۰۶، مطبع نامی گرامی ۱۸۸۳ء

۲ آئینۂ شعرائے بہار، ڈاکٹر خواجہ افضل امام، ناشر دار الادب، بہارستان، سلطان گنج، پٹنہ

۳ اردو صحافت بہار میں، ڈاکٹر سیّد احمد قادری، مطبع الائیڈ پرنٹنگ سروس دہلی ۲۰۰۳ء

۴ ادراک گوپال پور، مرکز تحقیقات اردو وفارسی، گوپال پور سیوان، پروفیسر سیّد حسن عباس، شمارہ۔۴

۵ اخبار ''الپنچ''، بانکی پور پٹنہ کی محفوظ فائلیں، خدا بخش لائبریری پٹنہ

۶ بہار کے چند اردو اخبارات ورسائل، ڈاکٹر سیّد احمد قادری، مطبع درج نہیں ہے۔

۷ بہار میں اردو طنز وظرافت، سلطان آزاد، مکتبۂ آزاد، پٹنہ ۱۹۸۹ء

۸ بہار میں اردو زبان وادب کا ارتقا، سیّد اختر اورینوی، مطبوعہ لیبل لیتھو پریس، پٹنہ ۱۹۵۷ء

۹ تاریخ سلسلۂ فردوسیہ، معین الدین دردائی، مطبوعہ تاج پریس، گیا ۱۹۶۲ء

۱۰ تذکرہ بزم شمال، جلد اوّل، شاداں فاروقی، شعرستان، نور الحسن لین، دربھنگہ

۱۱ تذکرۂ مسلم شعرائے بہار، جلد دوّم، حکیم سیّد احمد اللہ ندوی، پیر الٰہی بخش کالونی، کوارٹر نمبر ۸۹۵، کراچی۔۵

۱۲ تذکرۂ حضرت مولانا فضلِ رحمٰن گنج مُرادآبادی سیّد ابوالحسن علی ندوی، تنویر برقی پریس لکھنؤ

۱۳ ترجمان، جابر حسین، اردو مرکز عظیم آباد، پاکیزہ آفسیٹ، پٹنہ، نومبر ۱۹۹۹ء

۱۴ چند اہم اخبارات ورسائل، قاضی عبدالودود، مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ، دہلی ۱۹۹۳ء

۱۵ حقیقت بھی کہانی بھی، سیّد بدالدین احمد، پاکیزہ آفسیٹ، شاہ گنج، پٹنہ ۲۰۰۳

۱۶ حیاتِ سرمد، ابوالکلام آزاد، تنویر پبلشرز لکھنو

۱۷ خمخانۂ جاوید، جلد سوم، لالہ سری رام، مطبع دلّی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء

۱۸ دیوانِ تحیر، خواجہ سیّد نصیر حسن، نظامی پریس شاہی املی سیٹی، پٹنہ ۱۳۴۲ھ

۱۹ دیوان سعادت، باہتمام مولوی شید شاہ ابوالخیر مظہر عالم تحیر دربھنگوی، اڈیٹر اخبار الپنچ بانکی پور (پٹنہ) مطبع نامی منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۷

۲۰ دبستانِ عظیم آباد کا گلِ سرسبد حفیظ عظیم آبادی، سید شاہ قیام الدین نظامی، فیِر فین پرنٹر، کراچی ۲۰۱۰ء

۲۱ رفتگاں وقائماں، پروفیسر عبدالمنّان طرزی، نرالی دنیا پبلی کیشنز، نئی دہلی ۲۰۰۱ء

۲۲ سیّد سعادت علی خاں، پروفیسر عبدالمنّان طرزی، مطبع عفیف، دہلی ۲۰۱۴

۲۳ سیرت مولانا سیّد محمد علی مونگیری، سیّد محمد الحسنی، مکتبہ دار العلوم ندوۃ العماء لکھنؤ ۱۹۶۴ء

۲۴ علّامہ شوق نیموی، حیات وخدمات، ڈاکٹر محمد عتیق الرحمٰن قاسمی، مطبع کراؤن آفسیٹ، سبزی باغ، پٹنہ ۲۰۰۶

۲۵ وفیاتِ مشاہیرِ بہار، ڈاکٹر سیّد شاہد اقبال، اصیلہ آفسیٹ، نئی دہلی ۲۰۰۰۰ء

۲۶ ہندوستانی کا مسئلہ، انجمن ترقی اردو صوبہ بہار کی مقرر کردہ سب کمیٹی کی رپورٹ، برقی پریس، سبزی باغ، پٹنہ

۲۷ یادگارِ وطن، ابوالخیر محمد ظہیر احسن صاحب شوق نیموی، قومی پریس لکھنؤ

☆☆☆

مرتب کے بارے میں

افتخار احمد نام ہے، تخلص بھی افتخؔار ہے، اس طرح انہیں افتخار احمد افتخؔار کہا جا سکتا ہے۔ ان کی پیدائش ۵/فروری ۱۹۷۱ کو ضلع مدھوبنی، آنچل پندول کے ایک مشہور گاؤں مکرم پور میں ہوئی۔ مکرم پور کی شہرت اس وجہ سے ہے کہ یہاں کے باشندوں نے ہندوستان چھوڑو تحریک میں بھرپور حصّہ لیا تھا۔ افتخار احمد کے دادا شیخ محمد سلیم کسان تھے اور گاندھی جی کی تحریک سے وابستہ تھے۔ اسی گاؤں کے شیخ مطیع الرحمٰن اور ان کے دوست جامن سینگہ کو جیل کی سزا کاٹنی پڑی تھی۔ شیخ سلیم کو علم سے خاص لگاؤ تھا یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے اکلوتے فرزند کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنے گھر پر مستقل استاد ماسٹر عبدالسلام کو رکھا۔

افتخار احمد اپنے والدین شبیر احمد و عدیلہ خاتون کی بڑے بیٹے ہیں۔ پانچ سال کی عمر میں والدین کے ہمراہ کلکتہ چلے گئے اور مدرسہ عظمیہ میں قاعدہ بغدادی کے لیے بیٹھایا گیا۔ پھر خضر پور پرائمری اسکول، مولانا محمد علی ہائی مدرسہ، محمد جان ہائی اسکول اور مولانا آزاد کالج کلکتہ سے بی۔اے۔ کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعیہ، ملیّہ اسلامیہ، دہلی پہنچے جہاں سے انھوں نے ایم، اے۔ بی، ایڈ اور فارسی زبان و ادب کے حوالے سے جونپور کے سلاطینِ شرقیہ کے عنوان کے تحت پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی۔

افتخار احمد بی۔ ایڈ سے فراغت کے پانچ ماہ بعد ہی ۱۹۹۶ میں مغربی بنگال پبلک سروس کمیشن کے تحت، انگریز سرکار کی قائم کردہ ہندوستان کی پہلی اسلامی درسگاہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں اسسٹنٹ ماسٹر ان پرشین مقرر ہوئے اور ۱۷/جون ۱۹۹۶ سے معلّمی کے فرائض انجام دینے

لگے۔ فارسی زبان و ادب کی تدریس کے لیے جدید طریقے کے ساتھ ایک کتاب بنام ’گلبانگِ فارسی‘ لکھی۔ کتاب کا کئی اڈیشن شایع ہوا، حتی کہ دارالعلوم دیوبند نے اس کتاب کی پانچ سو کاپیاں خریدیں۔ ۲۰۰۸ میں افتخار احمد نے پھر سے بنگال پبلک سروس کمیشن کا امتحان دیا اور کلکتہ کے مولانا آزاد کالج، کے شعبۂ فارسی میں اسسٹنٹ پروفیسر کی حیثیت سے تقرری پائی اور ترقی پا کر ایسوسی ایٹ پروفیسر ہوئے۔ یکم جنوری ۲۰۱۳ سے ۷/اگست ۲۰۲۳ تک صدر شعبہ فارسی رہے۔ ۸/اگست ۲۰۲۳ کو مولانا آزا نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد کے شعبۂ فارسی میں بطور ایسوایٹ پروفیسر جوائن کیا ہے۔

افتخار احمد کا شمار فارسی زبان و ادب کے اچھے اساتذہ میں ہوتا ہے۔ تقریباً بیس بنگالی اساتذہ نے ان سے فارسی سیکھی اور فارسی کی کتاب یا اس کے کچھ حصوں کو بنگلہ اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کیا ہے جن میں شیخ سعدی کی گلستان، خطباتِ ٹیپو سلطان اور مثنوی مولوی معنوی وغیرہ اہمیت کے حامل ہیں۔

افتخار احمد بیشتر فارسی زبان میں لکھتے ہیں۔ ان کی شائع شدہ کتابوں میں ’گلبانگ فارسی‘ کے علاوہ ’نقش ہائے رنگ رنگ‘ ۲۰۱۳ بہت مقبول ہوئیں جس کا دوسرا اڈیشن بھی منظر عام پر آچکا ہے۔ وہ انجمنِ آسیائی کلکتہ کے تاحیاتی رکن، انجمنِ ایران کلکتہ کے اسسٹنٹ جنرل سکریٹری و کاؤنسل ممبر، آل انڈیا طبّی کانگریس کے اعزازی ممبر، آل انڈیا پرشین ٹیچرس ایسوسی ایشن کے رکن اور اس طرح کی بہت سی دیگر انجمن سے وابستہ ہیں۔

ڈاکٹر احمد کو پچاس سے زیادہ بین الاقوامی یا بین الملّی سمیناروں میں شرکت کرنے کا شرف حاصل ہے اور کم و بیش اتنے ہی مقالے ہندوستان کے اردو، فارسی اور انگریزی کے موقر جرائد و رسائل میں شایع ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر افتخار احمد کے زیر ادارت ایک طبّی رسالہ ’حکمت بنگالہ‘ جسے آل انڈیا طبّ یونانی کانگریس کی سرپرستی حاصل ہے، گزشتہ پانچ برسوں سے نکل رہا ہے۔ ۱۹۹۹ میں بہترین ادارت کے لئے تنظیم ہٰذا نے انعام سے نوازا۔ یہ انعام ایک پروقار تقریب میں مغربی بنگال کے گورنر آنجہانی کیسری ناتھ ترپاٹھی صاحب کے ہاتھوں ڈاکٹر افتخار احمد کو دیا گیا۔